سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ کی

انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون کا اردو ترجمہ

اُمّ السِیَر

مع اضافات

سیرۃ حلبیہ اردو

مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیرِ سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ کی مایہ ناز عربی تصنیف کا اردو ترجمہ

اُمّ السیر

سیرۃ حلبیہ اردو

مع اضافات

۳
جلد دوم
نصف اول

مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون 2631861

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : مئی ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : ۴۲۹ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……… ملنے کے پتے ………

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست عنوانات سیرت حلبیہ اردو جلد دوم

باب سی و چہارم (۳۴)

عرب کے قبیلوں سے آنحضرت ﷺ کی امداد و حمایت خواہی

آنحضرت ﷺ جو پیغام حق لے کر تشریف لائے تھے اس کو پھیلانے اور اس کی تبلیغ عام کے سلسلے میں اب آپ نے عرب قبیلوں سے رابطہ قائم فرمایا اور ان کی حمایت اور ان سے امداد حاصل کرنے کی کوشش فرمائی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں تین سال تک آپ نے اپنی رسالت اور پیغمبری کو پوشیدہ رکھا پھر جیسا کہ بیان ہوا چوتھے سال میں آپ نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اور مکہ میں دس سال تک لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے یہ دس سال دس حج کے زمانوں کے لحاظ سے ہیں کہ ہر سال جب عرب کے قبائل حج کے لئے مکہ آتے تو آپ ان کے گھروں یعنی منیٰ اور عرفات کے میدانوں میں ان کے ٹھکانوں پر تشریف لے جاتے۔ آپ وہاں ایک ایک قبیلے کے متعلق معلومات کرتے، پھر ان کے ٹھکانوں کا پتہ معلوم فرماتے، ادھر حج سے پہلے مکہ میں جو میلے یعنی عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز ہوا کرتے تھے ان میں جاتے۔

عرب کے میلے...... ان میلوں کے متعلق یہ بیان پہلے گزر چکا ہے کہ عرب کے قبائل ہر سال جب حج کے لئے مکہ آتے تو وہ ایسے وقت آتے کہ شوال کے مہینے میں عکاظ کے میلے میں ٹھہرتے پھر وہاں سے مجنّہ کے میلے میں آتے اور بیس دن یہاں ٹھہرتے، اس کے بعد ذوالمجاز کے میلے میں آتے اور حج تک یہاں ٹھہرتے۔

غرض آنحضرت ﷺ ان میلوں میں جا کر عرب کے مختلف قبیلوں اور ان کے سرداروں سے ملتے اور ان سے گفتگو فرماتے کہ وہ آپ کی حمایت اور بچاؤ کریں تاکہ آپ ﷺ لوگوں تک اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں۔

قبائل سے ملاقاتیں اور ابولہب سے دشمنی...... چنانچہ حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عرفات کے میدان میں لوگوں سے ملاقات فرماتے اور ان سے کہتے،۔

"کیا کوئی شخص اپنی قوم کی حمایت مجھے پیش کر سکتا ہے۔ کیونکہ قریش کے لوگ مجھے اپنے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں۔"

ایک دوسرے صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے مدینہ کو ہجرت کرنے سے پہلے دیکھا کہ آپ منیٰ کے میدان میں لوگوں کے ٹھکانوں پر تشریف لے جاتے اور ان سے فرماتے،۔

"لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔"

اسی وقت میں دیکھا کہ آپ کے پیچھے بھی ایک شخص ہے جو فوراً ہی یہ کہتا ہے،۔
"لوگو! یہ شخص چاہتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دو۔"
میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ دوسرا شخص کون ہے تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا چچا ابولہب ہے۔

حضرت ابو طارق سے ایک روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ذوالمجاز کے میلے میں عرب کے قبیلوں کے پاس جاتے اور ان سے ملتے ہوئے دیکھا۔ آپ ان لوگوں سے جا کر فرماتے،
"لوگو! لا اله الا الله کہہ کر فلاح اور بہتری حاصل کرو۔"
ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ آپ کے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے جس کا سینہ ابھرا ہوا ہے وہ آنحضرت ﷺ پر پتھر مار رہا ہے۔ جس سے آپ کا پیر زخمی ہو گیا، وہ شخص لوگوں سے کہہ رہا ہے،
"لوگو! اس شخص کی بات ہرگز مت سنو کیونکہ یہ جھوٹا ہے۔"
"میں نے آپ کے متعلق لوگوں سے پوچھا تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ایک نوجوان ہے۔"
پھر میں نے پوچھا کہ یہ دوسرا شخص کون ہے تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ آپ کا چچا عبدالعزیٰ یعنی ابولہب ہے۔

سیرت ابن ہشام میں ایک صحابی نے روایت بیان کی ہے کہ نوجوانی کی عمر میں ایک مرتبہ میں اپنے والد کے ساتھ منیٰ کے میدان میں ٹھہرا ہوا تھا اس وقت آنحضرت ﷺ عرب کے قبیلوں کے خیموں اور ٹھکانوں میں تشریف لے جاتے اور ان سے فرماتے،
"اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف خدا کا رسول اور پیغمبر بن کر آیا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ جانو، اس کے سوا تم جس چیز کو بھی پوجتے ہو اس کو اور اس گمراہی کو چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لاؤ، میری نبوت کی تصدیق کرو اور میری حمایت و حفاظت کرو تاکہ حق تعالیٰ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا ہے میں اس کو پھیلا دوں۔"
(قال) اسی وقت میں نے دیکھا کہ آپ کے پیچھے ایک سرخ و سفید اور خوبصورت آدمی کھڑا ہوا تھا جس نے ایک عدنی حُلّہ پہنا ہوا تھا، جیسے ہم آنحضرت ﷺ نے اپنی بات ختم فرمائی اس شخص نے فوراً کہا
"اے بنی فلاں! یہ شخص چاہتا ہے کہ تم لات اور عزیٰ جیسے معبودوں سے تو منہ موڑ لو اور اس کے مقابلہ میں جو نئی باتیں اور گمراہی یہ لے کر آیا ہے اس کو مان لو، اس لئے تم لوگ ہرگز اس شخص کی بات پر توجہ مت دینا اور نہ اس کی بات سننا۔"
میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جو اس پہلے شخص کی بات کو جھٹلا رہا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ پھر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ ابن عبدالمطلب یعنی ابولہب ہے۔

ناکامیاں...... ابن اسحاق نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ عرب قبیلوں کی حمایت اور مدد حاصل کرنے کے سلسلے میں قبیلۂ کندہ اور قبیلۂ کلب کے کچھ خاندانوں کے پاس گئے۔ ان لوگوں کو بنی عبداللہ کہا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ عبداللہ کا نام رکھے جانے کے سلسلے میں اس کے ساتھ خیر فرمائی۔"

کیونکہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ غرض اس کے بعد آپ نے ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور ان کی جماعت و مدد حاصل کرنے کی کوشش فرمائی مگر انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

اسی طرح آپ ﷺ بنی حنیفہ اور بنی عامر ابن صعصعہ کے لوگوں سے ملے اور ان سے بات کی۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا،

"اگر ہم آپ کی بات مان کر آپ کی حمایت کا معاہدہ کر لیں اور آپ کی پیروی قبول کر لیں اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو آپکے مخالفوں پر فتح عطا فرمادے تو کیا آپ کے بعد یہ سرداری اور حکومت ہمارے ہاتھوں میں آجائے گی؟"

آپ نے فرمایا،

"سرداری اور حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہے اس کو سونپ دیتا ہے۔"

اس پر اس شخص نے کہا،

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ ہم آپ کی حمایت میں عربوں سے لڑیں۔" ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ کیا ہم آپ کے لئے عربوں کے تیروں سے اپنے سینے چھلنی کرائیں، اپنی گردنیں کٹوائیں اور پھر جب آپ کامیاب ہو جائیں تو سرداری اور حکومت دوسروں کو ملے۔ نہیں ہمیں آپ کی ایسی حکومت اور سرداری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

بنی عامر کے شیخ کا پچھتاوا...... اس طرح ان لوگوں نے بھی آپ کو صاف جواب دے دیا۔ اس کے بعد بنی عامر کے یہ لوگ واپس اپنے وطن چلے گئے۔ یہاں ان میں ان کی قوم کا ایک بوڑھا شخص بھی تھا جس کی عمر بہت زیادہ تھی اور وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ اپنی قوم کے ساتھ حج کے لئے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ جب یہ لوگ اس سے ملے تو اس نے ان سے حج اور میلوں کے حالات پوچھے۔ اس وقت ان لوگوں نے اس بوڑھے سے آنحضرت ﷺ کا واقعہ بھی بتایا اور کہا،

"ہمارے پاس قریش کا ایک نوجوان آیا تھا جو عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہے۔ اس شخص کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہم سے درخواست کی کہ ہم اس کی حمایت کا معاہدہ کر لیں اس کا ساتھ دیں اور اسے اپنے یہاں لے آئیں۔"

یہ سنتے ہی یہ بوڑھا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بے چینی کے ساتھ کہنے لگا،

"اے بنی عامر! کیا اس غلطی کا کوئی تدارک بھی ہو سکتا ہے؟ کیا تمہاری اس بھول کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں فلاں کی جان ہے کہ اسماعیلؑ کی اولاد میں جو شخص یہ دعویٰ یعنی نبوت کا اعلان کر رہا ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا، وہ سچا ہے چاہے اس کی سچائی تمہاری عقل میں نہ آسکے۔"

اسی طرح واقدی نے روایت بیان کی ہے کہ اسی سلسلے میں آنحضرت ﷺ بنی عبس، بنی سلیم و غسان، بنی محارب و فزارہ، بنی نضر و بنی مرّہ، بنی عذرہ اور حضارمہ کے خاندانوں سے ملے۔ مگر یہ لوگ آپ کو اس سے بھی زیادہ برے جواب دے کر مایوس کرتے رہے۔ ان لوگوں کی طرف سے آپ کو اس طرح کا جواب ملتا تھا۔

"آپ کا گھرانہ اور آپ کا خاندان آپ کے متعلق زیادہ جانتا ہے اسی لئے انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی۔"

عرب قبیلوں میں سے جنکی طرف سے آپ کو سب سے زیادہ برا اور تکلیف دہ جواب ملا ان میں سے ایک تو بنی حنیفہ کا قبیلہ تھا یہ لوگ یمامہ کے علاقہ کے رہنے والے تھے اور اسی قوم کے تھے جس کا مسیلمہ کذاب تھا (جس نے خود اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا) ان لوگوں کو بنی حنیفہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ پچھلی پشتوں میں ان کی ماں کو حنیفہ کہا جاتا تھا) خود اس عورت کو حنیفہ کہنے کا سبب یہ تھا کہ اس عورت کے ایک پیر میں "حنف" یعنی ٹیڑھا پن تھا۔

بد ترین قبیلے ...... اسی طرح بد ترین جواب دینے والا دوسرا قبیلہ بنی ثقیف تھا (یہ بنی ثقیف کا قبیلہ وہی طائف کا قبیلہ ہے جس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے) چنانچہ ان دونوں قبیلوں کے بارے میں حدیث میں آتا ہے۔

"عرب کے بد ترین قبیلے بنی ثقیف اور بنی حنیفہ ہیں۔"

ایک دلچسپ مکالمہ ...... اسی طرح ایک روز آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ عربوں کی ایک مجلس میں پہنچ گئے یہاں پہنچ کر حضرت ابو بکرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے ان لوگوں کو سلام کر کے ان سے پوچھا کہ آپ کون لوگ ہیں یعنی کس کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا ربیعہ کی اولاد ہیں۔ حضرت ابو بکر نے پوچھا کہ ربیعہ کی اولاد میں کس شاخ سے آپ کا تعلق ہے، آیا اس کی بلند مرتبہ شاخ سے ہو یا معمولی شاخ سے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ اس کے ہامہ عظمیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کہ ہامہ عظمیٰ میں کس شخص کی اولاد ہو (یعنی آیا ہامہ عظمیٰ میں بھی بہترین شخص کی اولاد ہو یا نہیں) انہوں نے کہا کہ ہاں اس بلند مرتبہ شاخ میں بھی ہمارا تعلق ذہل اکبر سے ہے۔ اب حضرت ابو بکرؓ نے کہا،

"کیا فلاں شخص جو حفاظت کے قابل چیزوں اور پڑوسیوں کی حفاظت کرنے والا تھا تم ہی میں سے تھا؟"

انہوں نے کہا نہیں! پھر حضرت ابو بکر نے کہا۔

کیا فلاں شخص جو بڑے بڑے بادشاہوں کو قتل کرنے والا اور ان پر غالب آنے والا تھا تم ہی میں سے تھا؟

انہوں نے کہا نہیں۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"کیا فلاں شخص جس کے عمامے کی یکتائی مشہور ہے تم ہی میں سے تھا؟"

انہوں نے کہا نہیں۔ اب حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"تب تم ذہل اکبر یعنی بنی ربیعہ کی اس بلند مرتبہ شاخ میں سے نہیں ہو بلکہ ذہل اصغر میں سے ہو۔"

اس پر ان لوگوں میں سے ایک نوجوان لڑکا اٹھا جس کی مسیں ابھی بھیگ رہی تھیں۔ اس نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا،

"اب ضروری ہے کہ اپنے سوال کرنے والے سے ہم بھی کچھ پوچھیں۔ اجنبی! تم نے ہم سے بہت کچھ پوچھا اور ہم نے صحیح صحیح جواب دیئے اب بتاؤ کہ تم خود کس قبیلے سے ہو۔"

حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ میں قبیلۂ قریش سے ہوں۔ اس پر اس نوجوان نے کہا،

"واہ۔ واہ۔ تب تو تم بڑے اونچے لوگوں اور سرداروں میں سے ہو۔ تم قریش کی کس شاخ سے ہو؟"

حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ میں تیم ابن مُرّہ کی اولاد میں ہوں۔ اس پر اس نوجوان نے کہا،

"ٹھیک ہے۔ کیا قصی نامی شخص جس کو قریش کا مورث اعلیٰ کہا جاتا ہے تم ہی میں سے تھا؟"
حضرت ابو بکر نے کہا نہیں۔ پھر اس نے کہا،
"کیا ہاشم نامی شخص جس نے اپنی قوم کے لئے سب سے پہلے ثرید کھانا تیار کیا تھا تم ہی میں سے تھا؟"
حضرت ابو بکرؓ نے کہا نہیں۔ پھر اس نے کہا،
"کیا شیبۃ الحمد یعنی عبدالمطلب جو پرندوں کے گوشت سے لوگوں کی تواضع کیا کرتا تھا اور جس کا چہرہ اندھیری رات میں چاند کی طرح چمکتا تھا، تم ہی میں سے تھا؟"
حضرت ابو بکرؓ نے کہا نہیں!۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی اونٹنی کی لگام کھینچی اور واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔ یہاں انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ سوال جواب سنائے جس پر آپ ﷺ مسکرا اٹھے حضرت علیؓ نے یہ سن کر کہا،
"آپ کسی بہت ہی چالاک[1] دیہاتی کے پھیرے میں آگئے۔"
حضرت ابو بکر نے کہا،
"بے شک ابوالحسن! دنیا میں ہر قیامت یا ذہانت پر ایک اس سے بھی بڑی ذہانت موجود ہے۔ بولنے کی طاقت کے ساتھ ہی بلائیں لگی ہیں۔"
اس دیہاتی نوجوان نے حضرت ابو بکرؓ سے جو سوالات پوچھے وہ حقیقت میں صرف حضرت ابو بکرؓ کو نیچا دکھانے اور اپنا بدلہ اتارنے کے لئے تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس نے جن جن لوگوں کا نام لے کر پوچھا ان کے بارے میں سب ہی جانتے تھے کہ وہ لوگ تیم ابن مُرّہ کی اولاد میں سے نہیں تھے۔ (بلکہ یہ سب آنحضرت ﷺ کے باپ دادا تھا) اور جیسا کہ بیان ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کا نسب مُرّہ پر جاکر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے اور مُرّہ قصّی کا دادا ہے۔ اس طرح گویا اس نوجوان کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے نسب میں بھی یہ معزز اور بڑے بڑے مشہور لوگ نہیں ہیں جیسا کہ تم نے ابھی کہا تھا کہ ہمارے نسب میں فلاں فلاں مشہور اور معزز لوگ شامل نہیں ہیں (یعنی جیسے تم نے ابھی ہماری کمزوریاں گنائی تھیں ایسے ہی تمہارے نسب میں بھی کمزوریاں ہیں)۔
<u>بنی ثعلبہ کا امید افزا جواب</u>...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ کی ملاقات قبیلہ شیبان ابن ثعلبہ کی ایک جماعت سے ہوئی۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا شیبان ابن ثعلبہ سے۔ حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے،
"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ یہ اپنی قوم کے معزز اور سردار لوگ ہیں اور ان میں مفروق ابن عمرو، ہانی ابن قبیصہ، مثنیٰ ابن حارثہ اور نعمان ابن شریک بھی ہیں۔"
یہ مفروق ابن عمرو اپنی قوم میں سب سے زیادہ حسین و جمیل شخص تھا جس کی پیشانی کشادہ اور روشن تھی۔ ساتھ ہی یہ سب سے زیادہ فصیح اور بہترین کلام کرنے والا تھا، یہ مفروق اس مجلس میں حضرت ابو بکرؓ کے بالکل قریب بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے مفروق سے کہا،

[1] یہاں ذو دھاء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دھاء ایک پرندے کو بھی کہتے ہیں جو اڑتے وقت اپنے دائیں بائیں جھولتا ہوا اڑتا ہے (اور اس طرح اپنے آپ کو شکاری سے بچاتا ہوا ہوشیاری کے ساتھ چلتا ہے)

"آپ کے قبیلے کے آدمیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

مفروق نے کہا،

"ہم لوگوں کی تعداد ایک ہزار سے کچھ اوپر ہے مگر تعداد کی اس کمی سے ہم کو شکست نہیں دی جا سکتی۔"

اسی طرح کا جملہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا تھا کہ بارہ ہزار کے لشکر کو تعداد کی کمی کی وجہ سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی تھی جب آپ نے بنی ہوازن سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ اس وقت آپ کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہی تھی جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

غرض مفروق کا جواب سن کر حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا،

"آپ لوگ اپنی حفاظت کس حد تک کر لیتے ہیں؟"

مفروق نے کہا،

"ہمارا کام کوشش کرنا اور اپنی بھرپور طاقت استعمال کرنا ہے آگے ہر قوم کا نصیب ہے۔"

یعنی ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم جدوجہد اور کوشش کریں فتح حاصل کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے بلکہ فتح و کامیابی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرمادے۔!"

اب حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کہ پھر تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان لڑائی ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ کیا رہتا ہے؟ مفروق نے کہا،

"جب ہم دشمن سے ٹکراتے ہیں تو سب سے زیادہ پُرجوش اور غضب ناک ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب ہمیں غصہ دلایا جاتا ہے تو ہم دشمن سے ٹکرانے کے لئے سب سے زیادہ مشتاق ہوتے ہیں۔ ہم لوگ اولاد کے مقابلے میں جنگی گھوڑوں کو پسند کرتے ہیں اور دودھ دینے والی اونٹنیوں کے مقابلے میں ہتھیاروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ جہاں تک فتح کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کبھی وہ ہمیں فتح دے دیتا ہے اور کبھی ہم پر دشمن کو فتح دے دیتا ہے۔ شاید آپ قریشی ہیں؟"

حضرت ابو بکرؓ نے کہا،

"کیا تم لوگوں تک یہ خبر پہنچی ہے کہ اسی قبیلہ قریش میں رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے ہیں؟"

مفروق نے کہا،

"ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ مگر اے قریشی بھائی! تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو۔"

اسی وقت آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور آپ ﷺ نے فرمایا،

"میں اس چیز کی طرف بلاتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم میری حمایت اور حفاظت کرو کیونکہ قریش کے لوگ اللہ کے دین کے مخالف ہوگئے ہیں اور اس کے رسول کو جھٹلا رہے ہیں وہ لوگ حق کو چھوڑ کر باطل چیزوں اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔"

مفروق نے کہا،

کلام الٰہی کا اثر...... "اے قریشی بھائی! اس کے علاوہ آپ کا پیغام کیا ہے؟ جس کی طرف آپ لوگوں کو بلاتے ہیں،"

اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پاک اس کے جواب میں تلاوت فرمائی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اِلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ،نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورۂ انعام پ ۸ ع ۵ آیت ۱۵۱)

آپ ان سے کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ (۲) اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو (۳) اور اپنی اولاد کو افلاس (یعنی غربت) کے سبب قتل مت کیا کرو۔ ہم ان کو اور تم کو رزق (مقدر) دیں گے (۴) اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں انکے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں (۵) اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر۔ اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔"

یہ کلام سن کر مفروق نے کہا

"یہ کسی زمین والے کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کلام کسی زمین والے کا ہوتا تو ہم اس کو ضرور جانتے ہوتے۔"

اس کے بعد پھر مفروق نے کہا،

"اے قریشی بھائی! اس کے علاوہ آپ اور کن چیزوں کی طرف بلاتے ہیں،"

اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ . تا . لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (سورۂ نحل پ ۱۴ ع ۱۸ آیت ۹۰)

"بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو"

اس آیت کے بارے میں علامہ عزّ ابن عبدالسلام نے کہا ہے کہ اس میں شریعت کے تمام احکام آگئے ہیں چنانچہ انہوں نے فقہ کے مسائل کے ہر باب میں اس آیت کو بیان کیا ہے اسی پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام شجرہ رکھا ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ کا یہ جواب سن کر مفروق نے کہا،

"خدا کی قسم آپ اونچے اخلاق اور بہترین اعمال کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ لوگ حقیقت میں حق اور سچائی کو نہیں دیکھ سکے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے مقابلے میں آکر ہو گئے۔"

مفروق کی خواہش ہوئی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اپنی سے گفتگو میں ہانی ابن قبیصہ کو بھی شریک کر لے چنانچہ اس نے کہا،

"یہ ہمارے بزرگ اور دینی پیشوا ہانی ابن قبیصہ ہیں۔"

<u>نیک جواب</u>...... اس تعارف کے بعد اب ہانی نے آنحضرت ﷺ سے کہا،

"اے قریشی بھائی! ہم نے آپ کی بات سن لی۔ میری رائے ہے کہ ہم اپنا دین چھوڑ دیں لیکن اس کے لئے ایک مجلس ہو جس میں آپ ہمارے ساتھ آکر بیٹھیں تاکہ کسی شخص کی رائے میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور انجام کار کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ کیونکہ رائے کی کمی جلدی کی وجہ سے ہی ہوتی ہے پھر یہ کہ ہمارے علاوہ قوم

کے دوسرے لوگ بھی ہیں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں، اس لئے اس وقت تو ہم بھی واپس جاتے ہیں اور آپ بھی واپس چلے جائیے تاکہ ہم بھی سوچ سمجھ لیں اور آپ بھی انتظار کیجئے۔"

اس شیخ کے انداز سے بھی یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے قبیلے کے ایک دوسرے شخص مثنی ابن حارثہ کو بھی اس گفتگو میں شریک کرنا چاہتا ہے (یہ مثنی وہاں موجود تھے) چنانچہ ہانی ابن قبیصہ نے آنحضرت ﷺ سے (مثنی کا تعارف کراتے ہوئے) کہا،

"یہ مثنیٰ ابن حارثہ ہیں ہمارے بزرگ اور جنگوں میں زبردست سر فروش ہیں۔"

اب مثنیٰ نے آنحضرت ﷺ سے کہا،

"قریشی بھائی! ہم نے آپ کی بات سن لی۔ اس وقت آپ کو میرا جواب بھی وہی ہے جو ہانی ابن قبیصہ نے دیا ہے کہ ہم اپنے دین کو چھوڑ کر آپ کے دین کو ایک ایسی مجلس میں قبول کرنا چاہتے ہیں جس میں آپ ہمارے پاس بیٹھیں اور اس طرح کسی شخص کو بھی کوئی تردد اور پس و پیش نہ رہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم عرب علاقے میں عربوں کے مقابلے میں آپ کی مدد اور حمایت کریں تو ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں مگر ہم ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہتے جس سے کسریٰ فارس کی مخالفت ہو کیونکہ کسریٰ نے ہم سے ایک معاہدہ لیا ہوا ہے کہ ہم نہ تو کوئی نئی بات خود کریں گے اور نہ کسی نئی بات کرنے والے کی حمایت کریں گے۔ مگر میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ جس کی آپ دعوت دے رہے ہیں ایسا ہی معاملہ ہے جس کو بادشاہ اور سلاطین پسند نہیں کریں گے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"تم نے کوئی برا جواب نہیں دیا کیونکہ تم نے سب کچھ صحیح صحیح کہہ دیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے دین کا معاملہ ہے تو اس کی مدد وہی شخص کر سکتا ہے جو اس کو ہر طرح اور مکمل طریقے پر مان لے۔ تم نہیں جانتے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ ان بادشاہوں کی سلطنتیں، سر زمین اور مال و دولت تمہیں عطا فرمادے گا اور ان کی عورتوں کو تمہارے لئے حلال فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی عظمت بیان کیا کریں گی۔"

اس پر نعمان ابن شریک نے کہا،

"یقیناً ہم آپ کو وعدہ دیتے ہیں۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا (سورۂ احزاب پ ۲۲، ع ۱ آیت ۴۵تا۴۷)

"اے نبی ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کو) بشارت دینے والے ہیں اور کفار کو ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں اور مومنین کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے"

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے اٹھ کر واپس آگئے اور وہ لوگ بھی چلے گئے جہاں تک ان تینوں کا تعلق ہے جنہوں نے یہاں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی تھی ہم ان میں سے کسی کے اسلام قبول کرنے نہ کرنے سے واقف نہیں ہیں۔ البتہ صحابہ میں ایک شخص ہیں جن کا نام مثنیٰ ابن حارثہ شیبانی ہے یہ اپنی قوم کے مشہور شہسوار و جانباز، ان کے سردار اور بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اب ممکن ہے کہ وہ مثنی ابن حارثہ یہی شخص

ہوں کیونکہ ہانی ابن قبیصہ نے ان کا تعارف کراتے ہوئے یہ کہا تھا کہ یہ ہمارے مشہور سر فروش ہیں۔
بعض علماء نے نعمان ابن شریک کے بارے میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ان کا وفد کی صورت میں آنا ثابت ہے۔ لہذا اس بنیاد پر یہ بھی صحابہ میں شمار کئے جائیں گے۔ اسی طرح کتاب اسد الغابہ میں مفروق ابن عمرو کے بارے میں ہے کہ یہ صحابہ میں سے ہے۔ مگر ابو نعیم کا یہ قول بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مفروق کے اسلام کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔
غرض اسی طرح قبیلہ بکر ابن وائل کے لوگ اسی زمانے میں حج کے لئے مکے آئے (تو آنحضرت ﷺ ان سے ملے اور) آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ ان کو میرے پاس لاؤ اور مجھ سے ملواؤ۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ ان کو لے کر آئے۔ آنحضرت ﷺ ان سے ملے اور فرمایا۔
"آپ ﷺ لوگوں کی یعنی آپ کے قبیلے کے لوگوں کی تعداد کتنی ہے ؟"
انہوں نے کہا بہت کم۔ آپ نے پوچھا کہ پھر تم لوگ اپنی حفاظت کس طرح کرتے ہو ؟ انہوں نے کہا
"ہم اپنی کوئی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے ہم نے فارس والوں کی پناہ حاصل کر رکھی ہے۔ اسی لئے ہم نہ فارس کے دشمنوں کی حمایت کرتے ہیں اور نہ ان کے کسی دشمن کو پناہ دیتے ہیں"
آپ ﷺ نے فرمایا،
"تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو اپنا محافظ بنالو کہ وہ تمہیں اس وقت تک باقی رکھے جب تک کہ تم فارس والوں کی سر زمین پر پہنچو، ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے مردوں کو اپنا غلام بناؤ۔ اس کے لئے تم تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کی تسبیح پڑھو، تینتیس مرتبہ الحمد للہ کی تسبیح پڑھو اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کی تسبیح پڑھو۔"
ابو لہب کی در اندازیاں...... یہ سن کر ان لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،
"میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"
اسی وقت یہاں سے ابو لہب کا گزر ہوا۔ ان لوگوں نے ابو لہب سے کہا،
"کیا تم اس شخص کو جانتے ہوں"
ابو لہب نے کہا، ہاں۔ اب ان لوگوں نے وہ ساری بات ابو لہب کو بتلائی اور آنحضرت ﷺ نے ان کو جو دعوت دی تھی اس کا ذکر کر کے کہا کہ محمد کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر ابو لہب نے کہا،
"اس کی باتوں میں ہر گز مت آجانا وہ تو (معاذ اللہ) دیوانہ ہے اور دیوانگی میں ہی اس طرح کی باتیں کرتا ہے"
اس پر ان لوگوں نے بھی ابو لہب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا،
"جب اس شخص نے فارس کے متعلق باتیں کیں تو ہم نے بھی اس کے بارے میں یہی اندازہ لگایا تھا"
آپ ﷺ کے نام کا نعرہ اور اس کی برکت...... ایک روایت میں یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے یہ گفتگو فرمائی تو انہوں نے کہا،
"ہم اپنے بزرگ حارثہ کے آنے سے پہلے کچھ نہیں کہہ سکتے، اس لئے انہیں آنے دیجئے۔"
اس کے بعد جب حارثہ آگیا تو اس نے کہا،

"اس وقت ہم فارس والوں کی جنگ میں پابند ہیں جب ہم اس معاملے سے نمٹ جائیں گے تو پھر آپ کی بات کے بارے میں سوچیں گے۔"

اس کے بعد جب یہ لوگ میدان جنگ میں فارسیوں سے ٹکرائے تو اس وقت ان کے بزرگ نے ان سے کہا کہ اس شخص کا کیا نام ہے جس نے تمہیں اپنی طرف بلایا تھا۔ انہوں نے کہا "محمد!" اس نے کہا،

"بس تو اس جنگ میں تمہارا نعرہ یہی محمد نام ہے۔"

چنانچہ اس جنگ میں یہ لوگ ہر حملے کے وقت آنحضرت ﷺ کے نام کا نعرہ لگاتے رہے یہاں تک کہ ان لوگوں کو ان کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے،

"میری وجہ سے یعنی میرا نام لینے کی وجہ سے ان لوگوں کو فتح حاصل ہوئی۔"

غرض آنحضرت ﷺ ہر سال حج کے موسم میں اسی طرح مختلف قبیلوں سے ملتے رہے۔ آپ ان سے فرماتے کہ میں کسی شخص کو بھی کسی بات کے ماننے کے لئے مجبور نہیں کرتا، میں جو کچھ پیش کرتا ہوں جو شخص اس کو پسند کرے وہ اسے قبول کرے اور جو اسے ناپسند کرے اس کو میں مجبور نہیں کرتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ مجھے حمایت اور حفاظت حاصل ہو جائے تاکہ میں لوگوں تک اطمینان اور آزادی سے اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں۔

مگر ان قبیلوں میں سے کسی نے بھی آپ کی بات کو قبول نہیں کیا بلکہ یہ لوگ کہتے،

"ان کی قوم کے لوگ ان کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ خود سوچو کہ جس نے خود اپنی قوم میں فساد پیدا کر دیا وہ ہماری کیا اصلاح کرے گا!"

<u>مدینہ والوں سے عقبہ پر پہلی ملاقات</u>...... ابن اسحاق سے روایت ہے کہ آخر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو پھیلانے، اپنے نبی کا اعزاز کرنے اور اپنا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ حج کے زمانے میں نکلے۔ سیرت مغلطائی اور مستدرک حاکم میں ہے کہ یہ رجب کا مہینہ تھا (جبکہ عرب حج سے پہلے مختلف رسموں اور میلوں بازاروں میں حاضر ہونے کے لئے مکہ پہنچا کرتے تھے) چنانچہ اس سال بھی ہر موسم حج کی طرح آپ ﷺ مختلف قبیلوں سے ملنے کے لئے نکلے۔ چنانچہ آپ عقبہ کے مقام پر پہنچے۔

یہ عقبہ ایک گھاٹی ہے اور جمرہ (جہاں شیطان کے کنکریاں ماری جاتی ہیں وہ اسی مقام پر ہے اس لئے اس) کی نسبت عقبہ کی طرف کی جاتی ہے اور اس کو جمرہ عقبہ کہا جاتا ہے۔ مکے سے منیٰ جانے والے راستے میں یہ مقام بائیں ہاتھ پر ہے۔ اب اس جگہ ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد بیعت ہے۔

<u>اوس و خزرج</u>...... غرض جب آپ یہاں عقبہ کے مقام پر پہنچے تو یہاں آپ کی ملاقات (مدینہ کے) قبیلۂ خزرج کی ایک جماعت سے ہوئی۔ (یہ اوس اور خزرج مدینہ کے دو مشہور اور مخالف قبیلے تھے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) یہ بھی دوسرے عربوں کی طرح حج کیا کرتے تھے۔

لفظ اوس اصل یعنی لغت میں عطیہ ہے اور بھیڑیئے کے لئے بولا جاتا ہے اور کھیل کود کے شوقین آدمی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح خزرج اصل میں ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ لفظ صرف جنوب کی ٹھنڈی ہواؤں کے لئے ہی بولا جاتا تھا۔

یہ لوگ تعداد میں کل چھ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آٹھ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ایک

زبردست خیر کا ارادہ فرمایا تھا (جیسا کہ بعد کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ اس وقت کی یہ ملاقات ایسی تاریخ ساز ثابت ہوئی کہ اس کی وجہ سے زمانے کا رخ اور حالات کا دھارا ہی بدل گیا) ان لوگوں کی تعداد اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں چھ ہی شمار کی گئی ہے مگر لوگوں نے ان کی مختلف تعدادیں ذکر کی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے انکو دیکھ کر پوچھا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم قبیلۂ خزرج کے لوگ ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا،

"کیا بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں کے حلیفوں یعنی معاہدہ داروں میں سے ہو؟"

مدینہ کے یہودی قبیلوں سے قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں ہمیشہ بنی خزرج کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کو امان دیں گے۔ یہ ابتدائی دور کی بات ہے جبکہ خزرج قبیلے کی طاقت وشوکت یہودیوں کے مقابلے میں کمزور تھی۔

آنحضرت ﷺ کے اس سوال پر ان لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم لوگ یہودیوں کے معاہدہ بردار ہیں۔ اب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا،

"بہتر ہو کہ ہم لوگ بیٹھ جائیں، میں آپ لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اسلام کی دعوت...... انہوں نے کہا ضرور۔ اس کے بعد وہ لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آپ ان لوگوں سے ملے۔ تو یہ بیٹھے ہوئے اپنے سر منڈوا رہے تھے۔ آپ ان کے پاس آکر بیٹھے اور آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلایا اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ادھر ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک پر سچائی اور خلوص کی نشانیاں دیکھیں۔ چنانچہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کہنے لگے،

"خدا کی قسم! اس نبی کے بارے میں ہمیں معلوم ہے جس کے متعلق یہود خبر دیتے ہیں اور ہمیں اس سے ڈراتے ہیں اس لئے ایسا نہ ہو کہ یہودی ہم سے پہلے ان تک پہنچ کر ان کی پیروی اختیار کر لیں۔"

آنحضرت ﷺ کے متعلق یہود کی اطلاع...... یہودیوں کا دستور تھا کہ جب بھی ان کے اور مدینہ کے کفار کے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا ہوتا تو وہ ان سے کہتے،

"عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے جن کا زمانہ نزدیک آچکا ہے۔ ہم اس نبی کی پیروی کریں گے اور اس کے جھنڈے تلے اس طرح تمہارا قتل عام کریں گے جیسے قوم عاد اور ارم کا ہوا تھا"

یہ بات راہبوں کی پیشین گوئیوں کے بیان میں گزر چکی ہے۔ قوم عاد و ارم کی مثال دینے سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہم تمہیں نیست و نابود کر دیں گے۔

مدینہ والوں کا قبول اسلام...... غرض آنحضرت ﷺ نے جب ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے فوراً آپ ﷺ کی دعوت قبول کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور مسلمان ہوگئے پھر انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"ہم اپنی قوم یعنی اوس اور خزرج کو اس حال میں چھوڑ کر آرہے ہیں کہ ان کے درمیان زبردست جنگ وجدال ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں ان لوگوں کو ایک کر دے تو آپ سے زیادہ قابل عزت

کون کہلا سکتا ہے۔"

یہ قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج اصل میں دو سگے بھائیوں کی اولاد تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے نام اوس اور خزرج تھے۔ پھر ان دونوں کے درمیان دشمنی ٹھن گئی اور لڑائیوں نے اتنا طول کھینچا کہ تقریباً ایک سو بیس سال تک ان دونوں بھائیوں کی اولاد در اولاد یہ خون خرابہ چلتا رہا۔ جیسا کہ تفسیر کشاف میں اتنی ہی مدت بتلائی گئی ہے۔

جنگ بُعاث...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا،

"یا رسول اللہ! ہم لوگوں کی تاریخ میں پہلی جنگ بُعاث کی ہے۔ یعنی وہ پہلا دن تھا کہ ہمارے درمیان جنگ ہوئی تھی اور جب سے اب تک جاری ہے۔ اب ہم دوبارہ آپ ﷺ سے ملنے سے پہلے واپس مدینہ جائیں گے اور وہاں سب لوگوں یعنی دوستوں و دشمنوں سے ملیں گے ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اختلافات کو ختم فرمادے اور ہم ان لوگوں کو بھی اسی پیغام کی طرف بلائیں جس کی طرف آپ ﷺ نے ہمیں بلایا ہے اور اسی طرح ان سب کو حق تعالیٰ آپ کے نام پر ایک کر دے۔ اگر ان سب لوگوں کا کلمہ آپ ﷺ کی وجہ سے ایک ہو گیا تو آپ ﷺ سے زیادہ عزیز اور قابل عزت کون ہو گا۔"

اوس و خزرج کے درمیان یہود کی ریشہ دوانیاں...... یہ بعاث ایک جگہ کا نام ہے یہ بنی قریظہ کے یہودیوں کی بستی کے پاس ہے اور مدینہ سے دو رات کے سفر کے فاصلے پر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ اوس کی ایک گڑھی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے سے پانچ سال پہلے یہاں اوس اور خزرج کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اس وقت قبیلۂ اُوس کا سردار حضیر تھا جو اُسید کا باپ تھا۔ یہیں پر یہ حضیر اپنے قبیلے کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ قتل ہوا تھا اس لڑائی کی ابتداء میں قبیلۂ خزرج کو فتح ہوئی اور اس کے بعد قبیلۂ اوس کو ہوئی۔

عربوں کے جنگی ضابطے...... اس جنگ کا سبب عرب کا ایک قاعدہ تھا جس کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ وہ قاعدہ یہ تھا کہ چھوٹے اور کمزور قبیلے کے لوگ کسی بڑے اور طاقتور قبیلے کے حلیف یعنی دوست اور معاہدہ بردار بن جایا کرتے تھے تاکہ ان کی حفاظت ہو سکے۔ یہ قبیلہ حلیف کہلاتا تھا اور جس قبیلے کے ساتھ انہوں نے معاہدہ کیا وہ یعنی طاقتور قبیلہ اصیل کہلاتا تھا۔ اب اگر اس حلیف قبیلے کے کسی شخص نے اصیل قبیلے کے دشمن کو قتل کر دیا تو دشمن قبیلہ قاعدے کے مطابق اپنا بدلہ حلیف قبیلے سے ہی اتار سکتا تھا اصیل سے نہیں۔ یعنی جس حلیف قبیلے کے آدمی نے قتل کیا ہے اسی قبیلے کے کسی آدمی کو جواب میں قتل کیا جاتا تھا اصیل یعنی اس کے محافظ قبیلے کے کسی آدمی کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ دو بڑے اور طاقتور قبیلے اگر ایک دوسرے کے دشمن ہوتے تھے تو وہ باقی چھوٹے قبیلوں کو اپنی حمایت پر تیار کرتے تھے اور اس طرح کچھ قبیلے ایک ساتھ اور کچھ قبیلے دوسرے کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ اب یہ دونوں بڑے اور دشمن قبیلے اصیل یعنی اصل کہلاتے تھے اور باقی چھوٹے قبیلے جو ان کی حمایت میں آتے وہ حلیف کہلاتے تھے۔ اب اگر ایک اصیل قبیلے نے دشمنی اصیل قبیلے کے حلیف کو قتل کر دیا تو اصیل قبیلے کے لوگ اپنے حلیف کے بدلے میں دشمن اصیل کے آدمی کو نہیں مار سکتے تھے۔

اس جنگ کا سبب ایسا ہی ایک واقعہ ہوا جس میں اس قاعدے کی خلاف ورزی ہوئی تھی اور اس وجہ سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ ہوا یہ کہ قبیلۂ اوس کے ایک شخص نے جس کا نام سوید ابن صامت تھا قبیلۂ خزرج

کے ایک حلیف اور معاہدہ بردار قبیلے کے آدمی زیاد کو قتل کر دیا۔ یہ زیاد مخذر ابن زیاد کا باپ تھا اس پر قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے اپنے حلیف کے بدلہ میں سوید کو قتل کرنا چاہا۔ مگر اس پر قبیلۂ اوس کے لوگ آڑے آگئے۔ کیونکہ (اول تو یہ بات عرب کے جنگی قاعدے کے خلاف تھی اور دوسرے یہ کہ) یہ سوید اپنی قوم میں اس قدر معزز اور مقبول آدمی تھے کہ ان کی شرافت، علم اور بہادری کی وجہ سے لوگوں نے ان کا نام ہی کامل رکھ دیا تھا (یہ آنحضرت ﷺ کے ننہالی یعنی عبدالمطلب کے خالہ زاد بھائی تھے (واضح رہے کہ اردو کے لحاظ سے ننہال صرف ماں کے رشتے داروں اور خاندان کو کہا جاتا ہے لیکن عرب میں باپ دادا کی ننہال بھی اخوال یعنی ننہال ہی کہلاتی ہے) غرض سوید کی ماں عبدالمطلب کی ماں سلمٰی کی بہن تھیں۔

سوید ابن صامت...... یہ سوید بھی اسی زمانے میں ایک مرتبہ حج یا عمرہ کیلئے مکہ آئے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ ان سے بھی آکر ملے تھے کیونکہ اس زمانے میں آنحضرت ﷺ کو جس کسی ایسے شخص کے متعلق خبر ملتی جو اپنی قوم میں ممتاز اور باعزت ہوتا تھا تو آپ اس سے آکر ضرور ملتے تھے اور اس کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

چنانچہ جب سوید مکہ آئے اور آپ ﷺ کو ان کے متعلق معلوم ہوا تو آپ ﷺ ان سے بھی ملے اور انہیں تبلیغ فرمائی۔ سوید نے آپ کی بات سن کر کہا،

"شاید تمہارے پاس بھی وہی علم ہے جو میرے پاس ہے!"

آپ نے فرمایا،

"آپ کے پاس کیا ہے ؟"

انہوں نے کہا لقمان کی حکمت و دانائی۔ آپ نے فرمایا،

"وہ حکمت میرے سامنے پیش کیجئے۔"

چنانچہ سوید نے اپنے علم اور حکمت کی کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھیں۔ آپ نے ان کی بات سن کر فرمایا،

"یہ ایک اچھا کلام ہے مگر جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے کہیں زیادہ افضل اور برتر ہے۔ میرے پاس وہ قرآن ہے جو حق تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے اور جو سراپا ہدایت اور نور ہے۔"

اس کے بعد آپ نے سوید کے سامنے قرآن پاک کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں اور ان کو اسلام اور اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلایا۔ سوید نے اس کلام پاک اور سچے پیغام سے سرکشی نہیں کی بلکہ یہ کہا،

"یہ ایک بہت اچھا کلام ہے۔"

سوید کا قتل...... اس کے بعد مکہ سے واپس ہو کر وہ مدینہ چلے گئے مگر وہاں پہنچ کر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔

بعض محدثین نے لکھا ہے کہ یہ سوید مسلمان ہوگئے تھے۔ یہ حق تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور مسلمان ہونے کی حالت میں ہی مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ میں اپنی قوم کے درمیان پہنچے۔ قوم کے لوگوں نے بھی ان کی صورت سے ہی اندازہ کر لیا کہ یہ نئے مذہب میں داخل ہوگئے ہیں اور ایمان لے آئے ہیں۔ مگر اسی عرصہ میں قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے اچانک ان کو قتل کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کو قتل کرنے والا شخص مخذر تھا جو اس زیاد کا بیٹا تھا جس کو انہوں نے قتل کیا تھا

ان کے قتل کی صورت یہ ہوئی تھی کہ سوید نے شراب پی رکھی تھی اور نشے میں چور تھے، اسی حالت میں جبکہ ان کو ابکائیاں آرہی تھیں اور قے ہو رہی تھی یہ پیشاب کرنے بیٹھے۔ اسی وقت قبیلۂ خزرج کے کسی آدمی نے ان کو دیکھا تو اس نے انہیں پہلے خود مارا پیٹا اور اس کے بعد وہ سیدھا محذرؓ کے پاس گیا جس کے باپ کو سوید نے قتل کیا تھا، اس شخص نے محذر سے کہا،

"کیا تم آسانی سے ایک بڑا کام کرنا چاہتے ہو۔"

محذر نے پوچھا، کیا ہے؟ اس نے کہا،

"اس وقت سوید تمہاری مٹھی میں ہے اسکے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں ہے اور وہ نشے میں بدمست ہے۔"

یہ سنتے ہی محذر نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور ننگی تلوار لئے وہاں سے روانہ ہوا۔ جب اس نے سوید کو دیکھا تو کہنے لگا،

"آج تو میری مٹھی میں ہے!"

سوید نے کہا،

"تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

محذر نے کہا تجھے قتل کرنے آیا ہوں۔ یہ کہہ کر محذر نے سوید کو قتل کر دیا۔ یہی واقعہ قبیلۂ اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کے مقام پر جنگ کا سبب بنا۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لے آئے سوید کا بیٹا حرث اور یہ محذر ابن زیاد مسلمان ہو گئے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ مگر یہ حرث ابن سوید اپنے باپ کا بدلہ لینے کیلئے مستقل طور پر محذر ابن زیاد کی تلاش میں رہے مگر انہیں موقعہ نہیں مل سکا یہاں تک کہ غزوۂ احد کے وقت ان کو موقعہ مل گیا اور انہوں نے محذر کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

<u>ایاس ابن معاذ</u>...... جنگ بعاث میں جو لوگ قتل ہوئے، ان میں ایک شخص ایاس ابن معاذ بھی تھا۔ یہ ایک دوسرے شخص ابوالحسیر انس ابن رافع اور اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ آیا تھا تاکہ اپنے قبیلۂ خزرج کے لئے قریش سے معاہدہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کے مکہ آنے کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور آپ نے ان سے فرمایا،

"تم لوگ جس مقصد کے لئے آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز اختیار کر سکتے ہو؟"

انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا،

"میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں۔ خدا نے مجھے اپنے بندوں کی طرف ظاہر فرمایا ہے تاکہ میں ان کو دعوت دوں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ حق تعالیٰ نے مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش فرمایا اور قرآن پاک کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں یہ سب کچھ سن کر ایاس ابن معاذ جو نے ابھی کم عمر اور بچے تھے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا،

"قوم کے لوگو! خدا کی قسم ہم جس مقصد سے یہاں آئے ہیں یہ بات اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے"

یہ سن کر ابوالحسیر نے مٹی کا ایک پیالہ اٹھایا اور وہ ایاس کے منہ پر دے مارا۔ پھر اس نے ان کو ڈانٹ کر کہا،

"خاموش رہو۔ ہم اس مقصد سے یہاں نہیں آئے ہیں۔"

یہ سن کر ایاس خاموش ہو گئے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ بھی یہاں سے اٹھ کر واپس چلے گئے۔ ادھر جب ایاس کی موت کا وقت آیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کر رہے تھے اور کلمہ پڑھتے اور اللہ اکبر کہتے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

انصار کی طرف سے اگلے سال ملنے کا وعدہ...... غرض اس کے بعد قبیلۂ خزرج کی یہ جماعت واپس مدینہ گئی۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ جب یہ جماعت آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئی اور انہوں نے آپ ﷺ کے پیغام کی تصدیق کر دی تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"ہمارا آپ ﷺ کو یہ مشورہ ہے کہ فی الحال آپ ﷺ اپنی رسالت کا یہ سلسلہ یہیں جاری رکھیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، ہم لوگ واپس اپنی قوم میں جا رہے ہیں وہاں ہم قوم والوں سے آپ ﷺ کے متعلق ذکر کریں گے اور انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائیں گے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان میں اصلاح پیدا فرما دے۔ آپ ﷺ سے ہم آئندہ سال حج کے موقعہ پر پھر آکر ملیں گے۔"

آنحضرت ﷺ نے یہ بات منظور فرمالی۔ گویا ان چھ یا آٹھ افراد کی جماعت کے ساتھ کوئی بیعت نہیں ہوئی۔ اسی واقعے کو انصاریوں کے سلسلے میں اسلام کی ابتداء کہا جاتا تھا۔ غالباً اسی واقعہ کو کچھ علماء نے عقبہ اولیٰ کا نام دیا ہے۔

عقبہ کی دوسری ملاقات اور بیعت...... اگلے سال قبیلۂ خزرج اور قبیلۂ اوس کے بارہ آدمی مکہ آئے ان میں دس آدمی قبیلۂ خزرج کے تھے اور دو آدمی قبیلہ اوس کے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ گیارہ آدمی تھے جن میں سے پانچ ان ہی چھ یا آٹھ آدمیوں میں سے تھے جو گذشتہ سال عقبۂ اولیٰ کے وقت آنحضرت ﷺ سے مل کر گئے تھے۔

ان لوگوں سے بھی آنحضرت ﷺ عقبہ کے مقام پر ملے اور ان سے بیعت لی یعنی معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کو مبایعت یعنی بیعت مالی معاوضہ کی تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے (کیونکہ تجارتی معاملے کی طرح اس بیعت میں مسلمانوں کو ایمان دے کر ان سے ان کی جانیں خرید لی گئی تھیں) آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے سورۂ نساء کی آیت تلاوت فرمائی یعنی وہ آیت جو اس کے بعد فتح مکہ کے دن عورتوں کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ آپ مردوں سے بیعت لے کر فارغ ہوئے تھے اور عورتوں سے بیعت لینے کا ارادہ فرما رہے تھے۔

چنانچہ حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ ہم سے آنحضرت ﷺ نے عورتوں کی بیعت لی۔ یعنی اس طرح بیعت لی جس طرح عورتوں سے بیعت لی تھی اور جو فتح مکہ کے دن لی گئی تھی، وہ بیعت یہ تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، چوری نہ کریں، زنانہ کریں، اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں کیونکہ اولاد کو قتل کرنا اس زمانے میں عرب کا دستور تھا۔ یہ قتل لڑکیوں کا ہوتا تھا وہ ان کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایک قول ہے کہ غربت کے ڈر سے لڑکوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔

کتاب نہر میں ہے کہ عام عرب کے لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہیں کرتے تھے بلکہ یہ ظالمانہ دستور بنی ربیعہ اور بنی مضر کے بعض خاندانوں میں تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ غربت اور عار کی وجہ سے بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور بعض لوگ اس ڈر سے یہ حرکت کرتے تھے کہ کہیں کسی لڑائی میں ہماری بیٹیاں دشمن

کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ان کی باندیاں نہ بن جائیں۔

غرض اس کے بعد حضرت عبادہؓ کی روایت کا بقیہ حصہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے اس پر بیعت لی کہ ہم کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے یعنی ایسا جھوٹا بہتان جو سننے والے کو ششدر اور حیران کر دے اور کھلی آنکھوں بہتان پر یقین کرنے پر مجبور ہو جائے۔

اور کسی بھلائی میں ہم پیغمبر کی نافرمانی نہیں کریں گے یعنی ہر وہ بات جس کی بھلائی پیغمبر کے حکم یا منع کرنے سے ظاہر ہوئی ہو۔

بیعت یا عہد کی نوعیت...... علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی اس حدیث میں یہ بیعت جس انداز اور تفصیل سے ذکر کی گئی ہے یہ اس طرح عقبہ والے واقعہ کی رات میں پیش نہیں آئی تھی بلکہ بیعت عقبہ کی جو تفصیل ہے وہ ابن اسحاق وغیرہ نے اہل مغازی سے روایت کی ہے جو یہ ہے کہ اس وقت انصاریوں میں سے جو لوگ موجود تھے ان سے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا،

"میں تم سے یہ بیعت یعنی عہد نامہ لیتا ہوں کہ تم اسی طرح میری حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔"

چنانچہ انہوں نے اسی بات پر آنحضرت ﷺ کو بیعت دی نیز اس پر بھی کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ان لوگوں کے پاس یعنی مدینہ میں تشریف لے جائیں گے۔ اس کے بعد حدیث کا باقی ہے۔ پھر ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ وہ بیعت جو عبادہ ابن صامتؓ کی حدیث میں بیان کی گئی ہے سورۂ نساء کی اس آیت کے نازل ہونے اور فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر عبادہ ابن صامتؓ کی حدیث میں یہ لفظ کہیں نہیں ہے کہ یہ بیعت جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے بیعت عقبہ ہے کیونکہ روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہم نے بیعت عقبہ کے وقت یہ بیعت کی۔ اگرچہ روایت کی تفصیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان انصاریوں کے سامنے سورۂ نساء کی آیت تلاوت فرمائی، ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عبادہ کی حدیث کے الفاظ ان کے لئے اس بات کی دلیل ہیں۔ چنانچہ اس حدیث کی بنیاد پر گذشتہ سطروں میں جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ مناسب نہیں رہتا بلکہ اس سے اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عبادہؓ کی حدیث والی بیعت فتح مکہ کے بعد کی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کا بھی قول ہے واللہ اعلم۔

بیعت کے جو الفاظ پیچھے بیان ہوئے ہیں ان میں بعض علماء نے یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے کہ (آپ ﷺ نے ہم سے اس بات کی بھی بیعت لی کہ) ہم تنگی اور فراخی اور خوشی و غم میں آپ کے فرمانبردار اور تابع رہیں گے اور یہ کہ ہم کبھی حکومت کے لئے نہیں لڑیں گے اور سچ بات کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف دل میں نہیں لائیں گے۔

جزا و سزا کا ذکر...... اس بیعت کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"جو آسانی اور سختی دونوں حالتوں میں اس عہد کا پابند رہے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہو گا اور جو اس عہد کے کسی جز کی بھی خلاف ورزی کرے گا اس کو دنیا میں ہی اس کی پاداش بھگتنی پڑے گی۔ یعنی وہ پاداش اس غلطی کو دھو دے گی اور یا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔"

مگر سزا کے نتیجہ میں گناہ کے دھل جانے یا سزا کے کفارہ بن جانے کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث سے اشکال ہوتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ شرعی سزائیں گنہگار کے گناہ کا کفارہ بنتی ہیں یا نہیں (جبکہ گذشتہ حدیث میں سزا کو کفارہ فرمایا گیا ہے)۔

ادھر جیسا کہ آگے بیان آئے گا حضرت ابوہریرہؓ بیعت عقبہ کے سات سال بعد مسلمان ہوئے ہیں وہ غزوۂ خیبر کے سال یعنی ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ بیعت جس کا حضرت عبادہؓ نے ذکر کیا ہے، بیعت عقبہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور بیعت ہے جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ لہٰذا اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہؓ والی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا اس سے بے خبری ظاہر فرمانا شاید اس لئے تھا کہ اس وقت تک آپ ﷺ کو حق تعالیٰ نے یہ بتلایا نہیں تھا جبکہ اس کے بعد آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ شرعی سزائیں گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں (اور گویا گناہ گار کا گناہ شرعی سزا پانے کے بعد دنیا ہی میں دھل جاتا ہے اور اس طرح وہ آخرت کے عذاب سے بچ جاتا ہے)۔

غرض (اسی حضرت عبادہؓ والی حدیث میں ہے کہ) پھر آنحضرت ﷺ نے اس بیعت اور عہد کے سلسلے میں آگے فرمایا،

"اور جس شخص نے اس عہد کے کسی بھی جز کی خلاف ورزی کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کی پردہ پوشی فرمادی (یعنی اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا) تو اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے ہاتھ ہے وہ چاہے تو اس کو سزا دے گا اور چاہے معاف فرمادے گا۔"

جہاں تک شرعی سزاؤں کے گناہ کا کفارہ ہونے کا تعلق ہے تو اس میں شرک اور کفر کا گناہ شامل نہیں ہے بلکہ اس کے سوا دوسرے گناہوں کے ساتھ یہ رعایت خاص ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان مرتد یعنی کافر ہو جائے اور اسلامی حکومت اس کو شریعت کے حکم کے مطابق قتل کر دے (کیونکہ مرتد کی شرعی سزا قتل ہے) تو اس سزا اور قتل ہو جانے سے اس کا شرک و کفر کا گناہ دھل نہیں جائے گا کیونکہ حق تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں (کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے بیعت لیتے وقت اس طرح فرمایا)

"اگر تم اس عہد پر راضی اور خوش ہو تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر تم نے ذرا بھی اس سے منہ موڑا (یعنی زنا، چوری یا قتل کیا یا بہتان باندھا) تو دنیا میں ہی تمہیں شرعی سزا دی جائے گی جو تمہارے گناہ کا کفارہ یعنی بدلہ بن جائے گی اور اگر تم نے اپنے اس گناہ کو چھپا لیا تو تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے وہ چاہے تمہیں سزا دے اور چاہے معاف فرمادے۔"

اس حدیث سے بعض علماء کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد بغیر توبہ کے مر گیا اس کو یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں عذاب دیا جائے گا۔ اسی طرح اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

مبلغین و معلمین کی روانگی...... غرض اس بیعت کے بعد جب یہ لوگ واپس اپنے وطن گئے تو ان کے ساتھ

آنحضرت ﷺ نے ابن اُمّ مکتومؓ کو بھیجا۔ اُمّ مکتوم کا نام عاتکہ تھا اور ان کے بیٹے یعنی ابن اُمّ مکتومؓ کا نام عمرو تھا۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام عبداللہ تھا۔ یہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ماموں زاد بھائی تھے۔

حضرت ابن مکتومؓ کی فضیلت میں علامہ شعبی نے لکھا ہے کہ تیرہ غزوات ایسے ہیں کہ ان کے لئے آنحضرت ﷺ جب بھی مدینہ سے تشریف لے گئے تو ہر دفعہ ابن ام مکتوم کو ہی مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر گئے اور یہی آپ کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مگر ان سے کوئی حدیث روایت نہیں ہے۔

اسلام کے پہلے قاری مصعب ابن عمیر...... اسی طرح ان کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مصعب ابن عمیر کو بھی ان انصاری مسلمانوں کے ساتھ بھیجا تاکہ وہاں جو لوگ مسلمان ہوں ان کو یہ دونوں اسلامی معلم قرآن پاک سکھاتے اور یاد کراتے رہیں، ان کو دین کی تعلیم دیتے رہیں اور مذہب سے واقف بنائیں۔ اسی طرح جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے ان کو اسلام کی تبلیغ کریں اور اللہ کے راستے کی طرف بلائیں۔

اکثر روایتوں میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ والوں کے ساتھ ان دونوں صحابیوں کو بھیجا تھا، چنانچہ حضرت براء ابن عازبؓ سے جو خود انصاری ہیں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے سب سے پہلے جو لوگ ہمارے یہاں مدینہ میں آئے وہ مصعب ابن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے۔ یہ دونوں لوگوں کو قرآن پاک پڑھاتے تھے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب مدینہ کے مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کو لکھا تب آپ ﷺ نے حضرت مصعبؓ کو ان کے پاس بھیجا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر مدینہ کے مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس معاذ ابن عفراء اور رافعہ ابن مالک کو روانہ کیا اور آپ ﷺ سے کہلایا کہ اپنے صحابہ میں کسی کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ وہ ہمیں دین کی تعلیم دے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے یعنی تبلیغ کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مدینہ والوں نے آنحضرت ﷺ کو اس سلسلے میں لکھا تو آپ ﷺ نے حضرت مصعبؓ کو بھیجا ان کو قاری کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں یہ پہلے آدمی ہیں جن کو قاری کہا گیا۔ اب ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصعبؓ کو مدینہ والوں کے ساتھ ساتھ نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ بعد میں ان کے بلانے اور درخواست کرنے پر بھیجا گیا تھا۔

اقول ۔ مؤلف کہتے ہیں : ان باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ شاید مدینہ والوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس سے رخصت ہونے کے بعد اور مکہ سے مدینہ کو روانہ ہونے سے پہلے اس بارے میں لکھا تھا (جس پر آپ ﷺ نے حضرت مصعبؓ کو بھیجا) ادھر یہ کہ ان بعد والی روایتوں میں صرف حضرت مصعبؓ کا ذکر ہے ابن اُمّ مکتومؓ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر ظاہر ہے اس کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ گذشتہ روایت جس میں دونوں کا ذکر ہے وہ غلط ہے۔

مگر ایک روایت اور ہے جس سے ابن اُمّ مکتومؓ کے جانے کی روایت مشکل ہو جاتی ہے۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ مدینہ والوں کے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو مدینہ بھیجا تھا۔ اس بارے میں مدینہ والوں نے آپ ﷺ کے پاس قاصد بھیجا تھا کہ ہم میں تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے لہذا آپ ﷺ اپنے صحابہ میں سے کسی کو ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ جو ہمیں قرآن پڑھائے، دین سکھلائے، شریعت و سنت کی تعلیم دے اور نمازوں میں امامت کر سکے۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو بعد میں

بھیجا۔

ادھر ایک اور روایت ہے جس سے پہلی بات کمزور ہو جاتی ہے وہ روایت واقدی نے بیان کی ہے کہ ابن اُمّ مکتومؓ غزوۂ بدر کے تھوڑے عرصہ بعد مدینہ میں پہنچے ہیں (گویا اس وقت وہ مدینہ گئے ہی نہیں) ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ابن اُمّ مکتومؓ غزوۂ بدر کے دو سال بعد ہجرت کر کے مدینہ پہنچے ہیں۔

اس اختلاف کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ (گذشتہ روایت کی روشنی میں دونوں کا مدینہ جانا ثابت ہے) اس لئے شاید ایسا ہوا ہے کہ یہ دونوں حضرات بیعت عقبہ کے وقت مدینہ والوں کے ساتھ ہی مدینہ گئے اور پھر واپس مکہ آگئے تھے۔ پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اسی زمانے میں یہ لکھا کہ ہمارے یہاں اسلام پھیلتا جارہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت یہ انصاری مسلمان مدینہ پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ اس خط کے نتیجہ میں حضرت مصعب ابن عمیرؓ ان کے پاس بھیجے گئے جبکہ اس دفعہ حضرت ابن اُمّ مکتومؓ ان کے ساتھ نہیں گئے بہرحال یہ تفصیل قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلے امام اور پہلا جمعہ...... غرض اس عہد کو عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ معاہدہ عقبہ کے قریب ہوا تھا۔

حضرت مصعبؓ جب مدینہ پہنچے تو ابوامامہ اسعد ابن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے یہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے جو مکہ میں آنحضرت ﷺ سے ملے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ہجرت فرمانے سے پہلے قباء کے مقام پر جو مدینہ کے قریب ہے، جو مہاجر مسلمان وہاں آچکے تھے ان کو حضرت سالمؓ نماز پڑھایا کرتے تھے، جو حضرت ابو حذیفہؓ کے غلام تھے اور ادھر اوس و خزرج کے لوگوں کو حضرت مصعبؓ نماز پڑھایا کرتے تھے کیونکہ ابھی ان دونوں قبیلوں میں سے کوئی بھی اس بات کو گوارا نہیں کرتا تھا کہ دوسرا اس کا امام بنے (لہذا حضرت مصعبؓ جو نہ اوسی تھے اور نہ خزرجی بلکہ مکہ کے رہنے والے مہاجر مسلمان تھے ان کو نماز پڑھایا کرتے تھے)۔

حضرت مصعبؓ نے ہی یہاں آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے اسلام کا سب سے پہلا جمعہ پڑھایا۔ اس وقت تک نماز جمعہ کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی جس میں نماز جمعہ کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ آیت مدنی ہے (یعنی آنحضرت ﷺ پر مدینہ میں نازل ہوئی تھی)۔

جمعہ کب فرض ہوا...... مگر شیخ ابو حامد نے لکھا ہے کہ جمعہ کی نماز مکہ ہی میں فرض ہوگئی تھی مگر وہاں مسلمانوں کو جمعہ ادا کرنے کی طاقت نہیں تھی (اس لئے جمعہ کی پہلی نماز مدینہ میں ادا کی گئی) مگر حافظ ابن حجر نے اس قول کو غریب بتلایا ہے۔ لیکن اگر اس قول کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جمعہ کی نماز کی آیت کا حکم پہلے نازل ہو گیا اور آیت بعد میں نازل ہوئی۔

مگر ابن اسحاق کا قول یہ ہے کہ جمعہ کی پہلی نماز حضرت اسعد ابن زرارہؓ نے پڑھائی تھی اور اس جماعت میں چالیس آدمی شریک تھے۔ چنانچہ حضرت کعب ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ نقیع خضمان کے مقام پر سب سے پہلے جس نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی وہ اسعد ابن زرارہؓ ہیں، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے تشریف نہیں لائے تھے۔

نقیع کو بعض علماء نے ب سے بقیع بھی لکھا ہے مگر خطابی نے اس قول کو غلط بتلایا ہے۔ خضمان خضمہ سے ہے خضمہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو آخری داڑھ سے کھائی جاتی ہے۔ نقیع خضمان مدینہ کے نواحی بستیوں میں سے ایک بستی تھی۔

اسکے بعد حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ ہم کل ملا کر چالیس آدمی تھے۔ مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا گیا حضرت مصعبؓ مدینہ میں حضرت ابوامامہ اسعد ابن زرارہؓ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے لہذا جمعہ قائم کرنے کے سلسلے میں حضرت اسعد نے ہی تعاون کیا ہوگا جبکہ خطبہ دینے والے اور نماز پڑھانے والے حضرت مصعبؓ رہے ہوں گے لہذا ان کی نسبت دونوں کی طرف کر دی گئی۔ ادھر آگے ایک روایت آرہی ہے کہ نماز پڑھانے والے حضرت اسعد تھے اس روایت کو تجوز پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی حضرت اسعدؓ نے چونکہ لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا تھا اس لئے ان کے متعلق یہ کہہ دیا گیا کہ انہوں نے نماز پڑھائی۔

غرض ان روایتوں سے اس گذشتہ قول کی بھی تائید ہوتی ہے جس میں تھا کہ اوس اور خزرج کے لوگ اس کو گوارا نہیں کرتے تھے کہ دوسرے قبیلے کا کوئی شخص نماز پڑھائے۔ ادھر یہ کہ نماز کے لئے جو مامور تھے وہ حضرت مصعبؓ ہی تھے۔ جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

جمعہ کے دن کا نام...... علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ انصاری مسلمانوں نے جمعہ کے دن کا نام جمعہ اس لئے رکھا کہ اس دن وہ سب نماز کے لئے جمع ہونے لگے تھے جس کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو رہبری اور ہدایت ہوئی تھی۔ ورنہ جاہلیت کے زمانے میں جمعہ کے دن کا نام عروبہ تھا جس کے معنی ہیں رحمت کا دن۔

آنحضرت ﷺ نے اس دن کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں یہودیوں اور عیسائیوں پر عبادت فرض کی گئی تھی کہ اس دن وہ لوگ سب سے الگ تھلگ ہو کر یاد خدا میں مصروف رہا کریں جیسا کہ ہم مسلمانوں پر اس دن میں عبادت فرض ہوئی ہے۔ مگر یہودیوں اور عیسائیوں نے گمراہی اختیار کی جبکہ مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی۔

ہفتے میں عبادت کا خاص دن...... مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس دن وہ حق تعالیٰ کی عبادت کیا کریں اور اس کی بڑائی اور عظمت بیان کیا کریں مگر یہودیوں نے اپنی گمراہی کی وجہ سے جمعہ کے دن کو چھوڑ کر اپنی طرف سے ہفتہ کا دن متعین کر لیا کیونکہ ان کے نزدیک حق تعالیٰ نے چھ دن میں زمین و آسمان اور ان کی مخلوقات کو پیدا فرمایا اور پھر ساتویں دن یعنی سنیچر کے دن نعوذ باللہ آرام فرمایا۔ وہ لوگ یہ بات اس بناء پر کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک کا پہلا دن اتوار ہے جس میں ان کے عقیدے کے مطابق مخلوقات کو پیدا کرنا شروع کیا گیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

یہود کا دن...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہفتے کا پہلا دن لغت کے اعتبار سے تو اتوار کا دن ہے اور عرف یعنی ایمانیات وغیرہ میں فقہاء کے نزدیک سنیچر کا دن ہے۔ پہلی بات کی تائید لفظ سبت کی تحقیق سے ہوتی ہے کہ یہ لفظ اصل میں سبات سے ہے جس کے معنی راحت اور آرام کے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے کہ

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا آیت ۹ (سورۂ نباع، پ ۳۰، ع ۱)

"اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا"

چنانچہ اسی وجہ سے یہودیوں نے یہ عقیدہ قائم کیا کہ چونکہ یہ راحت اور آرام کا دن ہے اس لئے اس دن کو ہی عبادت کے لئے خاص ہونا چاہئے اور یہی دن یاد خدا کے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔

عیسائیوں کا دن...... اسی طرح عیسائیوں نے جمعہ کے بدلے میں اپنی طرف سے اتوار کا دن پسند کر لیا۔ انہوں

نے اسکی بنیاد یہ رکھی کہ اس دن سے حق تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدا کرنے کی ابتداء کی تھی للذا انہوں نے یہ سمجھا کہ اسی دن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خاص کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس دن کو یہ فضیلت حاصل ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں اب آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد...... پھر یہودی اور عیسائی گمراہی کی طرف چلے گئے کہ معنی یہ ہوں گے کہ انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو فضیلت دی ہے۔ سنیچر اور اتوار کے دن اپنے اپنے لئے پسند کر لئے۔ اسی بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ حق تعالیٰ نے یہودیوں کے لئے جمعہ کا دن خاص فرمایا تھا۔ مگر انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور موسیٰؑ سے کہا

"اے موسیٰؑ! ہمارے لئے سنیچر کا دن طے کرو۔"

جمعہ کے دن کے لئے مسلمانوں کی رہبری...... چنانچہ پھر سنیچر کا دن یہودیوں کا دن ہو گیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن پسند کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں کی رہبری فرمائی۔ یہاں مسلمانوں کی رہبری اور ہدایت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو جمعہ کے دن کی فضیلت کا علم نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے خود سے اس بارے میں اجتہاد کیا اور خوش قسمتی اور اتفاق سے جمعہ کے دن پر ان کے دل ٹھک گئے۔

کتاب سفر السعادت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادتوں میں سے ایک عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ ہمیشہ جمعہ کے دن کی بہت زیادہ عظمت فرمایا کرتے تھے اور اس دن کو بلندیوں اور کرامتوں کے لئے مخصوص سمجھا کرتے تھے۔

جمعہ یا یوم مزید...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں جنتی اسی طرح ایک دوسرے کو جمعہ کی آمد کی خوش خبری دیا کریں گے جس طرح دنیا والے دنیا میں کرتے ہیں اور یہ کہ جنت میں اس مبارک دن کا نام یوم مزید ہو گا جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں جمعہ کے دن ہی حق تعالیٰ جنتیوں کو اپنی تجلی دکھلایا کریں گے اور اسی دن ان کی ہر خواہش اور تمنا پوری فرمایا کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ جنت والوں سے فرمایا کریں گے،

"تم کو جس جس چیز کی تمنا ہے وہ تمہیں دی اور ہمارے پاس مزید یعنی اور بہت کچھ بھی ہے۔"

اسی لئے جنت والوں کو ہمیشہ جمعہ کے دن سے خاص محبت ہو گی جس میں حق تعالیٰ ان کی خیر و برکت میں اضافہ فرمایا کریں گے۔

دنوں کا سردار...... ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور سب سے زیادہ فضیلت والا دن ہے لہذا دنوں میں جمعہ کا دن ایسا ہی ہے جیسے مہینوں میں رمضان کا مہینہ ہے۔ نیز اس دن میں دعا قبول ہونے کی ایک گھڑی ایسی ہی آتی ہے جیسی رمضان میں شب قدر میں ایک گھڑی آتی ہے۔

بخاری شریف میں اس بارے میں یہ ہے کہ اسی جمعہ کے دن یہودیوں اور عیسائیوں پر مذہبی احکام نازل ہوئے مگر ان میں اس دن کے بارے میں اختلاف ہوا تو حق تعالیٰ نے اس دن کو اپنے لئے اختیار کرنے کی طرف ہماری ہدایت فرمائی للذا اب یہودی ہم سے ایک دن بعد یعنی پیچھے ہیں کیونکہ ان کا سنیچر ہمارے جمعہ کے ایک دن بعد آتا ہے اور عیسائی ہم سے دو دن بعد یعنی پیچھے ہیں کیونکہ ان کا اتوار ہمارے جمعہ کے دو دن بعد آتا ہے۔

یہاں جمعہ کے دن کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں میں جس اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب

یہ ہے کہ وہ لوگ اس دن کو متعین نہیں کر سکے کہ جمعہ کا دن کون سا ہے کسی نے سنیچر کے دن کو جمعہ سمجھا اور کسی نے اتوار کے دن کو جمعہ کا دن تصور کیا۔ چنانچہ بعض علماء کے اقوال سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہودیوں نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ہفتے میں ایک دن اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنی اور اس کی بندگی کرنی چاہئے۔ لہذا انہوں نے اپنی طرف سے سنیچر کا دن متعین کر لیا اور اسی دن کو انہوں نے اپنی شریعت کا مبارک دن بنالیا۔

اسی طرح عیسائیوں کو بھی حضرت عیسیٰؑ نے حکم دیا کہ ہفتے میں ایک دن عبادت کے لئے متعین کرو تو انہوں نے اپنی سمجھ سے اتوار کا دن اپنی عبادت کا دن بنالیا اور اس کو اپنی شریعت کا مبارک ترین دن سمجھا۔ مگر یہ تفصیل گذشتہ کے خلاف ہے اس لئے قابل غور ہے۔

تخلیق کائنات اور ہفتے کے دن...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہفتے کا پہلا دن سنیچر ہے کیونکہ یہی وہ دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے :

"اللہ تعالیٰ نے سنیچر کے دن تربت یعنی مٹی کو پیدا فرمایا، پھر اتوار کے دن پہاڑوں کو پیدا فرمایا، پھر درختوں کو پیر کے دن تخلیق فرمایا، پھر تمام برائیوں کو منگل کے دن پیدا فرمایا، پھر بدھ کے دن نور کو پیدا فرمایا۔"

مسلم میں یہ روایت اسی طرح ہے۔ اب اس روایت کے بعد ہفتے کے دن کے نام پر اشکال ہوتا ہے کہ جب تمام دونوں کے نام عدد یعنی ایک دو تین کے حساب سے ہیں تو سنیچر کا نام سبت کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں نام یہودیوں نے رکھا ہے اس کے بعد دوسروں نے بھی ان کی پیروی میں یہی نام استعمال کیا۔

علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ ہفتے کے دنوں کے یہ نام خدائی نام نہیں ہیں بلکہ لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں، عدد کے حساب سے یہ جو نام ہیں اگر حق تعالیٰ نے ان کو اسی طرح قرآن پاک میں استعمال کیا ہوتا تو ہم کہتے کہ یہ سب سچے نام ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے سوائے جمعہ اور سبت کے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کوئی بھی نام استعمال نہیں فرمایا اور یہی دونوں نام وہ ہیں جو عدد یعنی گنتی کے لفظوں سے نہیں بنے ہیں۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

(یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ عربی میں ہفتے کے دنوں کے نام گنتی کے لفظوں سے بنے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے، یوم السبت، یوم الاحد، یوم الاثنین، یوم الثلاثاء، یوم الاربعاء، یوم الخمیس اور یوم الجمعہ اس کو اردو میں اس طرح کہیں گے یوم سبت یعنی سنیچر کا دن، پہلا دن یعنی اتوار کا دن، دوسرا دن یعنی پیر کا دن تیسرا دن یعنی منگل کا دن، چوتھا دن یعنی بدھ کا دن، پانچواں دن یعنی جمعرات کا دن اور جمعہ کا دن۔ اس طرح ہفتے کے سات دنوں میں سے پانچ دن گنتی کے لفظوں سے بنے ہیں اور دو دنوں کے نام مستقل ہیں جو گنتی سے نہیں بنے ہیں)۔

دنوں کی تخلیق وترتیب...... مگر علامہ سہیلی کا جو قول پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے اس کے جواب میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک دن کو پیدا فرمایا اور اس کا نام یوم احد یعنی اتوار کا دن رکھا، پھر دوسرا دن پیدا فرمایا اور اس کا نام یوم الاثنین رکھا، پھر تیسرا دن پیدا فرمایا اور اس کا نام یوم الثلاثاء رکھا، پھر چوتھا دن پیدا فرمایا اور اس کا نام یوم الاربعاء رکھا اور پھر پانچواں دن پیدا فرمایا اور اسکا نام یوم الخمیس رکھا۔

علامہ ابن حجر ہیثمی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ نام یعنی خمیس قدیم عربی زبان میں ثابت نہیں ہے بلکہ عرب اس جمعرات کے دن کو خامس کہتے تھے کہ چوتھے آنے والے دن کے بعد والا پانچواں دن۔ یہاں تک علامہ ہیثمی کا حوالہ ہے۔ غرض ہفتے کا پہلا دن سبت یعنی سنیچر ہی ہوتا ہے۔

اس بارے میں علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ ہفتے کے دنوں کے یہ نام یعنی یوم احد اور اثنین وغیرہ آنحضرت ﷺ نے نہیں رکھے۔ آپ ﷺ نے یہ نام اس لئے استعمال فرمائے کہ آپ کی قوم میں یہی نام رائج تھے، آپ ﷺ نے ان کو رواج نہیں دیا۔ اب جہاں تک آپ کی قوم کا تعلق ہے تو انہوں نے غالباً اہل کتاب کے یہاں دنوں کے جو نام چلتے تھے ان کے معنی لے کر عربی میں ان کا ترجمہ کر دیا کیونکہ اہل کتاب قومیں یعنی یہودی اور عیسائی عربوں کی پڑوسی قومیں تھیں (لہٰذا ان کے تہذیب و تمدن کا عربوں پر اثر پڑنا تعجب کی بات نہیں ہے) چنانچہ عربوں نے ان ناموں کا عربی میں ترجمہ کر کے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ہفتے کے دن...... علامہ ہمدانی کی کتاب سبعیات میں ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ہفتے کے دن سے عزت دی، عیسیٰ علیہ السلام کو اتوار کے دن سے عزت دی، داؤد علیہ السلام کو پیر کے دن سے عزت دی، سلیمان علیہ السلام کو منگل کے دن سے، یعقوبؑ کو بدھ کے دن سے، آدم علیہ السلام کو جمعرات کے دن سے اور رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن سے اعزاز عطا فرمایا۔

دنوں کی خصوصیات...... اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں نے سنیچر کا دن اور عیسائیوں نے اتوار کا دن خود اپنی طرف سے اپنے لئے منتخب نہیں کر لیا تھا (بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے یہ دن تجویز کیا گیا تھا۔) اب ان روایتوں کا اختلاف قابل غور ہو جاتا ہے۔

سنیچر کا دن...... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے یوم سبت یعنی سنیچر کے دن کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہ مکر و فریب کا دن ہے۔"

یعنی اس دن آپ ﷺ کے ساتھ مکر و فریب پیش آیا تھا۔ کیونکہ وہ ہفتے کا ہی دن تھا جس میں قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں تیار کرنے کے لئے دار الندوہ یعنی اپنی مشورہ گاہ میں جمع ہوئے تھے۔

اتوار کا دن...... اسی طرح آپ ﷺ سے اتوار کے دن کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا،

یہ دن تعمیر اور نشو و نما کا دن ہے، کیونکہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا فرمایا تھا۔ ایک روایت میں اس کے بجائے یہ لفظ ہیں کہ۔ اس لئے کہ اسی دن جنت کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کو بنایا گیا۔

پیر کا دن...... اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ سے پیر کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

یہ سفر اور تجارت کا دن ہے کیونکہ حضرت شعیبؑ اسی دن اپنے تجارتی سفر پر روانہ ہوئے تھے اور اس میں ان کو نفع حاصل ہوا تھا۔"

منگل کا دن...... اسی طرح آپ ﷺ سے منگل کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا،

"یہ خون کا دن ہے کیونکہ اسی دن (پہلی مرتبہ) حضرت حوّاء کو حیض کا خون آیا تھا اور اسی دن آدم علیہ السلام کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔"

علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب سبعیات میں ہی اس سلسلے میں مزید تفصیل لکھی ہے کہ اسی منگل کے دن میں سات مشہور قتل ہوئے ہیں، حضرت جرجیس، حضرت ذکریا، حضرت یحییٰ علیہم السلام، فرعون کے جادوگر فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم، بنی اسرائیل کی گائے اور آدم علیہ السلام کا بیٹا ہابیل اسی دن قتل ہوئے ہیں۔

سبعیات میں ان ساتوں قتل کے قصے بھی لکھے ہیں چنانچہ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے منگل کے دن حجامت بنوانے سے بہت سختی کے ساتھ روکا ہے اور فرمایا ہے کہ اس دن میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں خون خشک نہیں ہوتا اسی دن میں ابلیس (پہلی بار) زمین پر اترا تھا، اسی دن میں جہنم کو پیدا کیا گیا ہے۔ اسی دن میں ملک الموت یعنی موت کے فرشتہ کو انسانوں کی روحوں پر مسلط کیا گیا، اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔ مگر بعض روایتوں میں یوں ہے کہ ایوب علیہ السلام کو جس دن آزمائش میں ڈالا گیا تھا وہ بدھ کا دن تھا۔

بدھ کا دن...... غرض اسی طرح آنحضرت ﷺ سے بدھ کے دن کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، "یہ منحوس دن ہے کیونکہ اسی دن فرعون اور اس کی قوم کو غرقاب کیا گیا، اسی دن قوم عاد، قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔"

چنانچہ اسی لئے جاہلیت کے زمانے میں اس دن کو دبار کہا جاتا تھا جس کے معنی ہلاکت کے ہیں۔ مگر ایک حدیث ہے جو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے اس میں ایک دوسری ہی بات ہے اور وہ یہ کہ مہینے کا آخری بدھ کا دن پورا کا پورا منحوس ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ بدھ کا دن لین دین میں سے کسی چیز کا دن نہیں ہوتا۔

علامہ زمخشریؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے اپنے ساتھ سفر میں چلنے کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ آج بدھ کا دن ہے۔ اس پر اس شخص نے جواب میں کہا،

"آج کے دن یونس علیہ السلام بھی تو پیدا ہوئے تھے"

اس نے جواب دیا،

"مگر وہ بھی اس دن کے اثر سے نہیں بچ سکے تھے، یعنی ان کو مچھلی نے نگل لیا تھا"

اس پر اس شخص نے کہا کہ یوسف علیہ السلام بھی اسی دن پیدا ہوئے تھے۔ اس نے جواب دیا،

"پھر ان کے ساتھ ان کے بھائیوں کا سلوک بھی دیکھو۔ کتنی مدّت تک وہ قید و بند اور بے کسی میں گرفتار رہے۔ یہ سن کر پھر اس شخص نے کہا کہ چلو یہ نہ سہی مگر اسی دن غزوۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ کو فتح و نصرت حاصل ہوئی تھی۔ اس نے کہا،

"بے شک مگر اس وقت جبکہ آنکھیں پتھرانے لگی تھیں اور دل خاک ہونے لگے تھے۔"

حدیث کی خلاف ورزی کا انجام...... صحابہ سے بعض روایتیں ہیں جن میں بدھ کے دن ناخن تراشنے سے روکا گیا ہے کہ اس دن اس سے کوڑھ کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں کتاب مدخل کے مصنف ابن الحاج سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ ناخن تراشنے کا ارادہ کیا یہ بدھ کا دن تھا۔ انہیں یاد آیا کہ ایک حدیث میں اس سے روکا گیا ہے مگر پھر انہوں نے سوچا کہ ناخن تراشنا ایک جاری سنت ہے، ادھر یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہیں ثابت ہوتی تھی لہذا انہوں نے ناخن تراش لئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کوڑھ کا موذی مرض پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

"کیا تم نے اس بارے میں میری ممانعت کا حکم نہیں سنا تھا؟"

انہوں نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! وہ روایت میرے نزدیک صحیح نہیں تھی"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"تمہارے لئے اس کا سن لینا ہی کافی ہونا چاہئے تھا۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے بدن پر اپنا دست مبارک پھیرا جس سے کوڑھ کا تمام اثر جاتا رہا۔

ابن حاج کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے از سر نو توبہ کی کہ آئندہ میں رسول اللہ ﷺ کی جو حدیث بھی سنوں گا اس کی کبھی مخالفت نہیں کروں گا۔

ایک حدیث ہے جس کو امام ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے مرفوع طور پر پیش کیا ہے نیز اسی حدیث کو دو دوسری سندوں سے حاکم نے بھی پیش کیا ہے کہ کوڑھ اور برص کا مرض ہمیشہ بدھ کے دن ہی ظاہر ہوتا ہے۔ بعض علماء نے بدھ کے دن بیمار پرسی کو جانا بھی پسند نہیں کیا ہے۔

بدھ کا دن اور قبولیت دعا کا وقت ...... مگر کتاب منہاج حلیمی اور علامہ بیہقی کی شعب الایمان میں یہ ہے کہ بدھ کے دن زوال کے بعد اور عصر سے پہلے پہلے کا وقت دعا کی قبولیت کا ہے کیونکہ اسی دن آنحضرت ﷺ نے کفار کے لشکر احزاب کے خلاف اس وقت میں جو دعا فرمائی تھی وہ قبول ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت جابرؓ اپنے اہم کاموں کے شروع میں دعا کرنے کے لئے اس گھڑی کو تلاش کیا کرتے تھے۔ نیز ایک قول ہے کہ بدھ کے دن جو کام بھی شروع کیا جاتا ہے وہ بخیر و خوبی انجام پذیر ہوتا ہے لہذا تعلیم وغیرہ جیسے کام بدھ کے دن ہی شروع کئے جانے مناسب ہیں۔

جمعرات کا دن ...... غرض اسی طرح آنحضرت ﷺ سے جمعرات کے دن کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہ مرادیں بر آنے کا دن ہے اس لئے کہ اسی دن حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے ملاقات کی تھی۔ اس نے ان کی مراد پوری کی اور حضرت ہاجرہ کو ان کے سپرد کیا تھا۔"

چنانچہ اسی بناء پر بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ یہ جمعرات کا دن مرادیں پوری ہونے اور بادشاہوں سے ملنے کا دن ہے۔

جمعہ کا دن ...... اسی طرح آنحضرت ﷺ سے جمعہ کے دن کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہ نکاح اور شادی بیاہ کا دن ہے کیونکہ اسی دن آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حواء سے ہوا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے ہوا تھا، موسیٰ علیہ السلام کا نکاح شعیب کی بیٹی سے ہوا تھا اور سلیمان علیہ السلام کا نکاح بلقیس سے ہوا تھا۔"

(ی) نیز اسی دن آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے اور حضرت عائشہؓ سے ہوا تھا۔

یوم جمعہ کیلئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے تخصیص ...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ہجرت سے پہلے ہمیں جمعہ کی نماز قائم کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی یعنی جمعہ کی نماز کا آغاز انہوں نے اپنے اجتہاد سے نہیں کر دیا تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر ایسا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو اپنے گرامی نامہ میں لکھا،

امّا بعد! اس دن کا خیال کرو جس کے بعد والے دن میں یہودی اپنے یوم عبادت کی وجہ سے زبور کی تلاوت کرتے ہیں، یعنی وہ دن سنیچر سے پہلے کا دن ہے۔ اس دن تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو اور جب دن

اپنے نصف سے گزر جائے تو تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور دو رکعتوں کی نیاز پیش کرو۔"

چنانچہ حضرت مصعبؓ زوال کے بعد اسی طرح جماعت کرتے رہے یعنی جمعہ کی نماز پڑھتے رہے یعنی ان کا یہی دستور رہا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ مدینے تشریف لے آئے۔

اس بارے میں ایک تحقیقی بحث...... اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن مسلمانوں کے لئے خود آنحضرت ﷺ نے متعین فرمایا تھا۔ مگر یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس گزشتہ قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دن کی طرف تمہیں ہدایت فرمادی۔ کیونکہ بظاہر اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس دن کی طرف مسلمانوں کو جو ہدایت ہوئی وہ ان کے اپنے اجتہاد کے نتیجہ میں ہوئی۔

اسی کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی سند صحیح ہے کہ ایک دفعہ انصاری مسلمانوں نے کہا کہ یہودیوں کا بھی ایک خاص عبادت کا دن ہے جس میں وہ ہر ہفتے جمع ہوتے ہیں اور ایسے ہی نصرانیوں کا بھی ایک خاص دن ہے اس لئے آؤ ہم بھی اپنا ایک دن خاص کرلیں جس میں ہم جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں، نمازیں پڑھا کریں اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا کریں۔

اس کے بعد انہوں نے عروبہ یعنی جمعہ کا دن اپنے لئے خاص کر لیا۔ کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی جو اس نوع انسانی کی اصل اور ابتداء ہیں اور اسی دن مخلوقات کی فنا اور انتہا بھی رکھی گئی ہے کیونکہ قیامت اسی دن میں قائم ہوگی۔ لہٰذا اسی دن ابتدا بھی ہے اور اسی دن انتہا بھی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ظاہر ہے، مسلمانوں نے جمعہ کا دن اپنے اجتہاد سے اپنے لئے خاص کیا تھا (آنحضرت ﷺ کے متعین فرمانے پر نہیں)۔

ہاں اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ غالباً جمعہ کا دن منتخب کرنے کے سلسلے میں ابتداء میں یہ فیصلہ مسلمانوں نے خود کیا تھا اس کے بعد انہوں نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دیدی یعنی مسلمانوں نے جو کچھ خود اپنے اجتہاد سے پسند کیا تھا اسی کے مطابق وحی آگئی (یعنی مسلمانوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی عین مرضی کے مطابق تھا چنانچہ وحی کے ذریعہ اس کی تصدیق ہوگئی)۔

اب اس بارے میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے معلوم کرنے پر اور وحی کے آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعبؓ کو جمعہ کے متعلق لکھا ہوتا تو اس کے الفاظ یہ نہ ہوتے کہ اس دن کا خیال کرو بلکہ آپ ﷺ کے الفاظ یہ ہوتے کہ اس دن یہ کرو۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے جب آنحضرت ﷺ سے ہفتے میں اپنے لئے ایک دن خاص کرنے کے بارے میں پوچھا تھا تو اس میں جمعہ کا دن متعین کرکے نہیں لکھا تھا (یعنی اگرچہ اپنے طور پر وہ جمعہ کے دن پر متفق ہوئے تھے مگر آنحضرت ﷺ کو انہوں نے اپنے انتخاب سے مطلع نہیں کیا تھا بلکہ صرف کوئی ایک دن خاص کئے جانے کے لئے لکھا تھا اس پر آنحضرت ﷺ نے جمعہ کے دن کو ان کے لئے متعین فرمادیا جو خود ان کے انتخاب کے مطابق تھا)۔

اس بارے میں شیخ ابو حامد کا ایک قول یہ گزر چکا ہے کہ جمعہ کی نماز کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے مدینے کے مسلمانوں کو اس وقت ہی حکم فرمادیا تھا جبکہ آپ ﷺ خود مکہ میں تھے اور آپ ﷺ مکہ میں جمعہ اس لئے

نہیں پڑھتے تھے کہ وہاں مسلمانوں کے پاس اتنی طاقت اور آزادی نہیں تھی۔ اس قول کے متعلق علامہ ابن حجر کا یہ تبصرہ بھی گزر چکا ہے کہ یہ ایک غریب قول ہے چنانچہ ابن حجرؒ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ نے جمعہ کی نماز کا حکم مکہ میں رہتے ہوئے دیا تھا اور خود اس لئے جمعہ ادا نہیں کر سکے تھے کہ مکہ میں مسلمان کمزور تھے تو آپ ﷺ حضرت مصعبؓ کو اسی وقت جمعہ کا حکم فرمادیتے جبکہ آپ ﷺ نے ان کو مدینہ بھیجا تھا حالانکہ اس قول کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت مصعبؓ کے مدینہ جانے کے بعد ان کو جمعہ کا حکم فرمایا۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جب حضرت مصعبؓ کو آپ ﷺ مدینہ بھیج رہے تھے اس وقت تک جمعہ کی نماز کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا بلکہ ان کے مدینہ چلے جانے کے بعد حکم آیا۔

یا اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جمعہ کا حکم اس وقت نازل ہو چکا تھا تو بھی آپ ﷺ نے اس کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے پہلی شرط نمازیوں کی تعداد ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے چالیس آدمیوں کی شرط ہے جبکہ حضرت مصعبؓ کو مدینہ بھیجے جانے کے وقت مدینہ میں چالیس تک مسلمانوں کی تعداد نہیں پہنچی تھی (مگر یہ دوسرا جواب شوافع کے لئے تو ٹھیک ہو سکتا ہے جن کے یہاں جمعہ کی نماز کے لئے چالیس آدمیوں کی موجودگی ضروری ہے، احناف کے لئے نہیں۔ پہلا جواب ہی احناف کے لئے صحیح ہے)۔

چنانچہ اس کے بعد جیسے ہی آنحضرت ﷺ کو اس بات کا علم ہوا کہ مسلمانوں کی یہ مذکورہ تعداد پوری ہو گئی ہے، آپ ﷺ نے فوراً ہی حضرت مصعبؓ کو جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے حکم نامہ ارسال فرمایا، جس میں آپ ﷺ نے وہی الفاظ استعمال فرمائے کہ اس دن کا خیال کرو وغیرہ۔

ادھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ ان سب روایتوں کی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن میں مسلمانوں کو جس بات کی طرف ہدایت فرمائی تھی وہ عبادت کرنا اور جمعہ کی نماز ادا کرنا تھا، اس دن کا نام جمعہ رکھنا نہیں تھا (یعنی یہ ہدایت و رہنمائی نماز ادا کرنے کے متعلق تھی منجانب اللہ یہ ہدایت مراد نہیں کہ اس دن کا نام جمعہ رکھا جائے) جیسا کہ اس بارے میں علامہ سہیلی کا قول گزرا ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اس دن کا کا نام جمعہ رکھنے کا تعلق ہے اس کے متعلق میں کسی روایت سے واقف نہیں ہوں مگر علامہ سہیلی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت مصعبؓ کو جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے حکم نامہ ارسال فرمایا تھا تو اس میں آپ ﷺ نے اس دن کا نام جمعہ رکھا تھا جیسا کہ اسراء کے واقعہ میں بھی اس بارے میں ذکر گزرا ہے۔

<u>جمعہ نام کا سبب اور اس کی تاریخ</u>...... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کعب ابن لوئی وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروبہ کا نام یوم جمعہ رکھا۔ گزشتہ روایت میں اور اس میں پھر بھی کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے کعب ابن لوئی نے اس کا نام جمعہ رکھا ہو مگر مدینہ کے انصاری و مہاجر مسلمانوں تک یہ بات نہ پہنچی ہو چنانچہ انہوں نے بھی اس دن کا نام جمعہ ہی رکھا جو محض ایک حسن اتفاق ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ اس دن کا نام جمعہ رکھنے کا سبب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا،

"اس لئے کہ اس دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی طینت یعنی مشت خاک کو جمع کیا گیا تھا۔"

یہ بات ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس بارے میں یہاں اور اسراء کے واقعہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مدینہ میں اسلام کی اشاعت ...... حضرت مصعبؓ ابن عمیر کے مدینہ میں تبلیغ کرنے کے نتیجہ میں حضرت سعد ابن معاذ اور ان کے چچازاد بھائی حضرت اسید ابن حضیر ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے حضرت اسید حضرت سعدؓ سے ایک دن پہلے مسلمان ہوئے تھے چنانچہ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت اسعدؓ ابن زرارہ ایک دن حضرت مصعبؓ کے ساتھ بنی ظفر کے باغوں میں سے ایک باغ میں گئے اور وہاں بیٹھ گئے ان کے پاس وہاں وہ لوگ بھی آکر جمع ہوگئے جو اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے اس وقت سعد ابن معاذ اور اسید ابن حضیر اپنی قوم یعنی بنی عبدالاشہل کے سردار تھے اور دونوں مشرک یعنی اپنی قوم کے دین پر تھے۔ سعد ابن معاذ نے اسید ابن حضیر سے کہا،

اُسید اور سعد کا اسلام ...... کیا خیال ہے کہ تم اور ہم ان دونوں آدمیوں یعنی حضرت اسعدؓ ابن زرارہ اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے پاس چلیں جو ہمارے علاقہ اور ہمارے قبیلے میں کمزور لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے آئے ہوئے ہیں ہم ان دونوں کے پاس جاکر انہیں ڈانٹیں اور اس حرکت سے منع کریں۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں،

"تم اسعد ابن زرارہ کے پاس جاؤ اور اس کو ہماری طرف سے تنبیہ کرو کہ وہ ایسی حرکتیں بند کردے جو ہم پسند نہیں کرتے مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اس اجنبی آدمی کے ساتھ ہمارے کم عقل اور کمزور لوگوں کو بے وقوف بناتا پھرتا ہے۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اگر اسعد ابن زرارہ سے میرا رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تمہارے بجائے خود ہی اس سے نمٹ لیتا مگر وہ میرا خالہ زاد بھائی ہے اور میرا اس سے الجھنا مناسب نہیں ہے۔"

یہ سن کر اسید ابن حضیر نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور ان دونوں کی طرف روانہ ہوئے حضرت اسعد ابن زرارہ نے جب اسید کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے حضرت مصعبؓ سے کہا،

"یہ آنے والا شخص اپنی قوم کا سردار ہے اور آپ کے پاس آرہا ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات ثابت بھی کردی جو انہوں نے حضرت اسید کی سرداری کے متعلق کہی تھی۔ پھر حضرت مصعبؓ نے ان کو بٹھانے کے لئے کہا،

(قال) اسید آکر ان دونوں کے پاس کھڑے ہوگئے۔ اس وقت ان کا چہرہ غضب ناک ہو رہا تھا، انہوں نے ان دونوں سے کہا،

"تم دونوں کس لئے ہمارے یہاں آئے ہو۔ کیا ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یا تمہاری کوئی ضرورت ہم سے متعلق ہے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اسید نے حضرت اسعد ابن زرارہ سے کہا،

"اے اسعد! ہمارا تمہارا کیا جھگڑا تھا جو تم اس اجنبی کو ساتھ لے کر ہمارے پاس آئے ہو اور ہمارے کمزور اور کم عقل لوگوں کو بے وقوف بناتے پھرتے ہو اگر اپنی جان پیاری ہے تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ "تم آخر کس مقصد سے ہمارے علاقے میں اس تن تنہا اور بے یار و مددگار اجنبی کو لے کر آئے ہو جو ایک بے سر و پا بات کے لئے لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے اور اس کی طرف لوگوں کو

دعوت دیتا پھرتا ہے۔"

اسید پر کلام حق کا اثر...... اس پر حضرت مصعبؓ نے اسید سے کہا،

کیا آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر میری وہ بات نہیں سنیں گے۔ اگر تمہیں وہ بات پسند آئے تو اس کو مان لینا اور اگر ناپسند ہو تو چھوڑ دینا یعنی ناپسند ہو تو ہمیں اس کے سنانے سے روک دینا۔"

اسید نے یہ سن کر کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہی ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا ہتھیار یعنی نیزہ زمین میں گاڑا اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ اب حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کی تلاوت کی، یہ کلام سن کر اسید بے اختیار کہہ اٹھے،

"کتنا اچھا اور خوبصورت کلام ہے یہ، جو شخص اس دین میں داخل ہونا چاہے اسے کیا کرنا پڑتا ہے۔"

ان دونوں نے کہا،

"صرف یہ کہ تم غسل کر کے اپنے آپ کو پاک کر لو، اپنے کپڑے پاک کر لو، پھر اس سچائی کی گواہی دو اور نماز پڑھ لو۔"

یہ سنتے ہی اسید اٹھے، انہوں نے غسل کیا، اپنے کپڑے پاک کئے، پھر انہوں نے حق کی شہادت دی اور اس کے بعد انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی جو نماز توبہ تھی۔

چنانچہ اصحاب سنن نے روایت بیان کی ہے جس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"جو بندہ بھی کوئی گناہ کرتا ہے اور اس کے بعد وہ اچھی طرح پاک صاف ہو کر دو رکعت نماز توبہ پڑھ لے اور پھر اللہ عزوجل سے اپنے گناہ کی معافی مانگے تو حق تعالیٰ اس کا گناہ معاف فرما دیتا ہے۔"

غرض مسلمان ہو جانے کے بعد حضرت اسید نے ان دونوں سے کہا،

"میں اپنے پیچھے ایک ایسے شخص کو چھوڑ کر آیا ہوں کہ اگر اس نے تمہاری پیروی اختیار کر لی تو اس کی قوم کا ہر شخص تمہاری پیروی اختیار کر لے گا۔ میں اس شخص کو ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ وہ شخص سعد ابن معاذ ہے۔"

اس کے بعد حضرت اسید نے اپنا نیزہ اٹھایا اور وہاں سے سعد ابن معاذ اور ان کی قوم کے پاس گئے۔ اس وقت یہ سب لوگ اپنی ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہی سعد ابن معاذ نے اسید کو آتے دیکھا تو ان کی صورت دیکھتے ہی بولے۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسید ابن حضیر تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آرہا ہے جو وہ تمہارے پاس سے لے کر گیا تھا۔"

سعد مبلغ اسلام کے سامنے...... پھر جیسے ہی حضرت اسید محفل کے پاس آکر ٹھہرے سعد نے ان سے پوچھا کہ تم کیا کر کے آئے ہو۔ اسید نے کہا،

"میں نے ان دونوں آدمیوں سے گفتگو کی ہے مگر خدا کی قسم مجھے ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ میں نے ان دونوں کو ان کے کام سے روکا تو انہوں نے کہا ہم وہی کریں گے جو تم چاہتے ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بنی حارثہ کے لوگ اسعد ابن زرارہ کو قتل کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں اور ایسا وہ اس

لئے کر رہے ہیں کہ ان کو معلوم ہے کہ اسعد تمہارا خالہ زاد بھائی ہے لہذا وہ تمہیں رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے ایسا کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی سعد ابن معاذ ایک دم غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور اسید کے ہاتھ سے نیزہ لے کر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے،

"خدا کی قسم میرے خیال میں میرے ہتھیار نے کبھی دغا نہیں دی!"

اس کے بعد وہ اسعد اور مصعب کی طرف روانہ ہوئے۔ جیسے ہی اسعد نے ان کو آتے ہوئے دیکھا انہوں نے حضرت مصعبؓ سے کہا،

"خدا کی قسم تمہارے پاس اسید کے بعد اب ان کی قوم کا سردار آرہا ہے۔ اگر یہ تمہارے پیرو بن گئے تو ان کی قوم میں سے دو آدمی بھی تمہارے خلاف نہیں رہیں گے۔" ادھر سعد ابن معاذ نے جب دور سے ان دونوں کو مطمئن بیٹھے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ اسید کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں ان سے مل کر ان کی بات سن لوں۔ چنانچہ وہ ان دونوں کے پاس پہنچے اور غصے کے ساتھ اسعد ابن زرارہ سے بولے،

"اے ابو امامہ! خدا کی قسم اگر تمہارے اور میرے درمیان رشتے داری کا تعلق نہ ہوتا تو تم ہرگز یہ حرکتیں نہیں کر سکتے تھے۔ کیا تم ہمارے ہی گھروں میں آکر ہم سے وہ باتیں کرتے ہو جو ہم پسند نہیں کرتے؟"

اس پر حضرت مصعبؓ نے سعد سے کہا،

"آپ ذرا دیر بیٹھ کر ہماری بات سن لیجئے، پھر اگر وہ بات آپ کو بھلی معلوم ہو تو اس کو مان لیں اور اگر ناپسند ہو تو ہمیں اس کے کہنے سے روک دیتا۔"

سعد کے اسلام کا زبردست اثر...... سعد نے کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہہ دی ہے پھر انہوں نے زمین پر اپنا نیزہ گاڑا اور اس کے پاس بیٹھ گئے اب حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام اور قرآن پیش کیا (اس کلام پاک کو سنکر سعد پر اثر ہوا اور) انہوں نے فوراً کہا کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اور اس دین میں داخل ہوتے ہیں ان کو کیا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت مصعبؓ نے کہا کہ غسل کر کے پاک صاف ہو جائیے، اپنے کپڑے پاک کر لیجئے اور پھر حق کی شہادت دے کر دو رکعت نماز پڑھ لیجئے۔ یہ سنتے ہی حضرت سعد اٹھے، نہائے دھوئے اور پاک کپڑے پہن کر انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور واپس اپنی مجلس کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مجلس میں حضرت اسید بھی موجود تھے جیسے ہی ان لوگوں نے حضرت سعد کو آتے دیکھا تو یہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم جو چہرہ لے کر سعد تمہارے پاس سے گئے تھے وہ چہرہ لے کر یہ واپس نہیں آئے ہیں۔ غرض حضرت سعد یہاں پہنچے اور مجمع کے سامنے کھڑے ہو کر بولے۔

"اے بنی عبد الاشہل! تمہارے نزدیک میری کیا حیثیت ہے؟"

لوگوں نے فوراً کہا،

"آپ ہمارے سردار اور ہم میں سب سے افضل ہیں آپ کی رائے ہم میں سب سے اعلیٰ ہے اور آپ ہم میں سب سے زیادہ سمجھدار اور نیک نفس انسان ہیں!"

یہ سن کر حضرت سعد نے ان لوگوں سے کہا،

"بس تو تم لوگوں اور تمہاری عورتوں سے کلام کرنا مجھ پر اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ تم اللہ اور

اس کے رسول پر ایمان نہیں لے آتے۔"

قبیلہ بنی اشہل آغوش اسلام میں...... راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد خدا کی قسم شام تک قبیلہ بنی اشہل میں کوئی مرد اور کوئی عورت ایسی باقی نہیں تھی جو مسلمان نہ ہو چکی ہو۔ وہ سارے کے سارے ایک ہی دن میں مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ عقبۂ اولیٰ کے بعد اور عقبۂ ثانیہ سے پہلے کا ہے (عقبۂ اولیٰ و ثانیہ سے مراد مدینہ کے لوگوں کی مکہ میں آنحضرت ﷺ سے وہ خفیہ ملاقاتیں ہیں جن میں یہ لوگ مسلمان ہوئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی مدد اور حفاظت کا عہد کیا تھا)۔

بنی اشہل کے سب ہی لوگ مسلمان ہو گئے صرف اصیرم یعنی عمرو ابن ثابت باقی رہ گئے۔ یہ غزوۂ احد تک مسلمان نہیں ہوئے۔ آخر احد کے موقعہ پر انہوں نے اسلام قبول کیا اور شہید ہو گئے مگر مسلمان ہونے کے بعد ان کو ایک بار بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق خبر دی ہے کہ یہ جنتی ہیں۔

مدینہ کے گھروں میں اسلام...... ابن جوزی نے لکھا ہے کہ انصاریوں میں سب سے پہلا قبیلہ جو مسلمان ہوا وہ بنی عبدالاشہل کا قبیلہ ہے۔ غرض اس کے بعد حضرت مصعب ابن عمیرؓ، حضرت اسعدؓ ابن زرارہ کے مکان ہی میں آکر رہنے لگے اور یہیں سب لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ انصاریوں کے مکانوں میں سے ایک بھی مکان ایسا نہیں رہا جس میں کوئی نہ کوئی مسلمان مرد یا عورت موجود نہ ہو البتہ مدینہ کے قرب و جوار میں جو دیہات تھے ان کے جو لوگ شہر میں آباد تھے وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے یعنی وہ دیہات جو نجد کی جانب میں آباد تھے۔

ابو قیس کا اسلام...... (قال) ایک قول یہ ہے کہ صرف اوس ابن حارثہ کے لوگوں کی ایک جماعت ایسی رہ گئی تھی جن میں ابھی تک اسلام نہیں پہنچا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں میں ابو قیس نامی ایک شخص تھا اس کا اصل نام صیفی ابن اسلت تھا، یہ اپنی قوم کا شاعر تھا لوگ اس کا کلام سنا کرتے تھے اور اس کی بات مانتے تھے کیونکہ یہ اکثر سچی اور حق بات کہتا تھا جاہلیت کے زمانے میں اس نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ اس نے موٹے جھوٹے کپڑے پہننے شروع کر دیئے تھے اور ناپاکی کے بعد غسل کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر یہ ایک مکان میں رہنے لگا اور اس کو ہی اس نے اپنی عبادت گاہ بنا لیا۔ پھر اس نے اعلان کیا کہ

"میں ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی عبادت کرتا ہوں اور اس مسجد میں کوئی حیض والی عورت یا ناپاکی کی حالت والا مرد داخل نہ ہو۔"

غرض یہ شخص معہ اپنی قوم کے اسلام سے علیحدہ رہا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اس کے بعد غزوۂ بدر و غزوۂ احد اور غزوۂ خندق بھی گزر گیا۔ اس کے بعد یہ ابو قیس بھی مسلمان ہو گئے اس وقت یہ بہت بوڑھے تھے۔

ان کے دیر سے اسلام قبول کرنے کا سبب بعض علماء نے بیان کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو ابو قیس نے بھی مسلمان ہونے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے تو راستے میں ان کو ابی ابن سلول ملا اور اس نے ان سے ایسی باتیں کہیں جن کو سنکر ابو قیس اسلام سے بیزار ہو گئے اور سخت غصے میں وہاں سے ہی واپس

ہو گئے۔ انہوں نے کہا،

"چاہے قوم کا آخری آدمی بھی مسلمان کیوں نہ ہو جائے میں اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کی پیروی نہیں کروں گا۔"

اس کے بعد جب ان کی موت کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس کہلایا کہ کلمہ پڑھ لو تاکہ میں قیامت میں تمہاری شفاعت کر سکوں چنانچہ انہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا دستور تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا کرتا تھا۔ چنانچہ ابو قیس کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے بھی باپ کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا۔ یہ رواج خاص طور سے مدینہ منورہ میں بہت زیادہ تھا یہاں تک کہ اسلام آنے کے بعد شروع کے زمانے میں بھی یہی دستور باقی رہا کہ باپ کے مرنے کے بعد سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیتا تھا آخر اس کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ[۲۲] (سورۂ نساء، پ ۴، ع ۱۴)

ترجمہ: اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔

مگر اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

مصعبؓ کی مکہ کو واپسی ...... غرض اس کے بعد حضرت مصعب ابن عمیرؓ مدینہ سے واپس مکہ گئے یہ حج کا موسم تھا حضرت مصعبؓ کے ساتھ بہت سے انصاری مسلمان بھی اپنی قوم کے دوسرے مشرک لوگوں کے ساتھ حج کے لئے مکہ گئے یہاں پہنچ کر جب آنحضرت ﷺ کو مدینہ میں اسلام کی کامیابی اور لوگوں کے مسلمان ہونے کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ بے حد مسرور ہوئے۔

ابن معرور کی قبل از حکم تبدیلیٔ قبلہ ...... کعب ابن مالک سے روایت ہے کہ ہم اپنی قوم کے مشرک حاجیوں کے ساتھ موسم حج میں مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ ہمارے بزرگ اور سردار براء ابن معرور بھی تھے۔ عربی زبان میں براء کے معنی مہینے کی آخری رات کے ہیں ان کا نام براء اسی لئے رکھا گیا تھا کہ یہ مہینے کی آخری رات میں پیدا ہوئے تھے۔ اسی طرح معرور کے معنی مراد اور مقصود کے ہیں۔

غرض کعب ابن مالک کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ سے روانہ ہوئے تو براء نے ہم سے کہا،

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے نہ جانے آپ لوگ اس سے اتفاق کریں گے یا نہیں؟"

ہم نے کہا وہ کیا بات ہے تو براء نے کہا،

"میں چاہتا ہوں کہ نماز میں کعبے کی طرف پیٹھ نہ کروں بلکہ کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھوں۔"

عام مسلمانوں کا انکار ...... کعب کہتے ہیں ہم نے یہ سن کر کہا،

"خدا کی قسم ہم تک ایسی کوئی خبر نہیں پہنچی کہ نبی کریم ﷺ نے شام یعنی بیت المقدس کے صخرہ کے سوا کسی اور طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہو۔ ہم ہرگز اپنے نبی کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔"

براء نے کہا کہ میں تو کعبے کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھوں گا۔

کعب کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ ہم تو ایسا نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی نماز کا وقت آتا تو ہم تو شام یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے جس کے نتیجہ میں کعبے کی طرف ہماری پیٹھ ہو جاتی

تھی اور براء کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے جس سے شام کی طرف ان کی پیٹھ ہو جاتی تھی۔ آخر ہم لوگ مکہ پہنچ گئے ہم اس دوران میں اس حرکت پر براء کو عیب لگاتے اور ان کو نصیحت کرتے رہے مگر براء نے ہماری کسی بات کی پرواہ نہیں کی بلکہ اپنی مرضی کے مطابق کعبے کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔ جب ہم مکہ پہنچے تو براء نے مجھ سے کہا،

"بھائی آؤ ذرا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں تاکہ اس سفر میں میں نے جو کچھ کیا ہے اس کے متعلق آپ ﷺ سے دریافت کریں۔ خدا کی قسم چونکہ تم سب لوگوں نے اس کی مخالفت کی تھی اس لئے میرے دل میں ایک کھٹک سی پیدا ہو گئی ہے۔"

آنحضرت ﷺ سے تحقیق حال...... کعب کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس بارے میں تحقیق کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے ملنے کے واسطے روانہ ہوئے مگر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے کیونکہ ہم نے کبھی آپ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا۔ راستے میں ہمیں مکہ کا ایک شخص ملا، ہم نے اس سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کیا تم ان کو پہچانتے نہیں۔ ہم نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا،

"کیا تم ان کے چچا عباس ابن عبد المطلب کو پہچانتے ہو؟"

ہم نے کہا ہاں: ہم لوگ عباس کو اس لئے پہچانتے تھے کہ وہ اکثر و بیشتر تجارت کی غرض سے ہمارے یہاں آتے رہتے تھے پھر اس شخص نے کہا،

"بس تو جب تم مسجد حرام میں داخل ہو تو جو شخص عباس کے پاس بیٹھا ہوا ملے وہ رسول اللہ ہوں گے۔"

چنانچہ جب ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے تو ہم نے حضرت عباسؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا، ہم نے آپ ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا،

"اے ابو الفضل! کیا تم ان دونوں آدمیوں کو پہچانتے ہو؟"

حضرت عباس نے کہا،

"ہاں! یہ براء ابن معرور ہیں جو اپنی قوم کے سردار ہیں اور یہ کعب ابن مالک ہیں۔"

حضرت کعب کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نہیں بھول سکتا جو آپ ﷺ نے میرے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا وہی کعب جو شاعر ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اب حضرت براء نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! میں اپنے اس سفر پر روانہ ہوا مجھے اللہ تعالیٰ اسلام کی ہدایت دے چکا تھا۔ اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس کعبے کو نماز کے دوران اپنی پشت پر نہ کروں چنانچہ میں نے کعبے کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں مگر میرے ساتھیوں نے اس بارے میں مجھ سے اختلاف کیا۔ اس وجہ سے اس معاملے میں میرے دل میں کھٹک پیدا ہو گئی ہے لہٰذا یا رسول اللہ! آپ اس بارے میں فیصلہ فرمائیں"

آپ ﷺ کا جواب...... آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا،

"تمہارے پاس ایک قبلہ (یعنی بیت المقدس) موجود تھا تم اس پر صبر کرتے تو بہتر تھا۔"

چنانچہ اس کے بعد حضرت براء نے آنحضرت ﷺ کا قبلہ یعنی بیت المقدس ہی اختیار کر لیا۔ مگر اس

موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت براء کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی وہ نمازیں لوٹائیں جو انہوں نے کعبے کی طرف منہ کر کے پڑھی ہیں حالانکہ حضرت براء مسلمان ہو چکے تھے (اور وہ نمازیں انہوں نے مسلمان ہونے کی حالت میں ہی پڑھی تھیں) البتہ آپ ﷺ نے ان کے سامنے یہ بیان فرمادیا کہ ان پر بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھنا واجب تھا کیونکہ انہوں نے اس کی خلاف ورزی اپنی مرضی سے کی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے۔

ادھر اس روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں رہتے ہوئے اور اس کے بعد بھی قبلہ بدلے جانے کا حکم آنے تک آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اس بارے میں گزشتہ ایک مقام پر کہا گیا تھا کہ آگے اس بات کی وضاحت آئے گی وہ وضاحت یہی ہے۔

انصار سے خفیہ ملاقات کا وعدہ...... غرض حضرت کعب کہتے ہیں کہ پھر ہم حج کے ارکان پورے کرنے کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عقبہ کی گھاٹی میں ملاقات کا وعدہ فرمایا یعنی جب مدینہ کے یہ انصاری مسلمان عقبہ کی ترائی میں جہاں اب مسجد بیعہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ منیٰ سے چلیں تو دائیں گھاٹی میں ملیں۔ ملاقات کا وقت رات کا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ساتھ ہی ان کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ ملنے کے لئے مقررہ جگہ پر جاتے ہوئے سونے والوں کو جگانے اور غیر حاضر لوگوں کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ملاقات پہلے کوچ کے دن کی رات میں ہوئی تھی۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ آخر ہم حج سے فارغ ہوگئے اور وہ رات آگئی جس میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات کا وعدہ تھا۔ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے مشرک لوگ بھی موجود تھے ہم ان سے اپنے معاملے کو چھپاتے تھے ان مشرکوں میں ابو جابر عبداللہ ابن عمرو ابن حزام بھی تھا جو ہمارے سرداروں میں سے تھا، ہم نے ان سے بات کی اور کہا۔

"اے ابو جابر! آپ ہمارے سرداروں اور معزز لوگوں میں سے ایک ہیں۔ اس لئے ہم آپ کو اس گمراہی میں دیکھنا نہیں چاہتے جس کے نتیجہ میں کل آپ کو جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔"

اس کے بعد ہم نے ان کو اسلام کی دعوت دی جس کو انہوں نے قبول کیا اور مسلمان ہوگئے۔ اب ہم نے ان کو اپنی طے شدہ ملاقات کے بارے میں بتلایا تو وہ بھی ہمارے ساتھ عقبہ کے مقام پر گئے۔

اسلام کے لئے قربانیاں...... اس رات ہم اپنے پڑاؤ اور خیموں میں ہی رہے اور جب ایک تہائی رات گزر گئی تو ہم آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے لئے مقررہ جگہ پہنچنے کے لئے اپنے پڑاؤ سے نکلے، ہم لوگ ایک ایک دو دو کر کے چپکے چپکے پڑاؤ سے نکلتے جاتے تھے۔ آخر ہم عقبہ کے قریب گھاٹی میں سب کے سب جمع ہوگئے۔ ہم کل ملا کر تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں عورتوں میں ایک تو نُسَیبہ تھیں ان کا لقب اُمّ عمارہ تھا اور یہ بنی نجار میں سے تھیں۔ یہ نُسَیبہ بعد میں جنگوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہا کرتی تھیں اور اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں حبیب اور عبداللہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ان کے بیٹے حبیب کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد جھوٹے نبی مسیلمہ نے پکڑ لیا تھا وہ ان کو زبردست عذاب دیتا اور کہتا،

"کیا اب بھی تو یہی شہادت دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟"

حضرت حبیب کہتے، ہاں۔ پھر مسیلمہ کہتا،

"اور یہ شہادت بھی دیتا ہے کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔"

حضرت حبیب کہتے نہیں اس پر وہ بدبخت ان کے جسم کا کوئی ایک عضو کاٹ ڈالتا۔ وہ ظالم اسی طرح حضرت حبیب کے جسم کے حصے کاٹتا رہا یہاں تک کہ اس نے سب اعضاء کاٹ ڈالے اور حضرت حبیب جاں بحق ہو گئے۔ حضرت حبیبؓ کی والدہ اُمّ عمّارہ کے ساتھ مسیلمہ کی جنگ میں جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل آگے بیان ہو گی۔ اُمّ عمارہ کے علاوہ اس مجمع میں دوسری عورت اُمّ منیع تھیں۔

انصار کی تعداد...... پچھلی جس روایت میں عقبہ کے مقام پر انصاریوں کی تعداد تہتّر بتلائی گئی ہے اس سے حاکم کی اس روایت کی مخالفت نہیں ہوتی جس میں ان مسلمانوں کی تعداد پچھتّر بتلائی گئی ہے کیونکہ مردوں اور عورتوں کی تعداد ملا کر اس روایت میں بھی کل تعداد پچھتّر ہی ہوتی ہے۔ البتہ ابن مسعودؓ کی اس روایت سے اس کی مخالفت ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان مسلمانوں کی کُل تعداد ستّر یا ایک دو آدمی زائد تھی اور دو عورتیں تھیں (کیونکہ اس طرح کُل تعداد چوہتّر ہوتی ہے)۔

اس مجمع میں گیارہ آدمی قبیلہ اوس کے تھے۔ غرض حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ ہم یہاں آنحضرت ﷺ کا انتظار کرنے لگے آخر آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر ان کا انتظار فرما رہے تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ان دونوں باتوں سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ ان لوگوں سے پہلے وہاں پہنچے ہوں اور آپ ﷺ نے کچھ دیر ان کا وہاں انتظار کیا ہو مگر جب انکو آنے میں دیر لگی ہو تو آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے ہوں اور اس کے بعد اس وقت دوبارہ تشریف لائے ہوں جب کہ یہ لوگ وہاں آچکے تھے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عباسؓ کے ساتھ تشریف آوری...... اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا مگر اس وقت تک حضرت عباس مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھے۔ ان کا یہ جذبہ تھا کہ اپنے بھتیجے کے ساتھ اس موقعہ پر وہ موجود ہوں اور اس معاملہ کو خود دیکھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت اور اس روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ اس موقعہ پر آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے کیونکہ حضرت عباس نے حضرت علیؓ کو نگرانی کے لئے اس گھاٹی کے دہانے پر کھڑا کر دیا تھا۔ اسی طرح گھاٹی کے دوسرے دہانے پر انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو متعین کیا تھا لہٰذا گھاٹی کے اندر مسلمانوں کے پاس آنحضرت ﷺ پہنچے تو آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عباسؓ کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں تھا۔ واللہ اعلم

عباس کی تقریر...... غرض جب سب لوگ بیٹھ گئے تو سب سے پہلے حضرت عباس نے اس طرح گفتگو شروع کی۔

"اے گروہ خزرج!"۔ انہوں نے اوس و خزرج کے بجائے صرف خزرج اس لئے کہا کہ عربوں کے محاورے میں خزرج بول کر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے آدمی مراد لئے جاتے تھے۔ ویسے بھی خزرج کے لوگ اوس کے مقابلے میں زیادہ تھے اسی لئے دونوں کو خزرجی کہا جاتا تھا۔ غرض حضرت عباس نے کہا،

"جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے محمد ﷺ ہمارے میں سے ہیں اور ہم نے اپنی قوم کے مخالف لوگوں سے ان کی ہمیشہ حفاظت کی ہے لہذا اس وقت بھی یہ اپنی قوم میں محفوظ اور اپنے شہر میں معزز ہیں۔ تمہارے سوا یہ کبھی کسی کی طرف اتنے متوجہ اور مائل نہیں ہوئے صرف تمہارے ہی ساتھ ٹل کر رہنے پر رضامند ہوئے ہیں۔ لہذا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے ان سے جو عہد و پیمان کیا ہے اس کو تم پورا کر سکو گے اور ان کے مخالفوں سے ان کی حفاظت کر سکو گے تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان کی حفاظت نہیں کر سکو گے بلکہ ان کے تمہارے درمیان پہنچ جانے کے بعد تم یعنی تمہاری قوم کے لوگ ان کو دشمن کے ہاتھوں میں پڑ جانے دیں گے تو ابھی سے ذمہ داری نہ لو کیونکہ اس وقت بھی یہ اپنی قوم اور اپنے وطن میں محفوظ اور معزز ہیں۔"

اقرار خلوص ...... اس پر حضرت براء ابن معرور نے کہا،

"خدا کی قسم جہاں تک ہمارا تعلق ہے اگر ہم اس سے زیادہ کوئی عہد و پیمان کرنے کی طاقت رکھتے تو ضرور کر لیتے۔ حقیقت میں ہم لوگ پوری سچائی اور خلوص کے ساتھ وفاداری کا پیماں کر رہے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ہر طرح حفاظت اور حمایت کریں گے۔"

(ی) حضرت براء ابن معرور پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے ایک تہائی مال کا وعدہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے ان سے یوں کہا،

"محمد ﷺ نے تمہارے سوا تمام لوگوں کی حفاظت و حمایت کی پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے اس لئے اگر تم اتنے مضبوط، قوی، جنگ و جدل کے ماہر ہو اور عربوں کی دشمنی بھگتنے کے سلسلے میں مستقل مزاج لوگ ہو تو بتاؤ اور اپنے درمیان اتحاد اور اتفاق باقی رکھنے کا وعدہ کر کے اٹھو کیونکہ یہی بات ہی سب سے بہتر ہوتی ہے۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: حضرت عباس کا یہ کہنا کہ محمد ﷺ نے تمہارے سوا تمام لوگوں کی پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے۔ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سے پہلے انصاری مسلمانوں کے سوا کچھ دوسرے لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ کی حفاظت و حمایت کی پیشکش کی تھی مگر آنحضرت ﷺ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا۔ مگر اب تک گزری ہوئی تفصیلات سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ادھر حضرت عباس کے جملے میں لفظ کُلّھُمْ ہے جس کے معنی ہیں کہ محمد ﷺ نے تمہارے سوا تمام لوگوں کی پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے۔ اب اگر اس جملے میں کُلّھُمْ کا یہ لفظ نہ ہوتا تو یہاں ...... لوگوں سے مراد قبیلہ شیبان ابن ثعلبہ ہو سکتا تھا کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزرا ہے اس قبیلے نے آپ کو حمایت و حفاظت کی پیش کش کی تھی اور کہا تھا کہ عرب علاقوں میں عربوں کی طرف سے آپ ﷺ کو جو بھی خطرہ پیش آئے گا اسکے مقابلہ میں ہم آپ ﷺ کی مدد کریں گے البتہ کسریٰ فارس کے علاقوں میں جو آپ ﷺ کے دشمن ہوں گے انکے مقابلہ میں ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اس پیشکش کو آنحضرت ﷺ نے ٹھکرا دیا تھا۔

اسی طرح اس جملے میں ...... لوگوں ...... کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ لوگ جن کی پیشکش کو آنحضرت ﷺ کے خاندان اور گھر والوں نے ٹھکرا دیا تھا (یعنی کچھ پیشکشیں براہ راست آپ کے گھر والوں تک پہنچی ہوں اور انہوں نے خود ہی ان کو رد کر دیا ہو) واللہ اعلم۔

عقبہ کی دوسری بیعت ...... غرض جب حضرت عباس نے مدینہ والوں سے یہ بات کہی تو انہوں نے جواب دیا ہم نے آپ کی بات سن لی ہے۔ اب یا رسول اللہ! آپ ﷺ اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو بھی

شرطیں ہم سے لینا چاہیں ہم اس کے لئے تیار ہیں۔"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ ﷺ اپنے لئے جو راہ مناسب سمجھیں وہ اختیار کریں اور اپنے رب کے لئے جو شرط چاہیں پیش فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

"اپنے رب کے لئے میں یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ تم اس معبود عزّوجل کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور اپنی ذات کے لئے میں یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ تم اسی طرح میری حفاظت و حمایت کرنا جس طرح اپنی جانوں کی اپنی اولادوں کی اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہو (یعنی ہر موقعہ پر اور ہر معاملے میں دل سے میری حمایت و حفاظت کرنا)"

یہ سن کر ابن رواحہ نامی ایک شخص نے کہا،

"لیکن اگر ہم اسی طرح آپ کی حفاظت و حمایت کریں تو اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"اس کے صلے میں تمہیں جنت کی نعمت ملے گی۔"

اس پر سب لوگوں نے کہا،

"یہ نفع کا سودا ہے جسے نہ ہم خود ختم کریں گے اور نہ ختم کرنے دیں گے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عباس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے گفتگو فرمائی، آپ ﷺ نے قرآن پاک کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں اور ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور اسلام کی ترغیب دلائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم ان تمام چیزوں سے میری حفاظت و نصرت کرو گے جن سے اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

<u>شرائط بیعت</u>...... "مجھ سے بیعت کرو کہ چستی و سُستی دونوں حالتوں میں تم میری پوری پوری اطاعت اور حکم برداری کرو گے، خوش حالی و تنگی دونوں حالتوں میں میرا ساتھ دو گے اور لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کے عہد پر بیعت کرو، یہ کہ تم حق کے معاملے میں ہمیشہ بولو گے اور حق بات کے کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرو گے، نیز اس پر بیعت کرو کہ تم ہمیشہ میری حمایت و مدد کرو گے اور جب میں تم لوگوں کے درمیان یعنی مدینہ پہنچ جاؤں تو وہاں تم ان سب چیزوں سے میری حفاظت کرو گے جن سے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنی لولاد کی حفاظت کرتے ہو اور ان سب کے بدلے میں تمہارا صلہ جنت کی نعمتیں ہیں۔"

یہ سنتے ہی حضرت براءؓ نے آنحضرت ﷺ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا،

"ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا کہ ہم یقیناً ان سب چیزوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے جن سے ہم اپنی عورتوں اور خود اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں روایت میں ازار کا لفظ ہے جو عرب محاورے کے مطابق اپنی جان لور عورتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم خدا کی

قسم جنگ وجدل کے رسیا اور ہتھیاروں کے استعمال کے ماہر ہیں، ہم میں پشت در پشت یہ شوق و مہارت چلی آرہی ہے۔"

حضرت براءؓ آنحضرت ﷺ سے یہ بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم ابن التیہان نے درمیان میں کہا،
"چاہے ہم پیسے پیسے کو محتاج ہو جائیں اور چاہے ہمارے تمام بڑے لوگ قتل ہو جائیں ہم ہر قیمت پر رسول اللہ ﷺ کو قبول کرتے ہیں۔"

اسی وقت حضرت عباس نے کہا،
ذرا دھیمی آواز میں بات کرو ہمارے پیچھے جاسوس لگے ہوئے ہیں۔"
اس کے بعد ابوالہیثم نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،
"یارسول اللہ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کچھ معاہدے ہیں جنہیں ہم اب توڑ رہے ہیں، لہذا کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم آپ ﷺ کی وجہ سے یہودیوں کے ساتھ اپنے معاہدے ختم کر کے ان سے بگاڑ پیدا کرلیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو یہ حکم مل جائے کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر واپس مکہ آجائیں۔

وعدۂ نبوی...... یہ سنکر آنحضرت ﷺ مسکرائے اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا،
"نہیں بلکہ میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میرا حرم اور تمہارا حرم ایک ہے۔"

عرب جب کسی حلف میں تاکید ظاہر کرتے تھے تو اسی طرح کہتے تھے، غرض آپ ﷺ نے فرمایا،
"اور تمہارا خون مباح میرا خون مباح ہے، میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے، میرا کوچ تمہارا کوچ ہے، میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ میں سے ہو، جس سے تم جنگ کرو گے اس سے میں جنگ کروں گا اور جس کو تم امان دو گے اس کو میری طرف سے بھی امان ہوگی۔"

اسی وقت حضرت عباس نے مدینہ والوں سے کہا،
"تم نے جو کچھ کہا اس کی پابندی تم پر لازم ہو گئی، تمہارے ذمہ کے ساتھ اللہ کا ذمہ ہے اور تمہارے عہد کے ساتھ اللہ کا عہد ہے، جو اس محترم مہینے اور اس محترم شہر میں کیا گیا ہے، اللہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھوں کے اوپر ہے، تم ان کی حمایت میں ثابت قدم رہنا اور ان کی ہر طرح حفاظت میں سر بکف رہنا۔"

سب نے کہا، بے شک۔ اس کے بعد حضرت عباس نے کہا،
"اے اللہ! تو سب کچھ سن رہا اور دیکھ رہا ہے میرے بھتیجے نے ان کی ذمہ داری میں جانا قبول کر لیا ہے اور اپنے آپ کو انکی حفاظت میں دیدینا منظور کر لیا ہے۔ اے اللہ! تو میرے بھتیجے کی طرف سے ان لوگوں پر گواہ رہنا۔"

بیعت کے بارہ نقیب یا ضامن...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان انصاریوں سے فرمایا تم اپنے میں سے بارہ ایسے ضامن اور سردار میرے لئے علیحدہ کردو جو اپنی قوم میں اثر والے ہوں۔"

چنانچہ ان لوگوں نے اپنے میں سے نو آدمی خزرج کے اور تین آدمی اوس کے علیحدہ کر دیئے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے یہ فرمایا تھا،
"موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ ضامن اور سردار منتخب کئے تھے، لہٰذا کوئی شخص اپنے

دل میں یہ نہ کہے کہ اس کے بجائے دوسرے کو کہا گیا ہے کیونکہ میرے لئے جبرئیل علیہ السلام منتخب فرمائیں گے۔"

بیعت میں جبرئیل علیہ السلام کی حاضری ...... یہ بات ثابت ہے کہ اس بیعت اور معاہدہ کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام یہاں موجود تھے چنانچہ اس کے بعد ان میں سے بارہ آدمی آنحضرت ﷺ کے جاں نثار منتخب کر لئے گئے جن کے نام یہ ہیں، سعد ابن عبادہؓ، اسعد ابن زُرارہؓ سعد ابن ربیعؓ، سعد بن ابی خثمہؓ، مُنذر ابن عمروؓ، عبداللہ ابن رواحہؓ، براء ابن معرورؓ، ابوالہیثمؓ ابن التیہان، اُسیدؓ ابن حضیر، عبداللہ ابن عمرو ابن حزامؓ، عبادہ ابن صامتؓ اور رافع ابن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے قبیلے کا نمائندہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان جاں نثاروں سے فرمایا،

بیعت پر پختگی کا اقرار...... تم لوگ اپنی اپنی قوم کی طرف سے اسی طرح میرے کفیل ہو جیسے حوارینِ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کفیل تھے اور میں اپنی قوم یعنی مہاجروں کی طرف سے کفیل اور ذمہ دار ہوں۔"

ایک قول یہ بھی ہے کہ انصاریوں کی طرف سے جس شخص نے گفتگو کی اور معاہدہ میں ان کی نمائندگی کی وہ حضرت اسعد ابن زرارہ تھے یہ عمر کے لحاظ سے ان سب میں کم تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا،

"اے یثرب والو! ہم اپنے اونٹوں کے کھُروں کو گھِستے ہوئے مدینہ سے یہاں تک صرف اس لئے اور یہ جان کر آئے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آج ان کو یہاں سے نکالنے کا مطلب تمام عربوں سے ہمیشہ کے لئے مفارقت و علیحدگی اور تمہارے بہترین لوگوں کے قتل کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے (یعنی عرب تم سے ناراض ہو کر کٹ جائیں گے اور جنگ کر کے تمہارے بہترین لوگوں کو قتل کر دیں گے) چاہے تمہارے ہاتھوں میں بھی تلواریں ہوں (مگر جنگ میں دونوں فریقوں کا زبردست نقصان ہوتا ہے) اس لئے اگر تم اپنے ان نقصانات پر صبر کر سکتے ہو جبکہ تمہارے بہترین لوگ قتل ہو رہے ہوں اور تمام عرب تم سے چھوٹ چکے ہوں تو ان کو یعنی رسول اللہ ﷺ کو تم اپنے ساتھ لے جاؤ اس صورت میں تمہاری قربانیوں کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہوگا اور اگر تم اس بارے میں اپنے نفس سے ڈرتے ہو (کہ وہ عین وقت پر ڈانواں ڈول ہو جائے گا) تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اس صورت میں اللہ کے نزدیک تم معذور ہو گے۔"

یہ سن کر ان کے سب ساتھیوں نے کہا،

"اے اسعد! معاہدہ کے لئے ہماری طرف سے اپنا ہاتھ پیش کر دو۔ خدا کی قسم ہم اس معاہدے کو کبھی نہ توڑیں گے اور نہ اس بارے میں کبھی پس و پیش کریں گے۔"

ایک قول یہ ہے کہ اس موقعہ پر انصاریوں سے جس نے گفتگو کی اور عہد کو مضبوط کیا وہ عباس ابن عبادہ ابن فضلہ تھے۔ انہوں نے کہا،

اے گروہ خزرج! کیا تم جانتے ہو کہ اس شخص کے ساتھ تم کس بات پر عہد کر رہے ہو؟ تم لوگ ان کے ساتھ سرخ اور سیاہ جنگوں میں ان کا ساتھ دینے پر عہد کر رہے ہو۔"

اس کا مطلب ہے کہ تم ہر اس شخص کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی حمایت و حفاظت کا عہد کر رہے ہو جو آپ ﷺ سے جنگ کرے۔ یہ مطلب اس لئے واضح کیا گیا کہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے کسی کو بھی

جہاد کی اجازت نہیں دی تھی۔ یہ اجازت آپ ﷺ نے مدینہ کو ہجرت کر جانے کے بعد دی ہے جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا اس سے پہلے آپ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے صرف یہ حکم تھا کہ مشرکوں کی طرف سے ایذار سانیوں کے جواب میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور صبر کریں اور جاہلوں کی بے ہودگیوں پر چشم پوشی کریں۔

جزا کا وعدہ...... غرض آگے عباس ابن عبادہ نے بھی وہی باتیں کہیں جو اسعد ابن زرارہ کی طرف سے بیان ہوئیں (۔ی) اس کے بعد سب لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! اگر ہم نے اپنا عہد پورا کیا تو ہمیں اس کا کیا صلہ ملے گا"

آپ نے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ور ضا اور جنت"

اس پر انہوں نے کہا،

"ہم اس صلہ پر راضی ہیں۔ بیعت لینے کے لئے اپنا ہاتھ لائیے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور سب لوگوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی (ی) ان میں سب سے پہلے جس شخص نے بیعت کی وہ حضرت براء ابن معرور تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسعد ابن زُرارہ تھے اور ایک قول کے مطابق سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت ابوالہیثم ابن التیہان تھے ان کے بعد باقی ستّر آدمیوں نے بیعت کی (ی) جہاں تک ان دو عورتوں کا تعلق ہے جو اس مجمع میں تھیں انہوں نے بغیر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے بیعت کی کیونکہ آنحضرت ﷺ عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے بلکہ صرف عہد لے لیتے تھے اور جب وہ بیعت کے الفاظ کہہ دیتیں تو آپ ﷺ فرمادیتے کہ جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں تفصیل آگے آئے گی۔

بیعت کرنے والے پہلے تین آدمی...... غرض یہ بیعت و معاہدہ سرخ وسیاہ جنگوں یعنی عرب اور عجم کے مقابلے میں تھا۔ ان میں یہ تین آدمی جن کے نام پچھلی سطروں میں ذکر کئے گئے سب سے پہلے بیعت لینے والے تھے ان سے پہلے کسی نے بیعت نہیں لی۔ اسی لئے اس بیعت کے سلسلے میں ان کی اولیت حقیقی بھی ہے اور اضافی بھی ہے (حقیقی اس لحاظ سے کہ سب سے پہلے بیعت لینے والے یہی تینوں تھے اور اضافی اولیت ان میں آپس کی نسبت سے ہے کہ دوسرے نمبر پر جس نے بیعت لی وہ اپنے سے پہلے کے مقابلہ میں تو بعد کا ہے مگر باقی سب کے لحاظ سے پہلا ہے)

کہا جاتا ہے کہ ابوالہیثم نے بیعت کے وقت یہ کہا تھا،

"یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ سے ان ہی سب باتوں پر بیعت کرتا ہوں جن پر بارہ اسرائیلی ضمانت داروں نے موسیٰ ابن عمران علیہ السلام سے بیعت کی تھی۔"

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے ان لفظوں میں بیعت کی،

"یا رسول اللہ! میں آپ سے ان تمام باتوں پر بیعت کرتا ہوں، جن پر بارہ حواریوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے بیعت کی تھی۔"

اسی طرح اسعد ابن زُرارہ نے یہ الفاظ کہے،

"میں اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتا ہوں اور پھر آپ ﷺ سے اس پر بیعت کرتا ہوں کہ میں اپنا عہد وفاداری کے ساتھ اور آپ ﷺ کی حمایت و حفاظت میں اپنا قول اپنے عمل سے پورا کروں۔"

نعمان ابن حارثہ نے یہ لفظ کہے،

"میں اللہ عزوجل سے بیعت کرتا ہوں اور یارسول اللہ! آپ ﷺ سے بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ حق کے معاملہ میں ہمیشہ پہل کروں گا اور اس بارے میں کسی اپنے اور بیگانے کا کوئی خیال نہیں کروں گا۔"

حضرت عبادہ نے یہ الفاظ کہہ کر بیعت کی،

"یارسول اللہ! میں اس بات پر آپ ﷺ سے بیعت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈروں گا۔"

سعد ابن ربیع کے الفاظ یہ تھے،

"میں اللہ تعالیٰ سے اور آپ ﷺ سے اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ میں کبھی آپ دونوں کی نافرمانی نہیں کروں گا اور آپ ﷺ سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

شیطان کی پکار...... اس بیعت کو عقبۂ ثانیہ یعنی عقبہ کے مقام پر ہونے والی دوسری بیعت کہا جاتا ہے۔ جب یہ بیعت ختم ہو گئی تو اچانک اس گھاٹی کے سرے سے شیطان چلّایا اور اس نے کہا۔ اے اہل جباجب! جباجب منیٰ کی منزلوں کو کہا جاتا ہے (۔ چونکہ یہ حج کا زمانہ تھا اس لئے قریش منیٰ کے مقامات پر ٹھہرے ہوئے تھے۔) کتاب ہدیٰ میں شیطان کے یہ لفظ ہیں،

"اے اہل افاشب! تمہیں مُذمّم اور اس کے بے دین ساتھیوں کا بھی کچھ پتہ ہے!"

یہاں مُذمّم سے مراد محمد ﷺ ہیں کیونکہ قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ کو محمد ﷺ کے بجائے مُذمّم کہا کرتے تھے، کیونکہ محمد کے معنی ہیں جس کی سب نے تعریف کی اور مُذمّم کے معنی ہیں جس کی سب نے برائی کی (قریشی مشرک آپ ﷺ سے اپنی انتہائی دشمنی کی وجہ سے آپ ﷺ کو محمد کے بجائے مُذمّم کہا کرتے تھے) اسی طرح یہاں بے دینوں سے مراد آپ ﷺ کے وہ صحابہ ہیں جنھوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی اور جن کے لئے شیطان نے صباۃ کا لفظ استعمال کیا کیونکہ جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا قریش کے لوگ اس کو صابی کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنے دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح قریش کی گالیوں اور لعنت ملامت کو مجھ سے پھیر دیا کہ وہ لوگ مُذمّم کو برا بھلا کہتے ہیں جبکہ میں محمد ہوں۔

غرض اس کے بعد شیطان نے پکار کر کہا،

"ان لوگوں نے یعنی آنحضرت ﷺ اور انصاریوں نے مل کر تم لوگوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

یہ آواز سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"یہ عقبہ کے شیطان کی آواز ہے۔ مگر اے خدا کے دشمن تو ہرگز ہمیں گھبرا نہیں سکتا۔"

یہاں شیطان کے لئے اِزْبُ الْعَقَبَۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ مرکّب نام مضاف اور مضاف الیہ کی ترکیب سے بنا ہے۔ مراد ہے، اس گھاٹی میں بسیرا کرنے والا شیطان۔ ویسے ازب چھوٹے اور ناٹے قد والے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا جس کا قد صرف دو بالشت کے قریب تھا

جوان کی سواری کے پالان پر بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابن زبیرؓ نے اس سے پوچھا کہ تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میں ازب ہوں۔ ابن زبیرؓ نے کہا ازب کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا جنّات میں کا ایک شخص ہوں۔ یہ سن کر حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے کوڑے کا تسمہ اس کے مارا جس سے وہ بھاگ گیا۔

اس آواز پر مسلمانوں کی گھبراہٹ...... غرض اسی وقت آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے پڑاؤ میں پہنچ جاؤ۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب انصاری مسلمانوں نے عقبہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تو پہاڑ کی چوٹی پر شیطان نے پکار کر قریش کے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا اور کہا،

"اے گروہ قریش! یہ اوس اور خزرج کے لوگ تمہارے ساتھ جنگ کا معاہدہ کر رہے ہیں۔"

یہ آواز سنکر انصاری مسلمان ایک دم گھبرا گئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا،

"اس آواز سے کوئی نہ گھبرائے یہ خدا کے دشمن ابلیس کی آواز ہے جن لوگوں سے تم ڈر رہے ہو ان میں سے کسی نے یہ آواز نہیں سنی۔"

جہاں تک اس پکار کو عقبہ کے شیطان یا ابلیس کی پکار کہنے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ابلیس جنّات کا باپ ہے (لہٰذا عقبہ کے شیطان کہنے سے اگر جن مراد ہے تو ابلیس کہنے سے جنّات کا باپ مراد ہے) یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری روایت میں خدا کا دشمن ابلیس کہنے سے عقبہ کا شیطان ہی مراد ہو کیونکہ وہ بھی ابلیسوں میں سے ایک ہے لہٰذا دونوں لفظوں سے وہی مراد ہے۔

جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہوا ہے اس بیعت عقبہ کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی یہاں موجود تھے، چنانچہ حضرت حارثہ ابن نعمانؓ سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ بیعت سے فارغ ہو گئے تو میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

اے اللہ کے نبی! میں نے یہاں ایک شخص کو دیکھا جو سفید کپڑوں میں تھا اور اس کا آپ ﷺ کی دائیں جانب کھڑا ہونا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کو دیکھا تھا۔ میں نے عرض کیا ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے۔ واللہ اعلم۔

افشائے راز...... غرض اس کے بعد یہ معاملہ پھیلنے لگا اور قریشی مشرکوں نے بھی اس کے متعلق سنا۔ (ی) کتاب الشریعت میں ہے کہ جب شیطان نے وہ آواز لگائی جس کا ذکر ہوا تو اس کی آواز بالکل منبہ ابن حجاج کی جیسی تھی۔ اس آواز کو سنکر عمرو ابن عاص اور ابو جہل کو بہت تشویش ہوئی، عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ میں اور ابو جہل یہ آواز سنکر عتبہ ابن ربیعہ کے پاس گئے اور ان کو اس آواز کے متعلق بتلایا مگر اس خبر سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ انہوں نے ہم سے کہا،

کیا تمہارے پاس منبہ نے خود آکر اس کے متعلق بتلایا تھا۔"

ہم نے کہا نہیں۔ تو عتبہ نے کہا،

"شاید یہ ابلیس کذّاب کی آواز تھی"

یہ حدیث بہت لمبی ہے اور اس میں بہت عجیب و غریب چیزیں بھی ہیں۔ پیچھے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ تم جن لوگوں سے ڈر رہے ہو ان میں سے کسی نے یہ آواز نہیں سنی ہے جبکہ یہاں عمرو ابن عاص اور ابو جہل کا سننا ثابت ہو رہا ہے مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ان دونوں کے سن لینے سے انصاریوں کو کوئی خوف و دہشت نہیں پیدا ہوئی تھی۔

قریش کی تشویش...... جب یہ خبر پھیل گئی تو مشرکین قریش کے بڑے بڑے سردار اور معزز لوگ شعب انصار میں آئے اور ان سے کہنے لگے،

"اے گروہ اوس و خزرج! ایک روایت میں صرف خزرج والو! کہا گیا ہے جس سے دونوں مراد ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ہمارے اس ساتھی یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کو ہمارے درمیان میں سے نکال لے جانے کے لئے آئے ہیں اور اس بارے میں تم نے ان سے مل کر ہمارے مقابلے میں جنگ کرنے کا معاہدہ کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر تمہارے کسی شخص کی وجہ سے ہمارے اور محمد کے درمیان جنگ چھڑتی ہے تو ہمارے نزدیک اس شخص سے زیادہ برا اور قابل نفرت کوئی نہیں ہے۔"

مشرکین اوس و خزرج کے حلف...... یہ سنکر اوس اور خزرج کے مشرکین قریش کے سامنے قسمیں اور حلف کرنے لگے کہ ایسی کوئی بات ہرگز نہیں ہوئی ہے (کیونکہ ان مشرکوں کو حقیقت میں اس پوری کارروائی کا کوئی پتہ نہیں تھا) یہاں تک کہ ابی ابن سلول (جو منافقوں کا سردار کہلایا) بھی بڑے یقین سے کہنے لگا،

"یہ بالکل غلط اور جھوٹا الزام ہے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ میں یثرب میں اپنی قوم کا سردار ہوں وہ لوگ مجھے دھوکے میں رکھ کر ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتے اور مجھ سے بتلائے اور میرے مشورہ کے بغیر اتنی بڑی بات نہیں کر سکتے۔"

قریش کی طرف سے انصار کا تعاقب...... مدینہ کے یہ مشرک اس معاملہ میں سچی بول رہے تھے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا ان لوگوں کو اس پورے معاملے کی کن فن بھی نہیں تھی۔ اس کے بعد لوگ منیٰ سے واپس اپنے اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔ مگر قریش مدینہ والوں کی اس گفتگو سے مطمئن نہیں ہوئے تھے اس لئے وہ اس کی تحقیق کرتے رہے آخر ان کو پتہ چلا کہ یہ بات سچ ہے اور مدینہ والوں نے واقعی قریش کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیا ہے۔ یہ تصدیق ہوتے ہی قریشی مدینہ والوں کے تعاقب اور تلاش میں دوڑے مگر قافلہ دور نکل چکا تھا اسلئے صرف دو آدمی ان کے ہاتھ لگے ایک سعد بن عبادہ اور دوسرے منذر ابن عمرو۔ ان میں سے حضرت سعد تو پکڑے گئے اور انہوں نے خدا کے نام پر بڑی بڑی اذیتیں اور عذاب برداشت کئے لیکن منذر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے پھر کچھ عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے سعد ابن عبادہ کو بھی مشرکوں کے پنجے سے نکال دیا۔

دو انصاریوں کی گرفتاری...... (قال) حضرت سعد کہتے ہیں کہ جب مشرکوں نے مجھے پکڑا تو انہوں نے میرے دونوں ہاتھ میری گردن میں باندھ دیئے اور بے تحاشہ میرے سینہ پر تھپڑ مارنے اور میرے بال پکڑ کر کھینچنے لگے۔ حضرت سعد کے بال بہت زیادہ تھے۔ غرض وہ کہتے ہیں کہ مشرکین اسی طرح کھینچتے ہوئے مجھے مکہ لے گئے۔ وہاں ایک شخص نے میری طرف اشارہ کیا۔ یہ ابوالبختری ابن ہشام تھا جو کفر کی حالت میں ہی مرا ہے۔ اس نے کہا؟

"تیرا ناس ہو۔ کیا تیرے اور قریش کے کسی آدمی کے درمیان کوئی پناہ یا ذمہ داری کا معاہدہ نہیں ہے؟"

میں نے کہا،

"ہاں ہے۔ جب جبیر ابن مطعم اپنی تجارت کے سلسلے میں مدینہ آیا کرتا تھا تو میں اس کو اپنے وطن میں ان لوگوں سے پناہ دیا کرتا تھا جو اس کے ساتھ کوئی ظلم و زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح حرث ابن حرب ابن اُمیّہ کو بھی پناہ دیتا تھا۔"

سعد ابن عبادہ کی رہائی...... ان میں جُبَیر ابن مُطعم معاہدہ حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے شخص حرث ابن حرب کے اسلام کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ یہ ابو سفیان کا بھائی تھا۔ غرض یہ سن کر ابوالبختری نے مجھ سے کہا،

"تیرا برا ہو۔ تو ان دونوں آدمیوں کا نام لے کر انہیں مدد کے لئے کیوں نہیں پکارتا!"

چنانچہ میں نے ان دونوں کا نام لے کر پکارا تو وہی شخص یعنی ابوالبختری ان دونوں آدمیوں کو بلانے گیا۔ اس وقت یہ دونوں حرم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان دونوں سے کہا،

"قبیلۂ خزرج کے ایک شخص کو ابطح میں لوگ مار رہے ہیں اور وہ تم دونوں کو مدد کے لئے پکار رہا ہے!"

انہوں نے پوچھا وہ کون ہے۔ ابوالبختری نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو سعد ابن عبادہ کہتا ہے چنانچہ یہ دونوں فوراً وہاں آئے اور انہوں نے مجھے چھٹکارہ دلایا۔

حضرت سعدؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ جس وقت کہ میں قریشیوں کے ہاتھوں میں گرفتار تھا اور پٹ رہا تھا کہ ایک گورا چٹا اور لمبے قد کا بہت خوبصورت شخص میرے سامنے آیا۔ میں نے اسے دیکھ کر دل میں کہا کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی کے دل میں بھلائی ہو سکتی ہے تو اسی میں ہو گی۔ وہ جب میرے قریب آیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور بڑے زور سے میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ خدا کی قسم جب اس شخص میں بھی خیر کا جذبہ نہیں ہے تو ان میں سے کسی میں بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ آنے والے شخص سہل ابن عمرو تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

غرض ادھر جب انصاری مسلمان واپس مدینہ پہنچے تو انہوں نے کھل کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور علی الاعلان اسلام کے ارکان پورے کرنے لگے کیونکہ ویسے تو مدینہ والوں میں اسلام پھیل ہی چکا تھا اور یہ راز پہلے ہی افشاء ہو چکا تھا جبکہ وہ اس بیعت عقبہ کے لئے مکہ گئے بھی نہیں تھے۔

عمرو ابن جموح اور ان کے بت کا واقعہ...... مدینہ میں ایک شخص عمرو ابن جموح تھے، یہ بنی سلمہ کے سرداروں اور معزز لوگوں میں سے تھے۔ یہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اگرچہ ان کے بیٹے معاذ ابن عمرو مسلمان ہو چکے تھے۔ عمرو ابن جموح نے اپنے مکان میں ایک بت رکھا ہوا تھا یہ لکڑی کا تھا اور اس کا نام مناة تھا کیونکہ مناة کی طرح اس کے سامنے برکت کے لئے قربانیاں کی جایا کرتی تھیں عمرو اس بت کا بہت احترام کرتے تھے ان کی قوم کے جو نوجوان مسلمان ہو چکے تھے جیسے معاذ ابن جبل ان کے بیٹے عمرو ابن معاذ اور معاذ ابن عمرو وغیرہ رات کے وقت چپکے سے اس بت کے پاس آتے اور اس کو گھر میں سے اٹھا کر باہر کسی ایسے گڑھے میں الٹا پھینک آتے جس میں شہر کی گندگی ڈالی جاتی تھی، عمرو صبح کو اٹھ کر بت کو نہ پاتے تو کہتے،

"تمہارا ناس ہو یہ کون ہے جس نے ہمارے معبود کی توہین کی؟"

بُت کی بے بسی کا مشاہدہ...... اس کے بعد وہ اسے ڈھونڈھنے نکلتے اور تلاش کر کے اور دھو کر واپس اس کی جگہ رکھ دیتے۔ رات ہوتی تو یہ نوجوان پھر وہی حرکت کرتے یہاں تک کہ آخر ایک دن عمرو نے بت کو خوب

اچھی طرح غسل دے کر اس کے خوشبوئیں لگائیں اور پھر اس کی گردن میں ایک تلوار لٹکا کر اس سے کہا،

"میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ یہ بدسلوکی کون کرتا ہے؟ اب اگر خود تجھ میں کوئی خیر اور طاقت ہے تو خود ان لوگوں کو روک دینا۔ میں اس مقصد سے تیرے پاس یہ تلوار چھوڑے جارہا ہوں۔"

رات ہوئی تو وہ نوجوان پھر وہاں پہنچے۔ انہوں نے وہ تلوار تو اس کے گلے میں سے نکال ڈالی اور ایک مرا ہوا کتا کھینچ کر لائے اس کو ایک رسی سے اس بت کے ساتھ باندھا اور پھر دونوں کو کھینچ کر بنی سلمہ کے ایک ایسے گڑھے میں پھینک آئے جس میں گندگی بھری ہوئی تھی۔

توفیق اسلام...... صبح کو عمرو اٹھ کر سیدھے بت کے پاس پہنچے اور اس کو گھر بھر میں موجود نہ پا کر اس کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ انہوں نے اس کو اس گڑھے میں ڈھونڈھ نکالا۔ اب جو انہوں نے بت کو اس حالت میں دیکھا کہ ایک مردہ اور گندا کتا اس کے ساتھ بندھا ہوا ہے تو ان کو عقل آئی۔ وہ یہاں سے سیدھے بعض مسلمانوں کے پاس پہنچے اور ان سے اسلام کے متعلق بات کی۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان بنے انہوں نے اس موقعہ پر کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔

ترجمہ: خدا کی قسم اگر تو معبود ہوتا تو تو اور کتا ایک جگہ بندھے ہوئے اس گڑھے میں نہ پڑے ملتے۔

مکہ میں مسلمانوں کو ہجرت کا حکم...... ادھر آنحضرت ﷺ نے ان تمام مسلمانوں کو جو آپ ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم فرمادیا کیونکہ جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جنگجو قوم کے ساتھ ناطہ جوڑ لیا ہے اور ان کے یہاں ٹھکانہ بنالیا ہے تو انہوں نے صحابہ کا مکہ میں جینا دوبھر کر دیا اور گالیوں اور ایذا رسانیوں کا ایسا طوفان اٹھایا کہ اب تک ایسا نہیں کیا تھا۔ روز بروز صحابہ کی پریشانیاں اور مصیبتیں بڑھنے لگیں، کچھ صحابہ کو دین سے پھیرنے کی کوشش میں طرح طرح کے طریقے آزمائے جاتے، کچھ کو طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے اور کچھ کو ستا ستا کر وہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا جاتا۔

آخر صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے اپنی مصیبتوں کی فریاد کی اور مکہ سے ہجرت کر جانے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ چند دن تک خاموش رہے آخر ایک دن آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا،

"مجھے تمہاری ہجرت گاہ دکھلائی گئی ہے مجھے دو پہاڑوں کے درمیان ایک زرخیز میدان دکھلایا گیا ہے۔ اگر سرات یعنی عرب کا سب سے اونچا پہاڑ زرخیز اور نخلستان ہوتا تو میں کہتا کہ یہی تمہاری ہجرت گاہ ہے۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ بہت خوش خوش تشریف لائے اور آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا،

"مجھے تمہاری ہجرت گاہ کی خبر دیدی گئی ہے۔ وہ یثرب ہے؟"

اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت دی اور فرمایا،

"تم میں سے جو ہجرت کر کے مدینہ جانا چاہے وہ چلا جائے۔"

مسلمانوں کی خاموش روانگی...... چنانچہ اس اجازت کے بعد صحابہ ایک کے بعد ایک ہجرت کر کے چھپ چھپ کر خاموشی سے جانے لگے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا،

"مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے کہ میں مکے سے ہجرت کر کے ایک نخلستانی سرزمین میں گیا ہوں جہاں کھجوروں کے باغات ہیں۔ اس پر ابتداء میں یہ سمجھا کہ وہ جگہ یمامہ ہے جہاں مجھے ہجرت کرنی ہے یا پھر ہجر کا مقام ہے مگر پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ شہر مدینہ ہے۔"

ترمذی میں حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وحی کے ذریعہ ان تینوں جگہوں کی خبر دی کہ تم اپنی ہجرت گاہ چاہے مدینہ کو بنالو چاہے بحرین کو اور چاہے قنسرین کو پسند کرلو۔"

مگر امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ حاکم نے اس حدیث کے بعد یہ بھی اضافہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں مقامات میں سے مدینہ کو پسند فرمالیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی جو اجازت مانگی تھی وہ خاص طور سے مدینہ جانے کے لئے نہ مانگی تھی بلکہ صرف مکہ سے نکل کر کہیں چلے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ہجرت کی اجازت نہ دینا اس لئے تھا کہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی یہ متعین نہیں تھا کہ ہجرت گاہ کون سا شہر ہے۔

مگر اس تفصیل کی روشنی میں وہ روایت قابل اشکال ہو جاتی ہے جو معراج کے بیان میں گزری ہے کہ اسراء کے دوران جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے ایک جگہ نماز پڑھوائی اور پھر کہا کہ آپ ﷺ نے طیبہ میں نماز پڑھی ہے اور یہی آپ ﷺ کی ہجرت گاہ ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ جبرئیل علیہ السلام کا وہ قول بھول گئے ہوں اور پھر آپ ﷺ کو بعد میں یہ بات یاد آئی ہو جبکہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مجھے تمہاری ہجرت گاہ کی خبر دی گئی ہے۔

مگر پھر بھی یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اوس اور خزرج سے اس بات پر معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں جبکہ آنحضرت ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ اوس و خزرج کا وطن مدینہ ہے، لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی ہجرت گاہ کوئی اور ہوتی۔ اوس اور خزرج کے لوگ اس طرح کیونکر معاہدہ کر سکتے تھے کہ آنحضرت ﷺ بحرین یا قنسرین میں رہیں گے اور یہ لوگ آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ آگے غزوۂ بدر کے بیان میں یہ ذکر بھی آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال تھا کہ اوس اور خزرج کے لوگ آپ کے صرف مدینہ میں رہنے کی صورت میں ہی آپ ﷺ کی حفاظت و مدد کا ذمہ لیں گے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اس بات پر بیعت کرو کہ جب میں یثرب آؤں تو تم میری مدد اور حمایت کرو گے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے مہاجروں میں اخوت کا قیام ...... ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان برادرانہ رشتے قائم فرمائے یعنی مہاجر مسلمانوں کے درمیان حق اور سچائی کی بنیاد پر بھائی چارہ پیدا فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے درمیان برادرانہ رشتہ قائم فرمایا اسی طرح حضرت حمزہ کو حضرت زید ابن حارثہ کا بھائی بنایا، حضرت عثمان کو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کا بھائی بنایا، حضرت زبیر اور حضرت ابن مسعود کے درمیان بھائی چارہ پیدا فرمایا، عبادہ ابن حارثہ اور بلال کے درمیان، مصعب ابن عمیر اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان، ابوعبیدہ ابن جراح اور ابوحذیفہ کے غلام سالم کے درمیان، سعید ابن زید اور طلحہ ابن عبیداللہ کے درمیان اور حضرت علی اور خود اپنے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرمایا۔ حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بناتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا،

"کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا بھائی بنوں۔"

حضرت علیؓ نے کہا کہ بے شک یا رسول اللہ! میں اس پر راضی ہوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا،

"بس تو تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

(قال) عباس ابن تیمیہ مہاجروں کے درمیان اس بھائی چارے کی رشتہ بندی کو پسند نہیں کرتے خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے حضرت علیؓ کو خود اپنا بھائی بنانے کو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے،

بھائی چارے کی یہ رشتہ بندی مہاجروں اور انصاری مسلمانوں کے درمیان تو اس لئے ٹھیک ہے کہ ان (اجنبی لوگوں) کے درمیان ایک دوسرے کے لئے دوستی اور دل جوئی کا ذریعہ بنے لیکن مہاجروں کی مہاجروں کے ساتھ بھائی بندی کے کوئی معنی نہیں ہیں۔"

اس کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ بات اپنے قیاس کے مقابلے میں نص اور صریح حدیث کا انکار کرنے کے برابر ہے کیونکہ مہاجر مسلمانوں میں بھی بعض حضرات دوسرے کے مقابلے میں دولت اور خاندان کے لحاظ سے بہت اونچے تھے آنحضرت ﷺ نے کمزور اور قوی دو مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ رشتے میں جوڑ دیا تاکہ دولت کے لحاظ سے نیچا آدمی اونچے کا دوست بن جائے اور اونچا آدمی نیچے آدمی سے مدد حاصل کرے۔ اسی سے آنحضرت ﷺ کے حضرت علی سے بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمانے کی حکمت بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ ظہور سے پہلے آنحضرت ﷺ ہی حضرت علیؓ کی کفالت فرماتے تھے۔

مدینہ کو پہلے مہاجر...... صحیح بخاری میں عمرۃ القضا کے باب میں ہے کہ زید ابن حارثہ نے کہا کہ حضرت حمزہ کی بیٹی میری بھتیجی ہے۔ یعنی اس بناء پر کہ حضرت حمزہ کو ان کا بھائی بنایا گیا تھا۔ ان مسلمانوں میں جو شخص سب سے پہلے ہجرت کے لئے روانہ ہوئے وہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی اور پھوپی زاد بھائی حضرت ابو سلمہ عبداللہ ابن عبدالاسد مخزومی تھے جنہوں نے سب سے پہلے تنہا روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور جیسا کہ پیچھے گزرا یہی سب سے پہلے آسان حساب کتاب کے لئے بلائے جائیں گے، جب یہ حبشہ سے واپس مکہ آئے تو ان کے گھر والوں نے انہیں سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں آخر انہوں نے واپس حبشہ جانے کا ارادہ کر لیا مگر پھر انہیں ان بارہ انصاری مسلمانوں کے متعلق معلوم ہوا جو پہلی عقبہ میں مسلمان ہوئے تھے اس لئے یہ حبشہ کے بجائے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ یہ صبح سویرے کے وقت مدینہ پہنچے تھے۔

قریش کا بدترین ظلم...... مکہ سے روانگی کے وقت جب اونٹ پر سوار ہوئے تو انہوں نے اپنے ساتھ اپنی بیوی امّ سلمہ اور اپنے شیر خوار بچے سلمہ کو بھی اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھایا اور روانہ ہوئے اسی وقت ان کے سسرال والوں نے ان کو دیکھ لیا وہ فوراً ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے،

"اے ابو سلمہ! تم اپنے بارے میں اپنی مرضی کے مختار ہو مگر یہ اُمّ سلمہ ہماری بیٹی ہے اس لئے ہم اس کو گوارا نہیں کر سکتے کہ تم ہماری لڑکی کو لئے ہوئے دربدر مارے مارے پھرو۔ یہ کہہ کر انہوں نے اُمّ سلمہ کے اونٹ کی لگام ان کے ہاتھ سے چھین لی۔ اس کے بعد اسی وقت خود ابو سلمہ کے خاندان کے لوگ پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ ابو سلمہ کا بیٹا ہمارے خاندان کا بچہ ہے جب تم نے اپنی بیٹی کو اس کے پنجہ سے نکال لیا تو ہم اپنے بچے کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ یہ کہہ کر ان لوگوں نے بچے کو کھینچ کر ان کی گود سے چھین لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ اس

طرح ان ظالموں نے حضرت ابو سلمہ کو ان کی بیوی اور بچے سے جدا کر دیا اور خود ماں اور بچے کو بھی ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ آخر ابو سلمہ تنہا ہی وہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

شوہر اور بیٹے کے فراق میں کس مپرسی...... اس کے بعد ایک سال تک ام سلمہ روز صبح کو ابطح میں جا کر بیٹھ جاتیں اور شام تک وہیں بیٹھی (اپنے شوہر اور بچے کے فراق میں) روتی رہتیں۔ ایک دن یہاں سے اُمّ سلمہ کا ایک رشتہ دار گزرا اس کو جب اُمّ سلمہ کے دردناک حالات معلوم ہوئے تو اسے ان پر رحم آیا۔ اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا،

"تمہیں اس غریب پر رحم نہیں آتا کہ تم نے اس کو اس کے بچے اور شوہر سے جدا کر دیا"

بے کس خاتون کا محسن...... آخر ان لوگوں کے دل پسیجے اور انہوں نے اُمّ سلمہ کو اجازت دیدی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ جب یہ خبر ابو سلمہ کے رشتے داروں کے پاس پہنچی تو انہوں نے بھی ان کا بچہ ان کو لوٹا دیا۔ اب اُمّ سلمہ بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور تن تنہا ہی مدینہ کے لئے روانہ ہو گئیں۔ اسی طرح اکیلی سفر کرتی ہوئی جب وہ تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو وہاں انہیں عثمان بن طلحہ حجبی ملے جو کعبے کے کلید بردار تھے اس وقت تک یہ مشرک تھے بعد میں یہ حدیبیہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے اور حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص کے ساتھ انہوں نے مدینہ کو ہجرت کی تھی جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔ انہوں نے تنہا اُمّ سلمہ کو سفر کرتے دیکھا تو یہ ان کی حفاظت کے لئے ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب قباء میں پہنچے تو یہ اُمّ سلمہ سے یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ،

"یہاں تمہارے شوہر موجود ہیں۔"

یہ اُمّ سلمہ مہاجروں میں سے پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں۔ عثمان ابن طلحہ نے ان کو مدینہ تک پہنچا کر ان کے ساتھ جو احسان کیا تھا اس کی وجہ سے یہ کہا کرتی تھیں کہ میں نے عثمان ابن طلحہ سے زیادہ نیک اور شریف انسان کسی کو نہیں پایا۔

مدینہ کو پہلی مہاجر خاتون...... ابن اسحاق اور ابن سعد کہتے ہیں کہ ابو سلمہ کے بعد جو شخص مدینہ پہنچے وہ عامر ابن ربیعہ ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ بھی تھیں لہٰذا یہ لیلیٰ پہلی اونٹ سوار عورت ہیں جو مدینہ پہنچیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ اُمّ سلمہ وہ پہلی اونٹ سوار عورت ہیں جو بغیر شوہر کے مدینہ میں داخل ہوئیں اور لیلیٰ وہ پہلی اونٹ سوار عورت ہیں جو معہ شوہر کے مدینہ پہنچیں۔ اس طرح ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

مگر ابن جوزی نے لکھا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے جس نے مدینہ کو ہجرت کی وہ اُمّ کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط تھیں۔ واللہ اعلم۔

(قال) حضرت اُمّ سلمہ کا جو واقعہ گزرا ہے اس کے بارے میں وہ خود حضرت عثمان ابن طلحہ کے ان کی مدد کرنے کا حال بیان کرتی ہیں کہ جب تنعیم کے مقام پر انہوں نے مجھے تن تنہا سفر کرتے دیکھا تو مجھ سے کہنے لگے کہ کہاں جا رہی ہو! میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس۔ پھر وہ کہنے لگے کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے؟ میں نے کہا "میرے ساتھ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اس بچے کے اور کوئی نہیں ہے۔"

اس پر وہ بولے کہ خدا کی قسم میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد انہوں نے اونٹ کی لگام پکڑی اور میرے ساتھ چلنے لگے۔ ہم جب کسی منزل پر پہنچتے تو وہ میرے اونٹ کو بٹھا دیتے اور خود وہاں سے کچھ دور چلے جاتے۔ میں اونٹ سے اتر جاتی تو آکر اونٹ کو ایک طرف لے جاتے اور اسے کسی درخت کے ساتھ باندھ دیتے اور خود اس درخت کے سائے میں بیٹھ جاتے۔ پھر جب چلنے کا وقت آتا تو اونٹ کو کھول کر میرے پاس لاتے اور خود وہاں سے دور جا کر کھڑے ہو جاتے اور مجھ سے کہتے کہ سوار ہو جاؤ! میں سوار ہو جاتی تو پھر آکر اونٹ کی لگام پکڑتے اور اس کو آگے لے چلتے۔

(ی) ہمارے امام یعنی شافعی کا قول ہے کہ کسی عورت کا بغیر شوہر کے یا بغیر کسی محرم کے یا بغیر کسی دوسری قابل اعتبار عورت کے ہجرت کے سوا کوئی دوسرا سفر کرنا صغیرہ گناہوں میں سے ہے۔ جہاں تک فرض حج اور عمرہ کا سوال ہے تو وہ اسی صورت میں جائز ہے کہ راستے مامون اور بے خطر ہوں۔

پیچھے ہم نے بیان کیا ہے کہ ابو سلمہ دوسروں کے بغیر یعنی تنہا ہجرت کرنے والوں میں پہلے آدمی ہیں۔ اس سے اس بات کی تردید نہیں ہوتی کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سب سے پہلے مدینہ پہنچنے والے حضرت مصعب ابن عمیر تھے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا وہ تنہا مدینہ نہیں گئے تھے بلکہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ گئے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ یا پھر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابو سلمہ وہ پہلے ہجرت کرنے والے مسلمان ہیں جو خود اپنی مرضی سے مدینہ گئے جبکہ حضرت مصعبؓ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھیجے ہوئے گئے تھے۔

سیرت ابن ہشام میں بھی یہی ہے کہ صحابہ میں سے مدینہ کو ہجرت کر کے جانے والے پہلے صحابی بنی مخزوم کے ابو سلمہ ہیں۔ اس پر کوئی اشکال بھی نہیں ہوتا۔ ان کے بعد عمار آئے پھر بلال آئے اور پھر سعد آئے۔

مہاجروں کے ساتھ انصاریوں کا بے مثال سلوک...... ایک روایت میں ہے کہ عقبہ کی دوسری بیعت کے بعد صحابہ ایک کے بعد ایک مسلسل مدینہ کو جانا شروع ہو گئے۔ یہ سب انصاری مسلمانوں کے گھروں پر آکر ٹھہرتے رہے۔ انصاری مسلمان ان کو بخوشی اپنے پاس ٹھہراتے اور انکی دلداری کرتے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق اور عیاش ابن ابوربیعہ بیس آدمیوں کے ایک قافلے کے ساتھ مدینہ پہنچے۔

حضرت عمر کی علی الاعلان ہجرت اور قریش کو چیلنج...... ہشام ابن عاص نے حضرت عمر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہجرت کریں گے انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا،

"میں آپ کو فلاں مقام پر ملوں گا اور آپ پہلے پہنچ جائیں تو میرا انتظار کریں۔"

مگر قریش کو ہشام کی ہجرت کے ارادے کی بھنک پڑ گئی اور انہوں نے ان کو جانے سے روک دیا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ سارے مسلمانوں نے چھپ چھپ کر اور خاموشی سے ہجرت کی سوائے حضرت عمرؓ کے کہ وہ کھلم کھلا اور علی الاعلان روانہ ہوئے۔ انہوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ایک پہلو میں تلوار لٹکائی اور ایک طرف کمان لٹکائی دونوں ہاتھوں میں تیر لئے اور ایک چھوٹا نیزہ اپنے شانے سے لٹکایا اور اس حالت میں کعبے کی طرف روانہ ہوئے اس وقت حرم میں قریش کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمر ﷺ نے سب کے سامنے بیت اللہ کے سات طواف کئے اور اس کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آکر دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد وہ ایک ایک شخص کی طرف منہ کر کے کہنے لگے،

"یہ چہرے سیاہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کو برباد کرے گا۔ جو شخص اپنی ماں کی کوکھ ویران کرنا چاہے یا جو شخص اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہے یا اپنی بیوی کو بیوہ کرنا چاہے وہ مجھے اس وادی کے باہر آکر جانے سے روکنے کی کوشش کرے۔"

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ سارے قریش کو سانپ سونگھ گیا کسی نے ان کا پیچھا نہیں کیا اور حضرت عمرؓ بڑی شان سے روانہ ہو گئے۔

عیاش ابن ربیعہ کے ساتھ ابو جہل کا فریب...... اس کے بعد ابو جہل اور اس کے بھائی حرث ابن ہشام جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، مدینہ گئے۔ اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی بلکہ آپ مکہ میں ہی تھے۔ ان دونوں نے مدینہ پہنچ کر عیاش ابن ربیعہ سے گفتگو کی، یہ عیاش ان دونوں کے ماں شریک بھائی تھے اور اپنی ماں کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے (یعنی ابو جہل اور حرث کے سب سے چھوٹے سوتیلے بھائی تھے) ان دونوں نے عیاش سے کہا کہ ان کی ماں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ انہیں یعنی عیاش کو نہیں دیکھ لے گی اس وقت تک نہ تو اپنا سر دھوئے گی...... اور ایک روایت میں ہے کہ نہ تو اپنے سر میں کنگھی کرے گی اور نہ دھوپ سے بچ کر سایہ دار جگہ میں بیٹھے گی...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تک ان کے بیٹے یعنی عیاش واپس مکہ نہ آجائیں نہ تو وہ کھائے گی نہ پئے گی اور نہ چھت کے نیچے جائے گی۔"

پھر ان دونوں نے عیاش سے کہا،

"تم اپنی ماں کے سب سے لاڈلے بیٹے ہو اور تم ایک ایسے دین پر ہو جس میں ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کی تعلیم دی گئی ہے اس لئے واپس مکہ چلو اور وہاں اسی طریقہ پر اپنی عبادت کرتے رہنا جس طرح تم یہاں مدینہ میں کرتے ہو۔"

یہ سن کر عیاش کا دل پسیج گیا اور انہوں نے ان دونوں بھائیوں سے یہ عہد لیا کہ وہ ان کو کسی مصیبت میں نہیں ڈال دیں گے (جب حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی کہ ابو جہل اور حرث عیاش کو لینے آئے ہیں اور ماں کے عہد کا ذکر کرتے ہیں تو) انہوں نے عیاش سے کہا،

"وہ دونوں صرف تمہیں تمہارے دین سے پھیرنے کے لئے یہ چال چل رہے ہیں اس لئے ان سے بچ کر رہو جہاں تک تمہاری ماں کی قسم کا سوال ہے تو خدا کی قسم جب اس کو جوئیں پریشان کریں گی تو سر میں کنگھی کرلے گی اور جب مکہ کی جھلسا دینے والی گرمی ستائے گی تو خود ہی سائے دار جگہ میں پہنچے گی۔"

اس پر عیاش نے کہا،

"میں اپنی ماں کی دل جوئی کروں گا اور وہاں میرا مال وغیرہ ہے میں اس کو بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے پھر ان سے کہا،

"تم میرا آدھا مال لے لو مگر ان کے ساتھ مت جاؤ۔"

مگر حضرت عیاش نہیں مانے۔ تب حضرت عمر نے کہا،

جب تم طے کر چکے ہو تو جاؤ مگر میری اونٹنی لیتے جاؤ یہ بڑی اصیل اور سیدھی اونٹنی ہے بس تم اس کی کمر پر سے مت اترنا۔ اگر وہ دونوں تمہارے ساتھ کوئی فریب کریں تو تم اسی اونٹنی پر واپس مدینہ بھاگ آنا۔"

مگر عیاش نے حضرت عمر کی یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی اور ان دونوں کے ساتھ مکہ واپس جانے کے لئے

مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ مگر جیسے ہی یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے ابو جہل اور حرث نے عیاش کی مشکیں باندھ دیں۔

عیاش ظالم بھائیوں کے چنگل میں...... سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ عیاش نے حضرت عمر کی اونٹنی لے لی تھی اور اس پر سوار ہو کر ان دونوں کے ساتھ چلے یہاں تک کہ جب وہ کچھ دور پہنچے تو ایک جگہ ابو جہل نے ان سے کہا،

"بھائی! خدا کی قسم میری یہ اونٹنی بو جھل چل رہی ہے کیا تم مجھے اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھا سکتے ہو؟"

عیاش نے کہا ضرور۔ ابو جہل نے کہا کہ بس تو اپنی اونٹنی کو بٹھالو۔ ادھر خود اس نے بھی اونٹنی بٹھائی جیسے ہی یہ لوگ اونٹنیوں سے اترے ایک دم ان پر چڑھ دوڑے اور ان کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دیئے پھر اسی حال میں یہ دونوں عیاش کو لئے ہوئے مکہ میں پہنچے۔ یہاں انہوں نے مکہ والوں سے کہا،

"مکہ والو! اپنے بیوقوفوں کے ساتھ ایسے ہی معاملہ کرو جس طرح ہم نے اپنے بے وقوف کے ساتھ کیا ہے۔"

(یعنی تم لوگ بھی اپنے اپنے رشتے داروں کو اسی طرح فریب کر کے مدینہ سے نکال لاؤ) اس کے بعد عیاش کو بھی مکہ میں ہشام ابن عاص کے ساتھ قید کر دیا گیا۔ ہشام کے بارے میں پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ ان کو بھی ہجرت سے روک دیا گیا تھا اور مشرکوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ غرض ان دونوں کو قید میں ڈال دیا گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب ابو جہل اور حرث نے مدینہ پہنچ کر عیاش سے ان کی ماں کی قسم کا ذکر کیا اور ساتھ ہی عیاش کو یہ یقین بھی دلادیا کہ ماں کو دیکھنے کے بعد وہ ان کا راستہ نہیں روکیں گے بلکہ وہ واپس آنے کے ئے آزاد ہوں گے تو وہ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے اور جیسے ہی شہر سے نکلے ان دونوں نے ان کو باندھ کر ان کے سو کوڑے لگائے۔ اس بارے میں ابو جہل اور حرث کی بنی کنانہ کے ایک شخص نے مدد بھی کی تھی جس کا نام حرث ابن یزید قریشی تھا۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ یہی شخص مکہ میں ابو جہل کے ساتھ عیاش کو بدترین سزائیں بھی دیتا تھا۔ کتاب ینبوع میں ہے کہ دونوں آدمیوں نے الگ الگ عیاش کو سو سو کوڑے مارے تھے اور جب ان کو مکہ لے آئے تو انہیں ہاتھ پیر باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا گیا۔ اس وقت ان کی ماں نے وہاں کھڑے ہو کر حلف کیا کہ جب تک یہ عیاش اس نئے دین سے نہیں پھر جائے گا اس وقت تک میں یہاں سے نہیں ہٹوں گی۔ آخر وہ اپنے دین سے پھر گئے (مگر اس بارے میں اختلاف ہے کہ عیاش اسلام سے پھر گئے تھے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

ایک قول ہے کہ یہی واقعہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بنا،

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (سورۂ عنکبوت، پ ۲۰، ع ۱ آیت ۱)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو توان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام نیک ہوں یا بد جتلادوں گا۔

مگر اسی آیت کے بارے میں پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ یہ سعد بن ابی وقاص کے متعلق نازل ہوئی

تھی۔اب اس شبہ کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ آیت ان میں سے ہے جو ایک سے زائد مرتبہ (مختلف اسباب کے تحت) نازل ہوئی ہیں۔لہذا یہ ان دونوں اسباب کے تحت نازل ہوئی ہے۔

عیاش کا ابن یزید سے انتقام اور اس کی سزا...... بنی کنانہ کے جس شخص حرث ابن یزید قریشی کا ذکر پیچھے ہوا ہے کہ اس نے عیاش کو فریب دینے اور عذاب دینے میں ابو جہل کا ہاتھ بٹایا تھا اس کے متعلق عیاش نے حلف اٹھایا کہ جب بھی میرا بس چلا میں اس شخص کو قتل کروں گا۔چنانچہ ایک عرصہ بعد ان کو ایک دن وہ کنانی شخص مل گیا اس وقت وہ مسلمان ہو چکا تھا مگر عیاش کو اس کے اسلام کا پتہ نہیں تھا لہذا انہوں نے اس کو اپنی قسم پوری کرنے کے لئے قتل کر دیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا (سورۂ نساء، پ ۵، ع ۱۲ آیت ۹۲)

ترجمہ: اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو ابتداء قتل کرے لیکن غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالے کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں۔

آنحضرت ﷺ نے یہ آیت عیاش کو پڑھ کر سنائی اور ان سے فرمایا،

"اٹھو اور ایک باندی آزاد کرو!"

مظلوم مسلمانوں کیلئے دعائے نبوی...... عیاش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ فتح مکہ تک مشرکوں کی قید میں رہے مگر ایک دوسرے قول سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ جبکہ آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچ چکے تھے اور عیاش مکہ میں قید تھے تو آپ چالیس دن تک صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد عیاش کی رہائی کے لئے دعا قنوت پڑھتے رہے اور آپ قنوت میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! ولید ابن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ، ہشام ابن عاص اور مکہ کے ان دوسرے کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما جو مشرکوں کے ہاتھوں گرفتار بلا ہیں اور جو اپنی رہائی کے لئے نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ کوئی راہ نکال سکتے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام ابن عاص اور عیاش ابن ابو ربیعہ عذاب دیئے جانے کے باوجود اسلام سے نہیں پھرے تھے۔سیرت ابن ہشام کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دونوں آدمی یعنی ولید ابن ولید اور عیاش بن ربیعہ صریحی طور پر دین سے پھر گئے تھے اور دوسرے یعنی ہشام ابن عاص نے صرف ظاہری طور پر کفر کے کلمے کہہ دیئے تھے۔سیرت ابن ہشام میں اگرچہ ان پہلے دونوں آدمیوں کے مرتد ہو جانے کی صراحت موجود ہے مگر اس بارے میں گزشتہ روایت کی بناء پر اشکال اور شبہ ہے کیونکہ اگر وہ دونوں واقعی مرتد ہو گئے تھے تو ان کو قید سے رہائی مل جاتی۔البتہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مشرکوں کو اس کا یقین نہیں ہوا تھا کہ یہ دونوں واقعی اسلام سے پھر گئے ہیں اس لئے انہوں نے ان کو رہا نہیں کیا۔

مگر آنحضرت ﷺ کی جو دعا ان دونوں کی رہائی کے لئے گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف ظاہر میں اور کافروں کو دھوکہ دینے کے لئے اسلام سے پھر گئے تھے حقیقت میں مرتد نہیں ہوئے تھے۔

آگے بیان آئے گا کہ عیاش ابن ابو ربیعہ اور ہشام ابن عاص کی رہائی کا سبب ولید ابن ولید بنے تھے یہ پہلے رہا ہو گئے تھے اور سیدھے مدینہ پہنچ گئے تھے۔یہ ولید غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے تھے مگر

ان کے دونوں بھائیوں خالد ابن ولید اور ہشام ابن ولید نے ان کی طرف سے فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیا اور انہیں اپنے ساتھ مکہ لے گئے۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے ہجرت کر کے مدینہ جانے کا ارادہ کیا تو ان ہی دونوں بھائیوں نے ان کو قید کر دیا اور ان سے کہا،

"تو اسی وقت مسلمان نہ ہوا جبکہ ہم نے تیری جان کا فدیہ ادا کیا تھا؟"

انہوں نے کہا،

"نہیں۔ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ میرے بارے میں لوگ یہ سمجھیں کہ میں چھٹکارہ پانے کے لئے مسلمان ہو گیا۔"

اس کے بعد ولید کی گلو خلاصی ہو گئی اور یہ سیدھے مدینہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد پھر یہ خاموشی سے مکہ آئے اور عیاش اور ہشام کو چھٹکارہ دلا کر اپنے ساتھ مدینہ لے گئے آنحضرت ﷺ ان کے اس کارنامے سے بے حد خوش ہوئے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیاش کے بارے میں یہ قول گزر رہا ہے کہ وہ فتح مکہ تک مکہ میں قید رہے۔

آنحضرت ﷺ سے پہلے جن دوسرے لوگوں نے ہجرت کی ان میں ابو حذیفہ ابن عتبہ ابن ربیعہ کے غلام سالم بھی شامل ہیں ان کو ابو حذیفہ کی بیوی نے آزاد کر دیا تھا اور اس کے بعد ابو حذیفہ نے ان کو متنبیٰ یعنی منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ ابو حذیفہ کی بیوی انصاری تھیں یہ حضرت سالم مدینہ میں مہاجر مسلمانوں کی نماز میں امامت کیا کرتے تھے جن میں حضرت عمر بھی ہوتے تھے۔ حضرت سالم کو امام بنانے کی وجہ یہ تھی کہ سب سے زیادہ قرآن پاک ان کو ہی یاد تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ان کی بہت تعریفیں کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب اپنے اوپر قاتلانہ حملے میں سخت زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے وصیت کی تو یہ کہا،

"اگر ابو حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو اپنی جانشینی کیلئے میں مشورہ ہی نہ کرتا۔ یعنی حضرت سالم کو اپنی جگہ خلیفہ بنا دیتا۔ مگر یہ سالم غلام تھے اس لئے اسکا مطلب بتلاتے ہوئے علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کی رائے سے اس شخص کو منتخب کرتے جو بعد میں خلافت کو سنبھالتا (ی) یہ حضرت سالم یمامہ کے واقعہ کے دن قتل ہو گئے تھے حضرت عمر نے ان کی میراث کے دینے کے لئے ان کی آزاد کرنے والی خاتون کو بلوایا مگر انہوں نے یہ میراث لینے سے انکار کر دیا۔ لہذا حضرت عمر نے ان کا ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا۔

حضرت صہیبؓ کی ہجرت...... آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد حضرت صہیبؓ نے ہجرت کی۔ اگرچہ کتاب عیون الاثر اور شامی کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پہلے ہجرت کا ارادہ کیا تھا۔ غرض جب صہیبؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان سے قریشی کفار نے کہا،

"جب تم ہمارے یہاں یعنی مکہ میں آئے تھے تو تم ایک قلاش اور فقیر آدمی تھے مگر ہمارے یہاں رہ کر تمہارا مال و دولت خوب بڑھ گیا اب تم چاہتے ہو کہ اپنا وہ مال و دولت لے کر ہمارے یہاں سے چلے جاؤ جو تم نے ہمارے یہاں سے کمایا ہے۔ نہیں خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا"

نفع کا سودا...... اس پر صہیبؓ نے ان سے کہا،

"کیا تم اس پر راضی ہو سکتے ہو کہ میں اپنا مال و دولت تمہارے حوالے کر دوں اور پھر تم مجھے مدینہ چلے جانے کی اجازت دے دو۔"

ان لوگوں نے کہاہاں پھر تم جاسکتے ہو! حضرت صہیب نے کہا،
"بس تو میں اپنامال تمہیں دیتاہوں۔"
آنحضرت ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا،
"صہیبؓ نے نفع کاسوداکیا۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ حضرت صہیبؓ نے آنحضرت ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی ہجرت کریں گے چنانچہ جب آپ ﷺ نے غار ثور کو تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے حضرت صہیبؓ کو بلانے کے لئے دو مرتبہ یا تین مرتبہ حضرت ابو بکر کو بھیجا حضرت ابو بکرؓ نے ہر دفعہ ان کو نماز میں مشغول پایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کو پسند نہیں کیا کہ ان کی نماز میں خلل ہو جیسا کہ آگے آئے گا۔

لہٰذا حضرت صہیبؓ کا یہ قول آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد کا ہی ہے جیسا کہ بیان ہوا اور جو خصائص صغریٰ میں حضرت صہیبؓ سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکرؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ گئے تو میرا ارادہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ جانے کا تھا، مگر قریشی نوجوانوں نے میرا راستہ روک لیا یعنی جب کہ میں نے آپ ﷺ کے بعد تنہا ہی جانے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ان سے وہ باتیں کہیں جو پیچھے گزریں تو میں نے ان سے کہا،

"میں تمہیں بہت سے اوقیہ سونا دیدوں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں تمہیں اپنا ایک تہائی مال دے دوں گا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میرا مال لے لو اور مجھے جانے دو۔"

چنانچہ انہوں نے اس کو مان لیا تو میں نے ان سے کہا،
"میرے مکان کے دروازے کے نیچے کھدائی کر کے جتنا اوقیہ سونا ہے وہ نکال لو۔"

آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ...... اس کے بعد میں مکہ سے روانہ ہو کر قباء کے مقام پر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا اس وقت تک آپ ﷺ وہاں سے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا،
"اے ابو یحییٰ! تم نے نفع کاسوداکیا۔"

یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی (جبکہ اس وقت تک نہ تو حضرت صہیبؓ نے ہی آپ کو اپنے ساتھ قریش کے اس معاملے کے بارے میں کچھ بتلایا تھا اور نہ ان سے پہلے کوئی اور ہی مکہ سے آپ ﷺ کے پاس پہنچا تھا) حضرت صہیبؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے عرض کیا،

"یارسول اللہ! مجھ سے پہلے تو اس واقعہ کی خبر لے کر آپ ﷺ کے پاس کوئی نہیں پہنچا۔ آپ ﷺ کو یہ بات حضرت جبرئیل نے ہی بتلائی ہوگی"

ابو نعیم نے حلیہ میں سعید ابن مسیب سے روایت پیش کی ہے جنہوں نے کہا،
جب صہیبؓ مکہ سے ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے کے لئے چلے تو انہوں نے اپنی تلوار، ترکش اور کمان ساتھ لے لی۔ قریش کے لوگوں نے ان کا پیچھا کیا تو صہیبؓ اپنی سواری سے اترے اور جو کچھ ان کے ترکش میں تھا اس کو الٹ کر ان لوگوں سے کہا،
"اے گروہ قریش! تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں تم میں بہترین تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم میں تم

لوگوں کو اس وقت تک اپنے قریب نہیں آنے دوں گا جب تک کہ میں اپنے ترکش کا آخری تیر تک استعمال نہیں کر لوں گا اور اس کے بعد میرے پاس میری تلوار ہے جس سے میں آخر دم تک لڑوں گا۔ اس کے بعد تم جو چاہو کر سکتے ہو لیکن اگر تم چاہو تو میں مکہ میں موجود اپنے مال و دولت کی تم کو نشان دہی کر سکتا ہوں مگر اس شرط پر کہ پھر تم میرا راستہ نہیں روکو گے!"

اس کو قریشیوں نے مان لیا تو حضرت صہیبؓ نے ان کو اپنے مال کی جگہ بتلائی جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے حضرت صہیبؓ سے کہا تھا کہ تم ہمیں اپنے مال و دولت کا پتہ بتلا دو تو ہم تمہارا راستہ چھوڑ دیں گے اس کا ان لوگوں نے ان سے عہد کیا تو حضرت صہیبؓ نے ان کو پتہ بتلا دیا۔

بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ مشرکوں نے حضرت صہیبؓ کو پکڑ کر ان کو عذاب دیئے تو حضرت صہیبؓ نے ان سے کہا،

"میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ اس سے تمہارے لئے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ میں تم میں کا کہلاؤں یا دوسروں میں کا۔ اس لئے کیا تم اس پر راضی ہو سکتے ہو کہ میرا مال لے لو اور مجھے میرے دین کے ساتھ چھوڑ دو؟ بس ایک سواری اور کچھ زادِ راہ دے دو۔"

اس پر قریشی تیار ہو گئے۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ الآیہ (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۵)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

پھر حضرت صہیبؓ کہتے ہیں جب میں قبا میں پہنچا تو میں نے آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ کو بیٹھے ہوئے دیکھا جیسے ہی ابو بکرؓ نے مجھے دیکھا وہ ایک دم کھڑے ہو کر میری طرف بڑھے اور انہیں میرے بارے میں اس آیت کے نازل ہونے کی خوش خبری سنائی۔

ایک روایت میں ہے کہ پھر ابو بکر، عمر اور کچھ دوسرے لوگ مجھ سے ملے اور ابو بکر نے مجھ سے کہا،

"اے ابو یحییٰ! تم نے بڑے نفع کا سودا کیا"

میں نے کہا،

"تمہارا سودا بھی ایسا ہی ہو۔ مگر بتاؤ تو کیا معاملہ ہے۔"

تب حضرت ابو بکر نے بتایا کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور انہوں نے وہ آیت پڑھ کر سنائی۔

حضرت صہیبؓ کون تھے؟...... (حضرت صہیب کے بارے میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ حجاز سے باہر کے رہنے والے تھے۔ ان کے متعلق کچھ تفصیل آگے آرہی ہے) سہل ابن عبداللہ تستری نے اپنی تفسیر میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت صہیبؓ ہمیشہ بے چین رہا کرتے تھے اور ان کے دل کو قرار اور سکون نہیں ملتا تھا نہ وہ رات کو سو سکتے تھے اور نہ دن کو۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو ایک عورت نے خرید لیا تھا۔ اس نے ان کی یہ حالت دیکھی تو کہنے لگی،

"میں اس وقت تک تم سے خوش نہیں ہوں گی جب تک کہ تم رات کو سوؤ گے نہیں کیونکہ تم کمزور

ہوتے جارہے ہو اس لئے تمہیں میرے کاموں اور خدمت میں مشغول ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس پر حضرت صہیبؓ رونے لگے اور بولے،

"صہیبؓ کو جب دوزخ کا خیال آتا ہے تو اس کی نیند اڑ جاتی ہے، جب جنت کا خیال آتا ہے تو شوق پیدا ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہے تو اس کا شوق بڑھ جاتا ہے۔"

مگر کتاب البدایہ والنہایہ میں جو روایت ہے اس کی روشنی میں یہ قول قابل غور ہو جاتا ہے کیونکہ اس تاریخ میں ہے کہ رومیوں نے حضرت صہیبؓ کے وطن پر حملہ کر کے اس کو تاراج کر دیا۔ ان کا وطن دریائے دجلہ کے کنارے پر تھا۔ ایک قول ہے کہ دریائے فرات کے کنارے تھا۔ غرض حضرت صہیبؓ گرفتار ہو گئے اس وقت یہ کم عمر تھے پھر بنی کلب کے لوگوں نے رومیوں سے ان کو خرید لیا اور مکہ لے آئے۔ یہاں ان کو بنی کلب سے عبداللہ ابن جدعان نے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے کے بعد صہیبؓ مکہ میں ہی رہتے رہے یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا تو یہ مسلمان ہو گئے حضرت صہیبؓ اور حضرت عمارؓ ابن یاسر ایک ہی دن مسلمان ہوئے تھے۔

(اس روایت میں صہیبؓ کی غلامی کے زمانے میں کسی عورت کی خریداری کا ذکر نہیں) اس شبہ کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ عورت ہی جس نے صہیبؓ کو خریدا تھا بنی کلب میں سے ہو۔

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی آنے سے پہلے (یعنی نبوت سے پہلے) کے زمانے میں بھی میں آپ ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ان سے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کہا،

صہیب! تمہارا کوئی لڑکا تو ہے نہیں مگر پھر بھی تمہاری کنیت یعنی ابو یحییٰ (یحییٰ کا باپ) لقب پڑ گیا!

صہیب نے کہا،

"مجھے ابو یحییٰ کا یہ لقب رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے۔"

<u>صہیبؓ کے مذاق سے آنحضرت ﷺ محظوظ ہوتے تھے</u>...... اس طرح حضرت صہیبؓ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بغیر بیٹے کے ہی لقب ملا۔ ان کی زبان میں بڑی سختی اور غیر عربیت تھی اور ساتھ ہی ان کے مزاج میں مذاق کا مادّہ بہت تھا۔ ایک مرتبہ ان کی ایک آنکھ دکھ رہی تھی اور یہ ککڑی اور کھجور کھا رہے تھے (جو ایسے میں نقصان دہ ہے) آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا،

"تم کھجور کھا رہے ہو حالانکہ تمہاری ایک آنکھ دکھ رہی ہے!"

صہیب نے جواب دیا،

"میں اپنی صحیح آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں۔"

ان کا یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔

کتاب معجم طبرانی میں صہیبؓ سے ہی یوں روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کے سامنے چھوہارے اور روٹی رکھی ہوئی تھی آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ قریب آجاؤ اور کھاؤ چنانچہ میں نے بیٹھ کر چھوہارے کھانے شروع کر دیئے۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ تمہاری آنکھ تو دکھ رہی ہے اور تم چھوہارے کھا رہے ہو! اس پر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس کو دوسری جانب سے چبا رہا ہوں۔ اس پر رسول اللہ مسکرانے لگے۔

یہ واقعات دو علیٰحدہ علیٰحدہ بھی ہو سکتے ہیں (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی واقعہ ہوا اور راوی کے بیان میں فرق ہو)۔

اجازت ہجرت کیلئے آنحضرت ﷺ کا انتظار...... غرض جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت عنایت فرمادی اور وہ مسلسل مکہ سے مدینہ جانے لگے تو آپ ان کے مدینہ جانے کے بعد بھی اس انتظار میں رکے رہے کہ آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ملے تو جائیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ جانے کیلئے صرف حضرت علی اور حضرت ابو بکر رہ گئے۔ اور جیسا کہ بیان ہوا حضرت صہیبؓ بھی رکے رہے۔ ان کے علاوہ جو لوگ مکہ میں باقی تھے وہ یا تو قیدی تھے یا بیمار تھے اور یا ایسے لوگ رہ گئے تھے جو عاجز تھے۔ حضرت ابو بکرؓ اکثر آنحضرت ﷺ کے پاس جاکر آپ سے اپنے جانے کے لئے اجازت مانگا کرتے تھے مگر آپ ﷺ ہر دفعہ صرف یہ فرمادیتے،

"جلدی نہ کرو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی کوئی ساتھی بنادے۔"

ہمراہی کے لئے صدیق اکبرؓ کی آرزو...... اس پر حضرت ابو بکر یہ آرزو کیا کرتے تھے کہ خدا کرے وہ ساتھی آنحضرت ﷺ ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکر نے روانگی کی تیاری کرلی (اور آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی) آپ ﷺ نے فرمایا،

"جلدی نہ کرو۔ امید ہے کہ مجھے بھی اجازت ملنے والی ہے۔"

حضرت ابو بکر نے کہا،

"آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ کیا آپ ﷺ کو اس کی امید ہے۔"

صدیق اکبرؓ کی تیاریاں...... آپ ﷺ نے فرمایا ہاں چنانچہ حضرت ابو بکر نے اپنا جانا اس تمنا میں ملتوی کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ جا سکیں گے۔ انہوں نے دو اونٹنیاں ببول کے پتے کھلا کر اس مقصد سے تیار کر رکھی تھیں وہ ان اونٹنیوں کو چار مہینے سے کھلا رہے تھے اور ان کو آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس تفصیل کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں اونٹنیوں کو حضرت ابو بکر نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد کھلانا شروع کیا تھا جو بیان ہوا (کہ شاید مجھے بھی ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے) یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کا یہ ارشاد انصاری مسلمانوں کی بیعت کے بعد کا ہے اور اس بیعت اور آنحضرت ﷺ کی ہجرت میں تین مہینے یا تقریباً تین مہینے کا فصل ہے (لہٰذا چار مہینے اونٹنیوں کو کھلانے کی بات قابل غور ہے) یہ بیعت ذی الحجہ کے مہینے میں ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے ربیع الاول کے مہینے میں ہجرت فرمائی۔

سیرت شامی میں تو اس بات کی صراحت ہی موجود ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد ہی اونٹنیوں کو پالنا شروع کیا تھا چنانچہ سیرت شامی میں ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ کے ہجرت کی اجازت مانگنے پر آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ فرمایا کہ جلدی مت کرو ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی ساتھی فراہم فرمادے تو حضرت ابو بکرؓ کو یہ آرزو ہوئی کہ ساتھی سے آنحضرت ﷺ کی مراد خود اپنی ذات مبارک ہے۔ چنانچہ انہوں نے اونٹنیاں خریدیں اور انہیں گھر میں ہی رکھ کر کھلاتے اور اس سفر کیلئے تیار کرتے رہے۔

ادھر آگے حافظ ابن حجرؒ کا یہ قول آرہا ہے کہ صحابہ کی ہجرت کے آغاز اور آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے درمیان تقریباً ڈھائی مہینے کا فصل ہے۔ واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کے خلاف قریش کی سازش...... غرض جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کو مددگار یعنی انصاری اور قریش کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی ساتھی مل گئے ہیں اور ادھر انہوں نے صحابہ کو ان انصاریوں کے پاس ہجرت کر کر کے جاتے دیکھا جہاں انہیں تحفظ حاصل ہوا کیونکہ انصاری بڑے جنگ جو اور جانباز لوگ تھے۔ تو انہیں ڈر ہوا کہ کہیں آنحضرت ﷺ خود بھی ہجرت کر کے مدینہ نہ چلے جائیں اور وہاں انصاریوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگ کی تیاری کریں لہذا یہ سب قریش اپنے دارالندوہ میں جمع ہوئے اور اس پر مشورہ شروع کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں کیا قدم اٹھائیں؟

قریش کی مشورت گاہ...... یہ دارالندوہ قریش کی مشورہ گاہ تھا جہاں وہ ہر اہم مسئلہ جمع ہو کر طے کیا کرتے تھے۔ یہ پہلا پختہ مکان ہے جو مکہ میں تعمیر ہوا اور جیسا کہ پیچھے بیان ہوا یہ قصیٰ ابن کلاب کا مکان تھا، پھر اس کے بعد یہ اس کے بیٹے عبدالدار کے ہاتھوں میں پہنچ گیا، پھر اس کو حضرت معاویہ نے اس وقت خرید لیا تھا جب وہ حج کے لئے مکہ آئے تھے یہ بھی عبدالدار کی اولاد میں سے ہی تھے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امیر معاویہ نے یہ عمارت حکیم ابن حزام سے خریدی تھی۔ چنانچہ اسی بات کی تائید مصعب ابن عبداللہ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اسلام آنے کے وقت دارالندوہ حکیم ابن حزام کے ہاتھوں میں تھا۔ انہوں نے اس کو ایک لاکھ درہم میں معاویہ ابن ابوسفیان کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے حکیم سے کہا،

"تم نے قریش کی عزت بیچ ڈالی!"

حکیم نے جواب دیا،

"بھتیجے! اب تقویٰ کے سوا سب عزتیں ختم ہو چکی ہیں"

اس روایت کی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ دارالندوہ حجر اسود کی سمت میں اس جگہ کے قریب تھا جہاں اب مقام حنفی ہے۔ اس عمارت کا دروازہ مسجد حرام میں سے تھا۔ کسی مشورے کے وقت اس دروازے سے دارالندوہ میں قصی کی اولاد میں سے صرف وہ شخص ہی داخل ہو سکتا تھا جس کی عمر چالیس سال ہو۔ بعض علماء نے یہ مصرعہ نقل کیا ہے کہ ابوجہل کو اس وقت ہی سرداری مل گئی تھی جبکہ اس کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں اور یہ اس وقت اس عمارت کے دروازے میں داخل ہو گیا تھا جبکہ اس کی داڑھی بھی پوری طرح نہیں آئی تھی۔

مشورہ میں شیطان کی شرکت...... غرض بعد میں اس عمارت کو حرم میں داخل کر لیا گیا تھا۔ اس کو دارالندوہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس میں ندی یعنی جماعت ہی مشورہ کے لئے داخل ہوتی تھی۔ ایسے دن کو یہ لوگ یوم رحمت کہا کرتے تھے کیونکہ مشورے کے دن اس میں بنی عبد شمس، بنی نوفل، بنی عبدالدار، بنی اسد، بنی مخزوم، بنی سہم اور بنی جمح وغیرہ ان سب کے بھی سردار اور معزز لوگ جمع ہوا کرتے تھے جو قریش میں شمار نہیں ہوتے تھے۔ مشورے کے وقت ذی رائے اور سمجھدار لوگوں میں سے ہر ہر شخص کو بلایا گیا کسی کو محروم نہیں رکھا گیا۔ اس اجتماع میں شیطان بھی شریک ہوا جو ایک نجدی شیخ کی شکل میں آیا تھا اور ایک ریشمی اور ایک قول کے مطابق اونی سبز رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ اس نے یہ عمدہ لباس اس لئے پہنا کہ اس سے لوگ متاثر ہو کر اس کا مشورہ قبول کریں کیونکہ اس زمانے میں عام طور پر باوقار اور اونچے درجے کے لوگ ہی یہ لباس استعمال کرتے تھے۔

مکّار شیخ نجدی...... غرض یہ اجنبی شیخ دروازے پر آکر ٹھہر گیا۔ لوگوں نے اس کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ کون

بزرگ ہیں؟اس نے کہا،

"میں ایک نجدی شیخ ہوں، آپ لوگ جس مقصد سے یہاں جمع ہوئے ہیں میں اس کے بارے میں سن کر اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ لوگوں کی باتیں سنوں، ممکن ہے میں بھی کوئی رائے مشورہ دے سکوں۔"

قریشیوں نے کہا بے شک آپ اندر آیئے چنانچہ یہ بھی دار الندوہ میں پہنچ گیا۔اس نے اپنے آپ کو نجدی اس لئے ظاہر کیا کہ قریش نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ ہمارے ساتھ تہامہ کا کوئی شخص نہیں شریک ہو سکتا کیونکہ تہامہ یعنی مکہ والوں کے اکثر لوگ محمد کے ہمدرد اور بہی خواہ ہو گئے ہیں۔

ایک قول ہے کہ جب شیطان نے قریش کا یہ اعلان سنا کہ آج ہم لوگوں کے مشورہ میں صرف وہی شریک ہو سکتا ہے جو ہمارے ساتھ ہے اور پھر دار الندوہ کے دروازے پر قریش نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو تو اس نے کہا تھا کہ میں ایک نجدی شیخ ہوں اور تمہاری بہن کی اولاد میں سے ہوں۔اس پر قریش نے کہا کہ بہن کی اولاد ہو تو ہم میں ہی سے ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ جب ابلیس قریشیوں کی اس مجلس میں پہنچا تو قریشیوں کو غصہ آگیا اور انہوں نے اس سے کہا کہ تو کون ہے اور بغیر اجازت کے ہماری اس خصوصی مجلس میں کیسے آیا تو اس نے جواب دیا،

"میں ایک نجدی شخص ہوں میں نے تم لوگوں کو سمجھا کہ تم شریف اور معزز لوگ ہو اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ تم لوگوں کے پاس بیٹھوں اور تمہاری باتیں سنوں لیکن اگر تمہیں میرا بیٹھنا ناگوار ہو تو میں چلا جاتا ہوں۔"

یہ سن کر قرشی آپس میں کہنے لگے،

یہ تو نجدی آدمی ہے اس کی طرف سے تم پر جاسوس نہیں ہے۔ایک روایت کے لفظیوں ہیں کہ یہ تو نجد کا رہنے والا ہے مکہ کا نہیں ہے اس لئے مشورہ میں اس کا موجود رہنا تمہارے لئے خطرناک نہیں ہے۔

<u>خطرناک مشورے</u>...... غرض اس کے بعد مشورہ شروع ہوا تو کچھ لوگوں نے کہا،

"اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کا معاملہ تم دیکھ ہی چکے ہو، خدا کی قسم اب ہر وقت اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ اپنے نئے اور اجنبی مددگاروں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف حملہ کرے گا لہٰذا اس بارے میں مشورہ کر کے اور سب مل کر کوئی ایک بات طے کر لو۔"

اس پر ایک شخص جس کا نام ابوالبختری ابن ہشام تھا بولا،

"اس کو بیڑیاں پہنا کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دو اور اسکے بعد کچھ عرصہ انتظار کرو کہ اس کی بھی وہی حالت ہو جائے جو اس سے پہلے اس جیسے شاعروں کی ہو چکی ہے اور یہ بھی اسی طرح موت کا شکار ہو جیسے وہ ہو چکے ہیں۔"

اس پر شیخ نجدی نے کہا،

"ہرگز نہیں، یہ رائے بالکل غلط ہے۔اپنے کہنے کے مطابق اگر تم نے ان کو قید کر دیا تو جو دروازہ تم ان پر بند کرو گے اسی دروازے سے یہ خبر نکل کر ان کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گی۔پھر اس وقت مت پچھتانا جب وہ لوگ تم پر حملہ کر کے ان کو تمہارے ہاتھوں سے نکال کر لے جائیں۔پھر وہ لوگ تم پر بھاری ہو جائیں گے یہ رائے بالکل غلط ہے۔کوئی اور تدبیر سوچو۔"

اب ان لوگوں میں پھر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔اب اسود ابن ربیعہ ابن عمیر نے کہا،

"ہم اس کو یہاں سے نکال کر جلاوطن کردیں یہاں سے نکل کر پھر یہ ہماری طرف سے کہیں بھی جائے۔"

اس پر پھر شیخ نجدی کہنے لگا،

"خدا کی قسم یہ رائے بھی غلط ہے۔ تم دیکھتے نہیں اس کی باتیں کتنی خوبصورت اور اس کی گفتگو کتنی میٹھی ہوتی ہے کہ اپنا خدائی کلام سنا کر وہ لوگوں کا دل موہ لیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے اس کو جلاوطن کر دیا تو تمہیں امن نہیں ملے گا کیونکہ یہ کسی بھی عرب قبیلے میں جاکر اپنی خوبصورت باتوں اور میٹھی گفتگو سے ان کا دل موہ لے گا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت اور معاہدہ کرلیں گے اور یہ ان کے ساتھ یہاں آکر تمہیں روند ڈالے گا اور تمہاری یہ ساری سرداری تم سے چھین کر تمہارے ساتھ جو چاہے سلوک کرے گا۔ اس لئے اس بارے میں کوئی اور رائے سوچو۔"

ابو جہل کے مشورہ پر قتل کا فیصلہ...... اس پر ابو جہل ابن ہشام نے کہا،

"خدا کی قسم میری ایک دوسری ہی رائے ہے اس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی۔"

لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے تو ابو جہل نے کہا،

"میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ ہر خاندان اور ہر قبیلے میں کا ایک ایک بہادر طاقتور اور نڈر نوجوان لیں اور ہر ایک کو ایک ایک آبدار تلوار دے کر محمد پر حملہ کرنے کے لئے سویرے بھیجیں اور وہ سب ایک ساتھ اس پر اپنی تلواروں کا ایک بھرپور ہاتھ ماریں اور قتل کردیں۔ اس طرح ہمیں چین مل جائے گا اور ادھر یہ ہو گا کہ اس کے قتل میں سارے قبیلے شریک ہو جائیں گے لہٰذا بنی عبد مناف (یعنی آنحضرت ﷺ کے خاندان والوں) کو اس کی طاقت نہیں ہو گی کہ وہ تمام قبیلوں سے جنگ کریں لہٰذا انہیں مجبوراً خوں بہا یعنی جان کی قیمت لینے پر راضی ہونا پڑے گا جو ہم دے دیں گے۔"

یہ سن کر اسی شیخ نجدی نے کہا،

"میں سمجھتا ہوں اس شخص کی رائے ہی سب سے اعلیٰ رائے ہے، میرے خیال میں اس سے اچھی رائے کوئی اور نہیں ہو سکتی۔"

حفاظت خداوندی...... (اس رائے کو سب نے مان لیا اور) اس کے بعد مجلس ختم ہو گئی۔ ادھر دوسری طرف فوراً ہی حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

آپ ﷺ روزانہ جس بستر پر سوتے ہیں آج اس پر نہ سوئیں۔"

اسکے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کی سازش کی خبر دی اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ

(آیت ۳۰ سورۂ انفال پ ۹، ع ۴)

ترجمہ: اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جب کہ کافر لوگ آپ کی نسبت بڑی بری تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن (یعنی جلاوطن) کردیں اور وہ تو اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا مکان قاتلوں کے نرغہ میں...... غرض جب ایک تہائی رات گزر گئی تو مشرکین کا جتھا آنحضرت ﷺ کے مکان کے دروازے پر آکر چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ آنحضرت ﷺ سو جائیں تو وہ سب ایک دم آپ ﷺ پر حملہ کریں، ان سب کی تعداد ایک سو تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب در منثور میں ابن جریر ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے عبید ابن عمیر سے ایک روایت پیش کی ہے کہ جب مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش تیار کی کہ یا آپ ﷺ کو قید کرلیں یا قتل کردیں اور یا جلاوطن کردیں تو ابوطالب نے آکر آپ ﷺ سے کہا،

"کیا تم جانتے ہو دشمنوں نے تمہارے خلاف کیا سازش کی ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"ان لوگوں نے طے کیا ہے کہ یا مجھے قید کرلیں یا قتل کردیں اور یا جلاوطن کردیں"

ابوطالب نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے رب نے ابوطالب نے کہا،

"تمہارا رب بڑا اچھا پروردگار ہے تم اپنے رب سے خیر مانگو!"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"ہاں میں اس سے خیر مانگتا ہوں بلکہ وہ خود میرے ساتھ خیر فرماتا ہے۔"

یہاں تک کتاب در منثور کا حوالہ ہے۔ مگر انہوں نے اس کے بعد یہ نہیں لکھا کہ قریش کی یہ سازش ابوطالب کے انتقال کے بعد ہوئی تھی۔ یہ سازش سنیچر کے روز تیار کی گئی تھی چنانچہ اسی لئے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے سنیچر کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مکرو فریب کا دن ہے۔ صحابہ نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"اس دن ہی میں قریش نے میرے خلاف سازش کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔"

سیرت دمیاطی میں ہے کہ رات میں یہ سب قریش آنحضرت ﷺ کے مکان کے باہر جمع ہوگئے اور کواڑوں کی ریخوں میں سے جھانکنے اور آپ کا انتظار کرنے لگے وہ سب رات کے اندھیرے میں کھڑے اس پر غور اور مشورہ کررہے تھے کہ آپ ﷺ کے بستر پر حملہ آور کون ہو۔ مگر اس قول پر شبہ ہے کیونکہ اس بارے میں سازش اور مشورہ کرنا سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ وہ اس سے پہلے یہ طے کرچکے تھے کہ سب مل کر ایک ساتھ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے حملہ آور ہوں گے تاکہ کسی ایک قبیلے یا خاندان سے خون بہا کا مطالبہ نہ کیا جاسکے۔

ایک قول یہ ہے کہ رات کو وہ سب لوگ اپنے پورے ہتھیار لگائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے دروازے پر چھپ گئے اور صبح کا انتظار کرنے لگے تاکہ ایک دم کھلے عام آپ ﷺ کو قتل کردیں اور آپ ﷺ کا خون بنی ہاشم بھی دیکھ لیں کہ اس میں سب قبائل شریک ہیں اور وہ جان لیں کہ سب سے بدلہ لینا ممکن نہیں ہے۔ یہی بات گزشتہ بیان کے مناسب بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت علی آپ ﷺ کے بستر پر...... آنحضرت ﷺ نے قریش کا یہ گروہ دیکھا اور آپ ﷺ کو معلوم

ہو گیا کہ ان کے کیا ارادے ہیں تو آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا،

"تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو۔"

آنحضرت ﷺ اس چادر کو اوڑھ کر ہی عیدین کی نماز کو جایا کرتے تھے۔ اس چادر کی لمبائی چار ہاتھ تھی اور چوڑائی دو ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔ جہاں تک اس کے رنگ کا تعلق ہے کہ آیا یہ سبز تھا یا سرخ تو اس بارے میں جابر کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرخ تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک سرخ چادر اوڑھ کر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر میں نے بعض روایتیں دیکھیں جن میں ہے کہ یہ چادر سبز رنگ کی تھی۔ ادھر سیرت دمیاطی میں آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ میری یہ سرخ چادر اوڑھ لو۔ جہاں تک حضرمی کا تعلق ہے تو اس سے مراد حضر موت کی چادر ہے حضر موت یمن میں ایک شہر یا قبیلہ ہے آنحضرت ﷺ سوتے وقت یہی چادر اوڑھا کرتے تھے۔ غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو یہ چادر اوڑھ کر لیٹ جانے کا حکم دے کر فرمایا،

"تمہارے ساتھ کوئی ناگوار حادثہ پیش نہیں آئے گا۔"

آسمانوں میں حضرت علی کی حفاظت کے چرچے...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام پر وحی نازل کی اور فرمایا،

"میں نے تم دونوں کے درمیان بھائیوں کا رشتہ پیدا کر دیا ہے اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ رکھی ہے اور اب تم میں سے کون اپنے ساتھی کے لئے زندگی کا ایثار کرتا ہے۔" (یعنی وہ زیادہ عمر تم دونوں میں سے کس کو دی جائے)۔

اس پر دونوں نے ہی لمبی زندگی کی خواہش کی کسی نے دوسرے کیلئے ایثار نہیں کیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر وحی نازل کی اور فرمایا، "دیکھو تم دونوں علی بن ابو طالب کی طرح نہ ہوئے میں نے ان کے اور محمد ﷺ کے درمیان بھائیوں کا رشتہ قائم کر دیا تھا اب علی انکے بستر پر رات گزار رہے ہیں تاکہ ان پر اپنی جان قربان کر دیں اور ان کیلئے اپنی زندگی کا ایثار کریں۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو۔"

آسمانی محافظ...... چنانچہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام زمین پر آئے، جبرئیل علیہ السلام حضرت علی کے سرھانے کھڑے ہوگئے اور میکائیل علیہ السلام ان کی پائنتی کے پاس کھڑے ہوگئے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے حضرت علی کی طرف دیکھ کر کہا،

"واہ واہ اے ابن ابو طالب! تم جیسا کون ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ فرشتوں کا مقابلہ کیا ہے"

ادھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ مگر اس روایت کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ حدیث و سیرت کا علم رکھنے والے علماء کے نزدیک متفقہ طور پر یہ حدیث جھوٹی ہے۔ ادھر یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس سچے ارشاد کے بعد کہ تمہارے ساتھ کوئی ناگوار حادثہ پیش نہیں آئے گا۔ حضرت علیؓ کو پوری طرح اطمینان ہو چکا تھا لہٰذا اس کے بعد اپنی جان قربان کرنے اور اپنی زندگی کا ایثار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جو اس روایت کے تحت بیان ہوئی تو یہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے اور مدینہ میں نازل ہوئی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت صہیبؓ کے سلسلے میں نازل ہوئی

تھی جب انہوں نے مدینہ کو ہجرت کی تھی۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ مگر کتاب امتاع میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جو جملہ حضرت علی کے لئے گزرا ہے وہ آپ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا۔ اب اس کی روشنی میں حضرت علی کا آنحضرت ﷺ کے لئے اپنی جان پیش کرنے کے لئے لیٹنا بالکل صاف ہے (۔لہذا وہ جبرئیل و میکائیل والی روایت بھی درست ہو جاتی ہے۔ رہ گیا اس آیت کا حضرت صہیبؓ کے سلسلے میں نازل ہونا تو) ہو سکتا ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک دفعہ حضرت علیؓ کے حق میں اور دوسری دفعہ حضرت صہیبؓ کے حق میں۔ اب اس آیت میں شری یعنی خریدنے کا لفظ باع یعنی بیچنے کے معنی میں ہوگا۔ یعنی حضرت علی نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے بدلے میں اپنی زندگی بیچ دی...... اور حضرت صہیبؓ کے حق میں اس کے معنی خریدنے ہی کے رہیں گے یعنی انہوں نے اپنے مال کے بدلے میں اپنی زندگی خریدلی۔ جہاں تک اس آیت کے مکہ میں نازل ہونے کا تعلق ہے تو اس سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہونے والی سورہ نہیں ہے کیونکہ اس سورہ کا زیادہ حصہ مدینہ میں نازل ہونے کی وجہ سے اس کو مدنی سورہ ہی کہا جائے گا (اس ایک آیت کی وجہ سے مکی سورہ نہیں کہا جائے گا) کتاب سبعیات میں ہے کہ (جب مشرکین نے رات کو آپ ﷺ کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو) آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کی طرف دیکھا اور پھر ان سے فرمایا،

"تم میں سے کون ہے جو میری جگہ میرے بستر پر سو جائے میں اسکے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

اس پر حضرت علی نے عرض کیا،

"میں لیٹوں گا اور آپ کے بدلے اپنی جان کا نذرانہ پیش کروں گا۔"

یہاں تک کتاب سبعیات کا حوالہ ہے مگر شاید یہ روایت صحیح نہیں ہے، ادھر کتاب امتاع میں جو کچھ ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ اس روایت کے مطابق ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے روانہ ہوئے اس وقت وہاں حضرت علی اور حضرت ابو بکر کے سوا کوئی نہیں تھا۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے واللہ اعلم۔

ابو جہل کی ہرزہ سرائیاں...... مشرکوں کے جس گروہ نے آنحضرت ﷺ کے مکان کو گھیر رکھا تھا ان میں حکم ابن ابوالعاص، عقبہ ابن ابی مُعیط، نضر ابن حرث، امیّہ ابن خلف، زمعہ ابن اسود، ابو لہب اور ابو جہل بھی شامل تھے۔ ابو جہل یہاں کھڑا ہوا لوگوں سے کہہ رہا تھا،

"محمد کہتا ہے کہ اگر تم اس کے دین کو قبول کر لو تو تم کو عرب اور عجم کی بادشاہت مل جائے گی اور مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور وہاں تمہارے لئے ایسی جنتیں اور باغات بنا دیئے جائیں گے جیسے اردن کے باغات اور سبزہ زار ہیں لیکن اگر تم میری پیروی نہیں کرو گے تو تم سب تباہ و برباد ہو گے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے تو تمہارے لئے وہاں جہنم کی آگ تیار ہو گی جس میں تمہیں جلایا جائے گا۔"

حفاظت الٰہی میں آپ ﷺ کا مکان سے خروج...... یہ اردن (مصنف کے زمانے کے اعتبار سے) شام کے علاقے میں ایک جگہ ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کا یہ جملہ سن لیا آپ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ ہاں میں یقیناً یہ بات کہتا ہوں اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ میں کچھ مٹی اٹھائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ...... تا...... فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (سورۂ یٰسین پ، ۲۲، ع ۱ آیت ۱ تا ۹)

ترجمہ: یٰس۔ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔ یہ قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اولاً ایسے لوگوں کو ڈرادیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے سو اسی سے یہ بے خبر ہیں ان میں سے اکثر لوگوں پر بات تقدیری ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاویں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک اڑ گئے ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو الل گئے ہیں اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کردی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی جس سے ہم نے ہر طرف سے ان کو پردوں سے گھیر دیا۔ سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔

سورۂ یٰسین کی برکات...... اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بینائی کو ڈھک دیا اور وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے سامنے سے جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکے۔ مسند حرث ابن ابی اسامہ میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ یٰسین کی فضیلتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا،

اگر اس کو خوفزدہ شخص پڑھے گا تو اس کو امن حاصل ہو جائے گا، اگر بھوکا پڑھے گا تو اس کا پیٹ بھر جائے گا، ننگا پڑھے گا تو اس کو لباس حاصل ہو جائے گا، پیاسا پڑھے گا تو اس کو سیرابی حاصل ہوگی اور بیمار پڑھے گا تو اس کو شفا حاصل ہوگی۔"

اپنے مکان سے نکلتے ہوئے آنحضرت ﷺ مشرکوں کے سروں کی طرف مٹی پھینکتے جاتے تھے۔ چنانچہ ان میں کوئی شخص ایسا نہیں بچا جس کے سر پر مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا جہاں جانے کا ارادہ تھا آپ ﷺ اسی طرف روانہ ہو گئے۔

قاتلوں کو آپ ﷺ کے نکل جانے کی اطلاع...... اس کے بعد ان مشرکوں کے پاس جو ابھی تک آنحضرت ﷺ کے انتظار میں آپ ﷺ کے مکان کے باہر چھپے کھڑے تھے کوئی شخص آیا اور ان سے کہنے لگا،

"تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟"

انہوں نے کہا، محمد ﷺ کا، اس پر وہ کہنے لگا،

"ارے بیو قوفو! خدا کی قسم محمد تو تمہارے سامنے سے نکل کر چلے گئے وہ تم سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے ارادہ کے مطابق جا چکے ہیں۔ تم اپنے سروں پر مٹی نہیں دیکھ رہے ہو؟"

اب ان سب لوگوں نے جلدی سے اپنے سروں پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو سروں میں مٹی بھری ہوئی نظر آئی۔

مگر کتاب نور میں ہے کہ یہ روایت حضرت ماریہ کی حدیث کے خلاف ہے، حضرت ماریہ آنحضرت ﷺ کی خادمہ تھیں اور ان کا لقب اُم رباب تھا۔ اس روایت میں ہے کہ وہ دیوار کے پاس آکر جھک گئیں اور آپ ﷺ ان کے سہارے سے دیوار پر چڑھ گئے۔ یہ اس رات کی بات ہے جبکہ آپ ﷺ مشرکوں سے بچ کر نکلے تھے۔ لہذا اگر یہ دونوں روایتیں درست ہیں تو ان میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی ورنہ جو صحیح ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کو مناسب نہ سمجھا ہو کہ مشرکوں کے سامنے دروازے سے نکل کر آئیں لہذا آپ ﷺ اس دیوار کے ذریعہ اتر گئے جس کا ذکر ہوا ہے۔ واللہ اعلم

اس رات آنحضرت ﷺ یہاں سے نکل کر حضرت ابو بکر صدیق کے مکان پر تشریف لے گئے تھے

وہاں آپ ﷺ اگلی رات تک رہے اور پھر آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر یہاں سے نکل کر ثور پہاڑ پر گئے۔ یہ تفصیل سیرت دمیاطی میں ہے۔

غرض جب قریش کو خبر ہوئی کہ آنحضرت ﷺ ان کے سروں پر خاک ڈال کر تشریف لے جاچکے ہیں تو وہ سب اپنی کمین گاہوں سے نکلے آنحضرت ﷺ کے بستر پر حضرت علیؓ چادر اوڑھے ہوئے سو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم یہ تو محمد اپنی چادر اوڑھے ہوئے سو رہے ہیں۔ اب وہ سب یہاں کھڑے ہوئے یہ باتیں کرتے رہے اور سوچتے رہے کہ ایک دم ان پر حملہ کر دیں مگر اللہ تعالیٰ حفاظت فرما رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی میں صبح ہو گئی اور چاندنا شروع ہو گیا۔ اب حضرت علی سوتے سے اٹھے تو مشرکین (ان کو دیکھ کر حیران ہوئے اور) کہنے لگے کہ خدا کی قسم جس شخص نے ہمیں محمد کے نکل جانے کی خبر دی تھی وہ سچ ہی بول رہا تھا۔ غرض جب حضرت علی اٹھے تو ان لوگوں نے ان سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ مجھے ان کا کچھ پتہ نہیں ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکوں کو باہر کھڑے کھڑے صبح ہو گئی تو وہ بستر کی طرف دیکھ کر یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ لیٹے ہوئے ہیں مگر جب انہوں نے وہاں آپ ﷺ کے بجائے حضرت علی کو دیکھا تو گویا حق تعالیٰ کی طرف سے ان کا فریب ان ہی پر لوٹا دیا گیا۔ اب انہوں نے حضرت علی سے پوچھا۔

"تمہارے صاحب کہاں ہیں؟"

حضرت علی نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ (سورہ طور، پ ۲۷، ع ۲ آیت ۳۰)

ترجمہ: ہاں کیا یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں اور ہم انکے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، الخ۔ کتاب عیون الاثر میں ابن اسحاق کے بیان کے تحت اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ دوسری آیت مشرکوں کی اس سازش کا پردہ چاک کرتی ہے جو انہوں نے مشورہ گاہ میں کی تھی۔

قاتلوں کے مکان میں نہ گھسنے کا سبب...... (قال) یہاں ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مشرکین آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر کے آئے تھے پھر آخر وہ دیوار پھلانگ کر اندر کیوں نہیں پہنچ گئے جبکہ دیوار زیادہ اونچی بھی نہیں تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ (قریش نے ایسا کرنا چاہا تھا مگر) جیسے ہی وہ دیوار پر چڑھے اندر سے ایک عورت کے چیخنے کی آواز آئی (اس پر وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئے اور) آپس میں کہنے لگے۔

"یہ بات انتہائی شرم اور رسوائی کی ہے کہ عرب میں ہمارے متعلق کہا جائے کہ ہم دیواریں پھلانگ پھلانگ کر اپنے چچا کی بیٹیوں پر چڑھ کر گئے اور ہم نے خواتین کی بے حرمتی کی۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر یہ بات اس قول کے مطابق نہیں ہے جو پیچھے بیان کیا گیا کہ مشرکوں کا ارادہ ہی یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو صبح ہونے کے بعد قتل کریں گے تاکہ بنی ہاشم یعنی آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ خود بھی قاتلوں کو دیکھ لیں۔ لہٰذا ان کا آنحضرت ﷺ پر حملہ نہ کرنا دیوار کی وجہ سے نہیں تھا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیوار پر چڑھنے کا ارادہ انہوں نے صبح ہونے کے بعد کیا تھا۔

ادھر یہ کہ اگرچہ مشرکوں کو آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنے سے روکنے والے اسباب بھی موجود تھے مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظت نہیں ہورہی تھی، کیونکہ جہاں تک اسباب کا تعلق ہے تو مشرکین کو ان کی زیادہ پرواہ یوں نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ قریش کے اعلیٰ اور بہادر خاندانوں میں کے سو آدمی تھے لہٰذا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حمایت و حفاظت ہی تھی جس نے قریش کو ناکام اور ذلیل و خوار کیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کے اس قول کی سچائی بھی ثابت ہوجاتی ہے جو آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ تم ڈرو مت تمہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ مشرکین حضرت علی کو آنحضرت سمجھ کر پتھر مار رہے تھے۔ مگر یہاں مارنے سے مراد یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کی زد میں لئے ہوئے تھے یہ مطلب نہیں ہے کہ کنکر پتھر مار رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے بستر پر نہ سونے کی حکمت...... یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب حق تعالیٰ کی حمایت اور حفاظت حاصل تھی تو آنحضرت ﷺ اپنے بستر پر خود کیوں نہیں سوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ خود اپنے بستر پر لیٹتے تو نہ تو قریش کی یہ رسوائی اور تذلیل ہوسکتی جو آپ ﷺ نے ان کے سروں پر خاک ڈال کر فرمائی اور نہ حق تعالیٰ کی حفاظت اور حمایت کا ایسا کھلا اظہار ہوسکتا کہ آپ ﷺ ان کے سامنے سے نکل کر گئے مگر کوئی بھی آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکا۔

آپ ﷺ کو نہ پاکر قریش کی بلبلاہٹ...... ایک روایت میں ہے کہ مشرکین آنحضرت ﷺ کے مکان میں پھلانگ کر داخل ہوگئے تھے اور ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ہوئے تھے مگر حضرت علیؓ ایک دم ان کے سامنے آگئے انہوں نے ان کو پہچان لیا اور کہا،

"کیا تم محمد ہو؟ تمہارے صاحب کہاں ہیں؟"

حضرت علیؓ نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ مگر یہ روایت اور گزشتہ روایت ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور اگر اس روایت کو بھی درست مانا جائے تو ان دونوں کے درمیان موافقت قابل غور ہے۔ ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ وہاں حضرت علی کو دیکھ کر مشرکوں نے ان کو باہر نکلنے کا حکم دیا اور پھر ان کو مارتے ہوئے مسجد حرام میں لے گئے جہاں کچھ دیر انہوں نے حضرت علی کو روکے رکھا اور پھر چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم۔

ہجرت کی اجازت...... اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی،

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا

(سورۂ بنی اسرائیل پ ۱۵، ع ۹ آیت ۸۰)

ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دینا جس کے ساتھ نصرت ہو۔

زید ابن اسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مُدْخَلَ صِدْقٍ یعنی خوبی سے پہنچنے کی جگہ مدینہ منورہ کو بنایا اور مُخْرَجَ صِدْقٍ خوبی سے نکلنے کی جگہ مکہ کو بنایا اور سُلْطَانًا نَّصِیْرًا یعنی ایسا غلبہ جس کے ساتھ نصرت و فتح ہو انصاری مسلمانوں کو بنایا۔

مگر ایک دوسری حدیث سے اس تفسیر کی مخالفت ہوتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ تبوک کے مقام سے

مدینہ کو واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا،

"آپ اپنے پروردگار سے کچھ مانگئے کیونکہ ہر نبی نے اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ کوئی خواہش کی ہے"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"آپ کی رائے میں کیا چیز مانگوں؟"

حضرت جبرئیل نے کہا رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ...... تا ...... سُلْطَانًا نَصِیْرًا یہ دعا مانگئے

چنانچہ تبوک سے واپسی کے دوران سورت ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت آپ ﷺ پر نازل فرمائی۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ شاید یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

جب آنحضرت ﷺ کو ہجرت کی اجازت مل گئی تو آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے ساتھ ہجرت کرنے والا دوسرا کون شخص ہوگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ابو بکر صدیق ہوں گے۔ اس بارے میں ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ اسی دن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کا لقب صدیق رکھا۔ لیکن اس لقب کے بارے میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ان کو یہ صدیق کا لقب اس وقت دیا گیا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اسراء یعنی بیت المقدس تک اپنے رات کے سفر کا واقعہ اور بیت المقدس کا پتہ نشان بتلایا اور انہوں نے فوراً آپ ﷺ کی تصدیق کی تھی۔

اسی طرح ایک اور غریب قول کتاب سبعیات میں ہے کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا اور ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون میری ہمراہی میں میرے ساتھ چلے گا؟ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے کا حکم فرما دیا ہے۔ اس پر ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلوں گا۔

مگر سیرت کے واقعات میں اس قول کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکر کے مکان پر تشریف لائے اور انہیں پکار کر فرمایا کہ۔

"باہر آؤ۔ تمہارے پاس کون ہے؟"

حضرت ابو بکر نے کہا،

"یا رسول اللہ! میری بیٹیاں عائشہ اور اسماء ہیں۔"

پھر حضرت ابو بکر کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھا کہ شاید میرے لئے ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں میری معیت یعنی ساتھ حاصل ہو گیا۔ اور پھر رات کے وقت دونوں روانہ ہو گئے جیسا کہ سیرت دمیاطی کے حوالے سے پیچھے گذرا ہے۔ مگر اسی سیرت کے حوالے سے پیچھے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس رات حضرت ابو بکر کے مکان میں داخل ہوئے تھے جبکہ آپ اپنے بستر پر لیٹنے کے بجائے وہاں سے نکل آئے تھے اور یہ کہ آپ اس اگلی رات تک صدیق اکبر کے مکان میں ٹھہرے رہے جس میں آپ وہاں سے روانہ ہو کر ثور پہاڑ میں آکر چھپے تھے لہٰذا ان دونوں روایتوں میں موافقت کی ضرورت ہے۔ اس موافقت کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ دوپہر کے وقت جو آنحضرت ﷺ تشریف لائے وہ اس رات کے آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

وطن کی محبت...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کے وقت مکے

سے نکل کر مدینے کو روانہ ہو رہے تھے تو آپ نے اپنے وطن کو خطاب کر کے فرمایا۔

"خدا کی قسم اگرچہ میں تجھ سے رخصت ہو رہا ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو سب شہروں میں عزیز اور محبوب شہر ہے۔ اور اگر تیرے باشندے مجھے تجھ سے جدا نہ کرتے تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔"

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خروزہ کے مقام پر اپنی سواری کو ٹھہرایا اور بیت اللہ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"خدا کی قسم اللہ کی زمین میں تو میرے لئے محبوب ترین جگہ ہے اور اللہ کے نزدیک بھی تو اس کی زمینوں میں محبوب ترین جگہ ہے۔ اگر تیرے باشندے زبردستی مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر نہ جاتا!"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔

"رسول اللہ ﷺ مسجد حرام کے درمیان میں رکے اور پھر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب گھر کوئی نہیں ہے اور نہ روئے زمین پر تجھ سے زیادہ محبوب شہر کوئی دوسرا ہے۔ میں تجھ سے خوشی کے ساتھ رخصت نہیں ہو رہا ہوں بلکہ مشرکین مجھے نکلنے پر مجبور کر رہے ہیں اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ذوزہ کے مقام پر یا حرم کے درمیان میں رکنے کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکلنے کے بعد تشریف لائے تھے اور اس کے بعد مدینے تشریف لے گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ حجون کے مقام پر رکے تھے اور وہاں آپ نے وہی جملے ارشاد فرمائے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر مجھے تجھ میں یعنی مکہ میں رہنے دیا جاتا تو میں نہ جاتا۔ بہرحال اس بات کا بار بار پیش آنا غیر معمولی بات نہیں ہے۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ حجون کے مقام پر آپ ﷺ کا ٹھہرنا فتح مکہ کے دن کی بات ہے...... ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ سے یہ فرمایا کہ تجھ سے زیادہ پیارا شہر میرے لئے اور کون سا ہے اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں تیرے سوا کسی اور شہر میں نہ ٹھہرتا۔ سخاوی کی کتاب جمال القراء میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو روانہ ہونے لگے تو رک کر آپ ﷺ نے مکہ پر نگاہ ڈالی اور رو پڑے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَكَاَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً الخ (سورۂ محمد پ ۲۶، ع ۲)

ترجمہ: اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا سو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔

حاکم نے ابوہریرہ سے ایک مرفوع روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے وقت یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ تو نے مجھے بہترین اور محبوب ترین شہر سے نکالا ہے تو اب تو ہی مجھے ایسے شہر میں بسا جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ مگر ذہبی نے اس روایت کو من گھڑت اور موضوع بتلایا ہے۔ ابن عبدالبر نے یہ کہا ہے کہ اس روایت کے موضوع اور منکر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر مستدرک حاکم میں میں نے جو روایت دیکھی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ان لوگوں نے مجھے میرے محبوب ترین شہر سے نکال دیا ہے لہٰذا اب تو مجھے اپنے پسندیدہ ترین شہر میں بسا دے۔ مگر دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی نکلتا ہے۔ ان ہی زہری وغیرہ کی روایتوں کی وجہ سے

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور آپ ﷺ کو مدینہ میں بسایا۔ ایک کمزور قول یہ ہے کہ جمہور علماء بھی اسی بات پر گئے ہیں، جن میں امام مالک بھی شامل ہیں۔

مکہ اور مدینہ میں کون افضل ہے ؟ ...... جہاں تک پہلی حدیثوں کا تعلق ہے ان کو ان لوگوں نے بنیاد بنایا ہے جو مدینہ پر مکہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جمہور علماء کا مسلک یہی ہے جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں۔ اس مسلک کی بنیاد وہ اس روایت پر رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا تھا،

تمہارے نزدیک حرمت اور اعزاز کے اعتبار سے سب سے زیادہ افضل کون سا شہر ہے ؟"

صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے سوا ہمیں معلوم نہیں کہ یہی ہمارا شہر ہو سکتا ہے۔ یعنی مکہ۔ اس سے صحابہ کا اجماع اور اس بارے میں اتفاق رائے ظاہر ہوتی ہے جس کا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اقرار کیا کہ مکہ تمام شہروں سے زیادہ افضل ہے کیونکہ جو شہر حرمت میں سب سے زیادہ ہو وہی سب سے زیادہ افضل کہلائے گا۔

مکہ کی فضیلت ...... آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مکہ میں ٹھہرنا سعادت و خوش نصیبی کی بات ہے اور یہاں سے جانا بدبختی کی بات ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"کہ جس شخص نے دن بھر کی ایک گھڑی کے لئے مکہ کی گرمی پر صبر کیا اس سے جہنم سو سال کی مسافت کے فاصلے پر چلی جاتی ہے۔"

علامہ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد چھوڑ دیا جس میں آپ ﷺ نے مکہ کے لئے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ تو بہترین سرزمین اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ ہے، اگر تیرے باشندے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز نہ جاتا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی جو تاویل ممکن ہے وہ اس تاویل کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی جو اس کے مقابلے میں کی گئی ہے (یعنی جن لوگوں نے تاویل کر کے مکہ کے مقابلے میں مدینہ کو افضل قرار دیا ہے۔ ان کی تاویل یہاں نہیں چل سکتی) کیونکہ مکہ میں کی جانے والی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پیدل چل کر حج کا سفر اور حج کے ارکان ادا کئے اس کے نام پر حرم کی نیکیوں میں سے سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اس پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حرم کی نیکی کیسی ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا حرم میں کی جانے والی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔

جہاں تک مدینہ کے مقابلے میں مکہ کی افضلیت کی بحث ہے تو اس سے مراد اس جگہ کے علاوہ مدینہ کے دوسرے حصے ہیں جہاں آنحضرت ﷺ آرام فرما ہیں کیونکہ جہاں تک مزار مبارک کی جگہ کا تعلق ہے تو اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ وہ روئے زمین کا سب سے افضل حصہ ہے بلکہ یہاں تک کہ عرش اور کرسی سے بھی زیادہ افضل جگہ ہے۔

مدفن نبوت کی فضیلت ...... کتاب عوارف المعارف میں ہے کہ طوفان نوح نے اس جگہ کو کعبہ کی جگہ سے اکھاڑ دیا تھا یہاں تک کہ اس کو تیراتا ہوا مدینہ میں لے آیا۔ لہٰذا مکہ کی سرزمین کا ہی ایک حصہ ہے اس لئے اب مکہ

کے مقابلے میں مدینہ کی افضلیت ظاہر کرنا غلط ہو جاتا ہے (کیونکہ مدینہ کی جو افضل ترین جگہ ہے وہ بھی مکہ ہی کا حصہ ہے)۔

مدینہ کی افضلیت حضرت ابو بکرؓ کے اس قول سے لی گئی ہے جو انہوں نے اس وقت کہا تھا جب آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے دفن کی جگہ کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا، اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تھا۔

"حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی روح اسی جگہ قبض فرمائی ہے جو اس کے نزدیک سب سے افضل ترین جگہ ہے تاکہ آپ ﷺ کو اسی جگہ دفن کیا جائے۔"

(حضرت ابو بکر کے اس قول سے بعض علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ مدینہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب جگہ ہے اس لئے یہ شہر مکہ کے مقابلے میں افضل ہے۔ مگر یہ دلیل اس لئے غلط ہے کہ یہاں دفن کی جگہ مراد ہے اور وہ جگہ بے شک حق تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین جگہ ہے مگر وہ بھی کعبہ کی زمین کا ایک حصہ ہے لہٰذا کعبہ اور سرزمین کعبہ کی افضلیت برقرار رہتی ہے) واللہ اعلم۔

ہجرت نبوی ﷺ کا بیان

آنحضرت ﷺ کے چادر اوڑھنے کا طریقہ:۔...... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم عین دوپہر ٹھٹھار میں یعنی زوال کے وقت حضرت ابو بکرؓ کے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔ یہ کہنے والی حضرت اسماءؓ بنت ابو بکر تھیں بعض محدثین نے لکھا ہے کہ یہ کہنے والے حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامر ابن فہیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔ غرض حضرت اسماءؓ کہتی ہیں میں نے کہا۔

"یہ دیکھئے رسول اللہ ﷺ سر پر سبز چادر اوڑھے ہوئے آرہے ہیں اور ایسے وقت میں جس میں اس سے پہلے کبھی نہیں آئے!"

یعنی عین دوپہر کے وقت میں آپ ﷺ کبھی نہیں آتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہجرت سے پہلے کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا جس میں آنحضرت ﷺ دن کے دونوں حصوں صبح اور شام میں ہمارے یہاں نہ آتے ہوں۔ ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ۔ آنحضرت ﷺ کا کوئی دن ناغہ نہیں ہوتا تھا کہ اس میں آپ دن کے دو حصوں صبح یا شام میں سے ایک وقت ہمارے یہاں نہ آتے ہوں۔

اب اگر ان دونوں روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں موافقت پیدا کرنی ضروری ہے (کہ آیا آپ ﷺ صبح اور شام دونوں وقت جاتے تھے یا صبح اور شام میں سے ایک وقت جایا کرتے تھے) ورنہ پہلی روایت ہی بہتر ہے جو بخاری میں ہے۔

قدیم علماء کا امتیازی نشان:۔...... (گذشتہ سطروں میں سبز چادر کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث میں تَقَنُّعْ کا لفظ ہے جس کے معنی علامہ شامی نے طَیْلَسُ کے کئے ہیں تَقَنُّعْ کے معنی دوپٹہ یا چادر اوڑھنے کے ہیں اور طُیْلَسُ سبز رنگ کی چادر کو کہتے ہیں جس کو مشائخ اور علماء استعمال کرتے تھے اور عجمیوں کا پہناوا تھی۔ اس حدیث میں تقنع کا ترجمہ طیلس سے کیا گیا ہے) اس بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ تقنع سے مراد طیلس ہے اور طیلسان پہننے میں یہی اصل ہے کہ اس کو سر تک اوڑھا جاتا تھا۔ یہاں تک حافظ ابن حجرؒ کا حوالہ ہے۔ مگر علامہ ابن قیمؒ نے اس تشریح پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا آپ کے کسی صحابی نے کبھی سر تک چادر اوڑھی ہو لہٰذا یہاں تقنع کے معنی طیلس کے نہیں ہو سکتے بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ نے چادر سے سر اور چہرے کے اکثر حصے کو اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ گردن کے نیچے کے حصے تک چادر نہیں آرہی تھی (یعنی طیلس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ نے سارے جسم کو چادر سے اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ سر بھی چادر میں چھپ رہا تھا) جبکہ حقیقت میں آپ ﷺ نے چادر سے صرف سر اور چہرے کے کچھ حصے کو ڈھانپ رکھا تھا (جو دھوپ کی شدت اور گرد و غبار سے بچنے کے لئے ہو سکتا ہے) اس کو تحنیک کہتے ہیں (یعنی چادر کو ٹھوڑی کے نیچے سے لا کر لپیٹنا)۔ ابن قیمؒ کے اس قول کو طیلسان مقور پر محمول کیا گیا ہے، جو یہودیوں کا پہناوا تھا۔ اسی طیلسان مقور کو عام طور پر سبز چادر یا رومال کہا جاتا ہے بنی عباس کے خلفاء کا یہ دستور تھا کہ وہ خطبہ دینے کے

وقت عمامے کے اوپر سیاہ رنگ کی چادر یا رومال ڈال لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان خلفاء کا یہی شعار اور امتیاز ہو گیا تھا۔

مختصر یہ کہ جس چیز سے سر اور چہرے کے اکثر حصے کو ڈھانپ لیا جائے اگر اس کے ساتھ ساتھ ٹھوڑی کے نیچے سے لاکر بھی لپیٹا جائے تو اس کو طیلسان کہتے ہیں اسی کو مجازی طور پر رداء (یعنی چادر) بھی کہہ دیا جاتا ہے اور اگر صرف سر اور چہرہ ڈھکا جائے اور ٹھوڑی کے نیچے سے گردن پر نہ لپیٹا جائے تو اس کو رداء یا قناع کہتے ہیں اور اسی کو مجازی طور طیلسان بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں شافعی مذہب رکھنے والے قاضی قضاۃ کا یہی نشان ہوتا تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ بلکہ اس وقت یہ سب ہی علماء کا شعار تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے پڑھانے اور فتویٰ کی مسند سنبھالنے سے پہلے اس لباس کے لئے مشائخ سے اجازت حاصل کی جاتی تھی۔ شیخ اس کی اجازت دیتے ہوئے یہ لکھا کرتا تھا کہ، میں فلاں شخص کو طیلسان پہننے کی اجازت دیتا ہوں کیونکہ یہ لباس اہلیت اور قابلیت کی علامت ہے۔

اور جو کپڑا سر کو چھوڑ کر مونڈھوں تک جسم پر لپیٹا جائے اس کو صرف چادر (رداء) کہتے ہیں۔ البتہ مجازی طور پر اس کو بھی طیلسان کہہ دیا جاتا ہے۔

ابن مسعودؓ سے ایک صحیح روایت ہے جس کو مرفوع کے حکم میں بھی شمار کیا گیا ہے کہ تقنع یعنی گردن کو چھوڑ کر صرف سر اور چہرے کو لپٹنا پیغمبروں کی شان اور عادت رہی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ طیلسان خلوت صغریٰ ہے (یعنی جیسے آدمی تنہائی میں جاکر سب سے یکسو ہو جاتا ہے اسی طرح طیلسان اوڑھ کر دوسروں سے تقریباً روپوش اور علیحدہ ہو جاتا ہے)۔

حدیث میں ہے کہ نقاع یعنی صرف چہرے اور سر کو لپیٹنے والی چادر وہی شخص استعمال کرتا ہے جو اپنے قول اور فعل کی حکمت اور دانائی میں مکمل ہو جاتا ہے۔ نقاع لپیٹنا عرب شہسواروں کی عادت تھی جو وہ حج کے موسم اور میلوں و بازاروں میں اوڑھ کر آیا کرتے تھے۔ مدینے میں سب سے پہلے جس نے طیلسان پہنا وہ جبیر ابن معطم تھے۔

ابن رفعہ نے اپنی کتاب کفایہ میں لکھا ہے کہ ایک فقیہ اور عالم کے لئے طیلسان نہ پہننا اس کی شان کے خلاف ہے۔ مگر ظاہر ہے یہ بات خود ان کے زمانے کے لحاظ سے ہے (جبکہ علماء میں اس کا رواج تھا)۔

ترمذی میں ہے کہ قناع اوڑھنا آنحضرت ﷺ کی عادت نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ صرف گرمی یا سردی سے بچاؤ کے لئے اس کو استعمال فرماتے تھے۔ مگر اس کے بعد ہی یہ ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ اکثر قناع استعمال فرماتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں ایک مرسل حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ سے قناع کے استعمال کے سلسلے میں ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہ ایک ایسا لباس ہے جس کی تعریف ہی نہیں کی جا سکتی۔"

کیونکہ اس میں آنکھیں بھی چھپ جاتی ہیں اور اسی لئے اس کو خلوت صغریٰ کہا گیا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

حضرت ابو بکرؓ کے یہاں تشریف آوری :-...... غرض جب آنحضرت ﷺ کو دوپہر ٹھنار میں قناع اوڑھے آتے دیکھ کر حضرت اسماءؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے بتلایا تو انہوں نے کہا،

"خدا کی قسم اس غیر وقت میں آپ یقیناً کسی خاص کام کے لئے تشریف لائے ہیں۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے مکان پر پہنچ کر اجازت لی اور اندر داخل ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ اپنی چارپائی سے اتر آئے اور وہاں آنحضرت ﷺ کو بٹھلایا پھر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا۔

"دوسرے لوگوں کو یہاں سے ہٹادو۔"

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یہ تو سب آپ ﷺ کے گھر والے ہی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے یہ الفاظ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت عائشہؓ سے ہو چکا تھا جیسا کہ بیان ہوا لہٰذا حضرت عائشہؓ کی والدہ اور حضرت اسماءؓ گھر کے آدمیوں ہی میں شمار ہوئیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ جملہ اس رشتے کی وجہ سے نہیں کہا تھا بلکہ یہ ایک عام جملہ تھا جیسے تعلق کے طور پر ایک شخص دوسرے سے کہہ دیتا ہے کہ یہ سب اپنے ہی لوگ ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ دوسرے لوگوں کو یہاں سے ہٹادو تو انہوں نے جواب میں عرض کیا،

"ان میں کوئی آپ ﷺ کے خلاف جاسوس نہیں ہے بلکہ میری دونوں بیٹیاں ہیں۔"

<u>حضرت ابو بکرؓ کو خوش خبری</u> :-...... یعنی حضرت ابو بکرؓ نے شرم کی وجہ سے اپنی بیوی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے کہا

"آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یارسول اللہ! کیا میں ساتھ جاؤں گا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! یہ سن کر خوشی کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ رونے لگے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ابو بکرؓ کو روتے ہوئے دیکھا۔ میں اس وقت تک نہیں جانتی تھی کہ کوئی شخص خوشی کی وجہ سے بھی رو سکتا ہے۔ پہلی بار میں نے خوشی سے روتے ہوئے ابو بکرؓ کو ہی دیکھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

وَرَدَ الْكِتَابِ مِنَ الْحَبِيْبِ بِاَنَّهُ
سَيَزُوْرُنِيْ فَاسْتَعْبَرَتْ اِجْفَانِيْ

میرے محبوب کا خط آیا ہے کہ وہ مجھ سے ملنے آرہا ہے۔ خوشی کی وجہ سے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

غَلَبَ السُّرُوْرُ عَلٰى حَتّٰى اَنَّنِيْ
مِنْ فَرْطِ مَاقَدْ سَرَّنِيْ اَبْكَانِيْ

میں خوشی سے اتنا بے حال ہو گیا کہ اس خوش خبری نے بھی مجھے رلا دیا۔

يَا عَيْنُ صَارَ الدَّمْعُ عِنْدَكَ عَادَةً
تَبْكِيْنَ مِنْ فَرَحٍ وَمِنْ اَحْزَانِ

اے میری چشم محبت تجھے آنسو بہانے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ تو غموں پر توروتی ہے خوشی میں بھی رونے لگی ہے۔

چنانچہ دعا کے موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے یا یوں کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسی طرح بد دعا دینے کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھیں گرم ہوں یا یوں کہا جاتا ہے کہ آنکھوں کے لئے گرمی یعنی رحمت ہے۔ اس محاورے کی بنیاد یہ ہے کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔

رنج اور مسرت کے آنسو :-...... ایک نبی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ وہ کسی پتھر کے قریب سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ پتھر میں سے پانی یعنی چشمہ نکل رہا ہے، ان پیغمبر نے اپنے رب سے اس کے بارے میں پوچھا، اللہ تعالیٰ نے پتھر کو بولنے کی طاقت عطا فرمادی اور اس میں سے آواز آئی۔

"جب سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک زبردست آگ یعنی جہنم ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، میں خوف کی وجہ سے رورہا ہوں اور یہ پانی میرے آنسوؤں کا ہے، آپ اس آگ سے میری نجات کے لئے اپنے پروردگار سے دعا فرمائیے۔"

پیغمبر نے اس پتھر کی نجات کے لئے شفاعت فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ پیغمبر نے فوراً ہی پتھر کو اس کی نجات کی خوش خبری سنائی اور وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ پھر ایک مدت کے بعد ان پیغمبر کا اس پتھر کے پاس سے دوبارہ گزر ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ اس میں سے اب بھی پانی کا چشمہ نکل رہا ہے۔ پیغمبر نے اس سے کہا،

"کیا میں نے تجھے یہ خوش خبری نہیں دے دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے جہنم سے نجات دے دی ہے۔ پھر یہ پانی یعنی تیرا رونا کیسا ہے ؟"

پتھر سے آواز آئی،

"اے اللہ کے نبی! میرے وہ آنسو ڈر اور خوف کے آنسو تھے اور یہ خوشی اور مسرت کے آنسو ہیں۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی بناء پر ابی بن کعبؓ سے فرمایا تھا،

"مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں فلاں سورت پڑھ کر سناؤں۔ یعنی

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ (سورۂ بینۃ، پ ۳۰، ع ۱)

ترجمہ :- جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے قبل بعثت نبویہ کافر تھے اور اپنے کفر سے ہر گز باز نہ آنے والے تھے،

یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ خوشی کی وجہ سے رونے لگے اور بولے

"کیا وہاں میرا ذکر آیا تھا، یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے میرا ذکر فرمایا تھا۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ، کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا،"

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں

رونے کی دس قسمیں :-...... کتاب سفر السعادہ میں ہے کہ علماء کے نزدیک رونے کی قسمیں یعنی رونے کے دس سبب ہیں۔ (۱) ایک خوشی کا رونا ہوتا ہے (۲) ایک غم کا رونا ہوتا ہے جو کسی چیز کے ختم ہو جانے پر ہوتا ہے۔ (۳) ایک رحمت یعنی نرم دلی کی وجہ سے رونا ہوتا ہے۔ (۴) ایک خوف اور ڈر کی وجہ سے رونا ہوتا ہے۔ (۵) ایک جھوٹا یعنی اوپرے دل سے رونا ہوتا ہے جیسے مُردے پر پیشہ ور نوحہ خواں عورتیں روتی ہیں کہ وہ دوسرے کا غم ظاہر کرنے کے لئے آنسو بہاتی ہیں۔ (٦) ایک موافقت کا رونا ہوتا ہے یعنی کچھ لوگ کسی صدمے پر رورہے ہیں اس وقت کوئی غیر آدمی وہاں آتا ہے اور ان کو روتا دیکھ کر بغیر وجہ معلوم کئے خود بھی رونا شروع کر دیتا ہے۔ (۷) ایک محبت اور شوق کا رونا ہوتا ہے۔ (۸) ایک کسی ناقابل برداشت صدمے کے آنے پر گھبراہٹ اور پریشانی کا رونا ہوتا ہے۔ (۹) ایک کمزوری اور ضعف کی وجہ سے رونا ہوتا ہے۔ (۱۰) اور ایک نفاق کا رونا ہوتا ہے کہ آنکھیں آنسو بہاتی ہوتی ہے اور دل کٹھور ہوتا ہے۔

عربی میں بُکیٰ (قصر کے ساتھ) اس رونے کو کہتے ہیں جس میں بغیر آواز کے آنکھ آنسو بہائے اور بُکاء

اس رونے کو کہتے ہیں جس میں آواز بھی شامل ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ تباکی کا ہے جو تکلف کے ساتھ یعنی مصنوعی رونے کو کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک پسندیدہ تباکی اور دوسری ناپسندیدہ تباکی۔

پسندیدہ تباکی وہ ہے جو دل کو نرم کرنے کے لئے کی جائے۔ یعنی تکلف کے ساتھ آدمی رونے کی کوشش کرے تاکہ دل پسیجے چنانچہ اس کی مثال حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقعہ ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مشرکین گرفتار ہوئے تو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ رو رہے تھے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں مجھے بتلایئے تاکہ اگر مجھے رونا آگیا تو میں بھی روؤں گا ورنہ تکلفاً ہی رونے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی فاروق اعظمؓ کی اس بات کو ناپسند نہیں کیا۔

تباکی کی ناپسندیدہ قسم یہ ہے کہ آدمی ریاکاری اور فریب دینے کے لئے رونے کی کوشش کرے۔

صدیق اکبرؓ کی دولت جو ذات نبوت پر خرچ ہوئی :-......(اس درمیانی تفصیل کے بعد پھر آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ کی گفتگو کا باقی حصہ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو اپنی ہجرت اور صدیق اکبرؓ کی ہمراہی کی اطلاع دی تو حضرت ابو بکرؓ خوشی کی وجہ سے رونے لگے اور پھر انہوں نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ میری ان دونوں اونٹنیوں میں سے ایک لے لیجئے میں نے ان دونوں کو اسی سفر کے لئے تیار کیا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیمت دے کر ہی لے سکتا ہوں (یوں تو حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے لئے اکثر اپنا روپیہ خرچ کرتے رہتے تھے اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ اس کو قبول فرمالیتے تھے مگر اس وقت آپ ﷺ نے قیمت کی شرط اس لئے لگائی، تاکہ آپ ﷺ کی یہ ہجرت (اور اس کا ثواب) پوری طرح آپ کی ذات مبارک اور آپ ﷺ کے اپنے پیسے سے ہو) ورنہ ظاہر ہے حضرت ابو بکرؓ کی دولت کا اکثر حصہ آنحضرت ﷺ پر ہی خرچ ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ پر اپنی چالیس ہزار درہم دولت خرچ کی ہے۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہے کہ چالیس ہزار دینار خرچ کئے ہیں۔

اسی لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ابو بکرؓ کے گھرانے اور مال سے زیادہ مجھ پر کسی کے احسانات نہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جس نے اپنی ہم نشینی اور ذات سے مجھ پر احسانات کئے ہوں۔ اور جتنا فائدہ مجھے ابو بکرؓ کے مال سے پہنچا کسی دوسرے کے مال سے نہیں پہنچا۔

(غرض جب آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ کی اونٹنی بلا قیمت لینے سے انکار فرمایا تو) حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور بولے،

یا رسول اللہ! میں اور میرا مال و دولت آپ ہی کا تو ہے"

حضرت ابو بکرؓ کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے کہ ابو بکرؓ کے سوا کسی شخص کا کوئی احسان ہم پر ایسا نہیں ہے جس کا ہم نے بدلہ نہ اتار دیا ہو۔ البتہ ابو بکرؓ کے احسانات اتنے ہیں کہ ان کا بدلہ قیامت میں اللہ ہی اتار سکتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ سے اونٹنی کی خریداری :-......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک روایت اور ہے جو ایک

تابعی ابان ابن ابو عیاش نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے ایک دفعہ یہ فرمایا تھا،

"تمہارا مال کتنا اچھا ہے کہ اس میں سے ایک تو میرے مؤذن بلال ہیں، دوسرے میری وہ اونٹنی جس پر سوار ہو کر میں ہجرت کے لئے روانہ ہوا تھا پھر یہ کہ تم نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اور اپنے مال سے ہر طرح میری مدد کی۔ تمہارا مقام یہ ہے کہ گویا میں تمہیں جنت کے دروازے پر کھڑا دیکھتا ہوں جہاں تم میری امت کے لئے شفاعت اور شفارش کر رہے ہو!"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ اونٹنی بلا قیمت ہی لے لی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس روایت سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ابان ابن ابی عیاش جو اس روایت کے راوی ہیں کمزور راویوں میں شمار ہوتے ہیں (لہذا یہ روایت ہی مستند نہیں ہو سکتی)۔

ان ابان کے متعلق شعبہ نے کہا ہے جو رئیس المحدثین اور ناقدین ہیں کہ ابان سے حدیث نقل کرنے سے کہیں زیادہ بہتر میرے نزدیک یہ ہے کہ جی بھر کے گدھے کا پیشاب پی لیا جائے۔ ایک دفعہ انہوں نے یہ کہا کہ ابان سے روایت نقل کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی زنا کرے (یعنی یہ دونوں حرکتیں جتنی بری ہیں ابان سے روایت کرنا ان سے بھی زیادہ برا ہے) شعبہ سے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ وہ ابان کے متعلق بدزبانی نہ کیا کریں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دین کا معاملہ ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ ابن حبان نے ابان کی طرف سے یہ عذر بیان کیا ہے کہ وہ انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ابان حضرت حسن بصریؒ کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے، وہ حسن بصریؒ کی باتیں سنتے اور جب بیان کرتے تو اکثر حضرت حسنؒ سے سنی ہوئی حضرت انسؓ کی باتوں کو بھی مرفوعاً رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے طور پر بیان کر دیتے تھے جبکہ انسؓ اس بات سے بے خبر ہوتے تھے۔

غرض اگر ابان کی اس روایت کو درست بھی مان لیا جائے تو بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ (اس روایت میں اونٹنی کو حضرت ابو بکرؓ کا مال بتایا گیا ہے اور) ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس اونٹنی کو قیمت دے کر لینے سے پہلے وہ ابو بکرؓ کا ہی مال تھی۔ کیونکہ ترمذی میں بھی ایک ایسی ہے حدیث ہے جو ابان کی اس حدیث کے مطابق ہے وہ حدیث حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکرؓ کو خوش رکھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو میرے نکاح میں دیا، مجھے دارالہجرت تک سواری کے ذریعہ پہنچایا، غار میں میرے ساتھی رہے اور اپنے مال سے بلال کو خرید کر آزاد کیا، جو بعد میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن بنے۔"

ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ واللہ اعلم

<u>آنحضرت ﷺ کی سواری</u> :-...... اس اونٹنی کا نام قصواء تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تک زندہ رہی اور حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں مری۔ یا اس کا نام جدعاء تھا اور اس کی قیمت چار سو درہم تھی کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے دو اونٹنیاں خریدی تھیں جن کی قیمت آٹھ سو درہم تھی (لہذا اس بنیاد پر دونوں کی قیمتیں چار چار سو درہم کہی جاتی ہیں) جہاں تک آنحضرت ﷺ کی دوسری اونٹنی عضباء کا تعلق ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اسی پر بیٹھ کر میدان حشر میں اٹھیں گی۔

حضرت اسماءؓ ذات النطاقین :-...... غرض حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے بڑی جلدی جلدی ان دونوں اونٹنیوں کو سفر کے لئے تیار کیا اور ایک چمڑے کی تھیلی میں کھانے پینے کا سامان رکھ دیا۔ یہاں سفیرہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی زیادہ یعنی مسافر کے ناشتے کے ہوتے ہیں۔ پھر سفرہ ناشتے دان کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ غرض اس تھیلے میں بکری کا بھنا ہوا گوشت تھا، حضرت اسماءؓ نے اپنی نطاق یعنی اوڑھنی پھاڑی اور اس میں کا آدھا حصہ ناشتے کی تھیلی پر باندھ دیا اور باقی آدھی اوڑھنی پھر اوڑھ لی۔ یہی بات مسلم کی ایک حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حجاج ابن یوسف سے کہا،

"میں نے سنا ہے کہ تم میرے بیٹے عبد اللہ ابن زبیرؓ کو طعن کے طور پر ابن ذات النطاقین یعنی دو اوڑھنیوں والی کا بیٹا کہتے ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں خدا کی قسم دو اوڑھنیوں والی ہوں کیونکہ میں آدھی اوڑھنی میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا کھانا باندھ کر لے جاتی تھی اور باقی آدھی اوڑھنی میرا وہ دوپٹہ تھی جو ہر عورت کے لئے (بطور پٹکہ) کام کے دوران ضروری ہے۔ کیونکہ نطاق یا اوڑھنی عربی میں اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے سینے اور کمر پر باندھ لیتی ہے تاکہ نیچے لٹکنے والا لمبا دامن ڈھلک کر نہ الجھ جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ نطاق ازار کو کہتے ہیں اسی وجہ سے ذات النطاق یعنی ازار والی کہا جاتا ہے، یہ دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔

ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت اسماءؓ نے اپنی اوڑھنی پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کر لئے تھے اور ایک سے تھیلی کا منہ باندھ دیا تھا اور دوسرے سے پانی کی کچھال کا منہ بند کر دیا تھا۔ گویا اس روایت کے مطابق حضرت اسماءؓ کے پاس اوڑھنی میں سے کچھ نہیں بچا تھا۔

بخاری شریف میں حضرت اسماءؓ سے ایک روایت ہے جو اسی کے مطابق ہے، اس روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ناشتے دان اور پانی کی کچھال کو باندھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی چیز نہیں تھی، میں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔

"میرے پاس ان چیزوں کو باندھنے کے لئے اپنی اوڑھنی کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا،

"تم اپنی اوڑھنی کے ہی دو ٹکڑے کر لو اور ایک سے پانی کی کچھال باندھو اور دوسرے سے ناشتہ دان۔"

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اسی وقت سے مجھے ذات النطاقین یعنی دو اوڑھنیوں والی کا لقب ملا۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ لقب دیا اور فرمایا،

"اللہ تعالیٰ تمہاری اس اوڑھنی کے بدلے جنت میں تمہیں دو اوڑھنیاں دے۔"

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ پہلی روایت جو حضرت عائشہؓ سے ہے اور دوسری روایت جو حضرت اسماءؓ سے ہے ان دونوں کو مسلم نے بیان کیا ہے اور ان میں پانی کی کچھال کا ذکر نہیں ہے۔ اور جو روایت بخاری نے بیان کی ہے اس میں پانی کی کچھال کا ذکر ہے لیکن چمڑے کی تھیلی کا ذکر نہیں ہے جس میں ناشتے کا سامان رکھا گیا تھا بلکہ اس روایت میں جراب کے بجائے سفرہ کا لفظ ہے، مگر اس اشکال کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ سفرہ کو باندھنے سے مراد جراب کو باندھنا ہی ہے جیسا کہ وہاں اس طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے (کیونکہ سفرہ کے معنی ناشتے کے بھی ہیں اور ناشتے دان یا ناشتے کی پوٹلی کے بھی ہیں) اسی طرح جراب چمڑے کی تھیلی کو کہتے ہیں جس میں کھانے پینے کا سامان رکھا جاتا ہے۔

بعض محدثین نے کہا ہے کہ پیچھے مسلم کی جو روایت گزری ہے وہ زیادہ درست ہے جو خود حضرت اسماءؓ نے اپنی آخری عمر میں بیان کی ہے (یعنی حجاج سے ان کی جو بات ہوئی) اور جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اپنی اوڑھنی کے ایک ٹکڑے سے انہوں نے صرف چمڑے کی تھیلی کا منہ باندھا تھا اور باقی آدھی اوڑھنی ان کے پاس رہ گئی تھی۔

مگر اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں صرف تھیلی باندھنے کا ذکر کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسری بات اس کے خلاف ہے جو بخاری نے ذکر کی ہے۔ لہذا دونوں روایتوں میں اس طرح موافقت ہو جاتی ہے کہ حضرت اسماءؓ نے اوڑھنی کے دو ٹکڑے کئے اور پھر ان میں سے ایک ٹکڑے کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک سے ناشتے دان باندھا اور دوسرے سے پانی کی کچھال باندھی۔ للذا حضرت اسماءؓ کو ذات النطاقین یعنی دو اوڑھنیوں والی اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے اوڑھنی کے ایک ٹکڑے سے یہ دونوں کام کئے اور ایک ان کے پاس باقی رہا۔

کتاب سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ دونوں کا ناشتہ لے کر اس وقت پہنچی تھیں جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ گھر سے روانہ ہو کر غار ثور میں پناہ گزین ہو چکے تھے مگر وہ اپنے ساتھ کوئی ڈوری وغیرہ لے جانا بھول گئیں، اب یہاں وہ پریشان ہوئیں کہ کھانے کو کیسے باندھیں، تب اچانک انہیں خیال آیا اور انہوں نے اپنی اوڑھنی پھاڑ کر اسے ڈوری کے بجائے استعمال کیا ایک سے تھیلی کو باندھا اور دوسری کو اوڑھنی کے طور پر اپنی کمر پر لپیٹ لیا۔ اب حضرت عائشہؓ کے اس قول کا مطلب کہ ہم نے بہترین طریقہ پر سفر کے لئے تیاری کر دی، کا مطلب یہ ہے کہ غار ثور سے روانگی کے وقت یہ تیاری کی گئی غار ثور کو روانگی کے وقت نہیں جیسا کہ پچھلی روایت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا تھا۔

مگر علامہ ابن جوزی نے روایت کی اسی ظاہر کو مانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ، حضرت اسماءؓ بہت پہلے مکہ ہی میں مسلمان ہو کر بیعت کر چکی تھیں، انہوں نے اس رات جبکہ آنحضرت ﷺ مکہ سے غار ثور کے لئے روانہ ہو رہے تھے اپنی اوڑھنی پھاڑی اور ایک حصے سے ناشتے دان اور دوسرے سے پانی کی کچھال باندھی جس پر ان کو ذات النطاقین یعنی دو اوڑھنیوں والی کا خطاب ملا، یہاں تک ابن جوزی کا حوالہ ہے، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ دونوں موقعوں پر پیش آیا ہو۔

پیچھے نطاق کی تعریف یہ گزری ہے کہ جس کو عورت اپنے سینے یا کمر پر باندھ لیتی ہے تاکہ نیچے لٹکنے والا لمبا دامن ڈھلک کر الجھ نہ جائے۔ مگر بعض حضرات نے کہا ہے کہ نطاق وہ کپڑا ہوتا ہے جسے عورت پہنتی ہے پھر اپنی کمر کے گرد ایک ڈوری باندھ لیتی ہے اور پھر اوپر کے کپڑے کو نیچے کے کپڑے کے اوپر لٹکا لیتی ہے۔ نطاق کے بارے میں ایک قول پیچھے اور بھی گزرا ہے جو اس قول کے مطابق ہے۔ یا شاید نطاق ان دونوں قسموں کے کپڑوں کو کہتے ہیں۔

ایک قول ہے کہ سب سے پہلے جس نے نطاق استعمال کیا وہ حضرت ہاجرہ اُمّ اسماعیلؑ ہیں یعنی انہوں نے نطاق اس دوسری تفصیل کے مطابق استعمال کیا جو بیان ہوئی تاکہ نطاق کے پچھلے لٹکنے والے دامن سے ان کے نشان قدم مٹتے جائیں اور ان کی سوکن حضرت سارہ کو ان کے جانے کی سمت نہ معلوم ہونے پائے۔ یہ شاید اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے ساتھ ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تھا اور وہ ابراہیم علیہ

السلام کے ساتھ مکے جارہی تھیں۔ یہ واقعہ ان کے اور ابراہیم علیہ السلام کے براق پر سوار ہونے سے پہلے کا ہے (کیونکہ اس پر سوار ہونے کے بعد تو نشان قدم مٹانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا)۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ سے بنی ذیل کے ایک شخص سے اجرت پر رہبری کا معاملہ کیا، اس کا نام عبداللہ ابن اریقط تھا۔ اس کو ابن ارقط یا ابن ارقہ کہا جاتا تھا۔ یہ لفظ اس کی ماں کا نام تھا اور اریقط اسی لفظ کی تصغیر ہے۔ غرض ابن اریقط سے اجرت پر یہ معاملہ کیا کہ وہ مدینہ تک راستے کی رہبری کرے، یہ شخص اس وقت مشرک ہی تھا بعد میں یہ مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے اسلام لانے نہ لانے کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے۔ کتاب روض الانف میں ہے کہ کسی صحیح سند سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شخص بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ نے اس شخص کو اپنی اونٹنیاں دے دیں اور اس سے یہ طے کیا کہ وہ تین رات کے بعد ثور پہاڑ پر اونٹنیاں لے کر ملے (ثور کے معنی بیل کے ہیں) اس پہاڑ کو ثور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہل چلانے والے بیل کی صورت کا ہے۔ نسائی کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان عبداللہ سے جو معاملہ ہوا وہ سفر کی تیاری سے پہلے کیا گیا تھا۔

رات کے اندھیرے میں غار ثور کو کوچ :-...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پھر رات کے وقت آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ ثور پہاڑ پر پہنچ گئے۔ ابن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکل کر سیدھے حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچے اور تمام دن وہیں رہے۔ اس کے بعد رات میں آپ ﷺ اور ابو بکرؓ یہاں سے روانہ ہو کر غار ثور میں پہنچے اور وہاں قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ کے مکان کے پشت کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی آپ دونوں اسی راستے سے نکل کر گئے تھے۔ عائشہ بنت قدامہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں کھڑکی سے نکلا تو سامنے مجھے ابو جہل لعنۃ اللہ نظر آیا مگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے اندھا کر دیا اور ہم آگے بڑھ گئے جیسا کہ ابو بکر کی روایت میں ہے۔

علامہ سبط ابن جوزی نے وہب ابن منبہ سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے کہ آنحضرت ﷺ ابو بکرؓ کے مکان کی پچھلی کھڑکی سے غار کے لئے روانہ ہوئے، لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خود اپنے مکان سے روانہ ہوئے تھے، حضرت ابو بکرؓ کبھی آنحضرت ﷺ کے آگے آگے چلتے کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ اس کی وجہ آنحضرت ﷺ نے پوچھی تو انہوں نے کہا،

حضرت ابو بکرؓ کا اضطراب :-...... یارسول اللہ! کبھی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ راستے میں آپ ﷺ کے لئے کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو تو میں آپ ﷺ کے آگے آگے چلنے لگتا ہوں کبھی خیال آتا ہے کہ کہیں آپ کا تعاقب نہ کیا جارہا ہو تو میں آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں، اسی طرح کبھی آپ کے دائیں چلتا ہوں کبھی بائیں کیونکہ آپ کی طرف سے ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔"

آبلہ پائی :-...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب در منثور میں ہے کہ اس رات روانگی کے دوران آنحضرت ﷺ پنجوں کے بل چلے تاکہ زمین پر آپ کے قدموں کے نشان نہ مل سکیں۔ اس طرح چلنے کی وجہ سے آپ کے پاؤں چھل گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اٹھالیا اور اسی طرح غار کے منہ پر پہنچ کر آپ کو اتارا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ غار کے لئے روانہ ہوئے تو

چلتے چلتے آپ ﷺ کے پیروں سے خون نکلنے لگا۔

علامہ سہیلی نے حضرت ابو بکرؓ کی روایت بیان کی ہے کہ غار میں پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے پیروں پر میری نظر پڑی جن سے خون نکل رہا تھا۔ بعض علماء نے اس بارے میں لکھا ہے کہ شاید پیروں سے خون سنگلاخ زمین پر چلنے کی وجہ سے نکلا تھا ورنہ غار ثور شہر سے اتنا زیادہ دور نہیں کہ چلتے رہنے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ یا پھر ممکن ہے (رات کے اندھیرے کی وجہ سے) یہ حضرات غار کا راستہ بھول گئے ہوں اور اس وجہ سے غار تک پہنچنے کا راستہ لمبا ہو گیا ہو۔ چنانچہ اس بات کی تائید اس قول سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ رات بھر چلتے رہے۔ یا ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ، پھر ہم صبح کو غار میں پہنچے۔ اگرچہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ پوری رات چلتے رہے ہاں اس گذشتہ روایت کی روشنی میں اس کا مطلب اور مفہوم یہی نکلتا ہے۔ یا پھر ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلے حنین پہاڑ پر تشریف لے گئے مگر اسی وقت پہاڑ سے آواز آئی۔

"مجھ پر سے اتر جائیے یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ میری پشت پر قتل ہو جائیں اور پھر مجھے عذاب دیا جائے۔"

اس پر ثور پہاڑ سے آواز آئی،

"مجھ پر تشریف لائیے یا رسول اللہ!"

مگر اصل کتاب یعنی عیون الاثر میں ایک روایت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی جدعاء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر غار ثور تک تشریف لے گئے تھے۔ لیکن کتاب نور میں یہ ہے کہ آپ جدعاء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے مکان سے غار ثور تک نہیں گئے تھے بلکہ غار ثور سے آگے جانے کے لئے اس اونٹنی پر سوار ہوئے تھے جیسا کہ روایت کے ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔

خصائص کبریٰ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس کی خبر دے دی تو آپ ﷺ اسی رات گھر سے نکل کر غار میں تشریف لے آئے۔ صبح کو (جب مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کو موجود نہ پایا تو) وہ آپ ﷺ کے تعاقب میں نکلے یہاں تک کہ ثور پہاڑ تک پہنچ گئے۔

مگر یہ روایت اس گذشتہ روایت کے خلاف ہے جس میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس رات میں غار کے لئے روانہ نہیں ہوئے تھے جس میں مشرک آپ ﷺ کی گھات میں بیٹھے تھے بلکہ آپ ﷺ دوسری رات میں روانہ ہوئے تھے مگر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ روایت کا یہ جملہ کہ، یہاں تک کہ آپ ﷺ غار تک پہنچ گئے۔ صرف آپ ﷺ کی گھر سے روانگی اور غار تک پہنچنے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسی رات میں آپ ﷺ غار تک پہنچ گئے۔ یعنی آپ ﷺ گھر سے روانہ ہوئے اور روانگی جاری رہی یہاں تک کہ آپ ﷺ غار میں پہنچ گئے مگر یہ پہنچنا دوسری رات میں ہوا۔ مگر پیچھے ایک روایت اور گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر چادر اوڑھے ہوئے دوپہر کے وقت پہنچے تھے۔ اس وجہ سے یہ روایتیں قابل غور ہیں۔

<u>امانتوں سے متعلق حضرت علیؓ کو ہدایات</u> :-...... آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی ہجرت کے لئے روانگی سے مطلع فرما دیا تھا، آپ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ آپ ﷺ کے جانے کے بعد مکے میں کچھ

ٹھہریں اور اس عرصہ میں لوگوں کی وہ تمام امانتیں ادا کردیں جو آنحضرت ﷺ کے پاس جمع تھیں کیونکہ مکے کا ہر وہ شخص جس کے پاس کچھ مال وغیرہ ہوتا تھا اور اسے اس کے متعلق کچھ خطرہ ہوتا تھا تو وہ اس کو آپ ﷺ کے پاس امانت رکھ جاتا تھا کیونکہ سب ہی لوگ آپ ﷺ کی امانت داری کے قائل تھے۔

غالباً جب آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے مکان کے لئے روانہ ہوئے اس وقت آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ان امانتوں کے متعلق ہدایت فرمائی تھی کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ کے مکان کو روانہ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کی ملاقات مدینے میں ہی ہوئی اس سے پہلے نہیں، مگر آگے درمنثور کے حوالے سے ایک روایت آئے گی کہ غار سے روانگی کے وقت بھی آنحضرت ﷺ کی حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی تھی۔

کتاب فصول المہمہ میں ہے کہ روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ آنحضرت ﷺ کی زمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کریں اور آپ ﷺ کے پاس لوگوں کی امانتوں کو جوں کا توں واپس کریں، ساتھ ہی آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دونوں فاطماؤں کے لئے سواریاں خرید لیں ایک آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور ایک حضرت زبیر ابن عبدالمطلب کی بیٹی فاطمہؓ کے لئے نیز بنی ہاشم اور عام غریب مسلمانوں میں سے جو بھی ان کے ساتھ آنا چاہیں ان کے لئے سواریوں کا انتظام کرلیں۔

مگر آگے کتاب اصل کے حوالے سے ایک روایت آرہی ہے جو حضرت علیؓ کے سواریاں خریدنے کی روایت کے خلاف ہے، وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک حُلّہ بھیجا تھا اور یہ کہلایا تھا کہ اس کو پھاڑ کر اس میں اوڑھنیاں یعنی چادریں بنالی جائیں اور وہ چادریں چاروں فاطماؤں میں تقسیم کردی جائیں۔ ان فاطماؤں سے مراد فاطمہ بنت حمزہ، فاطمہ بن عتبہ، فاطمہ اُمّ علی اور خود آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ مراد تھیں اور یہ کہ یہ حُلّہ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھیجا تھا۔ اس اختلاف کی وجہ سے یہ روایتیں قابل غور ہیں۔

کتاب فصول مہمہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"میں نے تمہیں جو ہدایتیں دی ہیں جب ان سے فارغ ہوجاؤ تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لئے تیار ہوجانا جب کہ تمہارے پاس میرا خط آجائے اور جب ابو بکرؓ آجائیں تو انہیں میرے پیچھے اُمّ میمون کے کنویں کی طرف بھیج دینا۔"

یہ بات اس وقت کی ہے جب رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا، قریش کے لوگوں نے مکان کو گھیر کر آنحضرت ﷺ کے لئے گھات لگا رکھی تھی اور وہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ آدھی رات گزر جائے اور سب لوگ سو جائیں تو اپنا ارادہ پورا کریں۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے مکان میں پہنچے (چونکہ آنحضرت ﷺ کی جگہ حضرت علیؓ لیٹے ہوئے تھے اس لئے وہ ان کو رسول اللہ سمجھ) اس وقت حضرت علیؓ نے ابو بکرؓ سے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ اُمّ میمون کے کنویں کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور آپ ﷺ کے لئے یہ کہہ گئے ہیں کہ آپؓ میرے پاس پہنچ جائیں۔"

غار ثور:- ...... چنانچہ اس اطلاع پر حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ سے جا ملے اور وہاں سے ایک ساتھ روانہ

ہو کر ثور پہاڑ پر پہنچے اور غار میں داخل ہو گئے۔ مذکورہ کتاب کے حوالے سے یہ روایت قابل غور ہے کیونکہ اس میں اور گذشتہ روایات میں اختلاف ہے۔

صدیق اکبرؓ کی جاں نثاری :- ...... غرض جب یہ حضرات غار ثور کے دہانے پر پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا۔ آپ ذرا ٹھہریئے میں غار میں پہلے داخل ہوں گا تاکہ اگر غار میں کوئی کیڑا مکوڑا ہو تو جو کچھ ہونا ہے پہلے مجھے ہو جائے (اور آپ ﷺ محفوظ رہیں)۔"

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ آگے بڑھ کر غار میں پہلے داخل ہوئے اور ہاتھوں سے ہر طرف ٹٹول کر دیکھتے رہے جہاں کہیں کوئی سوراخ نظر آتا تو اپنے کپڑے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر سوراخ کو اس سے بند کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے تمام سوراخ بند کئے مگر ایک سوراخ رہ گیا اور اسی میں سانپ تھا حضرت ابو بکرؓ نے اس سوراخ پر اپنی ایڑی رکھ دی۔

صدیق اکبرؓ کا پیر سانپ کے منہ میں :- ...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ غار میں داخل ہوئے۔ ادھر جب سانپ نے حضرت ابو بکرؓ کی ایڑی اپنے سوراخ پر دیکھی تو اس نے کاٹنا شروع کیا۔ تکلیف کی شدت کے باوجود حضرت ابو بکرؓ (کے منہ سے آواز تو نہ نکلی مگر ان) کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس تفصیل میں غرابت اور نکارت ہے۔ اس وقت جبکہ حضرت ابو بکرؓ کے سانپ کاٹ رہا تھا آنحضرت ﷺ ان کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گئے تھے اور آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ (اسی لئے حضرت ابو بکرؓ نے سانپ کے ڈسنے کے باوجود نہ اپنے جسم کو حرکت دی اور نہ آواز نکالی کہ مبادا آنحضرت ﷺ کی آنکھ کھل جائے) مگر ان کی آنکھوں سے بے اختیار جو آنسو نکلے وہ آپ کے اوپر گرے جس سے آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو روتے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی، انہوں نے کہا،

"آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے"

آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن سانپ کے کاٹے کی جگہ لگا دیا جس سے تکلیف اور زہر کا اثر فوراً ختم ہو گیا۔

بعض علماء نے اسی سے ایک لطفہ پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی ایڑی سے آنحضرت ﷺ کو بچایا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی ایڑی یعنی نسل میں برکت عطا فرمائی (واضح رہے کہ عربی میں عقبہ ایڑی کو کہتے ہیں اور عقبہ میں برکت، نسل میں برکت کہلاتی ہے)۔

اس سانپ کے لئے رافضیوں کی تعظیم :- ...... بعض دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ عجم کے رافضیوں نے اپنے لئے سر پر بل دار منڈاسہ غار ثور کے اسی سانپ کی تعظیم اور احترام میں اختیار کیا ہے جس نے حضرت ابو بکرؓ کے کاٹا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ منڈاسہ کے بلوں میں اسی سانپ کی تشبیہ ہے۔

صبح ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کے جسم پر آنحضرت ﷺ نے چادر نہ دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری چادر کہاں ہے۔ انہوں نے بتلایا کہ میں نے اس کے ٹکڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کر دیئے ہیں۔ ایک روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے جسم پر ورم کا اثر دیکھا تو اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ سانپ کے کاٹے کی وجہ سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھے سانپ کے کاٹنے کی خبر نہ دی۔

اس پر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو جگانا پسند نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً اس جگہ اپنا ہاتھ پھیرا جس سے اسی وقت ورم اور تکلیف جاتی رہی۔

اب ان دونوں روایتوں کو اگر درست مانا جائے تو ان میں موافقت پیدا کرنی ضروری ہو گی۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کو سانپ کے کاٹنے کی خبر دی تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔

"اے اللہ! ابو بکر کو جنت میں میرے درجہ میں میرا ساتھی بنا۔"

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو خبر دی کہ آپ ﷺ کی دعا قبول کر لی گئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ غار میں داخل ہو کر اس کے سوراخ بند کر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے ایک ہاتھ سے خون نکل رہا ہے۔ وہ انگلیوں پر سے خون صاف کرتے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

هل انت الا اصبع دميت وفى سبيل الله مالقيت

ترجمہ :- یہ صرف انگلیاں ہیں جو زخمی اور خون آلود ہوئی ہیں اور جو کچھ بھی ہوا ہے وہ بھی خدا کی راہ ہی میں ہوا ہے۔

مگر آگے ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر ابن رواحہؓ کا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ شعر خود آنحضرت ﷺ کا ہے۔ ممکن ہے حضرت ابن رواحہؓ نے اس شعر کو اپنے شعروں میں شامل کر دیا ہو۔ جس بنیاد پر یہ شعر آنحضرت ﷺ کا کہا گیا وہ ابن جوزی کا یہ قول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی روانگی کے بعد حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ سے مل جانے کے لئے آپ ﷺ کے پیچھے روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو پیچھے آتے دیکھ کر یہ سمجھا کہ مشرکوں میں سے کوئی شخص تعاقب میں آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی رفتار تیز کر دی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے جوتے کی ٹوپھٹ گئی اور آپ ﷺ کا انگوٹھا ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر زخمی ہو گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ اسی وقت حضرت ابو بکرؓ بلند آواز سے بولے تا کہ آنحضرت ﷺ ان کو پہچان لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو پہچان لیا۔

جس بات سے اس شعر کے متعلق اندازہ ہوتا ہے وہ جندب بجلی کی یہ روایت ہے کہ میں فلاں غار میں ایک دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے وہ شعر پڑھا جو اوپر ذکر ہوا۔ جہاں تک اس روایت میں غار کا ذکر ہے اس سے غیر ان کا غار مراد ہے یہ غار ثور نہیں جیسا کہ اس سے وہم ہوتا ہے۔

صحیحین میں جندب ابن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ ایک پتھر سے زخمی ہو گئے اور آپ ﷺ کی انگلی سے خون نکلنے لگا، اسی وقت آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا جو پیچھے ذکر ہوا۔

<u>حفاظت خداوندی اور معجزے کا ظہور</u> :-...... غرض جب آنحضرت ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ غار ثور میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانے پر اگ آئے، اس درخت کو عشار کہتے ہیں۔ ایک قول ہے کہ اس کا نام اُم غیلان تھا، یہ درخت اسی گھڑی غار کے منہ پر اُگ آیا اور اس کی شاخوں نے غار کے منہ کو ڈھانپ لیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ غار میں داخل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس درخت کو بلایا۔ یہ غار کے سامنے تھا، آپ کے بلانے پر یہ آیا اور غار کے منہ پر آکر ٹھہر گیا یہ درخت قد آدم کے برابر تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک مکڑی کو بھیج دیا جس نے اس درخت کی شاخوں میں جالے تن دیئے۔ یہ جالے اس قدر گھنے اور ایک دوسرے میں پڑے ہوئے تھے کہ جیسے چالیس سال سے اس جگہ لگے آئے ہوں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے۔

مکڑی کے ذریعہ حفاظت کے دوسرے واقعات :-......اسی طرح ایک مرتبہ مکڑی نے حضرت عبداللہ ابن انیس کی حفاظت کے لئے بھی جالا تانا تھا، انہوں نے سفیان ابن خالد کو قتل کیا تھا اور اس کا سر کاٹ کر ایک غار میں لے گئے اور وہاں چھپ رہے اور اس وقت تک وہیں پوشیدہ رہے جب تک کہ ان کا تعاقب ختم نہیں ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

ایک حیرتناک واقعہ :-......اسی طرح مکڑی نے ایک دفعہ حضرت داؤدؑ کی حفاظت کے لئے بھی جالا بُنا تھا جبکہ جالوت کے آدمی ان کی تلاش میں تھے۔ اسی طرح زید ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابو طالب کی شرمگاہ کو ڈھانپنے کے لئے بھی مکڑی نے جالا تانا تھا۔

یہ زید امام محمد باقرؒ کے بھائی اور امام جعفر صادقؒ کے چچا تھے۔ زیدیہ فرقہ ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ یہ امام اور مجتہد تھے انہوں نے واصل ابن عطاء سے علم کا فیض حاصل کیا تھا جنہوں نے حضرت حسن بصریؒ سے فیض پایا تھا، انہوں نے یہ اجتہاد کیا تھا کہ گناہ کبیرہ کرنے والا مسلمان مؤمن نہیں رہتا، اس پر ان سے پوچھا گیا کہ پھر کیا وہ جہنم میں جائے گا تو انہوں نے کہا کہ نہیں وہ جہنم میں بھی نہیں جائے گا بلکہ جنت اور جہنم کے درمیان ایسے لوگوں کے لئے اور تیسرا درجہ بنایا جائے گا اور یہ لوگ اس میں رہیں گے جو نہ جنت ہوگی اور نہ دوزخ جب انہوں نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت حسن بصریؒ نے ان کو اپنی مجلس سے اعتزال کرنے یعنی الگ ہو جانے کا حکم دیا۔ اسی بناء پر ان کو معتزلی کہا گیا اور ان کے ساتھیوں کو معتزلہ کا نام دیا گیا۔ مگر زید کے شیخ ابن عطاء کو معتزلی کہنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ خود زید بھی اسی مسلک پر چلتے تھے۔

ان زید کو برہنہ کر کے پھانسی دی گئی تھی اور پھر حکومت وقت نے پھانسی پر ان کی لاش چار سال تک اور ایک قول کے مطابق پانچ سال تک لٹکائے رکھی مگر اس عرصے میں کبھی بھی ان کی شرمگاہ کسی کے سامنے نہیں آئی (کیونکہ اس جگہ مکڑی نے گھنا جالا تان کر اسے چھپا دیا تھا) ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا پیٹ لٹک کر اتنا جھک گیا تھا کہ اس سے ان کی شرمگاہ چھپ گئی تھی (اس طرح ان کا پردہ باقی رہا) یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔

ان کو پھانسی دیتے وقت جلّادوں نے ان کا منہ قبلے کے بجائے جان بوجھ کر دوسری طرف کر دیا تھا مگر جس تختے پر ان کو پھانسی دی گئی وہ تختہ اچانک گھوما اور ان کا منہ قبلے کی طرف ہو گیا۔ (ی) یہی واقعہ حضرت خُبیبؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

اس کے بعد حکومت نے حضرت زید کا جسم اور وہ پھانسی کا تختہ جلا دیا اور ان کی راکھ دریائے فرات کے کنارے ہوا میں اڑا دی، ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے خلیفہ ہشام ابن عبدالملک سے بغاوت کی تھی اور خود اپنے آپ کو خلافت کے لئے پیش کیا تھا، اس بغاوت کے نتیجہ میں خلیفہ کے حکم پر عراق کے امیر یوسف ابن عمر الثقفی

نے ان کے ساتھ جنگ کی جس میں زید کے لشکر نے زید کو دھوکہ دیا اور ان کو شکست ہوئی، ان کے لشکر کے اکثر لوگ ان کو دغا دے گئے۔ زید نے اپنی خلافت کے لئے کوفہ کے اکثر لوگوں سے بیعت لی تھی، ان لوگوں نے زید سے مطالبہ کیا کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بیزاری کا اظہار کریں تو وہ زید کی مدد کرنے اور ان کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ مگر زید نے کہا،

"ہرگز نہیں! بلکہ میں ان دونوں کو اپنا بزرگ اور محترم سمجھتا ہوں۔"

اس پر ان لوگوں نے کہا کہ پھر ہم تم سے رفض کرتے یعنی منہ موڑتے ہیں۔ زید نے کہا،

"بس پھر جاؤ تم لوگ رافضی یعنی منہ موڑنے والے لوگ ہو!"

اس وقت سے ان لوگوں کا نام رافضہ یا اردو میں رافضی پڑ گیا۔

پھر حضرت زید کے پاس ایک دوسری جماعت آئی اور انہوں نے کہا،

"ہم شیخین کو اپنا بزرگ اور ولی مانتے ہیں اور جو لوگ ان دونوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں ہم ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر ان لوگوں نے حضرت زید کے ساتھ مل کر جنگ کی اور اسی لئے ان لوگوں کو زیدی فرقہ کہا جانے لگا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اب یہ تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص حضرت زید کے مذہب اور مسلک پر چلنے کا دعویٰ بھی کرے اور شیخین سے بیزاری اور کراہت کا اظہار بھی کرے۔ اگر کوئی شخص شیخین کا نام عزت سے لے تو اس کو بھی ناپسند ہی نہ کرے بلکہ اکثر ان دونوں بزرگوں کو گالیاں بھی دے۔

جنگ کے دوران زید کو بہت سے زخم آئے، ایک تیر ان کی پیشانی میں لگا، اس کے بعد ہی رات ہو گئی اور جنگ رک گئی۔ اس وقت حضرت زید کے ساتھیوں نے کسی قریبی گاؤں سے ایک جراح کو بلایا تا کہ اس سے وہ تیر نکلوا دیں۔ اس نے تیر نکالا تو اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے اسی وقت ان کو دفن کر دیا اور ان کی قبر کو بے نشان کر کے چھپا دیا یہاں تک کہ مزید احتیاط کے لئے انہوں نے قبر کی جگہ پانی بہا دیا اور جراح سے بھی اس خبر کو چھپانے کا وعدہ لے لیا۔ مگر صبح کو وہ جراح یوسف ابن عمر ثقفی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے یوسف کو زید کی موت کی خبر دی اور ان کی قبر کی جگہ بھی بتلا دی۔ یوسف نے فوراً قبر کھدوا کر ان کی لاش نکلوائی اور اس کا سر کاٹ کر خلیفہ ہشام کے پاس بھیج دیا۔ اس پر خلیفہ نے یوسف کو حکم لکھ بھیجا کہ زید کی لاش کو ننگا کر کے پھانسی پر لٹکا دو، چنانچہ یوسف نے ایسا ہی کیا۔

کہا جاتا ہے کہ کہ ایک روز خلیفہ ہشام نے زید سے کہا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت حاصل کرنا چاہتے ہو جبکہ تم اس کے اہل نہیں ہو کیونکہ تم ایک باندی کے بیٹے ہو!"

زید نے جواب دیا

حضرت اسماعیلؑ بھی ایک باندی کے بیٹے تھے جبکہ ان کے بھائی حضرت اسحاقؑ ایک آزاد عورت کے پیٹ سے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کی اولاد میں سے دنیا کا بہترین انسان یعنی آنحضرت ﷺ کو پیدا فرمایا۔"

ہشام یہ سن کر بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ زید نے کہا

"بس تو پھر اب تم مجھ سے میری اسی حیثیت میں ملو گے جس کو تم پسند نہیں کرتے (یعنی اب اگلی بار میں خلیفہ کی حیثیت سے ہی تم سے ملوں گا)۔"

(تشریح: جہاں تک اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ باندی ہی رہیں، بلکہ ابراہیمؑ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا)۔

حضرت زید کے شعروں میں سے ایک شعر ہے۔

لَاتَطْمَعُوْا اَنْ تُهِيْنُوْنَا وَنُكْرِمُكُمْ
وَاِنْ تَكُفَّ الْاَذٰى عَنْكُمْ وَ تُوْذُوْنَا

ترجمہ:- یہ مت سمجھو کہ تم ہماری توہین اور تذلیل کرو گے تو ہم تمہاری عزت کرتے رہیں گے اور تم ہمیں تکلیفیں پہنچاتے رہو گے تو ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔

ایک قول ہے کہ حضرت زید کا سر مصر قدیم کی ایک مسجد میں دفن کیا گیا تھا، اس مسجد کا نام مشہد زین العابدین ابن حسین تھا۔ اسی طرح شیخ شعرانی کے طبقات میں بھی ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ اس جگہ زید ابن زید العابدین ہے جیسا کہ علامہ مقریزی نے خطط میں لکھا ہے اور اس کو زید الازیاد کہا جاتا ہے۔

کتاب حیات الحیوان میں مکڑی کے جالے کے متعلق لکھا ہے کہ جالے کا لعاب مکڑی اپنے پیٹ سے نہیں نکالتی بلکہ یہ مادّہ اس کی کھال کی باہری سطح سے نکلتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ اپنے گھروں کو مکڑی کے جالوں سے صاف رکھو کیونکہ اگر گھروں میں جالے چھوڑ دیئے گئے تو اس سے فقر و فاقہ پھیلتا ہے۔

(غرض آنحضرت ﷺ کے غار ثور میں پناہ لینے پر جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں درخت اُگ آیا اور مکڑی نے جالا تان دیا وہیں) اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو جنگلی کبوتر آکر غار کے دہانے پر بیٹھ گئے۔ (ی) اور ایک روایت ہے کہ ان انڈوں سے بچے نکلنے والے تھے۔

<u>ہجرت میں ہمراہی سے صہیبؓ کی محرومی</u> :-...... غار کی طرف جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو ہدایت فرمائی کہ میرے پیروں کے نشانوں پر اپنے پیر رکھتے ہوئے چلو تاکہ ریت میں نشان قدم سے دشمنوں کو رہنمائی نہ حاصل ہو سکے۔ مگر اس بارے میں جو اشکال ہے وہ گزر چکا ہے۔ (ی) کیونکہ جب مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کو گھر سے غائب پایا تو وہ سخت پریشان اور خوفزدہ ہوئے اور انہوں نے مکے چاروں طرف آپ کو تلاش کیا ساتھ ہی انہوں نے نشان قدم تلاش کرنے والے ماہروں کو بھیجا تاکہ وہ ہر طرف آپ کے قدموں کے نشان تلاش کریں چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں کو ثور پہاڑ پر جانے والے کے نشان قدم مل گئے، اور اسی کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد گزرا ہے۔ ادھر جب وہ سب نوجوان جو قریش کے ہر خاندان کے تھے نکل کر آئے تو آپ کو حضرت صہیبؓ کی طرف سے سخت فکر اور تشویش ہوئی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ، آہ اے صہیب۔ آہ اے صہیب!۔ (ی) اس کی وجہ یہ تھی کہ صہیبؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ جانے کا وعدہ کیا تھا کہ ہجرت کے اس سفر میں تیسرے آدمی وہ ہوں گے۔ چنانچہ اسی لئے جب آنحضرت ﷺ نے غار ثور کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو دو یا تین مرتبہ بھیجا کہ وہ صہیبؓ کو بلا لائیں مگر حضرت ابو بکرؓ جب بھی ان کے گھر پہنچے انہوں نے صہیبؓ کو نماز میں مشغول پایا چنانچہ صدیق اکبرؓ نے آکر آنحضرت ﷺ کو جواب دیا۔

"یارسول اللہ! میں نے صہیبؓ کو نماز میں مشغول پایا اس لئے میں نے اس کو مناسب نہیں سمجھا کہ ان کی نماز میں خلل ڈالوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا۔

غار ثور سے دشمنوں کی بے التفاتی :۔...... غرض ادھر جب قریش نوجوان آپ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے غار ثور سے چالیس گز کے فاصلے پر رہ گئے تو ان میں کچھ جلدی سے آگے بڑھ کر غار میں جھانکنے لگے مگر غار کے دہانے پر انہیں صرف دو جنگلی کبوتر اور ساتھ ہی مکڑی کا جالا نظر آیا اس پر ان میں سے ایک نے کہا۔

"اس غار میں کوئی نہیں ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے اس شخص کا یہ جملہ سن لیا اور آپ ﷺ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو ٹال دیا ہے۔

ایک روایت ہے کہ جب قریشی لوگ غار کے دہانے تک پہنچ گئے تو اس میں سے کسی نے کہا کہ غار کے اندر چل کر بھی دیکھو۔ اس پر امیہ ابن خلف نے کہا۔

"غار کے اندر ہی جا کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، اس پر تو اتنے جالے لگے ہیں جو شاید محمد ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کے ہوں گے۔ (ی) اگر وہ غار کے اندر گئے ہوتے تو نہ یہ جالا باقی رہتا اور نہ یہ کبوتر کے انڈے۔"

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ انڈے بغیر بچوں کے تھے۔ یہ بھی ہے کہ ان میں ایک انڈے سے بچہ نکل آیا ہو اور ایک سے نہ نکلا ہو۔ اس کے بعد وہ غار کے دہانے کے بالکل سامنے آکر بیٹھا اور پیشاب کرنے لگا، اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے!"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"ابو بکر! اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا ہوتا تو ہمارے سامنے بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا۔"

ایک روایت میں آپ ﷺ کے الفاظ یوں ہیں کہ، اگر وہ ہمیں دیکھ چکا ہوتا تو ہمارے سامنے اپنی شرمگاہ نہ کھولتا۔ یعنی ہماری طرف رخ کر کے پیشاب کرنے نہ بیٹھتا۔ ادھر ابو جہل نے کہا۔

"خدا کی قسم، میرا گمان ہے کہ وہ کہیں قریب ہی ہمیں دیکھ رہے ہیں مگر ان کے کسی جادو نے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔"

اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے لوٹ آئے۔

غار ثور میں دوسرا حیرتناک معجزہ :۔...... علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا تو فوراً اس کی نگاہ ہم پر بھی ضرور پڑے گی۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر یہ لوگ یہاں ہمارے پاس پہنچ بھی گئے تو ہم یہاں سے نکل کر کہیں چلے جائیں گے۔"

مگر غار کا صرف ایک ہی دہانہ تھا اس لئے صدیق اکبرؓ نے فوراً ہی دوبارہ غار پر نظر ڈالی تو انہوں نے دیکھا کہ غار میں دوسری طرف بھی دہانہ کھلا ہوا ہے اور سمندر کا ساحل اس دہانے سے آلگا ہے جہاں ایک کشتی بھی

کنارے سے بندھی ہوئی کھڑی ہے۔
علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس لحاظ سے منکر نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی عظیم قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے مگر یہ حدیث کسی مضبوط یا ضعیف سند کے ساتھ ذکر نہیں ہوئی ہے اور ہم اپنی طرف سے کوئی چیز ثابت نہیں کریں گے (لہٰذا صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی قدرت کے لحاظ سے یہ بات بعید نہیں ہے مگر چونکہ حدیث کے ساتھ کوئی سند بیان نہیں ہوئی ہے جس سے معلوم ہو سکتا کہ یہ حدیث قوی ہے یا ضعیف اس لئے اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا)۔

مکڑی کو مارنے کی ممانعت اور اس کے لئے دعا :-......اسی روز آنحضرت ﷺ نے مکڑی کو مارنے کی ممانعت کی اور فرمایا،
"یہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔"
حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا،

گھروں سے جالے صاف کرنے کا حکم :-......"جب سے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مکڑی سے محبت فرمانے لگے ہیں میں بھی اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مکڑی کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے کیونکہ اے ابو بکر! اس نے میرے اور تمہارے اوپر جالا بُن کر ہماری حفاظت کی تھی۔ ہاں البتہ گھروں کو مکڑی کے جالوں سے صاف رکھنا چاہئے۔"
اس کی وجہ پیچھے گزر چکی ہے کہ اس سے گھروں میں فقر و فاقہ پھیلتا ہے۔ کتاب جامع صغیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکڑی کو نیک بدلہ دے کہ غار میں اس نے جالا بنا دیا تھا۔

کبوتر بام حرم :-......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ، مکڑی شیطان ہے اس کو مار ڈالا کرو۔ ایک حدیث میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی صورت بگاڑ کر اس کو مکڑی کی شکل میں ظاہر کیا ہے اسے مار ڈالا کرو۔ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ اگر یہ بعد والی روایت ثابت ہے اور بعد میں فرمائی گئی ہے تو یہ پہلی کے لئے ناسخ (یعنی اس کے حکم کو ختم کرنے والی) ہے اور اگر پہلے والی ثابت ہے اور وہ بعد میں فرمائی گئی ہے تو وہ پہلی کے لئے ناسخ ہے۔ واللہ اعلم۔
اسی طرح رسول ﷺ نے کبوتروں کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور ان کو یہ جزا دی کہ ان کو حرم میں پھلنے پھولنے دیا۔ چنانچہ ان کی نسل حرم میں پھلی پھولی۔ اسی وجہ سے امام غزالیؒ جو شافعی عالم ہیں مکہ کے صرف کبوتروں کو نہ مارنے کے قائل ہیں اس کے سوا کسی دوسرے پرندکے نہیں اور اسی قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔
مگر کتاب امتاع میں اس بات پر شک ظاہر کیا گیا ہے کہ حرم کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ نوحؑ کے واقعہ میں ایک روایت ہے کہ طوفان آنے کے بعد نوحؑ نے اپنی کشتی میں سے ایک کبوتری کو بھیجا تھا کہ انہیں زمین کی حالت کی خبر دے، وہ کبوتری وادیٔ حرم میں پہنچ گئی۔ اس نے دیکھا کہ اس جگہ سے پانی خشک ہو گیا ہے یہ جگہ کعبے کی تھی اور یہاں کی مٹی سرخ رنگ کی تھی۔ کبوتری اس جگہ اتری تو اس کے پنجے بھی سرخ ہو گئے، اسکے بعد یہ واپس نوحؑ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا اس کے گلے میں ایک کنٹھ ڈالا اور اس کے پیروں کو سرخ رنگ دے دیا۔ پھر انہوں نے اس کو حرم میں بسا دیا اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔

اس بارے میں حرث ابن فصاض کے شعر ہیں۔

كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُوْنِ اِلَى الصَّفَا
اَنِيْسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرٌ

ترجمہ :- گویا کہ حجون سے لے کر صفا کے مقام تک نہ کوئی مونس و غم خوار ہے اور نہ مکے کے قصہ گوئی میں سے کوئی قصہ گو ہے۔

وَيَبْكِ لِبَيْتٍ لَيْسَ يودى حَمَامَهُ
يَظِلُّ بِهٖ اَمْناً وَفِيْهِ الْعَصَافِرُ

ترجمہ :-اور ایسے گھر کے لئے آنسو ضرور بہائے جاتے ہیں جو اپنے کبوتروں کو بھی تکلیف نہیں پہنچنے دیتا بلکہ سب چڑیوں کے لئے بھی وہ امن و سکون کا آشیانہ ہے۔

ان شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حرم میں کبوتر بنی جرہم اور نوحؑ کے دور سے پائے جاتے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن مکے کے کبوتروں نے آنحضرت ﷺ پر سایہ کیا تھا جس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی۔

صدیق اکبرؓ کا اضطراب اور آنحضرت ﷺ کا سکون :-...... غرض ایک روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے قریش کو خاص طور پر غار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا جن کے ساتھ نشان قدم کے ماہر بھی تھے تو وہ رو پڑے۔ ایک قول ہے کہ جب غار کے قریب انہوں نے ایک تعاقب کے ماہر کو یہ کہتے سنا۔

"خدا کی قسم! تمہیں جس کی تلاش ہے وہ اس غار سے آگے نہیں گیا۔"

یہ جملہ سن کر حضرت ابو بکرؓ اتنے فکر مند ہوئے کہ رو پڑے اور کہنے لگے۔

"خدا کی قسم میں اپنی جان کے لئے نہیں روتا بلکہ مجھے اس کا خوف ہے کہ کہیں آپ ﷺ کو کسی پریشانی میں نہ دیکھنا پڑے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے!"

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کے دل کو سکون عطا فرمادیا اور ان کو ایسا اطمینان بخشا جس سے دلوں کو سکون اور آرام ملتا ہے۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے یہ فرمایا کہ، غم مت کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ۔ ڈرو مت، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا غم رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا اس لئے اس سے روکنا اسی طرح انس اور بشارت دینے کے واسطے تھا جیسے حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورۂ یونس، پ ۱۱، ع ۷ آیت ۶۵)

ترجمہ :-اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں، تمام ترغلبہ (اور قدرت بھی) خدا ہی کے لئے ثابت ہے وہ ان کی باتیں سنتا ہے اور ان کی حالت جانتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ڈر آدمی کو اپنی جان کے لئے ہوتا ہے اور غم دوسرے کے لئے ہوتا ہے جو محبوب ہو۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ کی فکر مندی آنحضرت ﷺ کے لئے تھی آپ ﷺ نے اس کو غم سے تعبیر فرمایا، اس بات سے رافضیوں اور شیعوں کے اس الزام کی تردید ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ابو بکرؓ پر غصے کے اظہار

اور مذمت کے لئے تھا (کہ تمہیں اپنی فکر پڑی ہے) رافضی کہتے ہیں کہ اگر صدیق اکبرؓ کا غم آنحضرت ﷺ کے لئے تھا جو ظاہر ہے اطاعت اور فرمانبرداری ہے تو آنحضرت ﷺ اطاعت سے نہیں روک سکتے تھے۔ لہذا اب ماننا پڑے گا کہ ان کا غم اطاعت یعنی آپ ﷺ کے لئے نہیں تھا بلکہ معصیت یعنی اپنی ذات کے لئے تھا (اسی الزام کی تردید کے لئے حزن کے معنی ظاہر کئے گئے ہیں جس کی آگے بھی تفصیل آرہی ہے)۔

اللہ پر بھروسہ :۔...... حضرت ابو بکرؓ کی ایک روایت گزری ہے کہ جب وہ لوگ غار کے دہانے کے سامنے آگئے تو صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اگر انہوں نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا تو ان کی نگاہ ہم پر ضرور پڑجائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ان لوگوں کے مقابلے میں نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے مشرکوں کے پیروں کو دیکھا جبکہ ہم غار میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ لوگ ہمارے سروں کے اوپر تھے تو میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات کہی، آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے ابو بکر! تم ان دونوں شخصوں کے بارے میں کیا سوچتے ہو جن کا تیسرا ساتھی اللہ تعالیٰ ہے!"

معیّت الٰہی کی تفصیل :۔...... اس جملے کی تشریح میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے ساتھ تھا اور لفظ اور معنی دونوں لحاظ سے ان کا تیسرا ساتھی تھا۔

جہاں تک لفظی طور پر اللہ تعالیٰ کے ان دونوں کا ساتھی ہونے کی بات ہے تو وہ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو صحابہ یارسول اللہ کہا کرتے تھے۔ گو آنحضرت ﷺ کو خطاب کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی ضرور شامل ہوتا تھا۔ اور اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کو لوگ یا خلیفہ رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے یعنی اس میں بھی ان کا پکارنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام ضرور آتا تھا۔ (جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ لفظی طور پر بھی ان حضرات کے ساتھ تھا)۔

جہاں تک معنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ان دونوں حضرات کے ساتھ ہونے کا تعلق ہے تو حق تعالیٰ اپنی نصرت ہدایت اور ارشاد و رہبری کے لحاظ سے ہمیشہ ان دونوں حضرات کے ساتھ تھا کیونکہ ذات باری کی نصرت و مدد اور رہنمائی و رہبری ان کو ہمیشہ حاصل رہی۔

شیعوں کے دعویٰ کی تردید :۔...... (تشریح :۔ آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے غار ثور میں پناہ لینے کے واقعہ کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں نقل فرمایا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورۂ توبہ، پ ۱۰، ع ۶ آیت ۴۰)

ترجمہ :۔ اگر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی مدد اس وقت کرچکا ہے جب کہ آپ ﷺ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ ﷺ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جبکہ آپ ﷺ اپنے ہمراہی سے فرمارہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات اور تدبیر نیچی کر دی کہ وہ ناکام رہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا بول بالا رہا، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

اس آیت سے شیعوں کے عقائد کی تردید ہو جاتی ہے جس کے مطابق وہ نعوذ باللہ صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ ﷺ کا دشمن کہتے ہیں، کیونکہ صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ وہ آپ ﷺ کی طرف سے پریشان اور غمگین ہیں کیونکہ اگر وہ مارے گئے تو ایک ہی شخص ہلاک ہوگا لیکن اگر خدانخواستہ آنحضرت ﷺ کو کوئی نقصان پہنچا تو یہ ساری امت کے ہلاکت کے برابر ہوگا۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ غمگین مت ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب ہدایت الشیعہ میں فرماتے ہیں کہ

"لفظ لاتحزن جس کا مطلب یہ ہے کہ تو غمگین نہ ہو۔ اس پر صاف دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ مومن مخلص اور رسول اللہ ﷺ کے عاشق صادق تھے ورنہ ان کو غمگین ہونے کی کیا ضرور تھی بلکہ موافق عقیدۂ شیعہ معاذ اللہ اگر آپؓ دشمن تھے تو نہایت خوشی کا محل تھا، اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تاکہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کرتے دشمنوں کے لئے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا۔"

سیرت المصطفیٰ مصنفہ مولانا محمد ادریسؒ صاحب کاندھلوی میں آگے ہے کہ

"اگر ابو بکرؓ کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حزن کے خوف کا لفظ استعمال ہوتا، عربی زبان میں حزن کا لفظ غم کی جگہ اور فراق محبوب یا تمنا کے فوت ہو جانے کے محل میں استعمال کرتے ہیں اور جہاں جان پر بنتی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔"

اس کے بعد اسی کتاب میں قرآن پاک کی بہت سی آیتوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کلام الٰہی میں حزن کا لفظ اور خوف کا لفظ ایسے ہی موقعوں پر استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے غم اور فکر تھا اور آپ ﷺ نے اسی لئے ان کی تسلی کے واسطے یہ جواب دیا تاکہ ان کے دل کو سکون اور قرار آجائے۔ تشریح ختم۔ (مرتب)

اسی گذشتہ آیت میں وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ یہاں ایدہ میں ہ ضمیر کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو ایسے لشکروں سے قوت دی، اور یہ لشکر فرشتوں کے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پاس غار میں نازل فرمایا اور جنہوں نے آپ ﷺ کو یہ خوش خبری دی کہ آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلے میں آپ ﷺ کو فتح و نصرت حاصل ہوگی۔

غار ثور میں تیسرا معجزہ :-...... ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو غار میں اچانک پیاس لگنے لگی آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ غار کے درمیان میں جاؤ اور پانی پی لو۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ غار کے اس حصے کی طرف گئے تو وہاں انہیں ایسا بہترین پانی ملا جو شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو والا تھا، انہوں نے اس میں سے پیا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم فرمایا ہے جو جنت کی نہروں کا نگراں ہے کہ اس غار کے بیچ میں جنت الفردوس سے ایک چشمہ پیدا کر دیں تاکہ تم اس میں سے پانی پی سکو۔"

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا،

"کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں میرا اتنا بڑا مقام ہے"

آپ نے فرمایا،

"ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے پیغام کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا کہ وہ شخص جو تم سے بغض اور دشمنی رکھتا ہے جنت میں داخل نہیں ہوگا چاہے اُس کے اعمال ستر نبیوں کے برابر ہوں۔"

ایک راوی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں ابو بکر صدیقؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہوں نے کہا،

"جس شخص سے رسول اللہؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو اور وہ پورا نہ ہو سکا ہو وہ سامنے آجائے۔ اسی وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا،

"رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تین مٹھی کھجوروں کا وعدہ فرمایا تھا۔"

یہاں مٹھی سے مراد دونوں ہاتھوں میں ایک ساتھ اٹھانے کی صورت میں جتنی چیز آئے وہ مقدار حضرت ابو بکرؓ نے حکم دیا کہ علیؓ کو بلاؤ۔ حضرت علیؓ آئے تو صدیق اکبرؓ نے ان سے کہا،

"یہ شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے۔"

حضرت علیؓ نے تین مٹھی کھجوریں اس کے لئے نکالیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اب ہر مٹھی کی کھجوروں کو شمار کرو کہ کتنی ہیں۔ چنانچہ انہیں شمار کیا گیا تو ہر مٹھی کی کھجوروں کی تعداد میں ساٹھ کھجوریں نکلیں۔ کسی ڈھری میں نہ اس سے زیادہ تھیں اور نہ اس سے کم، تب صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔

"اللہ اور اس کے رسول کا قول سچا ہے ہجرت کی رات میں رسول اللہ ﷺ نے غار کے اندر مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ چیز سمانے کی مقدار کے لحاظ سے میری مٹھی اور علی کی مٹھی برابر ہے۔"

(یعنی جتنی میری مٹھی اٹھا سکتی ہے اتنی چیز علیؓ کی مٹھی بھی اٹھاتی ہے)

علامہ ذہبی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ بات بتلانے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سچائی بیان کی ہے۔ اس سے غالباً ان کی مراد یہ بتلانا ہے کہ میں نے اس شخص کی ادائیگی کے لئے اپنے بجائے علیؓ کا انتخاب کیوں کیا ہے کہ وہ اپنی مٹھی سے ناپ کر دیں، اس جملے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر مٹھی میں ساٹھ ہی کھجوریں آنی چاہئے تھیں۔

<u>قریش کی ناکام واپسی اور آپ ﷺ کی گرفتاری کے لئے اعلان عام</u> :-...... (غرض قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ کو تلاش کر کے ثور پہاڑ سے واپس چلے گئے) جب وہ لوگ ان دونوں کی تلاش سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ساحلی بستیوں میں یہ کہلایا کہ جو شخص بھی محمد ﷺ یا ابو بکرؓ کو گرفتار کرے یا قتل کر دے اس کو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی۔

کہا جاتا ہے کہ ابو جہل نے ایک ڈھنڈورچی سے کہا کہ وہ مکے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ اعلان کر دے کہ جو شخص بھی محمد ﷺ کو پکڑ کر لائے گا یا ان کا پتہ بتلائے گا اس کو میرے طرف سے سو اونٹ دیئے جائیں گے۔

غار میں قیام کے اس واقعے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

أَخْرَجُوْهُ مِنْهَا وَ آوَاهُ غَارٌ
وَحَمَتْهُ حَمَامَةٌ وَرْقَاءُ

وَكَفَتْهُ يَنْسِجُهَا عَنْكَبُوْتٌ
مَا كَفَتْهُ الْحَمَامَةُ الْحَصْدَاءُ

وَاخْتَفٰى مِنْهُمْ عَلٰى قُرْبِ مَرْاٰهُ
وَمِنْ شِدَّةِ الظُّهُوْرِ الْخِفَاءُ

مطلب :-...... قریشی مشرکین نے آپ ﷺ کو، آپ ﷺ کے صحابہ کو اور خاص طور پر کمزور مسلمانوں کو اس قدر زبردست تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں کہ آپ ﷺ کو اس سر زمین سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا جہاں آپ ﷺ پیدا ہوئے پلے بڑھے اور جو آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے آباء واجداد کا وطن تھی۔ یہاں سے آپ ﷺ نکالے گئے تو ایک غار نے آپ ﷺ کو پناہ دی دو جنگلی کبوتروں نے آپ ﷺ کے دشمنوں کو آپ ﷺ سے باز رکھا، ادھر ایک مکڑی نے اپنے جالے کے ذریعہ دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کی جیسے بال وپر والے کبوتروں نے آپ ﷺ کی حفاظت کی تھی۔ تو گویا وہ کبوتر خاکستری اور بہت زیادہ بال وپَر والے تھے آپ ﷺ اپنے دشمنوں کے پہنچنے کی جگہ اور ان کی نگاہوں سے اتنا قریب ہونے کے باوجود ان کی نظروں سے اوجھل رہے۔ آپ ﷺ کے ان لوگوں کے بالکل قریب اور اتنا سامنے ہونے میں کہ اگر وہ لوگ اپنے پیروں کی طرف دیکھتے تو آپ ﷺ پر نظر پڑتی۔ حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے ان لوگوں پر آپ ﷺ کے چھا جانے اور غلبہ پانے کا اظہار ہو سکے اور ان کی بے بسی کا اظہار بھی ہو سکے۔

غار کے دوران قیام شہر سے رابطہ :-...... غرض آپ ﷺ دونوں اس غار میں تین روز تک رہے، ان کے پاس حضرت ابو بکرؓ کے لڑکے عبد اللہ بھی رات گزارتے تھے، یہ اس وقت اگرچہ کم عمر تھے مگر معاملات کو سمجھنے لگے تھے۔ یہ اندھیرا پھیلنے کے بعد غار میں آجاتے تھے اور اندھیرے، منہ فجر کے وقت وہاں سے واپس آجاتے جس سے قریش یہ سمجھتے کہ انہوں نے رات یہیں گزاری ہے، چنانچہ قریش میں دن بھر جو باتیں ہوتیں یہ ان کو سنتے اور پھر شام کو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر بتلادیتے۔

حضرت ابو بکرؓ کے ایک غلام تھے عامر ابن فہیرہؓ، پہلے ان کا مالک طفیل تھا۔ اسی زمانے میں غلامی کی حالت میں یہ مسلمان ہوگئے، چنانچہ ان کا مالک ان کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے بہت سخت تکلفیں پہنچاتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، جب آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ غار میں تھے تو یہ شام کو اپنی بکریاں لے کر وہاں پہنچ جاتے اور رات کو وہیں رہتے۔ صبح کو اندھیرے منہ حضرت عبد اللہ کے جانے کے بعد یہ بھی وہاں سے اپنی بکریاں اسی راستے سے واپس لاتے تاکہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں، ان تین راتوں میں برابر ان کا معمول یہی رہا جو یہ حضرت ابو بکرؓ کی ہدایت پر کرتے تھے۔

چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو حکم دیا تھا کہ دن بھر وہ لوگوں کی باتیں سنا کریں جو وہ آنحضرت ﷺ اور ان کے بارے میں کریں اور شام کو دن بھر کی باتیں آکر ہمیں سنا دیا کریں اسی طرح انہوں نے عامر ابن فہیرہؓ کو ہدایت کی کہ دن بھر وہ صدیق اکبرؓ کی بکریاں چرایا کریں اور شام کو

غار میں لاکر ان کا دودھ دوہ دیا کریں۔ ادھر حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی اسماءؓ شام کے وقت ان کے لئے کھانا پہنچایا کرتی تھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: درد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اس غار کا پتہ سوائے عبداللہ ابن ابو بکرؓ اور اسماءؓ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہی دونوں بار بار ان کے پاس غار میں جاتے آتے رہے نیز عامر ابن فہیرہؓ بھی غار کا پتہ جانتے تھے جو بکریاں چرانے کے بعد وہاں جاکر ان کے لئے دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔

غار ثور سے کوچ کی تیاری:۔...... کتاب فصول المہمہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تین دن اور تین رات غار میں رہے جبکہ قریش کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ حضرت اسماءؓ ان دونوں کے لئے رات کو کھانے پینے کا سامان پہنچادیا کرتی تھیں۔ تیسرا دن گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت کی کہ وہ حضرت علیؓ کے پاس جائیں اور انہیں اس غار کا پتہ بتلادیں، نیز ان کو ہدایت کردیں کہ ہمارے لئے کسی رہبر کا انتظام کرلیں اور آج رات کا کچھ پہر گزر جانے کے بعد تین اونٹ لے کر وہ راہبر یہاں آجائے (ی) یہ چوتھی رات تھی۔

چنانچہ حضرت اسماءؓ سیدھی حضرت علیؓ کے پاس گئیں اور انکو یہ سارا پیغام سنایا۔ حضرت علیؓ نے فوراً اجرت پر ایک راہبر کا انتظام کیا جس کا نام اریقط ابن عبداللہ لیثی تھا۔ پھر انہوں نے تین اونٹ دے کر اریقط کو وہاں بھیج دیا۔ یہ راہبر رات کے وقت پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنی آپ ﷺ فوراً حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ غار سے نکل کر نیچے آئے جہاں آپ ﷺ نے راہبر کو پہچان لیا۔

بخاری میں یہ ہے کہ وہ ان دونوں کی سواریاں لے کر تیسری رات گزرنے کے بعد صبح ہی وہاں پہنچ گئے، جس کے بعد آپ ﷺ روانہ ہوگئے، مگر یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ اپنے لئے راہبر کا انتظام کرنے یعنی اجرت پر انتظام کرنے والے خود آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ تھے۔

سفر مدینہ کے لئے اونٹوں اور راہبر کا انتظام:۔...... ان دونوں باتوں میں اس طرح مطابقت ہوسکتی ہے کہ حضرت علیؓ کے اجرت پر راہبر کا انتظام کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کی اجرت انہوں نے ادا کی تھی اب جہاں تک یہ بات ہے کہ حضرت علیؓ نے تین سواریوں کا انتظام کیا تھا اور ان سواریوں کو لے کر وہ خود آئے تھے اس میں کھلا ہوا شبہ ہے۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ بھی سوار ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ اور راہبر بھی سوار ہوگئے۔

کتاب دُور منثور میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ تین دن غار میں رہے جس میں عامر ابن فہیرہؓ کھانا لے کر آتے رہے۔ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے سفر کی تیاریاں کرتے رہے، انہوں نے تین اونٹ خریدے اور ایک رہبر کا اجرت پر انتظام کیا۔ جب تیسری رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو حضرت علیؓ اونٹ اور راہبر لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے۔ یہ روایت قابل غور ہے کیونکہ پچھلی روایت اس کے خلاف ہے۔

مگر ایک مرسل حدیث میں ہے کہ میں اپنے ساتھی (یعنی صدیق اکبرؓ) کے ساتھ آٹھ دس روز غار میں رہا جہاں ہمارے پاس سوائے پیلو کے کڑوے پھل کے کوئی کھانا نہیں تھا۔ پیچھے بکریاں چرانے کے باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ پیلو کا پھل کڑوا ہوتا ہے جس کو کباث بھی کہتے ہیں۔ مگر علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث کہ آنحضرت ﷺ غار میں آٹھ دس دن رہے محدثین کے نزدیک غلط اور غیر صحیح ہے۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جیسا کہ حاکم نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ نے مشرکین سے چھپ کر جتنی مدّت غار میں اور راستے میں گزاری وہ آٹھ دس روز ہے۔ جہاں تک اس روایت میں صرف غار کا ذکر کرنے اور راستے کا لفظ چھوڑنے کا تعلق ہے تو یہ اختصار کی وجہ سے کیا گیا (ورنہ دونوں مراد ہیں یعنی یہ روایت اپنی جگہ پر غلط نہیں ہے بلکہ اختصار کے طور پر صرف غار کا ذکر کیا گیا ہے) واللہ اعلم۔

حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو روانہ کیا جو ان کا مال و دولت لے کر گئے یہ مال پانچ ہزار یا چار ہزار درہم تھا جبکہ حضرت ابو بکرؓ جس وقت مسلمان ہوئے تھے تو ان کی دولت چالیس ہزار درہم تھی۔ ایک روایت کے الفاظ کے مطابق چالیس ہزار دینار تھی۔ اس روایت کی تائید حضرت انسؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ پر اپنی چالیس ہزار دینار دولت خرچ کیا۔

ابو قحافہ کی ناراضگی اور اسماءؓ کی تدبیر :-...... غرض حضرت عبداللہؓ یہ دولت لے کر ان کے پاس غار میں پہنچے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ ہمارے پاس میرے دادا حضرت ابو قحافہ آئے۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس وقت ان کی بینائی جاتی رہی تھی، انہوں نے ہمارے سے کہا،

"میں دیکھتا ہوں کہ ابو بکر اپنی اور اپنے مال کی وجہ سے تمہیں مصیبت میں ڈال گئے ہیں"

یہ سن کر حضرت اسماءؓ نے کہا،

"ہر گز نہیں بابا، وہ ہمارے لئے بڑی خیر و برکت چھوڑ گئے ہیں۔"

حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے کچھ پتھر اٹھائے اور ان کو کمرے کے اسی طاق میں رکھ دیا جس میں میرے والد اپنا مال رکھا کرتے تھے، پھر میں نے ان پتھروں کے اوپر کپڑا ڈھک کر اپنے دادا کا ہاتھ پکڑا اور ان کو وہاں لا کر ان سے بولی،

"یہ روپیہ رکھا ہوا ہے اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر دیکھئے!"

ابو قحافہ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر دیکھا اور کہنے لگے،

"اگر وہ یہ مال تمہارے لئے چھوڑ کر گئے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ تمہارے لئے کافی ہے۔"

ویسے حقیقت میں خدا کی قسم وہ ہمارے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے مگر میں چاہتی تھی کہ ان بزرگ کا دل مطمئن ہو جائے۔

ایک مریض عشق کی جاں سپاری :-......ادھر جب حضرت حمزہؓ ابن جندب کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ مکے سے ہجرت کر کے چلے گئے ہیں تو اگرچہ وہ اس وقت بیمار تھے مگر انہوں نے کہا کہ اب میرے مکے میں رہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے چنانچہ انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی ہجرت کا حکم دیا اور خود بھی مدینہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ابھی وہ تنعیم کے مقام تک ہی پہنچے تھے کہ حضرت حمزہؓ کا انتقال ہو گیا، اس واقعہ پر ہی، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی،

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

(سوۂ نساء، پ ۵، ع ۱۳)

ترجمہ :-اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آپکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں رحمت کرنے والے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت خالد ابن حرامؓ ابن خویلد ابن اسد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب بہت عرصہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور ہجرت کے دوسرے حکم کے موقعہ پر وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں سانپ کے کاٹے سے مر گئے تھے۔

صدیق اکبرؓ کا مقام :-...... ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے شاعر اسلام حسان ابن ثابتؓ سے فرمایا، "کیا تم نے ابو بکرؓ کے متعلق بھی کوئی شعر کہا ہے۔"

انہوں نے عرض کیا، ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا سناؤ میں سننا چاہتا ہوں، حضرت حسانؓ نے یہ شعر سنائے۔

وَثَانِيَ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيفِ وَقَدْ
طَافَ الْعَدُوّبِهِ اِذَا صَاعَدُ وَ الْجَبَلاَ

ترجمہ :-حضرت ابو بکر صدیقؓ جو دو میں کے دوسرے تھے اس بلند و بالا غار میں تھے اور جب وہ پہاڑ پر پہنچ گئے تو دشمن نے ان کے گرد اگرد چکر لگائے۔

وَكَانَ حِبَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْبَرِيَّةِ لَمْ يَعْدِلُ بِهِ رَجُلاً

ترجمہ :-یہ آنحضرت ﷺ کے عاشق زار تھے جیسا کہ ایک دنیا جانتی ہے اور اس عشق رسول میں ان کا کوئی ثانی یا برابر نہیں تھا۔

یہ شعر سن کر آنحضرت ﷺ ہنسنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نظر آئے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ مسکرانے لگے اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا،

تم نے سچ کہا حسان، وہ ایسے ہی ہیں جیسے تم نے کہا، وہ غار والے کے نزدیک (یعنی خود رسول اللہ ﷺ کے نزدیک) مخلوق میں سب سے زیادہ پیارے ہیں کوئی دوسرا شخص (میری محبت کے لحاظ سے) ان کی برابری نہیں کر سکتا۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب ینبوع حیات میں یہ ہے کہ ان دونوں شعروں کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہ حضرت ابو بکرؓ کے مرثیہ کے ہیں جو حسانؓ نے لکھا تھا، یہاں تک کتاب ینبوع کا حوالہ ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ممکن ہے ان شعروں کو حضرت حسانؓ نے بعد میں صدیق اکبرؓ کے مرثیہ میں بھی شامل کر دیا ہو (لہذا اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ شعر آنحضرت ﷺ کی زندگی میں نہیں لکھے گئے تھے) واللہ اعلم

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں کی ایک جماعت سے کہا،
"تم میں سے کون شخص سورۂ توبہ پڑھ کر سنائے گا۔"

ایک شخص نے کہا میں سناؤں گا (اس کے بعد اس نے تلاوت شروع کی) جب وہ اس آیت پر پہنچا اِذْیَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ یعنی جب کہ آپ ﷺ اپنے ہمراہی سے فرمارہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو تو، حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور بولے کہ خدا کی قسم وہ ہمراہی میں ہی ہوں۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھے ابو بکرؓ سے آگے آگے چلتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"اے ابو درداءؓ! کیا تم اس شخص سے آگے چلتے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے زیادہ افضل ہے! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ انبیاء اور مرسلین کے بعد ابو بکرؓ سے زیادہ افضل آدمی پر نہ کبھی سورج طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا۔"

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

"میرے پاس جبر ئیلؑ آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ابو بکرؓ سے مشورہ کیا کیجئے۔!"

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

"میری امت پر ابو بکرؓ کی محبت واجب ہے"

باب سی و پنجم (۳۵)

مدینہ منورہ کو ہجرت

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کے غار میں داخل ہونے کے بعد جب تیسری رات کی صبح آئی جیسا کہ بیان ہوا تو آپ ﷺ کے پاس راہبر آیا جو دولی قبیلہ کا شخص تھا اور ان دونوں کی سواریاں لے کر آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ سوار ہوئے اور راہبر ان کے ساتھ چلا۔ نیز عامر ابن فہیرہؓ بھی حضرت ابو بکرؓ کے اونٹ پر پیچھے سوار ہو کر چلے تاکہ دونوں کی خدمت کرتے رہیں۔ بخاری میں یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسی اونٹ پر پیچھے سوار تھے مگر ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسا کہ آگے آنے والی تفصیل سے اندازہ ہوگا۔

ایک روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ غار سے نکلے اور روانگی کے لئے سوار ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کی سواری کی رکاب پکڑلی، یہاں رکاب کے لئے غرز کا لفظ استعمال ہوا ہے جو خاص طور پر صرف اونٹ کی رکاب کے لئے بولا جاتا ہے، اس وقت آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ کیا میں ایک خوش خبری نہ دوں۔ انہوں نے عرض کیا ضرور آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ عزوجل قیامت کے دن تمام مخلوقات کے لئے عام طور پر اپنی تجلی ظاہر فرمائے گا اور تمہارے لئے خاص طور پر اپنی تجلی ظاہر فرمائے گا۔"

مگر علامہ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ یہ حدیث بے اصل ہے۔ علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اسی مضمون جیسی کچھ اور حدیثیں بھی دیکھی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو دعائیں مانگی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ، اے اللہ میرے اس سفر میں میرا ساتھی ہو اور میرے جانے کے بعد میرے گھر والوں کی حفاظت فرما۔

کاروان رسول ﷺ ...... غرض وہ راہبر اس قافلے کو سمندر کے ساحل کے راستے سے لے کر چلا، راستے میں اگر کوئی شخص حضرت ابو بکرؓ سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھتا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ یا بعض روایتوں کے مطابق تمہارے سامنے یہ کون ہے؟ یا چونکہ ایک روایت کے مطابق ابو بکر آنحضرت ﷺ کے اونٹ پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے اس لئے ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صدیق اکبرؓ سے یہ پوچھتا

کہ تمہارے ساتھ یہ نوجوان کون ہے؟ تو حضرت ابو بکرؓ کہتے کہ یہ شخص مجھے راستہ کی ہدایت ور ہنمائی کرنے والا ہے۔ مراد یہ ہوتی کہ یہ مجھے خیر کے راستے کی ہدایت و رہنمائی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تھا کہ لوگوں کو مجھ سے ٹالتے رہنا، یعنی اگر کوئی میرے بارے میں سوال کرے تو تم ہی میری طرف سے جواب دیتے رہنا، کیونکہ نبی کے لئے کسی بھی حالت میں جھوٹ بولنا مناسب نہیں ہے۔ (ی) چاہے وہ صورتاً ہی جھوٹ ہو جیسے توریہ کہ اصل بات چھپا کر دوسری بات ظاہر کر دینا۔ لہذا جو شخص بھی آنحضرت ﷺ کے بارے میں سوال کرتا تو حضرت ابو بکرؓ وہ جواب دے دیتے جو بیان ہوا۔

جہاں تک خود حضرت ابو بکرؓ کا تعلق ہے تو چونکہ وہ مشہور اور جانے پہچانے آدمی تھے اس لئے خود ان کے بارے میں کسی نے نہیں پوچھا، لوگ ان کو جانتے تھے وہ اکثر تجارت کے سلسلے میں شام جاتے ہوئے وہاں سے گزرا کرتے اس لئے اکثر لوگ ان کو جانتے تھے (جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت کم لوگ ایسے بھی تھے جو حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی نہیں جانتے تھے) چنانچہ بعض روایتوں میں ہے کہ جب کوئی شخص ان سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں تو وہ کہتے کہ میں ایک ضرورت مند آدمی ہوں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ انبیاءؑ کے لئے ایسا جھوٹ بھی جائز نہیں ہے جو حقیقت میں جھوٹ نہیں بلکہ صرف صورتاً جھوٹ ہے۔ اسی کی ایک قسم توریہ بھی ہے (یعنی جیسے صدیق اکبرؓ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں ایک ضرورت کا طلب گار آدمی ہوں، یہ بات ظاہر ہے جھوٹ نہیں ہے بلکہ اس میں صرف یہ پہلو ہے کہ اصل بات نہیں بتلائی گئی مگر پیغمبروں کے لئے یہ بات بھی مناسب نہیں ہے کہ کسی بات کا جواب گول مول دیں جس سے حقیقت کو چھپانا مقصود ہو اسی کو توریہ کہتے ہیں)۔

مگر آگے غزوۂ بدر کے بیان میں آئے گا کہ ایک موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے بھی توریہ کیا ہے۔

غرض ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ایک ہی اونٹنی پر ان کے پیچھے بیٹھے۔ علامہ ابن عبدالبر کی کتاب تمہید میں ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ کی سواری لائی گئی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ سوار ہوں اور وہ خود آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ جائیں گے، مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں تم بیٹھو اور میں تمہارے پیچھے بیٹھوں گا کیونکہ سواری پر آگے بیٹھنے والے شخص سے ہی سوال وجواب کیا جاتا ہے جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پیچھے بیٹھنے والا کون ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ میرا راہنما ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: گذشتہ اور اس بعد کی روایت میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے راستے میں کبھی آنحضرت ﷺ صدیق اکبرؓ کی اونٹنی پر ان کے پیچھے بیٹھتے ہوں اور کبھی خود اپنی اونٹنی پر آگے بیٹھتے ہوں اور صدیق اکبرؓ آپ ﷺ کے پیچھے، اس دوران میں ممکن ہے. کبھی اپنی اونٹنی پر ایسے میں آپ عامر ابن فہیرہؓ کو بٹھا دیتے ہوں اور کبھی اس کو خالی چلنے دیتے ہوں تاکہ اس کو آرام مل جائے، اب جہاں تک رہنمائی کا سوال ہے تو وہ رہنمائی کرنے والا جیسے پیچھے بیٹھتا ہے اسی طرح کبھی آگے بھی بیٹھتا ہے اگرچہ زیادہ تر پہلی صورت ہی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی مدینہ کو روانگی کے واقعہ کو قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

وَنَحَا الْمُصْطَفٰی الْمَدِیْنَۃَ وَ اشْتَاقَتْ
اِلَیْہِ مِنْ مَکَّۃَ الاَنْحَاء

ترجمہ :- آنحضرت ﷺ مدینہ کے ارادے سے روانہ ہوئے اور مکے کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کا مشتاق رہا۔

یادِ وطن :-...... ایک حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کے لئے مکے سے مدینے کے لئے روانہ ہوئے اور حجفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ کو مکے کی بہت یاد آئی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ الآیۃ پ ۲۰ سورۂ قصص ع ۹

ترجمہ :- جس خدا نے آپ ﷺ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ کو) فرض کیا ہے وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے اصلی وطن یعنی مکے میں پھر پہنچائے گا۔

یہاں واپس لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ مکے میں پھر واپس لائے گا۔ مگر ایک فرقہ ہے جس کو اہل الرجعہ کہا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی دوبارہ اس دنیا میں بھیجے جائیں گے۔ وہ فرقہ اس آیت میں معاد سے مراد دنیا ہی لیتا ہے کہ آپ ﷺ کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے گا۔

اس فرقہ کا بانی عبداللہ ابن سبانامی ایک شخص تھا جو اصلاً یہودی تھا۔ یعنی اس کی ماں ایک سیاہ فام یہودی عورت تھی اسی وجہ سے اس شخص کو ابن سوداء یعنی سیاہ فام کا بیٹا بھی کہا جاتا تھا، اس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانے میں کیا تھا اپنے اسلام کے اعلان سے اس کا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا تھا۔ چنانچہ یہ کہا کرتا تھا،

"اس شخص پر تعجب ہے جو عیسیٰؑ کے دوبارہ دنیا میں آنے کو تو مانتا ہے لیکن محمد ﷺ کے دوبارہ دنیا میں آنے سے انکار کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ لہٰذا (عیسیٰؑ) کے مقابلے میں اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ دوبارہ اس دنیا میں آئیں۔"

آغاز وحی کے بیان میں اس بارے میں کچھ بحث پیچھے گزر بھی چکی ہے، آگے اس سلسلے میں کچھ تفصیل مسجد نبوی کی تعمیر کے سلسلے میں بھی آئے گی۔

انعام کے لالچ میں سُراقہ کا عزم :-...... غرض آنحضرت ﷺ کی روانگی کے بعد جیسا کہ بیان ہوا قریش نے اپنے آدمی ساحل کی بستیوں میں بھیج کر اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص محمد ﷺ یا ابو بکرؓ کو قتل یا گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی، مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص دونوں کو قتل یا گرفتار کر سکے تو اس کو دو سو اونٹنیاں ملیں گی۔

چنانچہ حضرت سُراقہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس (یعنی ساحلی بستیوں میں) قریشی کافروں کے قاصد آئے اور آنحضرت ﷺ یا صدیق اکبرؓ کو قتل کرنے یا گرفتار کرنے والے کے لئے ان دونوں انعاموں کا اعلان کرنے لگے، میں اپنی قوم بنی مدلج کی ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا، یعنی قدید کی بستی میں جو رابغ کے مقام سے قریب ہے اچانک ایک شخص سامنے آیا اور ہمارے سامنے کھڑے ہو کر بولا،

"اے سُراقہ! میں نے کچھ لوگوں کو ساحل کے قریب جاتے ہوئے دیکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہیں"

حضرت سُراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ہمراہی ہی ہوں گے۔

اس لئے میں نے (اس شخص کی توجہ ہٹانے کے لئے) کہا،

"وہ مسافر وہ نہیں ہوں گے بلکہ تم نے شاید فلاں فلاں لوگوں کو دیکھا ہوگا جن کے جانے کی ہمیں خود خبر ہے وہ اپنی گمشدہ چیزوں کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔"

سُراقہ آپ ﷺ کی راہ پر :۔...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اس شخص نے کہا کہ ابھی میرے سامنے تین سوار گزرے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تھے۔ حضرت سراقہ کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے اور پھر مجلس والوں سے کہا کہ وہ بنی فلاں کے لوگ ہیں جو اپنی گمشدہ چیز کی تلاش میں ہیں (مقصد یہ تھا کہ کوئی دوسرا آپ ﷺ کی تلاش میں جاکر کہیں وہ انعام نہ حاصل کرلے)۔

اس کے بعد میں تھوڑی دیر مجلس میں بیٹھا، پھر میں سیدھا اپنے گھر پہنچا اور اپنی باندی کو حکم دیا کہ میری گھوڑی نکال کر چپکے سے وادی کے درمیان میں پہنچادے اور وہیں میرا انتظار کرے، اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ نکالا اور اسے لے کر گھر کی پشت پر سے نکلا میں نے نیزے کا لوہے والا حصہ زمین پر ٹکایا اور اوپر سے اس کو پکڑا اور اس کا نچلا حصہ زمین پر کرلیا تاکہ کوئی دوسرا اس کو نہ دیکھ سکے۔

اس سب کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو گرفتار یا قتل کرنے میں وہ تنہا ہی کامیاب ہو اس میں یا ان کے ساتھ جانے میں قوم کا کوئی دوسرا شخص شریک نہ ہو تاکہ تمام انعام تنہا ان کو ملے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ پھر میں روانہ ہوا میں نے اپنی زرہ پہنی اور اپنے نیزے کے پھل کو سیدھا کرلیا کیونکہ مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں بستی کے لوگ یعنی میری قوم کے لوگ میرے شریک نہ بن سکیں (لہذا انہوں نے نیزہ سنبھال لیا کہ اگر کسی نے اس کام یا انعام میں میرا شریک بننے کی کوشش کی تو میں اس کو ٹھکانے لگادوں گا)۔

سراقہ کہتے ہیں کہ آخر میں اپنی گھوڑی کے پاس پہنچ گیا، یہ مادہ گھوڑی تھی اور اس کا نام عود رکھا ہوا تھا ویسے فرس نر اور مادہ دونوں کو کہتے ہیں۔

کتاب نور میں ہے کہ یہاں فرس سے مراد گھوڑی ہے کیونکہ آگے اس روایت میں فَرَكِبْتُهَا اور بَالَغتُ فِي اَجوَائِهَا ہے جس کا مطلب گھوڑی پر سوار ہونا اور گھوڑی کو تیز دوڑانا ہے۔ اس کے علاوہ بھی روایت میں چند لفظ اور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گھوڑی تھی (یہ بحث اس لئے کی گئی کہ روایت میں اکثر جگہ فرس کا لفظ ہے جو اگرچہ نر اور مادہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عام طور پر اس سے نر مراد لے لیا جاتا ہے) میں نے گھوڑی کو بے تحاشہ دوڑایا یہاں تک کہ آخر میں آنحضرت ﷺ کو جالیا۔

سُراقہ کے لئے پہلی بد شگونی :۔...... سراقہ کہتے ہیں کہ پھر میری گھوڑی کو ٹھوکر لگی۔ (ی) اور وہ ناک کے بل گر پڑی جیسا کہ حضرت اسماءؓ کی حدیث میں بھی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر گھوڑی کھڑی ہو کر ہنہنانے لگی میں اس سے گر پڑا تھا، اب میں کھڑا ہوا اور میں نے اپنا ترکش نکال کر اس میں سے فال کے تیر نکالے، یہ دو تیر ہوتے تھے جن سے عرب فال نکالتے تھے اور اس میں دندانے نہیں ہوتے تھے، پھر میں نے ان سے فال نکالی کہ میں یہ کام یعنی تعاقب کروں یا نہیں، فال میں انکار نکلا جو میری مرضی کی خلاف تھا کہ میں نہ جاؤں، ان تیروں میں سے ایک پر کرو اور ایک پر نہ کرو لکھا ہوتا تھا۔ پہلے کو آمر یعنی حکم دینے والا اور دوسرے کو ناہی یعنی منع کرنے والا کہا جاتا تھا۔

معجزۂ رسول ﷺ اور سُراقہ کی سراسیمگی :۔...... غرض فال کے خلاف ہونے کے باوجود میں گھوڑے

پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا اور چلتے چلتے آنحضرت ﷺ کے قافلے کے اتنے قریب پہنچ گیا کہ آنحضرت ﷺ کے پڑھنے کی آواز سنائی دینے لگی، آپ ﷺ پیچھے مڑ مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ بار بار دیکھ رہے تھے، اسی وقت میری گھوڑی کی اگلی دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں حالانکہ یہاں زمین سخت تھی، میں گھوڑی سے اترا اور اسے ڈانٹا جس سے وہ کھڑی ہو گئی مگر اس کی ٹانگیں زمین سے نہ نکلیں، جیسے ہی وہ سیدھی ہوئی تو اس کے پیر مارنے کی وجہ سے فضا میں دھوئیں کی طرح گرد و غبار اور دھول ہو گئی، حالانکہ یہاں سخت اور پتھریلی زمین تھی، میں نے اسی وقت پھر فال نکالی مگر اس دفعہ بھی فال خلاف ہی نکلی۔

بدحواسی اور امان کی فریاد :-...... آخر اب میں نے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو پکار کر امان مانگی اور کہا "میری طرف دیکھئے، میں نہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤں گا اور نہ میری طرف سے آپ ﷺ کو کوئی ناگوار بات پیش آئے گی۔"

ایک روایت یہ ہے کہ میں نے ان سے پکار کر کہا،

"میں سراقہ ابن مالک ہوں میری طرف دیکھئے میں آپ ﷺ کا ہمدرد ہوں نقصان پہنچانے والا نہیں مجھے معلوم نہیں کہ میری بستی کے لوگوں کو میرے آنے کا پتہ ہو چکا ہے یا نہیں۔"

یعنی اگر ان کو اس کا پتہ ہو چکا ہے اور وہ بھی آرہے ہیں تو میں واپس جا کر ان کو آپ ﷺ کے پیچھے آنے سے روک دوں گا، آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا،

اس سے پوچھو وہ کیا چاہتا ہے ؟"

اور وہ رک گئے، تب میں نے ان سے بتلایا کہ لوگ ان کے پیچھے کیوں ہیں (یعنی قریش کی طرف سے انعام کے اعلان کے متعلق اطلاع دی)۔

دعائے رسول ﷺ اور گھوڑی کا چھٹکارہ :-...... ایک روایت میں ہے کہ اس وقت سُراقہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میری گھوڑی کو چھٹکارہ مل جائے تاکہ میں واپس چلا جاؤں اور کوئی دوسرا آپ ﷺ کا پیچھا کر رہا ہو تو اس کو بھی روک دوں۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ لوگو! اپنے رب سے دعا کرو اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب تمہارا پیچھا نہیں کروں گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ دعا فرمائی جس سے ان کی گھوڑی کو چھٹکارہ نصیب ہوا، اب گویا سُراقہ کا گھوڑی کو ڈانٹنا اور ان کا کھڑا ہو جانا آنحضرت ﷺ کی دعا کے بعد ہوا، لہٰذا اس گذشتہ جملے کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔

نگاہ نبوت سے سُراقہ کی کایا پلٹ :-...... سُراقہ کہتے ہیں کہ گھوڑی کو چھٹکارہ مل جانے اور اس کے اٹھنے کے بعد میں اس پر سوار ہوا اور آپ ﷺ کے پاس آیا، اب میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو قتل کرنے یا گرفتار کرنے والے کو سو لونٹ انعام دینے کا اعلان کیا ہے"

پچھلی روایت میں جو یہ جملہ گزرا ہے کہ تب میں نے ان سے بتلایا کہ لوگ ان کے پیچھے کیوں ہیں، اس سے یہی اطلاع مراد ہے، اگرچہ یہ اعلان آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ دونوں کے لئے تھا مگر سُراقہ نے یہاں

آنحضرت ﷺ کے بارے میں اطلاع دینا کافی سمجھا۔
سراقہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان حضرات کو زادِ راہ یعنی ناشتے اور ضروریات سفر کی پیشکش کی مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے متعلق رازداری رکھنا۔ ایک روایت میں ضروریات سفر کے لئے متاع کے بجائے حملان کا لفظ ہے اس سے مراد یہی ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ سراقہ نے کہا،
"یہ تیر، میرا ترکش اور میری بکری اور میرے اونٹ فلاں فلاں جگہ تک لے جا سکتے ہیں اس لئے ان میں سے جو چاہے لے لیجئے۔"
مگر انہوں نے فرمایا کہ نہیں تم اپنے آپ کو ہی روکے رکھو۔ سراقہ نے کہا کہ میں اپنے آپ کو آپ ﷺ کا پیچھا کرنے سے روک چکا ہوں۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سراقہ سے کہا،
"اے سراقہ! کیا تمہیں دین اسلام سے رغبت نہیں ہوتی، جہاں تک میرا تعلق ہے تو تمہارے اونٹوں اور مویشیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
حضرت ابو بکرؓ سے ایک روایت ہے کہ جب سراقہ نے انہیں پالیاں (یعنی ہمارا پیچھے جاتے ہوئے بالکل نزدیک اور سامنے آگئے) تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،
یا رسول اللہ! یہ تعاقب کرنے والا ہمارے قریب پہنچ چکا ہے۔
"آپ ﷺ نے فرمایا کہ غم مت کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔
پیچھے گزرا ہے کہ یہی جواب آپ ﷺ نے ان کو غار میں بھی دیا تھا۔ غرض حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ جب سراقہ اور ہمارے درمیان ایک نیزے یا تین نیزے کا فاصلہ رہ گیا تو میں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تعاقب کرنے والا ہمارے سروں پر پہنچ چکا ہے، یہ کہتے ہی میں رو پڑا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کس لئے روتے ہو۔ میں نے عرض کیا،
"خدا کی قسم! میں اپنی جان کے خوف سے نہیں روتا بلکہ میں آپ ﷺ کو خطرے میں دیکھ کر روتا ہوں۔"
اسی وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اے اللہ! ہمیں اس سے محفوظ رکھ۔" اس دعا کے ساتھ ہی سراقہ کی گھوڑی پیٹ تک زمین میں دھنس گئی حالانکہ وہاں زمین پتھریلی اور سنگلاخ تھی۔ اس سے پہلی روایت میں گزرا ہے کہ گھوڑی کی اگلی دونوں ٹانگیں زمین میں دھنس گئی تھیں، مگر اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے ایک دم ٹانگیں دھنسی ہوں اور اس کے بعد پیٹ تک دھنس گئی ہو اور یہ سب پہلی مرتبہ ہی میں ہوا ہو (پھر یہ کہ اگر پوری ٹانگیں دھنسیں گی تو بھی یہ کہا جائے گا کہ پیٹ تک دھنس گئی البتہ اس میں پیٹ شامل نہیں ہوگا)۔
کتاب امتاع میں ہے کہ جب سراقہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گئے تو اس کی گھوڑی کی اگلی ٹانگیں پیٹ تک زمین میں دھنس گئیں، اب یہ روایت پہلی سے مختلف نہیں ہوتی۔
(یہ معاملہ دیکھ کر سراقہ گھبرا گئے اور) انہوں نے پکار کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اے محمد میرے چھٹکارے کے لئے دعا کیجئے، اس کے بدلے میں میں آپ کا پیچھا کرنے والوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور گھوڑی کی گلو خلاصی ہوگئی۔ مگر سراقہ نے چھٹکارہ ملنے کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا، چنانچہ اب دوبارہ ان کی گھوڑی کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ دھنسیں۔ اب سراقہ نے کہا،

"اے محمد ﷺ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ میرے لئے آپ ﷺ کی بددعا کا اثر ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ٹانگیں دھنسنے کی بات پہلی مرتبہ میں پیش آئی اور دوسری مرتبہ میں پیٹ تک دھنس گیا تھا، اسی بات کی تائید آگے آنے والے قصیدہ ہمزیہ کے شعر سے بھی ہو رہی ہے غالباً مراد یہ ہے کہ دوسری مرتبہ میں گھوڑی کے پیٹ کا کچھ حصہ بھی دھنس گیا تھا۔

ایک روایت میں سراقہ کے یہ جملے ہیں کہ میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ آپ ﷺ ہی کا کیا ہوا ہے، اب میرے لئے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ میرے پیچھے بھی کچھ لوگ آپ ﷺ کی تلاش میں آرہے ہیں۔ غرض پھر آنحضرت ﷺ کی دعا سے ان کو چھٹکارہ ملا۔

ہمدانی کی کتاب سبعیات میں ہے کہ جب سراقہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچے تو انہوں نے چیخ کر کہا۔

"اے محمد ﷺ ! اب مجھ سے تمہیں بچانے والا کون ہے ؟"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

مجھے وہی بچائے گا جو جبّار و قہار اور اکیلا ہے۔"

اسی وقت جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے،

"اے محمد ﷺ ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے پوری زمین کو آپ ﷺ کا تابع فرمان کر دیا ہے اس لئے آپ ﷺ جو چاہیں اس کو حکم دیں۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے زمین سے فرمایا کہ اس شخص یعنی سراقہ کو پکڑ لے، چنانچہ زمین نے سراقہ کی سواری کی ٹانگوں کو گھٹنوں تک اپنی گرفت میں لے لیا، اب سراقہ نے گھوڑی کو چلانا چاہا مگر وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکی تب سراقہ نے آپ ﷺ کو پکارا اور کہا،

"اے محمد ﷺ ! امان دو۔ میں عزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ ﷺ نے مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دی تو آپ ﷺ کا ہمدرد ثابت ہوں گا دشمن نہیں۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"اے زمین اس کو چھوڑ دے۔"

آپ ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ زمین نے اس کو چھوڑ دیا۔

<u>سُراقہ کی سات مرتبہ وعدہ خلافی</u> :-...... بعض تفسیروں میں یہ ہے کہ سراقہ نے سات مرتبہ وعدہ کیا کہ اب میں آپ ﷺ کا پیچھا نہیں کروں گا، اور جب چھٹکارہ مل جاتا تو ہر مرتبہ وہ اپنے قول سے پھر جاتے، نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کی گھوڑی کی ٹانگیں پھر زمین کی گرفت میں آجاتیں۔

اس حوالے میں گھوڑی کی صرف ٹانگیں دھنسنے کا ذکر ہے پیٹ تک دھنسنے کا نہیں، مگر اس اختصار سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے اور اس سے گذشتہ روایت کی مخالفت نہیں ہوتی۔ غرض ساتویں مرتبہ میں سراقہ

نے سچے دل سے توبہ کی۔

کتاب فصول المہمہ میں ہے کہ جب مکے سے آنحضرت ﷺ کی روانگی کی خبر مکے میں پہنچی جو آپ ﷺ کے غار سے روانہ ہونے کے اگلے دن کی بات ہے تو ابو جہل نے لوگوں کو اپنے پاس جمع کیا اور ان سے بولا۔

"مجھے خبر ملی ہے کہ محمد ﷺ ساحل کے راستے سے مدینے کے لئے روانہ ہوگئے ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ دو آدمی اور ہیں، اب تم میں سے کون ہے جو ان کے متعلق مجھے کوئی خبر لا کر دے۔

یہ سنتے ہی سراقہ اچھل کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ ابوالحکم محمد کا میں ذمہ لیتا ہوں (یعنی ان کے متعلق میں خبریں لاؤں گا)۔

اس کے بعد سراقہ جلدی سے اونچی اونٹنی پر سوار ہوئے اور اپنی گھوڑی کو انہوں نے اپنے ساتھ رکھا انہوں نے اپنے غلام کو بھی ساتھ لیا جو ایک سیاہ فام حبشی غلام تھا اور مشہور بہادروں میں سے تھا اور پھر سراقہ نہایت تیز رفتاری سے آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوگئے یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کو جالیا حضرت ابو بکرؓ نے اس تعاقب کرنے والے کو دیکھا تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یہ سراقہ ہے۔ جو ہمارا تعاقب کرتے ہوئے آپہنچا ہے اور اسکے ساتھ اس کا مشہور سیاہ فام غلام بھی ہے۔"

سراقہ نے جیسے ہی آنحضرت ﷺ کو دیکھا وہ اپنی اونٹنی پر سے اتر کر گھوڑی پر سوار ہوگئے، پھر انہوں نے اپنا نیزہ سنبھالا اور آپ ﷺ کی طرف بڑھے جیسے ہی وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچے آپ ﷺ نے دعا فرمائی،

"اے اللہ! تو جس طرح چاہے جہاں چاہے اور جو چاہے اسی طرح ہمیں سراقہ سے بچا"

آپ ﷺ کا یہ دعا فرمانا تھا کہ سراقہ کی گھوڑی کی اگلی ٹانگیں زمین میں غائب ہوگئیں اور وہ حرکت کرنے کے قابل بھی نہ رہی۔ سراقہ نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ ایک دم دہشت زدہ ہو کر گھوڑی پر سے کود پڑے اور اپنا نیزہ پھینک کر بولے،

اے محمد! آپ آپ ہی ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھی بھی! میرے چھٹکارہ کے لئے اپنے رب سے دعا فرمایئے، میں آپ ﷺ سے عہد اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ ﷺ کا پیچھا چھوڑ کر ہٹ جاؤں گا۔"

آنحضرت ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی،

"اے اللہ! اگر یہ شخص اپنی بات میں سچا ہے تو اس کی سواری کو چھٹکارہ دے دے۔"

(قال) اللہ تعالیٰ نے اس کو گلو خلاصی عطا فرمادی اور گھوڑی اچھل کر سیدھی کھڑی ہوگئی۔

غالباً یہ تفصیل دوسری مرتبہ یا ساتویں مرتبہ کی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ نیز گذشتہ بیان میں صرف ٹانگیں دھنسنے کے ذکر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گھوڑی کا پیٹ نہیں دھنسا تھا۔

قریش سے سُراقہ کا جھوٹ اور ابو جہل کی تیز بینی :-...... غرض اس کے بعد سراقہ یہاں سے واپس مکہ گئے اور وہاں انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ مجھے محمد کہیں نہیں ملے۔ ابو جہل نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا اور اصرار کرتا رہا کہ سچی بات بتاؤ۔ آخر سراقہ نے اعتراف کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ تک پہنچ جانے میں کامیاب ہوگئے تھے اور ساتھ ہی انہوں نے وہ سارا واقعہ بھی بتلایا جو ان کو پیش آیا تھا۔ اسی واقعہ میں

ابو جہل کو مخاطب کرتے ہوئے سراقہ کہتے ہیں،

اَبَا حَکَمٍ وَاللّٰہُ لَوْ کُنْتَ شَاھِدًا
لِاَمْرِ جَوَادِیْ اِذْ تَسُوْخُ قَوَائِمُہٗ

ترجمہ :- اے ابوالحکم خدا کی قسم اگر تو اس وقت میری گھوڑی کے ساتھ پیش آنے والا معاملہ دیکھتا جبکہ اس کی اگلی ٹانگیں زمین میں دھنس گئی تھیں۔

عَلِمْتَ وَلَمْ تَشُکَّ بِاَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُوْلٌ بِبُرْھَانٍ فَمَنْ ذَایُقَاوِمُہٗ

ترجمہ :- تو بغیر کسی شک و شبہ کے تو یہ بات جان لیتا کہ محمد ﷺ کھلی دلیلوں کے ساتھ آنے والے پیغمبر ہیں لہذا کون ان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اس روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سراقہ آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں مکے سے روانہ ہوئے تھے، اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ثور پہاڑ پر بھی آنحضرت ﷺ کے نشان قدم تلاش کرنے والوں میں یہ شامل تھے جیسا کہ بیان ہوا، مگر گذشتہ روایت میں گزرا ہے کہ سراقہ آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں قدید کی بستی سے روانہ ہوئے تھے جہاں وہ اپنی قوم کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ کہ انہوں نے اپنا جانا اور اپنی گھوڑی کا نکلوانا اپنی قوم سے چھپایا تھا ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

اس اختلاف کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے جب سراقہ مکے سے روانہ ہوئے تو انہوں نے وہ راستہ اختیار نہ کیا ہو جس سے آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے تھے اس لئے یہ آپ ﷺ کو نہ پا سکے ہوں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے قدید پہنچ گئے ہوں اور وہاں اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھ گئے ہوں یہاں اچانک انہیں پھر معلوم ہوا ہو کہ فلاں مقام سے آنحضرت ﷺ کو گزرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، لہذا یہ یہاں سے پھر آپ ﷺ کی تلاش میں گئے ہوں، پھر انہوں نے راہ میں اپنے سیاہ فام غلام کو پایا ہو جس کے ساتھ اس کی اونٹنی بھی تھی، یہاں انہوں نے گھوڑی کو چھوڑ کر اونٹ پر سفر کیا ہو اور اپنے اس غلام کو بھی ساتھ لے لیا ہو۔ اس بارے میں کوئی اشکال نہیں ہوتا کہ سراقہ مکے سے اس وقت روانہ ہوئے ہوں جبکہ آنحضرت ﷺ غار سے چل چکے تھے اور پھر آپ ﷺ سے پہلے قدید پہنچ گئے ہوں۔ اسی طرح سراقہ کے اس جملہ سے بھی کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ، پھر ہمارے پاس قریش کے قاصد آئے کیونکہ ممکن ہے سراقہ کو مکہ جانے پر اکسانے والی یہی بات رہی ہو کہ ممکن ہے وہ آپ ﷺ کو راستے ہی میں پالیں۔ اسی طرح سراقہ کے ان نشان قدم کے ماہروں میں شامل ہونے پر بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے وہ اس سے پہلے قدید واپس آگئے ہوں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سراقہ نے پیچھے گزرنے والے وہ دو شعر ابو جہل کو لکھ کر بھیجے تھے، مگر اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے ابو جہل کو زبانی سنانے سے پہلے انہوں نے یہ لکھ کر بھی بھجوائے ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سراقہ آنحضرت ﷺ تک پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ سراقہ کو گرا دے چنانچہ وہ اسی وقت اپنے گھوڑے پر سے گر پڑے تب سراقہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

اے اللہ کے نبی! آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"اپنی جگہ پر رہو اور کسی کو بھی ہم تک نہ پہنچنے دو۔"

اب یہاں یہ احتمال ہے کہ جب سراقہ کی گھوڑی زمین میں دھنسی اس وقت سراقہ اس پر سے گر پڑے ہوں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے پہلے ہی گرے ہوں جیسا کہ پہلی روایت کے ظاہر سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ جملہ ہے کہ، میری گھوڑی نے مجھے اچھال دیا جس سے میں اس پر سے گر پڑا۔ اب یہ کہنا چاہئے کہ گھوڑی کا اچھالنا رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

سراقہ کے لئے نبی ﷺ کا امان نامہ :-...... سراقہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے لئے ایک امان نامہ لکھ کر دیدیں کیونکہ جب مجھے اور میری گھوڑی کو ان کے قریب پہنچ کر یہ حادثہ پیش آیا تو میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ضرور پھیل کر رہے گا اور آپ ﷺ سب پر غالب آئیں گے۔

کتاب سبعیات میں ہے کہ سراقہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"اے محمد ﷺ میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ کا پیغام دنیا میں پھیل کر رہے گا اور آپ ﷺ لوگوں کی گردنوں کے مالک ہوں گے، اس لئے مجھے وعدہ دیجئے کہ جب آپ ﷺ کی سلطنت کے دور میں میں آپ ﷺ کے پاس آؤں تو آپ میرے ساتھ عزت کا معاملہ کریں گے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عامر ابن فہیرہؓ کو حکم دیا۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا جنہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر یہ امان نامہ لکھ کر دیا۔ ایک قول ہے کہ ایک ہڈی پر لکھ کر دیا تھا اور ایک قول کے مطابق کپڑے پر لکھ کر دیا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں یہ بات ممکن ہے کہ پہلے عامر ابن فہیرہؓ نے یہ تحریر لکھ دی ہو مگر پھر سراقہ نے مطالبہ کیا ہو کہ تحریر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ کی ہونی چاہئے۔ چنانچہ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو لکھنے کا حکم دیا ہو، اب ان میں سے ایک نے چمڑے پر لکھ کر دیا ہو اور پھر دوسرے نے ہڈی یا کپڑے پر لکھ دیا ہو، یا ممکن ہے کپڑے کے ٹکڑے سے مراد بھی چمڑا ہی ہو، بہر حال ان مختلف روایتوں سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ کی ایک حیرتناک پیشینگوئی :-...... پھر جب سراقہ نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا،

"اے سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے"

سراقہ نے پوچھا، کیا کسریٰ ابن ہرمز کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں!۔ آگے تفصیل آرہی ہے کہ سراقہ جعرانہ کے مقام پر مسلمان ہوئے تھے، جب یہاں یہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، تمہیں خوش آمدید۔

خود سراقہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حنین اور طائف کے معرکوں سے فارغ ہو چکے تو میں آپ ﷺ سے ملنے کے لئے روانہ ہوا میرے ساتھ وہ امان نامہ بھی تھا جو میں نے آپ ﷺ سے حاصل کیا تھا، آخر جعرانہ کے مقام پر میری آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، میں انصاری سواروں کے درمیان سے لشکر کے اس حصے کی طرف روانہ ہوا جہاں آنحضرت ﷺ تھے، وہ مجھے نیزے کی انیوں پر روکنے اور مجھ سے کہنے لگے کہ

ٹھہرو تم کیا چاہتے ہو، مگر میں آگے بڑھتا گیا آخر میں آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے میں نے فوراً وہ امان نامہ ہاتھ میں لے کر اٹھادیا، پھر میں نے کہا۔

"یارسول اللہ! یہ میرا وہ امان نامہ ہے اور میں سراقہ ہوں"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہ وعدہ پورا کرنے اور خوش خبری دینے کا دن ہے، قریب آجاؤ۔"

میں آپ ﷺ کے قریب گیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔

خلافت فاروقی میں پیشین گوئی کی تکمیل :-...... پھر حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں جب کسریٰ فارس کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کے بعد اس کے کنگن، اس کا تاج، اس کا پٹکا اور اس کے بیٹھنے کی مسند فاروق اعظمؓ کی خدمت میں لائی گئی یہ مسند ساٹھ ہاتھ مربع تھی جس میں فصل ربیع کے پھولوں کے بعد نگوں کے موتی اور جواہرات پروئے ہوئے تھے، یہ مسند اس کے محل میں اس کے بیٹھنے کے لئے بچھائی جایا کرتی تھی، یہ اس پر بیٹھ کر اس موسم میں شراب پیتا تھا، جب اس فصل کے پھول کھلتے ہوئے نہیں ہوتے تھے (اور اس طرح ان تمام پھولوں کے رنگ موتیوں اور جواہرات میں دیکھ کر دل بہلاتا تھا) ان چیزوں کے ساتھ ساتھ کسریٰ کا زبردست مال ودولت بھی لایا گیا تھا اور شہنشاہ کسریٰ کی تینوں شہزادیاں بھی لائی گئی تھیں، ان کے جسموں پر ایسے ایسے بیش قیمت لباس اور ہیرے جواہرات سے مزین پوشاکیں تھیں کہ زبان ان کی تعریف اور بیان کرنے سے مجبور ہے۔

کسرائے فارس کے کنگن اور شہزادیاں :-...... اسی وقت حضرت عمرؓ نے سراقہؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا،

"اپنے ہاتھ بڑھاؤ اور یہ کنگن پہن لو۔!"

پھر ساتھ ہی فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا کہ یہ کہو،

" تمام تعریفیں اسی ذات خداوندی کو سزاوار ہیں جس نے یہ چیزیں کسریٰ ابن ہرمز (شہنشاہ ایران) سے چھین لیں جو یہ کہا کرتا تھا کہ میں انسانوں کا پروردگار ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی وہ کنگن حضرت سراقہؓ ابن مالک نے پہن لئے۔ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے یہ بات فرمائی تھی، پھر کسریٰ فارس کا وہ تمام مال ودولت مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر کر دیا گیا اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ پھر انہوں نے کسریٰ کی اس قیمتی مسند کو کاٹ کر اس کے ٹکڑے کئے اور اس کو بھی مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا، ان میں سے ایک ٹکڑا حضرت علیؓ کے حصے میں بھی آیا جنہوں نے اس کو پچاس ہزار دینار میں فروخت کیا۔

اے تماشاگاہ عالم :-...... اس کے بعد بادشاہ کی تینوں شہزادیوں کو سامنے لایا گیا جو فاروق اعظمؓ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں، اس کے بعد اعلان کرنے والے نے ان شہزادیوں کی بولی لگانے کا اعلان کیا اور کہا کہ ان کے چہروں سے نقاب اتار دیئے جائیں تاکہ مسلمان زیادہ سے زیادہ بولی لگا سکیں شہزادیوں نے اپنے چہروں سے نقاب الٹنے سے انکار کر دیا اور اعلان کرنے والے کے سینہ میں ٹھوکر ماری۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر غضبناک ہو گئے اور انہوں نے چاہا کہ ان پر اپنا دُرّہ اٹھائیں اس وقت وہ شہزادیاں رو رہی تھیں۔ حضرت علیؓ نے فاروق اعظمؓ سے کہا،

"رحم کا معاملہ کیجئے اے امیر المومنین! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی ذلیل ہونے

والی قوم کے معزز لوگوں کے ساتھ رحم اور احترام کا معاملہ کرو اور فقیر ہو جانے والی قوم کے دولت مندوں کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرو۔"

یہ حدیث سن کر حضرت عمرؓ کا غصہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا، تب حضرت علیؓ نے پھر حضرت عمر سے کہا،

"شہزادیوں کے ساتھ دوسری عورتوں جیسا معاملہ نہیں کیا جانا چاہئے۔"

حضرت عمر نے فرمایا،

"پھر ان کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا جانا چاہئے۔"

شہزادیوں سے حسن معاملہ اور حضرت علیؓ کا حسن تدبیر :-...... حضرت علیؓ نے فرمایا،

"ان کی قیمت طے کر کے بتادی جائے اور پھر جب بھی ان کی وہ قیمت لگ جائے تو وہ بولی لگانے والی قیمت لے کر سامنے آجائے جس نے ان کو پسند کیا ہے۔"

چنانچہ ان کی قیمت لگائی گئی پھر ان کو حضرت علیؓ لے گئے، آخر ان میں سے ایک حضرت عبداللہ ابن عمر فاروقؓ کو دی گئی جس سے ان کے بیٹے سالم ابن عبداللہ ہوئے۔ دوسری حضرت محمد ابن ابو بکرؓ کو دی گئی جس سے ان کے بیٹے قاسم ہوئے۔ تیسرے حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت حسینؓ کو دی گئی جس سے ان کے بیٹے علیؓ پیدا ہوئے جن کا لقب زین العابدین ہے۔

ایرانی شہزادیوں کے بطن سے علماء اسلام :-...... ان کے یہ تینوں بیٹے اپنے علم و فضل کے اعتبار سے تمام مدینے والوں میں اونچے درجہ کے اور سب سے آگے تھے اس واقعہ سے پہلے مدینے کے لوگ باندیوں کے ساتھ ہمبستری کو پسند نہیں کرتے تھے مگر جب یہ تینوں نوجوان ان میں پیدا ہوئے تو وہ بھی اس کو ماننے لگے

ایک حیرتناک واقعہ :-...... ایک بزرگ نے ایک بہت عجیب روایت بیان کی ہے کہ میں حضرت سعید ابن مسیبؒ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا، سعیدؒ نے ایک ایک روز ازراہ تعلق مجھ سے پوچھا۔

"آپ کے ننہال والے کون لوگ ہیں ؟"

میں نے کہا کہ میری ماں ایک باندی تھیں، اس خبر کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے میں سعید ابن مسیب کی نظروں میں گر گیا، پھر ایک دن جبکہ میں ان کے پاس بیٹھے ہوا تھا کہ اچانک حضرت سالم ابن عبداللہ ابن عمر فاروقؓ وہاں آگئے (یعنی وہی سالم جو ایک باندی یعنی شہنشاہ فارس کسریٰ کی شہزادی کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔) غرض کچھ دیر بیٹھ کر جب حضرت سالمؒ وہاں سے چلے گئے تو میں نے حضرت سعیدؒ سے کہا۔

"اے چچا یہ کون تھے ؟"

انہوں نے حیرت سے کہا،

"سبحان اللہ! کیا تم اپنی قوم کے ان جیسے شخص کو نہیں جانتے، یہ سالم ابن عبداللہ ابن عمرؓ تھے۔"

میں نے کہا،

"کیا آپ جانتے ہیں ان کی ماں کون تھیں ؟"

انہوں نے کہا ایک باندی تھیں۔

اس کے بعد اسی مجلس میں حضرت قاسم ابن محمد ابن ابو بکرؓ آئے اور بیٹھ گئے، جب وہ بھی چلے گئے تو میں نے پھر سعیدؒ سے پوچھا کہ چچا یہ کون تھے۔ انہوں نے کہا تم عجیب آدمی ہو کیا تم ان کو بھی نہیں جانتے یہ

حضرت قاسم ابن محمد ابن ابو بکرؓ تھے۔ میں نے کہا ان کی ماں کون تھیں، انہوں نے کہا ایک باندی تھیں۔
اسکے بعد اتفاق سے وہاں حضرت علی ابن حسین ابن علیؓ آگئے، کچھ دیر بیٹھ کر جب وہ بھی چلے گئے تو میں نے پھر پوچھا کہ یہ کون تھے؟ وہ کہنے لگے مجھے تم پر تعجب ہے تم ان کو بھی نہیں جانتے یہ حضرت علیؓ زین العابدین ابن حسینؓ ابن علیؓ تھے، میں نے کہا اور ان کی ماں کون تھیں، انہوں نے کہا ایک باندی تھیں، تب میں نے کہا۔

"اے چچا! میں نے محسوس کیا تھا کہ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میری ماں ایک باندی تھیں تو میں آپؓ کی نظروں میں گر گیا تھا، اب بتائیے کیا مجھ میں ان ہی حضرات کی سنت موجود نہیں ہے۔"

انہوں نے (اس کو محسوس کرتے ہوئے) کہا کہ بے شک یہی بات ہے۔ اور اس کے بعد وہ میری بہت عزت و توقیر کرنے لگے۔

غرض جب آنحضرت ﷺ سے وہ امان نامہ لے کر سراقہ وہاں سے واپس ہوئے تو وہ آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں آنے والے ہر شخص کو واپس کرنے لگے، وہ جس کو بھی آتا دیکھتے اسؓ سے کہتے ہیں کہ میں سارا راستہ دیکھ آیا ہوں مجھے کوئی نہیں ملا۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ قریش کے لوگوں کی جو جماعت آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں جارہی تھی اور اس طرح کہ گویا ان کو اس جگہ اور راستے کا پتہ ہو گیا تھا جس پر آنحضرت ﷺ جارہے تھے، سراقہ نے ان سے کہا

"آپ کو معلوم ہے کہ راستوں کے متعلق مجھے کتنی واقفیت ہے، میں ان راستوں پر بہت چل کر آرہا ہوں مگر مجھے کوئی بھی نہیں ملا۔"

یہ سن کر وہ قریشی جماعت وہیں سے واپس ہو گئی۔ (ی) کیونکہ قریشی کافروں کو اپنے اعلان کرنے والے اور دوسرے لوگوں کے ذریعہ پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ راستے میں امّ معبد کے خیمے میں ٹھہرے ہیں جیسا کہ آگے آئے گا تو انہوں نے اپنا ایک دستہ آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں روانہ کیا اور اس سے انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ کو اس سے پہلے ہی پکڑ لو کہ وہ عرب کے کتوں سے مدد حاصل کر سکے۔ لہذا یہاں یہ احتمال ہے کہ سراقہ نے قریش کی جس جماعت کو راستے ہی سے واپس کر دیا تھا وہ یہی دستہ ہو گا۔ اب گویا یوں کہنا چاہئے کہ سراقہ دن کے ابتدائی حصے میں تو خود آنحضرت ﷺ پر حملہ آور کی حیثیت رکھتے تھے لیکن دن کے آخری حصے میں وہی سراقہ خود آنحضرت ﷺ کے بچاؤ کا ایک ہتھیار بن گئے تھے۔

ایک روایت میں سراقہ کہتے ہیں کہ جب میں روانہ ہوا تھا تو میری سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کو پکڑ لوں اور جب میں واپس ہو رہا تھا تو میری سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ آپ ﷺ کے بارے میں کسی کو کچھ نہ معلوم ہونے پائے۔

<u>دشمنان رسول ﷺ کی بادیہ پیمائی</u> :-...... یہ بھی ممکن ہے کہ قریش کی جس جماعت یا دستے کو سراقہ نے راستے میں سے واپس کر دیا تھا وہ لوگ اس کے بعد بھی اُمّ معبد کے خیمے پر گئے ہوں۔ کیونکہ اسی روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ یہ دستہ اُمّ معبد کے پاس پہنچا تھا اور انہوں نے اس سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ اس کو ان کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے متعلق ڈر ہوا (کہ یہ لوگ کہیں آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچادیں) اس لئے ان سے اپنی بے خبری اور لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا،

"تم لوگ مجھ سے ایسے معاملہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو جس کے متعلق میں نے آج سے پہلے کبھی

کچھ نہیں سنا۔"

(قریش کے لوگ اس کے باوجود بھی اس سے الجھتے اور اس کو ڈراتے دھمکاتے رہے تو) پھر اس نے کہا

"اگر تم لوگ میرا پیچھا نہیں چھوڑو گے تو میں شور مچا کر اپنی قوم کے لوگوں کو بلا لوں گی۔"

یہ اُمّ معبد اپنی قوم میں بہت معزز عورت تھی اسی لئے قریشی لوگ اس کے پاس سے ناکام ہو کر واپس ہو گئے اور ان کو کچھ پتہ نہ چل سکا کہ آپ ﷺ کدھر گئے ہیں اور آپ ﷺ نے کون سا راستہ اختیار کیا ہے۔ اُمّ معبد کی اس دھمکی سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریش کے لوگ اس پر دباؤ ڈال رہے تھے۔

اب اگر سراقہ نے قریش کے اسی دستے کو راستے میں سے واپس کر دیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد ہی یہ لوگ اُمّ معبد کے پاس گئے تھے۔

سراقہ کے واقعہ کی طرف اصل یعنی کتاب عیون الاثر نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

غَرَّتْ سُرَاقَةَ اَطْمَاعٌ فَسَاخَ بِهِ
جَوَادَهٗ فَانْثَنٰى لِلصُّلْحِ مُطَّلِبًا

ترجمہ :- سراقہ کو حرص و ہوس اور لالچ نے اندھا کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ صلح اور امن کا طلبگار ہوں کر لوٹا۔

قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اس واقعہ کی طرف اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَاقْتَفٰى اَثَرَهٗ سُرَاقَةُ فَاسْتَهْوَتْهُ
فِيْ الْاَرْضِ صَافِنٌ جَرْدَاءَ
ثُمَّ نَادَاهُ بَعْدَ مَا سَمِيَتِ الْخَسْفُ
وَقَدْ يَنْجُدُ الْغَرِيْقُ النِّدَاءَ

مطلب :-...... سراقہ نے جوں ہی آپ ﷺ کا تعاقب کیا اس کی بہترین کم بالوں والی گھوڑی گر پڑی، (صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر زور دے کر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھی ٹانگ کا صرف کھر زمین پر ٹکائے رکھتا ہے۔ ایسا گھوڑا اصیل اور عمدہ شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح جرداء بھی، عمدہ گھوڑے کی ایک خوبی ہے کہ اس کے جسم پر کم بال ہوں مقصد یہ ہے کہ سراقہ کے پاس بہترین گھوڑی تھی اس کے گرنے میں گھوڑی کے کسی عیب کو دخل نہیں تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ تھا) پھر جب سراقہ نے یہ محسوس کیا کہ گھوڑی کہیں ساری ہی زمین میں نہ دھنس جائے تو انہوں نے گھبرا کر آنحضرت ﷺ سے فریاد کی کہ آپ ﷺ کی دعا ہی ان کو چھٹکارہ دلا سکتی ہے، جیسا کہ حضرت یونسؑ کے ساتھ واقعہ پیش آیا تھا۔

راہ مدینہ میں پہلا قیام :-...... (قال) غرض حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ اس روز ہم تمام رات چلے یہاں تک کہ چلتے چلتے اگلے دن دوپہر کا وقت ہو گیا اور راستہ خالی ہو گیا آس پاس کوئی نظر نہیں آرہا تھا اچانک ہم نے دیکھا کہ ہمارے سامنے ایک بڑی چٹان کھڑی ہوئی ہے جس کا سایہ کافی جگہ تک پھیل رہا تھا، ہم نے اس چٹان کے پاس پڑاؤ ڈال دیا، اس کے بعد میں چٹان کے پاس گیا، وہاں میں نے اپنے ہاتھ سے جگہ صاف کی تاکہ وہاں چٹان کے سائے میں آنحضرت ﷺ سو سکیں، پھر میں نے اس جگہ ایک پوستین بچھادی جو میرے ساتھ تھی، اس کے بعد میں نے آپ ﷺ سے کہا۔

"یارسول اللہ ﷺ! یہاں سو جائیے جن لوگوں کی طرف سے ڈر ہے میں ان کا خیال رکھوں گا کیونکہ

میں ان کو خوب پہچانتا ہوں۔"

چنانچہ آپ ﷺ سوگئے، اسی وقت میں نے دیکھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں لئے اسی چٹان کی طرف اسی مقصد سے جس مقصد سے ہم آئے تھے یعنی سایہ لینے آرہا ہے میں اس سے ملا اور بولا کہ تم کس کے ہو، اس نے بتایا کہ وہ مکے کے ایک شخص کا چرواہا ہے، جب اس نے اس شخص کا اتا پتا بتلایا اور نام لیا تو میں اس کو پہچان گیا۔

علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ میں اس چرواہے کے نام سے واقف نہیں ہوں اور نہ ہی بکریوں کے مالک کا نام جانتا ہوں، حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تمہاری بکریوں میں کوئی دودھ دینے والی بھی ہے؟"

اس نے کہا، "ہاں!" پھر وہ ایک بکری سامنے لایا اور اس نے اپنے ایک برتن میں اس کا دودھ دوہ کیا مجھے دیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ میرے ایک بٹنے میں دودھ نکال کر دیا جس میں میں نے کپڑا اڑا لا ہوا تھا پھر میں وہ دودھ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا، میں نے اسے پسند نہیں کیا کہ آپ ﷺ کو سوتے سے جگاؤں چنانچہ میں اس وقت تک کھڑا رہا جب تک کہ آپ ﷺ جاگ نہ گئے۔

اس کے بعد میں نے دودھ میں پانی کی دھار ڈالی جس سے وہ ٹھنڈا ہو گیا، پھر میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ دودھ نوش فرمایئے چنانچہ آپ ﷺ نے دودھ پی لیا، کیونکہ مسافر کے لئے اس طرح کا دودھ پینا عرب میں پہلے ہی سے جائز تھا بشرطیکہ مسافر ضرورتمند ہوں، چنانچہ ہر چرواہے کو اس کا اختیار ہوتا تھا کہ وہ ایسے موقعہ پر کسی مسافر کے لئے بغیر مالک سے پوچھے دودھ دوہ کر دے سکتا ہے جیسا کہ یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے ورنہ ایک حدیث ہے کہ تم میں سے کوئی کسی شخص کے مویشی کا دودھ بغیر اس کی اجازت کے نہیں نکال سکتا۔ مگر یہ حدیث اس کی مخالف نہیں ہے (کیونکہ ضرورت مند مسافر کے لئے یہ عام اجازت تھی) یا پھر یہ کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ بغیر چرواہے کی اجازت کے کسی کے لئے دودھ لینا جائز نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ یہ ایک حربی یعنی دار الحرب کے آدمی کا مال تھا، مگر یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ حربیوں کا مال اس وقت تک آپ ﷺ کے لئے جائز قرار نہیں دیا گیا تھا۔

دودھ پی لینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا۔

"کیا روانگی کا وقت ابھی نہیں ہوا؟"

صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، بے شک ہو گیا ہے! چنانچہ اسکے بعد ہم روانہ ہو گئے جب کہ سورج ڈھل چکا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ روانگی کا وقت ہو گیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے پہلے آنحضرت ﷺ نے وہی سوال کیا ہو اور پھر صدیق اکبرؓ نے یہی جواب دیا ہو۔

اُمّ معبد کے یہاں دوسری منزل :-...... غرض اس کے بعد یہ قافلہ اُمّ معبد کے والے راستے پر بڑھتا رہا اُمّ معبد کا نام عاتکہ تھا اور ان کا گھر بھی قدید میں تھا جس کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ سراقہ کا وطن تھا، اب اس کا مطلب یہ ہو گا کہ عاتکہ یعنی اُمّ معبد بستی کے اس کنارے پر رہتی تھیں جو مدینے کی طرف تھا اور سراقہ کا مکان شہر کی اس سمت میں تھا جو مکے کی طرف تھا اور یہ کہ بستی کی لمبائی کافی زیادہ تھی، بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

غریب مگر شریف خاتون :-...... یہ اُمّ معبد ایک نڈر اور شریف عورت تھیں اور اپنے خیمے کے دالان

میں بیٹھی رہتی تھیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی کھانے پینے سے تواضع کی مگر ان کو نہیں معلوم تھا کہ ان کے مہمان کون ہیں۔ (ی) مہمانوں نے ان سے گوشت اور کھجوروں کی درخواست کی اور ایک روایت کے مطابق دودھ کی درخواست کی کہ وہ قیمت دے کر خریدنا چاہتے ہیں، اس پر معبد نے کہا۔

"خدا کی قسم اگر ہمارے پاس کوئی چیز ہوتی تو ہم قیمت لے کر دینے کے بجائے بلا قیمت ہی آپ کو دے دیتے۔"

ایک اور معجزہ :- ...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم آپ حضرات کو کسی چیز کی تکلیف ہی نہ دیتے۔ (ی) کیونکہ یہ حضرات مسکین اور خالی ہاتھ تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اُمّ معبد سے فرمایا۔

"اُمّ معبد! کیا تمہارے پاس دودھ ہے؟"

انہوں نے کہا نہیں! اسی وقت آپ ﷺ کی نظر وہاں ایک بکری پر پڑی جو اُمّ معبد کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی، یہ اتنی کمزور اور دُبلی تھی کہ گلّے کے ساتھ بھی نہیں جا سکی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا کیا اس کے تھنوں میں دودھ ہے؟ ام معبد نے کہا کہ اس کمزور بکری کے تھنوں میں دودھ کہاں سے آئے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"کیا تم مجھے اس کو دوہنے کی اجازت دو گی؟"

اُمّ معبد نے کہا

"خدا کی قسم اس کو کسی نر بکرے نے چھوا بھی نہیں، اس لئے خود سوچ لیجئے۔"

خشک تھنوں سے دودھ کی دھاریں :- ...... یعنی اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے دودھ نکال سکتے ہیں تو ضرور نکال لیجئے میری طرف سے اجازت ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنے قریب منگایا اور اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُمّ معبد کے بیٹے معبد سے کہا جو اس وقت کم عمر تھا کہ یہ بکری ادھر لاؤ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکے کئی بکریاں لے کر آؤ، پھر آپ ﷺ نے ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے تھنوں اور کمر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اللہ کا نام لیا۔ یعنی آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ شَاتِنَا یعنی اے اللہ! ہماری اس بکری میں ہمارے لئے برکت عطا فرما۔ آپ ﷺ کا دعا پڑھنا تھا کہ ان کے تھن بھر گئے اور ان سے دودھ ٹپکنے لگا۔ یعنی ان کی ٹانگوں کے درمیان باکھ بھر گیا پھر آپ ﷺ نے ایک برتن منگایا جو اتنا بڑا تھا کہ اس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہو سکیں۔ یعنی جس میں اتنا دودھ آجائے کہ آٹھ دس آدمی آرام سے سیر ہو کر پئیں اور سو جائیں۔ یہاں رھط کا لفظ استعمال ہوا ہے جو تین سے دس آدمیوں تک آدمیوں کی جماعت کے لئے بولا جاتا ہے۔ ایک قول ہے کہ نو سے چودہ آدمیوں تک پر بولا جاتا ہے۔

غرض آپ ﷺ نے قوت صرف کر کے بکری کا دودھ نکالا کیونکہ تھنوں میں دودھ بہت زیادہ بھر گیا تھا۔ اور اس میں اوپر تک جھاگ اٹھ گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اُمّ معبد کو بھی دودھ پیش کیا اور انہوں نے سیر ہو کر پیا، اس کے بعد آپ ﷺ کے ساتھیوں نے دو دفعہ سیر ہو کر پیا اور پھر خود آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا۔

یعنی آپ ﷺ نے سب کے بعد میں پیا، آپ نے آخر میں دودھ پیتے ہوئے فرمایا

"قوم کا ساقی خود سب کے بعد میں پیتا ہے۔!"

اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر دودھ نکالا اور اسے اُمّ معبد کے پاس چھوڑ کر آپ ﷺ وہاں سے آگے روانہ ہو گئے

امام سبکی نے اس واقعہ کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

مَسَحَتَ عَلٰى شَاةٍ لَدٰى اُمّ مَعْبَدَ
بِجَهْدٍ فَاَلْفَتَهَا اَدَرَّ حَلُوْبَةٍ

ترجمہ:۔ام معبد کے پاس جو بکری تھی اس پر ہاتھ پھیرے جانے کی وجہ سے اس کی کمزوری و لاغری دور ہو گئی اور اس کے تھنوں سے دودھ بہنے لگا۔

اس سفر میں آنحضرت ﷺ کی مبارک لونٹنی کی تعریف میں قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے یہ شعر لکھا ہے۔

دَرَّتِ الشَّاةُ حِيْنَ مَرَّتْ عَلَيْهَا
فَلَهَا ثَرْوَةٌ بِهَا وَ نِمَاء

ترجمہ:۔ جب آنحضرت ﷺ کی مبارک سواری اس بکری کے پاس سے گزری تو بکری کے خشک تھنوں میں دودھ بھر گیا اور اس سواری کی وجہ سے اُمّ معبد کو مال و دولت میں برکت و کثرت حاصل ہوئی۔

سال رُمادہ تک اس بکری کی طویل عمری:۔...... اُمّ معبد سے روایت ہے کہ پھر یہ بکری حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہی یعنی ۱۸ھ یا ایک قول کے مطابق ۱۷ھ تک، اس سال کو سال رُمادہ یعنی راکھ کا سال کہا جاتا ہے کیونکہ اس سال میں سخت قحط پڑا اور زمین سوکھ کر بنجر ہو گئی تھی، یہاں تک کہ وحشی درندے بھی گھبرا کر انسانی بستیوں میں آنے لگے یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی بکری ذبح کرتا تو اس کا گوشت کھائے بغیر یوں ہی پھینک دیتا کیونکہ خشک سالی کی وجہ سے جانوروں کا گوشت بھی سوکھ کر بدذائقہ ہو گیا تھا، جب ہوا چلتی تو راکھ کی طرح مٹی اڑاتی، اسی وجہ سے اس سال کو ہی سال رُمادہ کہا جانے لگا، اس صورت حال کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے عہد کیا کہ وہ اس وقت تک نہ دودھ پئیں گے اور نہ گھی اور گوشت کھائیں گے جب تک کہ بارش نہیں ہوتی، انہوں نے کہا

"جن مصائب اور پریشانیوں کا شکار عوام ہو رہے ہیں اگر میں اس سے ناواقف رہا تو میں کیسے ان کا حکمراں کہلا سکتا ہوں!"

اس گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس بکری کا دودھ نکالا تھا وہ اُمّ معبد کے پاس ایک ہی بکری تھی۔ مگر شارح بخاری تاریخ عینی میں یونس نے ابن اسحاق سے ایک روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُمّ معبد کی بکریوں میں سے ایک منگائی اور اس کے تھنوں پر اپنا ہاتھ پھیر کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک بڑے برتن میں دودھ نکالا جو لبریز ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے اُمّ معبد سے فرمایا کہ دودھ پی لو۔ اُمّ معبد نے کہا۔

"آپ پیجئے، آپ پیجئے، آپ کو زیادہ ضرورت ہے!"

مگر آپ نے پیالہ اُمّ معبد کی طرف ہی بڑھا دیا جس پر انہوں نے دودھ پی لیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اُمّ معبد کی دوسری بانجھ بکری منگائی اور اس کے ساتھ بھی وہی کیا اور اس کا دودھ آپ ﷺ نے خود پیا، پھر آپ ﷺ نے تیسری بکری منگائی اور اس کے تھنوں سے بھی اسی طرح دودھ نکالا اور اس کا دودھ اپنے رہبر کو پلایا، پھر آپ ﷺ نے چوتھی بکری منگائی اور اسی طرح اس کا دودھ دوہ کر عامر بن فہیرہؓ کو پلایا۔

ادھر قریش آنحضرت ﷺ کی تلاش میں گھومتے گھومتے اُمّ معبد تک پہنچ گئے، یہاں انہوں نے اُمّ معبد سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں تحقیق کی اور آپ ﷺ کا حلیہ بتلایا، اُمّ معبد نے یہ حلیہ سن کر کہا۔
"میں نہیں سمجھ سکتی آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، ہاں ایک بانجھ بکری کا دودھ دوہنے والا شخص میرا مہمان ہوا تھا۔"
اس پر ان لوگوں نے کہا۔
"ہم اسی شخص کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔"
سال رُمادہ کی تشریح :-......(گذشتہ سطروں میں ایک روایت گزری ہے کہ اُمّ معبد کی یہ بکری حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے ۱۷ھ تک زندہ رہی اور یہ کہ ۱۷ھ کا سال سال رُمادہ کہلاتا ہے کیونکہ اس برس وہاں زبردست قحط پڑا تھا، اس کے مسئلے میں روایت کا بقیہ حصہ شاید طباعت اور کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے اس روایت کے ساتھ بیان ہونے کے بجائے درمیان سے رہ گیا اور چند سطروں کے بعد بیان ہوا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے)
جب حضرت عمرؓ نے خود بھی دودھ گھی وغیرہ نہ کھانے کا عہد کیا تو حضرت کعبؓ نے ان سے کہا۔
"امیر المؤمنین! بنی اسرائیل کو اگر اس قسم کی مصیبت پیش آتی تھی تو وہ نبیوں کے رشتہ داروں کے ذریعہ بارش کی دعا کرلیا کرتے تھے!"
حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
تو پھر یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا موجود ہیں جو آنحضرت ﷺ کے والد کے بھائی ہیں اور بنی ہاشم یعنی خاندان رسول ﷺ کے سردار ہیں۔"
چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کے پاس گئے اور ان سے لوگوں کی اس مصیبت کی فریاد کی اس کے بعد حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے ان کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے۔ منبر پر کھڑے ہو کر حضرت عمر نے دعا کی۔
"اے اللہ! ہم اپنے نبی کے چچا اور آنحضرت ﷺ کے والد کے ماں جائے کے ساتھ تیرے سامنے حاضر ہوئے ہیں تو ہمیں باران رحمت سے نوازدے اور ہمیں مایوسی کا شکار مت بنا۔"
خانوادۂ رسول ﷺ کی دعا اور مدینے کی سیرابی :-......اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا
"اے ابوالفضل! کھڑے ہو کر دعا فرمائیے!"
چنانچہ حضرت عباسؓ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنابیان کی اور جو دعا مانگی اس کا ایک حصہ یہ ہے۔
"اے اللہ! ہمارے اور ہمارے گھر والوں کے حال پر کرم فرما۔ اے اللہ! ہم تمام بھوک سے بدحال لوگوں کی طرف سے تجھ سے فریاد کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیرے سوا کسی سے کوئی امید نہیں باندھتے۔ نہ تیرے سوا کسی سے مانگتے ہیں اور نہ تیرے سوا کسی کی طرف جھکتے ہیں۔"
حضرت عباسؓ کی اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کے اپنے گھروں میں پہنچنے سے بھی پہلے بارش شروع

ہو گئی اور اس قدر پانی برسا کہ زمین سیراب ہو گئی اور لوگوں کو زندگی مل گئی، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا،
"خدا کی قسم! یہ اس وسیلے کا نتیجہ ہے جو ہم نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا۔"
لوگ عقیدت کی وجہ سے حضرت عباسؓ کا جسم چھونے لگے اور کہتے۔
"آپؓ کو مبارک ہو کہ آپ کی وجہ سے ہمیں حرمین میں سیرابی ملی۔"
علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ اسی دن ایک جماعت مدینہ منورہ آرہی تھی، انہوں نے اچانک بادلوں میں سے آتی ہوئی ایک آواز سنی۔
"اے ابو حفص! تمہارے لئے سیرابی آگئی۔ اے ابو حفص! تمہارے لئے سیرابی آگئی!"
علامہ ہیثمی نے اپنی کتاب صواعق عن تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ سال رُمادہ یعنی ۱۷ھ میں لوگوں نے بار بار باران رحمت کی دعا کی مگر بارش نہ برسی۔ تب ایک روز حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا،
کل میں اس شخص کے ذریعہ بارش کی دعا کراؤں گا جس کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ سیرابی عطا فرماتا ہے۔"
اگلے دن وہ حضرت عباسؓ کے پاس گئے اور ان کے مکان کے دروازے پر دستک دی، انہوں نے پوچھا کون ہے، امیر المؤمنین نے فرمایا عمر۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے، تو حضرت عمر نے کہا۔
"باہر تشریف لائیے تاکہ آپ کے ذریعہ سے ہم اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگیں۔"
حضرت عباس نے کہا اچھا بیٹھئے، اس کے بعد انہوں نے بنی ہاشم کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا اور ان سے کہلایا کہ وہ پاک و صاف ہو کر اچھے سے اچھے کپڑے پہن کر آئیں، وہ سب آکر جمع ہو گئے تو حضرت عباسؓ نے خوشبو نکال کر خود بھی لگائی اور ان سب آنے والوں کے بھی لگائی، اس کے بعد وہ گھر سے اس حال میں روانہ ہوئے کہ حضرت علیؓ ان کے آگے تھے اور ان کے دائیں طرف حضرت حسنؓ اور بائیں طرف حضرت حسینؓ تھے اور ان کی پشت پر بنی ہاشم کے لوگ تھے۔ پھر حضرت عباسؓ نے امیر المؤمنین سے کہا،
"اے عمر! ہم (یعنی بنی ہاشم) میں کسی غیر کو شامل نہ ہونے دو!"
پھر حضرت عباسؓ عیدگاہ میں آکر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے انہوں نے یہ دعا مانگی۔
"اے اللہ! تو نے ہمیں پیدا فرمایا اور ہم پر کسی دوسرے کو اونچا نہیں کیا ہمیں پیدا کرنے سے بھی پہلے تو جانتا تھا کہ ہم کیا عمل کرنے والے ہیں اس لئے ہمارے اعمال کے بارے میں تیرا علم تجھے ہم کو رزق پہنچانے سے نہیں روکے گا۔ اے اللہ! جس طرح تو نے ہم پر ابتداء میں فضل و کرم فرمایا اسی طرح آخر میں بھی ہم پر فضل فرما۔"
حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم وہاں سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ آسمان پر بادل منڈلانے لگے اور گھنگھور گھٹا چھا گئی اور پھر ابھی ہم اپنے گھروں میں پہنچے بھی نہیں تھے کہ بارش برسنی شروع ہو گئی۔
حضرت عباسؓ اسی لئے کہتے ہیں کہ میں ابن المستقی (یعنی سیرابی دلانے والے کا بیٹا) ابن المستقی، ابن المستقی، ابن المستقی، ابن المستقی یعنی پانچ مرتبہ سیرابی دلانے والے کا بیٹا ہوں۔ اس سے ان کا اشارہ اپنے باپ یعنی عبدالمطلب کی طرف تھا کہ انہوں نے پانچ موقعوں پر سیرابی کی دعا کی اور پانچوں مرتبہ قبول ہوئی، یہاں تک

علامہ سہیلی کا کلام ہے اور دونوں روایتوں کا اختلاف قابل غور ہے۔

عمّ رسول ﷺ کی عظمت و احترام :-...... ابن شہاب کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ حضرت عباسؓ کے مرتبے اور فضیلت کو جانتے تھے اسی لئے وہ ہر معاملے میں ان کو آگے رکھتے ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں اور حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے دور میں اگر گھوڑے وغیرہ پر سوار کہیں سے گزرتے ہوتے اور وہاں راہ میں انہیں حضرت عباسؓ نظر آجاتے تو وہ فوراً اپنی سواری سے اتر کر ان کے احترام میں پیدل چلتے یہاں تک کہ حضرت عباسؓ وہاں سے گزر جاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ خلیفہ ان کے اعزاز و احترام کی وجہ سے راستے میں اپنی سواری سے اتر کر ان کے گھر تک ان کے ساتھ ساتھ جاتے۔ اس احترام کی وجہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد تھا کہ عباسؓ کو دیکھ دیکھ کر میری یاد تازہ کیا کرو کیونکہ وہ میرے چچا اور میرے والد کے ماں جائے ہیں۔ ایک روایت میں آپ ﷺ کے یہ لفظ ہیں کہ اس لئے کہ وہ میرے آباء واجداد کی نشانی ہیں (یعنی خاندانی بڑوں میں وہ ہی باقی ہیں)۔

غرض اس کے بعد اُمّ معبد کے واقعے کی طرف آتے ہیں، اُمّ معبد نے اپنی اس بکری کے بارے میں کہا ہے کہ ہم اس کے بعد صبح شام اس کا دودھ نکالتے رہے حالانکہ چراگاہوں میں تھوڑا یا بہت کچھ بھی چارہ نہیں تھا جس سے مویشی اپنا پیٹ بھر سکتے۔

ابو معبد کو واقعہ کی اطلاع :-...... شام کو اُمّ معبد کے شوہر ابو معبد آئے۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ ان کا نام معلوم نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام اکثم تھا جیسا کہ گزرا۔ ایک قول یہ ہے کہ حبیس تھا اور ایک قول کے مطابق عبداللہ تھا۔ یہ شام ہونے کے بعد بھوکی بکریوں کو ہنکاتے ہوئے آئے تو انہوں نے وہاں وہ دودھ رکھا ہوا دیکھا جو آنحضرت ﷺ نے اس بکری سے نکالا تھا، انہیں دودھ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی اور کہنے لگے۔

"اے اُمّ معبد! یہ دودھ کیسا رکھا ہوا ہے؟ گھر میں تو کوئی دودھ دینے والی بکری بھی نہیں ہے؟"

یعنی گھر میں جو بکری تھی وہ تو دے نہیں سکتی کیونکہ اس کو تو کسی نر نے چھوا بھی نہیں ہے، یہاں اس بکری کو عازب کہا گیا ہے جس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ جسے نر نے نہ چھوا ہو۔ مگر کتاب نور میں عازب کی تشریح دور کی چراگاہ سے کی گئی ہے جہاں سے جانور رات کو گھر واپس نہ آسکے۔ صحاح میں عازب کے معنے یہ دیئے گئے ہیں کہ وہ گھاس جو بہت دور اور ویران جگہ ہو کہ نہ اسے جانور کھا سکیں اور نہ وہ پیروں تلے روندا جاتا ہو

غرض اپنے شوہر کی حیرت دیکھ کر اُمّ معبد نے ان سے کہا

"آج ہمارے پاس ایک بہت مبارک شخص کا گزر ہوا تھا۔"

شوہر سے مبارک مہمان کا غائبانہ تعارف :-...... ابو معبد نے کہا اس کی پہچان تو بتاؤ۔ ام معبد نے کہا

"میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جن کا چہرہ نورانی تھا اور ان کی آنکھیں ان کی لانبی پلکوں کے نیچے چمکتی تھیں، ان کی آنکھیں گہری سیاہ اور گہری سفید تھیں۔"

مگر اس روایت میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آنکھوں کی سفیدی گہری سفیدی نہیں تھی بلکہ آپ کو اشکل العینین کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں کہ آنکھوں کی سفیدی میں سرخی بھی شامل ہو یہ انسان کی بلندی کا نشان ہوتی ہے اور قدیم آسمانی کتابوں میں اس کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک بتلایا گیا ہے جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

غرض اسکے بعد ام معبد نے کہا،

"ان کی آواز میں نرمی تھی اور وہ درمیانہ قد کے تھے یعنی نہ لمبے تھے اور نہ پستہ قد تھے، مطلب یہ ہے کہ نہ تو اتنے لمبے تھے کہ ایسی لمبائی کو دیکھ کر ناگواری محسوس ہو اور نہ ایسے پستہ قد تھے کہ جسے دیکھ کر حقارت پیدا ہو، نہ تو بھاری اور بڑے پیٹ کے تھے، نہ ان کا سر بہت بڑا تھا اور نہ گردن چھوٹی تھی جو بدنما معلوم ہوں، جب وہ خاموش ہوتے تھے تو ان پر باوقار سنجیدگی ہوتی تھی، ان کا کلام ایسا مرتب تھا جیسے کسی لڑی میں موتی پروئے ہوئے ہوں، اپنے ساتھیوں میں وہ سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین تھے، ان کے ساتھی ان کے اشارے کے منتظر رہتے تھے، اگر وہ کسی بات کا حکم دیتے تھے تو ان کے ساتھی جلد سے جلد اس کو پورا کرنا چاہتے تھے اور اس اگر کسی بات سے روکتے تھے تو اسی گھڑی رک جاتے تھے۔"

(قال) ایک روایت میں ہے کہ ام معبد نے یہ کہا تھا (اس روایت میں عربی الفاظ کے فرق سے وہی صفات بیان کی گئی ہیں البتہ اس میں یہ بھی ہے) کہ جو انتہائی خوش اخلاق شخص تھے، ان کی گردن سے نور کی کرنیں پھوٹتی تھیں اور ان کی داڑھی نہ زیادہ لمبی تھی اور نہ غیر معمولی گھنی تھی، ان کی دونوں آبروئیں ملی ہوئی تھیں، بال نہایت سیاہ تھے جب خاموش ہوتے تو وقار ظاہر ہوتا اور گفتگو کرتے تو ایسی بلندی اور عظمت ظاہر ہوتی جس سے سننے والے متاثر ہو جائیں، دور سے دیکھنے میں بے حد شاندار اور قریب سے دیکھنے میں نہایت حسین و جمیل۔ نہایت میٹھی بات کرنے والے۔ (اس کے بعد وہی تفصیلات ہیں جو گذشتہ روایت میں بیان ہوئیں) ان پر نظر پڑنے کے بعد پھر دوسری طرف نہیں ہٹتی۔ اپنے ساتھیوں میں وہ سب سے زیادہ وجیہہ اور حسین و جمیل تھے اور سب سے زیادہ بلند مرتبہ تھے، ان کے ساتھی ان کے چشم و آبرو کا اشارہ دیکھتے تھے اگر وہ کہتے خاموش ہو جاؤ تو وہ سب اسی لحہ چپ ہو جاتے، اور اگر کوئی حکم دیتے تو ان کے ساتھی اسی آن اس کو کرتے، وہ مخدوم و محترم تھے اور ہر شخص ان کی خدمت کے لئے پیش رہتا تھا، نہ وہ تنگ مزاج تھے اور نہ غصہ ور اور جھڑکنے والے۔!"

غرض یہ تفصیل اور اجنبی مہمان کی یہ تعریف و توصیف سننے کے بعد ابو معبد نے کہا،

"خدا کی قسم! یہ حلیہ اور صفات تو ان ہی قریشی بزرگ کی ہیں اگر میں ان کو دیکھتا تو ان کی پیروی اختیار کر لیتا اور میں اب اس کی کوشش کروں گا۔"

<u>ابو معبد کے گھرانے کا اسلام</u> :۔...... کتاب امتاع میں ہے کہ ام معبد نے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے لئے ایک بکری ذبح کر کے پکائی، تھی آپ ﷺ نے وہ کھائی، پھر باقی گوشت میں سے ام معبد نے آنحضرت ﷺ کے زادراہ کے لئے اتنا ساتھ کر دیا جو اس سفر میں کافی ہو سکے، اس کے بعد بھی کافی گوشت ام معبد کے پاس بچ رہا تھا۔

کتاب خصائص کبریٰ میں ہے کہ ام معبد (آنحضرت ﷺ کی بلندی و عظمت دیکھ کر اس قدر متاثر ہو گئی تھیں کہ وہ) آپ ﷺ کی روانگی سے پہلے ہی مسلمان ہوئیں اور پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے بیعت لی۔ علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ ام معبد نے ہجرت کی اور مسلمان ہوئیں، نیز اسی طرح ان کے شوہر نے بھی ہجرت کی اور مسلمان ہو گئے تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ بغوی کی کتاب شرح السنۃ میں یہ ہے کہ ام معبد اور ان کے شوہر ہجرت

کر کے مدینے چلے گئے تھے، نیز ام معبد کے بھائی حبیش ابن اصفر بھی مسلمان ہو گئے تھے اور فتح مکہ کے دن شہید ہوئے تھے۔ام معبد کے گھر والوں (کے نزدیک ان کے یہاں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا واقعہ اتنا اہم ہوا کہ اس کے بعد انہوں) نے اسی دن کو اپنا سال اور تاریخ یعنی کیلنڈر بنالیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابو معبد کو گھر آکر جب آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے اور چلے جانے کی خبر ہوئی تو وہ فوراً آپ ﷺ سے ملنے کے لئے آپ ﷺ کے پیچھے گئے یہاں تک کہ آخر انہوں نے آپ ﷺ کو جالیا، پھر یہیں انہوں نے (مسلمان ہو کر) آپ ﷺ سے بیعت کی اور واپس ہوئے۔

ابن عون کی کتاب اجوبہ مسکتہ میں ایک قول یہ ہے کہ ام معبد سے کسی نے کہا،

"یہ کیابات ہے کہ تم نے آنحضرت ﷺ کا جو حلیہ اور عادات و فضائل بیان کیں وہ آپ ﷺ کے حلیہ اور صفات کے سب سے زیادہ مطابق یعنی ہو بہو ہیں۔"

ام معبد نے کہا

تمہیں معلوم نہیں کہ مرد کے لئے عورت کی نظر مرد کے لئے مرد کی نظر سے زیادہ گہری اور صحیح ہوتی ہے!"

اُمّ معبد کے یہاں ایک معجزاتی درخت :-......علامہ زمخشری کی کتاب ربیع الابرار میں ہند بنت الجون سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ میری خالہ ام معبد کے خیمے میں تھے تو آپ ﷺ نے نیند سے بیدار ہو کر پانی منگایا، اپنے ہاتھ دھوئے کلّی کی، آپ ﷺ نے منہ میں پانی لے کر جو کلّی کی وہ ایک کانٹے دار درخت کی جڑ میں کی جو وہیں خیمہ کے ایک طرف کھڑا ہوا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ درخت اتنا پھلا پھولا کہ اس سے بڑا کوئی دوسرا درخت نہیں رہا اور اس کی شاخیں بے انتہا گھنی ہو گئیں، پھر اس درخت میں ایک پھل پیدا ہونے لگا جو سبز رنگ کا اور بہت بڑا پھل تھا، اس پھل میں عنبر کی سی خوشبو پھوٹتی تھی اور اس کا ذائقہ شہد کی طرح میٹھا تھا، اگر کوئی بھوکا اسے کھالیتا تو سیر ہو جاتا پیاسا کھالیتا تو اس کی پیاس مٹ جاتی، بیمار کھالیتا تو اچھا ہو جاتا اور کوئی بھی اونٹ یا بکری اس درخت کے پتے کھالیتی تو اس کا دودھ بڑھ جاتا، اسی وجہ سے ہم نے اس کا نام مبارک رکھ دیا تھا۔

ایک روز ہم صبح کو اٹھے تو ہم نے دیکھا کہ درخت کے سب پھل گرے پڑے ہیں اور اس کی پتّیاں زرد ہو گئی ہیں، یہ دیکھ کر ہم گھبرا گئے، ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر آگئی۔

(قال) مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ جس طرح بکری کا معاملہ مشہور ہوا اسی طرح اسی واقعہ کی شہرت کیوں نہ ہوئی؟

حضرت ام معبد سے روایت ہے کہ میرے خیمہ پر ایک مرتبہ سہیل ابن عمرو کے غلام کا گزر ہوا، اس کے پاس دو چھاگلیں تھیں، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا،

"نبی کریم ﷺ نے میرے آقا سہیل ابن عمرو کو لکھا تھا کہ آپ ﷺ کو زمزم کا کچھ پانی ھدیے میں بھیج دیں۔ اب میں بہت تیزی سے اس لئے جارہا ہوں کہ کہیں یہ گھڑیاں پانی کو چوس نہ لیں۔"

(ی) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سہیل کو یہ لکھا تھا کہ اگر میرا یہ خط تمہیں رات کو ملے تو ہرگز صبح تک انتظار مت کرنا اور اگر دن میں ملے تو زمزم بھیجنے میں شام ہونے کا انتظار نہ کرنا، بلکہ فوراً ہی میرے لئے زمزم کا پانی روانہ کر دینا۔ سہیل نے فوراً دو گھڑیاں لیں اور انہیں زمزم سے بھرا اور اسی وقت اپنے غلام ازہر کو اس کے

لونٹ پر یہ گھڑیاں دے کر روانہ کر دیا۔

مکے میں ان دیکھے شخص کی پکار :-...... غرض (ادھر تو آنحضرت ﷺ ام معبد کے پاس سے ہوتے ہوئے منزل بمنزل مدینہ منورہ کی طرف بڑھ رہے تھے اور) ادھر مکے میں اب تک قریش کو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ آپ ﷺ اور صدیق اکبرؓ کس طرف اور کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ اچانک انہیں ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو خود تو نظر نہیں آیا البتہ اس کی آواز سب نے سنی، وہ کچھ شعر پڑھ رہا تھا جن میں آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ اور ام معبد کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان شعروں میں سے دو شعر یہ ہیں۔

جَزَیَ اللّٰہُ رَبُّ النَّاسِ خَیْرَ جَزَائِہٖ
رَفِیْقَیْنِ قَالَا خَیْمَتَیْ اُمِّ مَعْبَدٖ

ترجمہ :- اللہ تعالی نے ان دونوں ہمراہیوں کو جزائے خیر دے جنہوں نے ام معبد کے خیمے پر ٹھہر کر آرام کیا۔

ھُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ ثُمَّ تَرَحَّلَا
فَاَفْلَحَ مَنْ اَمْسٰی رَفِیْقَ مُحَمَّدٖ

ترجمہ :- وہ دونوں خیر اور ہدایت لے کر وہاں پہنچے اور پھر آگے چلے گئے، لہذا وہ کامیاب و کامران ہو گیا جس نے آنحضرت ﷺ کی ہمراہی اختیار کی۔

اس طرح قریش کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ مدینے کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ یمن کے راستے میں بھی ایک مقام ہے جس کو دھیم اور بئر اُمِّ معبد یعنی ام معبد کا کنواں کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس سے یہ ام معبد مراد نہیں ہیں جن کے یہاں مدینے جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ ٹھہرے تھے۔

جہاں تک اس خبر کا تعلق ہے جو کفار قریش کو آنحضرت ﷺ کے غار سے روانہ ہونے کے اگلے دن ملی تھی تو ممکن ہے وہ یہی کسی ان دیکھے پکارنے والے کی صدا ہو۔ یا پھر ممکن ہے کہ ان شعروں کے سنائی دینے کے بعد، کسی اور شخص نے قریش سے اس کا ذکر کیا ہو جسے لوگوں نے دیکھا بھی ہو۔

اسی پکارنے والے کے متعلق قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَتَغَنَّتْ بِمَدْحِہِ الْجِنُّ حَتّٰی
اَطْرَبَ الْاِنْسَ مِنْہُ ذَاکَ الْغِنَاءُ

مطلب :-...... جنّات نے آنحضرت ﷺ کے بہترین اوصاف کو ایک نغمہ کی صورت میں بیان کیا جس سے دل خوش ہوتے ہیں چنانچہ جب انسانوں نے اس نغمے کو سنا تو ان کے دلوں میں طرب و شادمانی پیدا ہوئی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ کفار قریش کو ایک ان دیکھے پکارنے والے کے اس شعر سے آنحضرت ﷺ کے مدینے جانے کا علم ہوا تھا۔

اَنْ یَسْلِم السَّعْدَانِ یَصْبَحُ مُحَمَّدٌ
مِنَ الْاَمْرِلَا یَخْشٰی خِلَافِ الْمُخَالِفِ

ترجمہ :- اگر دونوں سعد مسلمان ہو گئے تو حضرت محمد ﷺ کو کسی بھی معاملے میں کسی مخالف کی مخالفت کا خوف نہیں رہے گا۔

لوگوں نے اس جگہ سعادت اور سعد سے مراد لیتے ہوئے کہا کہ یہ سعد ابن غرض اگلا دن ہوا تو انہیں پھر اسی پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

فَيَا سَعْدُ سَعْدَ الاَوْسِ كُنْ اَنْتَ مَانِعاً
وَيَا سَعْدُ سَعْدَ الخَزْرَ جَيْنِ الغَطَارِفُ

ترجمہ :- پس اے اوس کے سعد اور اے قبیلہ خزرج کے تم دونوں آنحضرت ﷺ کے محافظ بن جاؤ۔

اب لوگوں نے کہا کہ اوس کے سعد حضرت سعد ابن معاذ ہیں اور خزرج کے سعد سعد ابن عبادہ ہیں، مگر اس بات میں شبہ ہے کیونکہ یہ دونوں سعد اس سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے، لہذا یہ کہنا مناسب نہیں رہتا کہ اگر یہ دونوں سعد مسلمان ہو گئے!

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر یہ ممکن ہے کہ یہاں اس شعر میں ان کے معنی اِذْ کے ہوں، یعنی آنحضرت ﷺ کا مامون ہونا اور کسی مخالف کی مخالفت سے محفوظ ہونا ان دونوں سعد کے اسلام کی وجہ سے تھا یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مراد ان دونوں کا اسلام پر باقی رہنا (یعنی اگر یہ دونوں اسلام پر باقی رہے تو آنحضرت ﷺ مامون ہیں، اس امکان کی وجہ یہ ہے کہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں ہے کہ ان دونوں شعروں کی آواز آنا اور مکے میں ان کا سنا جانا سعد ابن معاذ کے اسلام لانے سے پہلے کی بات ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سعد نام کے لوگ کُل سات تھے جن میں چار تو قبیلہ اوس کے تھے جو یہ ہیں سعد ابن معاذ، سعد ابن خثمہ، سعد ابن عبید اور سعد ابن زید۔ اور تین قبیلہ خزرج میں تھے جو یہ ہیں۔ سعد ابن عبادہ، سعد ابن ربیع اور سعد ابن عثمان ابو عبیدہ۔ واللہ اعلم۔

یہاں سراقہ کا قصہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور ام معبد کا واقعہ بعد میں بیان ہوا ہے، یہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر کے مطابق ترتیب ہے، انہوں نے واقعات کی ترتیب کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے اگرچہ ترتیبی لحاظ سے ام معبد کا واقعہ سراقہ کے واقعہ سے پہلے کا ہے جیسا کہ ایک بڑی جماعت نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں: اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب قریش کے لوگوں کو اس اَن دیکھے پکارنے والے کی آواز آنے سے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کس طرف تشریف لے گئے ہیں اور اس پکارنے والے نے ام معبد کا ذکر کیا تھا (سراقہ کا ذکر نہیں کیا تھا) لہذا سراقہ کا واقعہ اس وقت تک پیش ہی نہیں آیا ہو گا۔

<u>مکے میں حضرت اسماءؓ پر ابو جہل کا غصہ</u> :-...... حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ (غار کے لئے) تشریف لے گئے تو ہمارے پاس قریش کے کچھ لوگ آئے جن میں ابو جہل بھی تھا وہ لوگ آکر دروازے پر ٹھہر گئے، میں باہر نکل کر آئی تو انہوں نے کہا کہ تمہارے باپ یعنی ابو بکر کہاں ہیں، میں نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں، ابو جہل نے اس پر ہاتھ اٹھایا اور پوری قوت سے میرے رخسار پر تھپڑ مارا جس سے میرے کان کی بالی ٹوٹ کر گر گئی۔

حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے اور تین راتیں گزر گئیں، ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں، یہاں تک کہ اچانک مکے کے زیریں حصے سے ایک جن آیا جو کچھ شعر پڑھ رہا تھا، لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلنے اور اس کی آواز سننے لگے، وہ شخص اسی طرح چلتے ہوئے بالائی مکہ کی طرف جا کر غائب ہو گیا وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا (جو پیچھے بیان ہو چکے ہیں یعنی جزی اللّٰہ رب الناس) کتاب اصل میں اسی طرح ہے۔

اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت اسماءؓ کا ایک طرف یہ قول ہے کہ، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، اور اسی روایت میں آگے یہ قول ہے کہ تین راتیں گزر گئیں ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ اس شبہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شاید آپ ﷺ کے جانے سے مراد غار کے لئے جانا ہے اور تین راتیں گزرنے سے مراد غار سے روانگی کے بعد کی تین راتیں ہیں، مگر پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ غار سے آپ ﷺ کی روانگی کے اگلے دن قریش کو آپ ﷺ کے مدینے کی طرف جانے کی خبر ہو چکی تھی، ادھر یہ بھی گزرا ہے کہ قریش کو آپ ﷺ کے مدینے جانے کا حال کسی ان دیکھے پکارنے والے کی زبانی ہی معلوم ہوا تھا۔ روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

کتاب اصل کے مصنف نے اپنے شیخ حافظ دمیاطی کی پیروی میں یہ بات کہی ہے کہ سراقہ کا واقعہ اُمّ معبد کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ (جب کہ پیچھے گزرا ہے کہ علماء کی ایک بڑی جماعت سراقہ کے واقعہ کو اُمّ معبد کے واقعہ سے پہلے مانتی ہے، اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے حافظ دمیاطی نے ترتیب کی پابندی نہ کی ہو مگر اس صورت میں ان کی پیروی کرنا کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔

<u>آنحضرت ﷺ کی طرف سے نیک فالی کا ثبوت</u> :-...... ادھر یہاں ایک روایت ہے جس کے بارے میں ایک قول یہ ہے یہی ام معبد کا واقعہ ہے۔ اس روایت میں ام معبد کے متعلق گذشتہ روایت سے کچھ کمی ہے اور کچھ زیادتی ہے، وہ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سفر میں بکریوں کے ایک ریوڑ کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے چرواہے سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں، اس نے کہا ایک مسلمان کی ہیں، آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور (لفظ مسلمان کی رعایت سے) فرمایا۔

"انشاء اللہ! تمہیں سلامتی حاصل ہے!"

پھر آپ ﷺ نے چرواہے سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا مسعود

آپ ﷺ پھر صدیق اکبرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

"انشاء اللہ سعادت اور خوش بختی تمہارا مقدر ہے!"

<u>انعام کے لالچ میں بُریدہ آپ ﷺ کے تعاقب میں</u> :-...... کتاب امتاع میں ہے کہ بُریدہ ابن خَصیب اسلمی سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی جو اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ تھے آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس پر یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

کتاب شرف میں ہے کہ بُریدہ کو جب قریش کے اس انعام کے اعلان کے متعلق خبر ہوئی جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو گرفتار کرنے یا قتل کرنے والے کے لئے رکھا تھا تو انہیں لالچ ہوا کہ وہ یہ انعام حاصل کریں چنانچہ وہ اپنے خاندان یعنی گھر کے ستّر آدمیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ لوگ اسّی گھروں کے آدمی تھے، اب اس روایت کی روشنی میں گھر والوں سے مراد ان کی قوم کے لوگ ہوں گے۔

غرض انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پالیا، آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ بُریدہ لفظ بَرد سے بنا ہے جس کے معنی ٹھنڈک کے ہیں، پھر آپ ﷺ فوراً ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور لفظ بُریدہ کی نسبت سے فرمایا

"ہمارا معاملہ (دشمنوں کے حق میں) ٹھنڈا اور ٹھیک ہو گیا۔"

پھر آپ ﷺ نے پوچھا تم کس قوم سے ہو؟ انہوں نے کہا۔

"بنی سہم کے ان لوگوں میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں۔"

سہم تیر کو کہتے ہیں، آپ ﷺ نے سہم اور مسلمان کے لفظوں کی رعایت سے فرمایا۔

"ہمیں سلامتی حاصل ہو گئی اور ابو بکر تمہارا تیر نکل گیا۔"

ان باتوں کی بنیاد یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ فال لے لیا کرتے تھے مگر بد شگونی کی اجازت نہ دیتے تھے جیسا کہ اس بارے میں تفصیل گذشتہ کسی قسط میں گزر چکی ہے۔

بریدہ معہ ساتھیوں کے آغوش اسلام میں :-......اس کے بعد بریدہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ کون ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا۔

"میں اللہ کا رسول محمد ابن عبداللہ عبدالمطلب ہوں۔"

یہ سنتے ہی بریدہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ نیز ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ (ی) اور اس کے بعد بریدہ اور ان کے ساتھیوں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی، اس کے بعد بریدہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ ﷺ مدینے میں داخل ہوں تو آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہونا چاہئے۔"

پھر حضرت بریدہؓ نے اپنا عمامہ کھول کر اسے ایک نیزے میں باندھا اور آپ ﷺ کے آگے آگے جھنڈا اٹھا کر چلے، پھر جیسا کہ کتاب وفا میں ہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی آپ ﷺ کس کے یہاں جا کر اتریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا۔

"میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے۔"

(یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی حکم ملا ہوا ہے اور یہ اپنی جگہ خود ہی رکے گی وہیں میں ٹھہروں گا) پھر بریدہ نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بنی سہم یعنی ان کی قوم کے لوگ بغیر کسی کی زبردستی کے خود اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے۔"

منزل مراد مدینہ میں قدم رنجہ

مدینہ میں آمد آمد کا غلغلہ :-...... ادھر جب مدینے کے مسلمانوں کو ان کے یہاں آنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی مکے سے روانگی کی خبر ہوئی تو وہ آپ ﷺ کے انتظار میں ایک ایک پل گننے لگے اور آپ ﷺ کی راہ دیکھنے کے لئے وہ روزانہ صبح ہی مدینے سے باہر نکل کر حرّہ کے مقام پر آجاتے اور جب دوپہر کو دھوپ کی تیزی ناقابل برداشت ہو جاتی تو واپس مدینے چلے جاتے۔

استقبال کے لئے شہر سے باہر آنے والوں کی بے تابی :-......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: غالباً مدینے والے تین دن تک آکر جو مایوس لوٹے وہ اس وجہ سے کہ مکے سے روانہ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کو جتنی

مدت میں مدینے پہنچنا چاہئے تھا اس سے آپ ﷺ کو تین دن زائد لگے کیونکہ آپ ﷺ تین رات غار میں ٹھہرے تھے (لہذا مدینے والے جب پہلے دن آپ ﷺ کے استقبال کے لئے آئے تو ان کے اندازے کے مطابق وہ آپ ﷺ کی مکے سے روانگی کے لحاظ سے مدینے پہنچنے کا صحیح دن تھا۔ پھر اس دن آپ ﷺ نہ آئے تو وہ اگلے اور تیسرے دن آئے کیونکہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مکے سے روانگی کے بعد آپ ﷺ تین دن غار میں بھی ٹھہرے ہیں)۔

غبارِ راہ میں سے قافلۂ رسول ﷺ کی جھلک :-...... ایک دن مدینے والوں کو شہر سے باہر آپ ﷺ کے انتظار میں آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی، جب سورج کی گرمی تیز ہو گئی اور وہ پھر مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو اچانک ایک یہودی شخص سامنے پھیلے ہوئے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھ کر کچھ دیکھنے لگا، اس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سفید لباسوں میں نظر آگئے، کیونکہ راستے میں آنحضرت ﷺ کو حضرت زبیر ملے جو ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ کو سفید کپڑے پہننے کے لئے ہدیہ کئے تھے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ آپ دونوں کو حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے یہ لباس پہنوائے تھے۔

ممکن ہے آپ ﷺ کو یہ دونوں حضرات راستے میں یکے بعد دیگرے ملے ہوں اور انہوں نے آپ ﷺ کو صدیق اکبرؓ کو یہ لباس ہدیہ کئے ہوں۔ حافظ دمیاطی نے اگرچہ اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے مگر اس طرح ایک قول کو ترجیح دینے کے مقابلے میں دونوں روایتوں کے درمیان یہ مطابقت زیادہ بہتر ہے۔ اسی لئے علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اگرچہ یہ دوسرا قول محض سیرت کی کتابوں میں ہے جبکہ پہلی حدیث بخاری کی ہے مگر حافظ دمیاطی نے اپنی عادت کے مطابق صحاح کی روایت کے مقابلے میں ایک سیر کے قول کو ترجیح دے دی۔ مگر علامہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ دمیاطی کی یہ عادت ابتدائی دور میں ہی تھی، جب صحیح احادیث پر ان کی نظر گہری ہوتی گئی تو انہوں نے ایسی بہت سی احادیث سے رجوع کو مناسب سمجھا جن کو سیرت نگاروں نے صحیح حدیثوں کی مخالفت کر کے متفقہ طور پر قبول کر لیا تھا۔

غرض جب اس یہودی نے آنحضرت ﷺ کے قافلے کو گرد سے نکل کر بالکل صاف طور پر دیکھ لیا تو وہ ایک دم بلند آواز سے پکار اٹھا۔

"اے گروہ عرب! جن کا تمہیں انتظار تھا وہ آگئے۔!"

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ کا قافلہ مدینے کے قریب پہنچ گیا تو اس نے ایک دیہاتی کو ابی امامہ اور ان کے انصاری ساتھیوں کے پاس اطلاع دے کر بھیجا، ان دونوں باتوں کے پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس اطلاع پر مسلمان جلدی جلدی ہتھیار لگا لگا کر دوڑے اور حرّہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب وہ لوگ آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ اس وقت ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے، یہ درخت غالباً حرّہ کے قریب تھا، لہذا ان باتوں میں کوئی مخالفت نہیں رہتی۔

خوش آمدید :-...... آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر ان انصاری مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ سے عرض کیا۔

"اطمینان اور امن وامان کے ساتھ آپ ﷺ مدینے میں داخل ہو جایئے!"

قباء میں قیام ایک روایت میں ہے کہ پانچ سو سے کچھ زائد انصاریوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور عرض کیا کہ آیئے امن وامان اور عزت واحترام کے ساتھ سوار ہو کر تشریف لایئے۔ مگر آپ ﷺ وہاں سے دائیں جانب کو آگے بڑھے اور بنی عمرو ابن عوف کے یہاں قبا کے مقام پر آپ ﷺ اترے، یہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی، آپ ﷺ نے بنی عمرو میں کلثوم ابن ھدم کے گھر قیام فرمایا، یہ بنی عمرو کے ایک بزرگ تھے۔ بنی عمرو کا خاندان قبیلہ اوس میں سے تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس وقت تک یہ کلثوم مشرک تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غزوۂ بدر سے پہلے ہی یسیر کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مدینے پہنچنے سے پہلے ہی یہ مسلمان ہو گئے تھے، جس وقت آنحضرت ﷺ ان کے یہاں پہنچے تو کلثوم نے اپنے ایک غلام کو آواز دی جس کا نام نجیح تھا (نجح کے معنے کامیاب ہونے کے ہیں) آنحضرت ﷺ نے اس نام سے نیک فال لیتے ہوئے صدیق اکبرؓ سے فرمایا۔

"ابو بکر! تم کامیاب ہو گئے!"

یہاں قباء میں آپ ﷺ نے قیام تو حضرت کلثوم کے یہاں فرمایا مگر آپ ﷺ اپنی مجلس اور صحابہ کے ساتھ نشست سعد ابن خیثمہ کے مکان پر فرماتے کیونکہ وہ یہاں اکیلے رہتے تھے ان کے گھر والے نہیں تھے!

سعد کو اس روایت میں عزب کہا گیا ہے عزب اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بیوی بچے نہ ہوں، ان کے گھر کو منزل عزاب کہا جاتا تھا، مگر اس لفظ سے اعزب کا لفظ نہیں بنتا، اگرچہ ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ تو درست ہے مگر یہ پست درجے کا اور غیر فصیح لفظ ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے قیام سعد ابن خیثمہ کے یہاں ہوا تھا، مگر اس دوسری روایت سے ان دونوں باتوں میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کا قیام تو کلثوم کے مکان پر ہوا اور مجلس سعد کے یہاں ہوئی (جس کو بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ کا قیام ہی سعد کے یہاں ہوا) حافظ دمیاطی نے بھی اسی موافقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت علیؓ کی مکے سے روانگی :-...... حضرت علیؓ جب مدینے آئے تھے تو قباء میں وہ بھی کلثوم کے گھر ہی اترے تھے، وہ آنحضرت ﷺ کی مکے سے روانگی کے تین رات بعد تک وہیں ٹھہرے تھے، ان تین دنوں میں وہ آنحضرت ﷺ کے حکم مطابق ان امانتوں کو ان کے مالکوں کے پاس پہنچاتے رہے، جو آپ ﷺ کے پاس جمع تھیں جیسا کہ بیان ہوا، جب آنحضرت ﷺ مدینے کے لئے روانہ ہو گئے تو حضرت علیؓ نے مکے میں ابطح کے مقام پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ جس کی کوئی امانت رسول اللہ ﷺ کے پاس رہی ہو وہ آکر اپنی امانت لے لے، جب یہ کام پورا ہو گیا تو ان کے پاس آنحضرت ﷺ کا خط آیا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس آجائیں چنانچہ حضرت علیؓ نے سواریاں خریدیں اور مدینے آگئے ان کے ساتھ فاطمائیں بھی تھیں، نیز ان کے ساتھ ام ایمن ان کے بیٹے ایمن اور کمزور مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: آگے ایک روایت آرہی ہے جو اس روایت کے خلاف ہے، وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینے میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر اترے تو آپ ﷺ نے زید ابن حارثہ اور ابو رافع

کو مکے بھیجا، آپ نے ان کے ساتھ پانچ سو درہم اور دو اونٹ بھی بھیجے کہ ان پر حضرت فاطمہ، حضرت اُمّ کلثوم جو آپ ﷺ کی بیٹی تھیں، آپ ﷺ کی اہلیہ حضرت سودہ، اُمّ ایمن، ان کے بیٹے اور اسامہؓ کو لے آئیں۔

اب اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلانے کے لئے روانہ کیا تھا وہ حضرت زید اور ابو رافع کے ساتھ بھیجا ہو اور وہ دونوں حضرت علیؓ کے ساتھ آئے ہوں۔ یہ روایت اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہوتی کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے جانے کے بعد امانتوں کی واپسی کے لئے تین رات مکے میں ٹھہرے تھے کیونکہ امانتوں کی واپسی میں اتنی ہی مدت لگی اس کے بعد وہ آپ ﷺ کا خط آنے تک ٹھہرے، اب گویا حضرت علیؓ قباء میں کلثوم کے یہاں ٹھہرنے کے بعد مدینے میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، لہٰذا یہاں کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے۔

مگر سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ قبا میں کلثوم کے یہاں ٹھہرے تھے (یعنی حضرت علیؓ قبا میں اسی دوران میں پہنچ گئے تھے جبکہ آپ ﷺ بھی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے) اب یہ بات اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ قبا میں آٹھ دس روز ٹھہرے ہوں، جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے، مگر اس صورت میں یہ بات اس روایت کے خلاف ہو جائے گی جس میں ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس مکے میں زید اور ابو رافع آنحضرت ﷺ کا خط لے کر پہنچے تھے کیونکہ اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو قبا سے مدینے پہنچنے کے بعد بھیجا تھا۔

رہگزار عشق میں آبلہ پائی :- ...... کتاب امتاع میں ہے کہ جب حضرت علیؓ مکے سے ہجرت کر کے روانہ ہوئے تو وہ رات میں سفر کرتے اور دن میں کہیں چھپ رہتے :- یہاں تک کہ چلتے چلتے ان کے پیر زخمی ہو گئے۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کو گلے لگالیا اور ان کے پیروں پر ورم دیکھ کر آپ ﷺ رونے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر اپنا لعاب دہن لگا کہ ان کو حضرت علیؓ کے پیروں پر پھیر دیا جس کے بعد ان کے پیروں میں کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

حضرت علیؓ کے پیروں میں چھالے پڑ جانے کی یہ بات ان کے پاس سواری ہونے کے باوجود درست ہو سکتی ہے، کیونکہ ممکن ہے وہ اپنے پاس سواری ہونے کے باوجود محض اسی وجہ سے پیدل ہی روانہ ہوئے ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب ملے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت علیؓ قبا میں ایک یا دو رات ٹھہرے تھے، وہاں انہوں نے ایک مسلمان عورت دیکھی جس کے شوہر نہیں تھا، اس عورت کے پاس آدھی رات میں ایک شخص آتا اور دروازہ پر دستک دیتا عورت نکل کر باہر آتی تو وہ آنے والا اپنے پاس سے ان کو کوئی چیز دیتا جسے وہ عورت لے لیتی، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ عجیب ماجرا دیکھا تو اس سے اس کے متعلق پوچھا، اس نے کہا۔

"یہ شخص سہل ابن حنیف ہے، اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں بے سہارا اور تنہا عورت ہوں، چنانچہ اب یہ شام کو اپنی قوم کے بتوں کو جا کر توڑتے ہیں اور ان کی لکڑی لا کر مجھے دیتے ہیں کہ میں ان کو جلاؤں۔"

چنانچہ حضرت علیؓ سہل ابن حنیف کی اس نیکی سے واقف تھے۔ واللہ اعلم

(قال) حضرت ابو بکرؓ یہاں پہنچ کر حبیب ابن اساف کے یہاں ٹھہرے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ خارجہ ابن زید کے یہاں ٹھہرے تھے۔

تاریخ اسلام میں پیر کے دن کی اہم حیثیت :-...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ تمہارے نبی پیر کے دن پیدا ہوئے، پیر ہی کے دن ان کی والدہ کو ان کا حمل ہوا تھا پیر ہی کے دن آپ ﷺ مکے یعنی غار ثور سے مدینے کے لئے روانہ ہوئے اور پیر ہی کے دن آپ ﷺ مدینے میں داخل ہوئے۔

حاکم کہتے ہیں اس بارے میں روایات متواتر ہیں کہ آپ ﷺ کی روانگی بھی پیر کے دن ہوئی اور آپ ﷺ کا مدینے میں داخلہ بھی پیر کے دن ہی ہوا۔ بعض علماء نے اس بارے میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ بھی پیر کے دن ہی فتح ہوا اور حرم میں رکن یمانی بھی پیر کے دن ہی رکھا گیا۔

بعض علماء نے ربیع مالکی سے ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے، یہ مصر میں رہتے تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ پیر کے دن جب یہ سوتے تھے تو صرف ان کی آنکھیں سوتی تھیں ان کا دل نہیں سوتا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ سے غار کے لئے جس دن روانہ ہوئے وہ جمعرات کا دن تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ جمعہ کی شب، سنیچر کی شب اور اتوار کی شب میں وہاں رہے اور اس طرح آپ ﷺ تیسری رات کے بعد گویا اتوار کی صبح میں غار سے روانہ ہوئے۔ کیوں بخاری میں ہے کہ تیسری رات کی صبح میں آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کا راہبر سواریاں لے کر پہنچا تھا۔ مگر پیچھے یہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے گھر سے غار کے لئے آپ ﷺ دونوں کی روانگی رات کے وقت میں ہوئی تھی، ادھر حضرت ابو بکرؓ کا ایک قول گزرا ہے کہ ہم تمام رات چلے یہاں تک کہ اگلے دن دوپہر کا وقت ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ غار سے رات ہی میں نہیں بلکہ شروع رات میں روانہ ہوئے تھے، کیونکہ تمام رات کے لفظ کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ رات کے باقی حصے میں چلتے رہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پوری رات چلتے رہے۔

ادھر بخاری کے حوالے سے یہ بات گزری ہے کہ پھر وہ یعنی راہبر تیسری رات کی صبح میں آپ ﷺ دونوں کی سواریاں لے کر پہنچ گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ رات کے آخری حصے میں آیا تھا جو صبح کے قریب کا وقت ہوتا ہے (اس لئے اس کو صبح کہہ دیا گیا) لہٰذا یہ مقام قابل غور ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ میں رات کے وقت میں داخل ہوئے تھے جیسا کہ مسلم کی روایت ہے حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں باتوں میں اس طرح موافقت پیدا کی ہے کہ آپ ﷺ آخر شب میں مدینہ شہر تک پہنچے اور دن کے وقت شہر میں داخل ہوئے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: غالباً علامہ ابن حجرؒ کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کے وقت مدینے کے قریب پہنچے اور دن کی روشنی پھیلنے تک آپ ﷺ نے اسی جگہ قیام فرمایا۔ پھر آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے تو دوپہر کے وقت مدینہ شہر میں داخل ہوئے۔ اب اس روایت اور گذشتہ روایت میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ مدینے میں جمعہ کے دن داخل ہوئے تھے۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس قول کو شاذ یعنی کم بتلایا ہے۔ واللہ اعلم

مدینہ میں خوشی کے رمز :-...... آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچنے پر لوگوں کے دلوں میں خوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی، چنانچہ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میں نے مدینے والوں کو آنحضرت ﷺ کی آمد پر جتنا خوش اور مسرور دیکھا اتنا کبھی کسی موقعہ پر نہیں دیکھا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب وہ دن آیا جس میں آنحضرت ﷺ مدینے میں داخل ہوئے تو

خوشی و مسرت کی وجہ سے گویا سارا شہر جگمگانے لگا، عورتیں چھتوں پر چڑھ کر آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا فرحتناک منظر دیکھنے لگیں اور بلند آواز سے نغمے گا گا کر آپ ﷺ کو خوش آمد کہنے لگیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینے میں داخل ہوئے تو عورتیں بچے اور لڑکے یہ نغمہ گا گا کر آپ ﷺ کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعِيْ

ترجمہ :- ثنیات الوداع کی طرف سے چودھویں رات کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا اس سرزمین پر باقی ہے، ہم پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا۔ جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

ترجمہ :- اے مبارک آنے والے جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ ﷺ ایسے احکام لے کر آئے ہیں جن کی پیروی اور اطاعت واجب ہے۔

(قال) یہاں ایک اشکال یہ کیا گیا ہے کہ ثنیات الوداع اس سمت میں نہیں ہے جو مکے سے مدینے کو آتی ہے بلکہ یہ شام سے مکے کو آنے والی سمت میں ہے چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے کتاب ھدیٰ میں غزوۂ تبوک کے ذیل میں لکھا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی سمت سے مدینے کی طرف ہے مکے سے آنے والا اس جگہ سے نہیں گزرتا۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے ان ہی سے اس کے مخالف بات نقل کی ہے مگر غزوۂ تبوک کے بیان میں نہیں۔

اس شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قبا سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ ثنیات الوداع کی طرف سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ بعض علماء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ مدینے آنے والا شخص ہمیشہ اسی راستے سے شہر میں داخل ہوتا تھا اور جو شخص اس راستہ سے داخل ہونے کا اہتمام نہیں کرتا تھا وہ پھر مدینے سے زندہ واپس نہیں جاتا تھا بلکہ کسی نہ کسی وبا کا شکار ہو کر مر جاتا تھا جیسا کہ یہودیوں کا اعتقاد تھا۔

اس جگہ کو ثنیات الوداع کہنے کا سبب یہ تھا کہ سفر میں جانے والا اس ٹیکرے پر آکر ٹھہرتا تھا اور رخصت کرنے والے یہیں اس کو رخصت یعنی وداع کرتے تھے اسی لئے اس جگہ کو ثنیۃ الوداع کہا جانے لگا۔ ایک قول یہ ہے کہ وداع کرنے والے لوگ چونکہ ثنیہ تک مسافر کو پہنچانے جاتے تھے اس لئے اس جگہ کا یہ نام پڑ گیا، اور یہ کہ یہ نام بہت پرانا اور جاہلیت کے زمانے کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسلامی دور کا نام ہے اور اسی وجہ سے اس مقام کو یہ نام دیا گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں صحابہ نے ان عورتوں کو رخصت کیا تھا جن سے انہوں نے خیبر میں فائدہ اٹھایا تھا اور ان کی خیبر سے واپسی کے وقت انہوں نے ان کو یہیں پر رخصت کیا تھا، یا ممکن ہے یہاں ان لوگوں کو رخصت کیا گیا ہو جو غزوۂ تبوک کیلئے روانہ ہوئے تھے، یہاں شاید کچھ مسافروں کو خود آنحضرت ﷺ نے اس جگہ رخصت فرمایا ہو، غرض اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر آنحضرت ﷺ کے مدینے میں داخل ہونے کے موقعہ پر پڑھے گئے تھے قبا پہنچنے پر نہیں۔ بعض روایتوں کی تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے مگر بعض دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر قباء میں داخل ہونے پر پڑھے گئے تھے۔

اب اگر یہ شعر قبا میں داخلے کے وقت پڑھے گئے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ شہر قبا تک کو شامل

ہے اور مدینہ بول کر قبا تک کا علاقہ مراد لیا جاتا ہے، چنانچہ پیچھے یہ لفظ گزرے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ کے مدینہ پہنچنے پر لوگوں میں خوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی چنانچہ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ، وغیرہ وغیرہ۔" (کیونکہ روایت میں قبا میں آپ ﷺ کے پہنچنے کا ذکر ہے)۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبا بھی مدینہ ہی کہلاتا تھا، آپ ﷺ کے پیر کے دن مدینہ پہنچنے سے یہی مراد ہے اس بنیاد پر جو پیچھے بیان ہوئی کہ مدینہ شہر قبا تک کو شامل ہے اور قبا بول کر بھی مدینہ مراد لیا جاتا ہے چنانچہ حضرت انسؓ کا جو یہ قول گزرا ہے کہ "جب وہ دن آیا جس میں آنحضرت ﷺ مدینے میں داخل ہوئے، اس سے بھی یہی مراد ہوگی، اور غالباً اس روایت سے بھی یہی مراد ہے جو پیچھے گزری ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن مدینے پہنچے اور جیسا کہ بیان ہوا ہے اس روایت کو علامہ ابن حجرؒ نے شاذ کہا ہے۔

لوگوں کی غلطی اور صدیق اکبرؓ کی بروقت تدبیر :-...... غرض جب آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے تو حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہو گئے حضرت ابو بکرؓ بوڑھے تھے یعنی ان کے چہرے سے بڑھاپا ظاہر ہونے لگا تھا، اور آنحضرت ﷺ جوان تھے، یعنی آپ ﷺ کی داڑھی کے بال سیاہ تھے اگرچہ آپ عمر میں ابو بکرؓ سے بڑے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہجرت کی تھی ان میں حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ کھچڑی بالوں والا کوئی اور نہیں تھا، چنانچہ انصاری مسلمانوں میں جو بھی ایسا شخص آتا جس نے رسول اللہ ﷺ کو ابھی تک نہیں دیکھا تھا وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آتا اور ان کو رسول اللہ سمجھ بیٹھتا، اسی وقت آنحضرت ﷺ پر دھوپ پڑنے لگی تھی حضرت ابو بکرؓ نے جلدی سے کھڑے ہو کر آپ ﷺ پر اپنی چادر سے سایہ کر لیا جس کی وجہ سے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو پہچاننے میں لوگوں سے غلطی نہیں ہوئی۔ (ی) یعنی آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے آپ ﷺ کو دھوپ سے بچانے کے لئے ایک بدلی سایہ کرتی تھی جو نبوت سے پہلے کے عجائبات میں سے ایک تھی جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

جن روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبا سے آپ ﷺ جمعہ کے دن روانہ ہوئے تھے ان میں سے بعض علماء کا یہ قول ہے کہ قباء پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ بنی عمرو ابن عوف کے یہاں پیر کا باقی دن اور منگل بدھ اور جمعرات کا دن ٹھہرے اور پھر جمعہ کے دن آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ قبا میں آٹھ دس دن رہے یہ امام بخاری سے نقل کیا گیا ہے، ابن عتبہ سے یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ بیس رات ٹھہرے اور کتاب ھدیٰ میں یہ ہے کہ آپ ﷺ چودہ دن ٹھہرے اور یہی صحیح مسلم میں بھی ہے، لہٰذا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

قبا میں مسجد تقویٰ کی بنیاد :-...... قبا میں آنحضرت ﷺ نے ایک مسجد قائم فرمائی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی یعنی جس کے متعلق قرآن پاک کی آیت بھی نازل ہوئی، آپ ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ کتاب ھدیٰ میں ہے کہ اس مسجد کو مسجد تقویٰ کہنا آنحضرت ﷺ کے دوسرے ارشاد کے خلاف نہیں ہے جو یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ وہ مسجد کون سی ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو آپ ﷺ نے مدینے کی اپنی مسجد نبوی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تمہاری یہ مسجد۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک کنکری اٹھا کر زمین پر ماری اور فرمایا کہ

تمہاری یہ مسجد۔ یعنی مدینے کی مسجد۔ !ان دو باتوں میں اختلاف اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ دونوں ہی مسجدیں تقویٰ پر قائم ہوئی ہیں۔ یہاں تک کتاب ھدیٰ کا حوالہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی رائے میں مدینے کی تمام مسجدیں جن میں قبا بھی شامل ہے تقویٰ کی بنیاد پر اٹھائی گئی ہیں۔ (ی) ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ جس مسجد کے بارے میں قرآن پاک میں تقویٰ کی آیت نازل ہوئی وہ قباء کی مسجد ہے۔

قبا سے جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ اس وقت روانہ ہوئے جبکہ سورج بلند ہو چکا تھا۔ (قال) ایک قول یہ ہے کہ مسجد قبا جس جگہ بنائی گئی وہ جگہ وہ تھی جہاں کلثوم ابن ہرم کے چھوارے سکھائے جاتے تھے۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے جو عام مسلمانوں کے لئے بنائی گئی، لہذا یہ بات اس کے خلاف نہیں ہے کہ اس سے پہلے ہی کچھ مسجدیں بن چکی تھیں کیونکہ وہ مسجدیں مخصوص تھیں عام مسلمانوں کے لئے نہیں تھیں جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے مکے میں اپنے مکان کے صحن میں اپنے لئے مسجد بنا رکھی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ مگر ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے مسجد بنائی وہ عمار ابن یاسرؓ ہیں۔

سیرت ابن ہشام میں حکم ابن عیینہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہاں قیام فرمایا حضرت عمار ابن یاسرؓ نے کہا کہ کیوں نہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک ایسا مکان بنا دیا جائے جس میں آپ ﷺ سایہ حاصل کیا کریں اور اسی میں نماز پڑھا کریں چنانچہ انہوں نے پتھر جمع کئے اور مسجد بنا دی۔ (ی) یعنی جب انہوں نے پتھر جمع کر لئے تو آنحضرت ﷺ نے اس مسجد کی بنیاد رکھی اور حضرت عمارؓ نے اس کی تعمیر مکمل کی، لہذا حضرت عمار ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عام مسلمانوں کے لئے مسجد بنائی۔

(قال) ادھر حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آنے سے پہلے ہم دو سال مدینہ میں رہے جہاں ہم نے مسجدیں آباد کیں اور ان میں نمازیں قائم کیں۔ روایت میں نعمر المساجد کا لفظ ہے اس کو میم پر تشدید کے بغیر پڑھا جائے تو اس کا مطلب وہی ہو گا جو ہم نے لکھا ہے کہ ہم نے مسجدیں آباد کیں اور پھر آگے ہی کی تفسیر اور تشریح ہے کہ نمازیں قائم کر کے مسجدوں کو آباد کیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نعمر کو میم پر تشدید کے ساتھ پڑھا جائے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے مسجدیں تعمیر کیں، گویا آنحضرت ﷺ کے مدینے آنے سے پہلے مدینہ میں کئی مسجدیں بن چکی تھیں۔

مگر اس روایت میں ایک شبہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے عام مسلمانوں کو ہجرت اور آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے درمیان کی مدت تقریباً ڈھائی مہینے بتلائی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ جبکہ حضرت جابرؓ کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان بارہ انصاری مسلمانوں کی آنحضرت ﷺ سے (مکے میں عقبہ کے مقام پر آخری) ملاقات اور پھر ان کی مدینے کو واپسی اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی مدینے کو ہجرت کے درمیان دو سال کا فاصلہ ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ کی مراد اس وقت سے نہیں ہے جبکہ عقبہ کے مقام پر بارہ انصاری ضامنوں کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی تھی یعنی عقبہ کی تیسری بیعت کے وقت سے یہ مدت شمار نہیں ہو گی بلکہ عقبہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ سے وہ ملاقات مراد ہے جس میں چھ انصاری مسلمانوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی تھی اور جن میں سے ایک خود حضرت جابرؓ بھی تھے، مگر اس صورت میں یہ مدت دو سال

سے بھی زائد ہو جاتی ہے لہذا یہ بات قابل غور ہے۔ (مگر اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت جابرؓ کے دوسال کہنے سے پوری اور نپی تلی دوسال کی مدت ہی ہو بلکہ یہ تخمینی مدت بھی ہو سکتی ہے، جو کم و بیش ہو سکتی ہے)۔

تعمیر مسجد میں اپنے ہاتھ سے مشقت و محنت :۔...... یہ مسجد قبا وہ پہلی مسجد ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ کھلے عام اور بلا خوف اور ڈر کے جماعت سے نماز پڑھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مسجد قبا انصاری اور مہاجر مسلمانوں نے مل کر بنائی تھی جس میں وہ نماز پڑھا کرتے تھے، جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے راستے میں قبا میں ٹھہرے تو آپ نے اسی مسجد میں نماز پڑھی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی، مگر یہ بات سیرت ابن ہشام کے گذشتہ حوالے کے بھی خلاف ہے اور اس روایت کے بھی خلاف ہے جو طبرانی میں مضبوط سند کے ساتھ شموس بنت نعمان سے بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا میں اس وقت آنحضرت ﷺ کو دیکھ رہی تھی جب قبا میں پہنچے، آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی میں نے آپ ﷺ کو چھوٹے بڑے پتھر اٹھاتے دیکھا جس سے آپ ﷺ پر تھکن کے آثار ظاہر ہوتے، ایسے میں آپکے کوئی صحابی آگے بڑھتے اور آپ ﷺ سے عرض کرتے،

"یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، یہ پتھر آپ ﷺ مجھے دے دیجئے انہیں میں رکھ دوں گا!"

آپ ﷺ فرماتے۔

"نہیں، تم دوسرا پتھر اٹھالاؤ تاکہ میں یہاں عمارت کی بنیاد رکھوں۔"

ایک حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس مسجد کو بنانے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا

"اے قباوالو! حرّہ سے میرے پاس پتھر لے کر آؤ۔!"

مبارک سنگ بنیاد :۔...... چنانچہ صحابہ نے آپ ﷺ کے پاس بہت سارے پتھر لا کر ڈھیر کر دیئے، آپ ﷺ نے قبلہ کا رخ متعین فرمایا اور ایک پتھر اٹھا کر رکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے ابو بکر! اب ایک پتھر اٹھا کر میرے پتھر کے پاس تم اپنے ہاتھ سے رکھ دو۔"

(جب انہوں نے رکھ دیا تھا) پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ابو بکرؓ کے پتھر کے پاس ایک پتھر تم اپنے ہاتھ سے رکھ دو، پھر آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ ایک پتھر اب تم اٹھا کر اپنے ہاتھ سے عمرؓ کے پتھر کے پاس رکھ دو۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس طرح گویا آپ ﷺ نے خلافت کے لئے ان حضرات کی ترتیب کی طرف اسی وقت اشارہ فرمادیا تھا۔ آگے مدینے میں مسجد نبوی کی بنیاد کے بیان میں بھی ایسا ہی واقعہ آرہا ہے۔

بہر حال مسجد قبا کے سلسلے میں ان مختلف روایتوں کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے (جو آپس میں ایک دوسری روایت کے مخالف ہیں اگر ان سب روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں موافقت کی ضرورت ہوگی اور اگر یہ سب روایتیں صحیح نہیں ہیں تو اس کی ضرورت نہیں رہتی)۔

مسجد قبا کا بلند و بالا رتبہ :۔...... قبا سے مدینہ منورہ جانے کے بعد آنحضرت ﷺ ہر سنیچر کے دن کبھی پیدل اور کبھی سواری پر یہاں اس مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔ نیز اس مسجد کی عظمت کے سلسلے میں

آپ ﷺ نے فرمایا،

"جس شخص نے مکمل اور صحیح طور پر وضو کی اور پھر مسجد قبا میں آکر نماز پڑھی تو اس کو ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔"

امام ترمذی اور حاکم نے ایک روایت بیان کی ہے جس کو ان دونوں نے صحیح کہا ہے۔ یہ روایت حضرت اسید ابن حضیرؓ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد قبا میں پڑھی جانے والی نماز ایک عمرہ کے برابر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے پیر اور جمعرات کے دن مسجد قبا میں نماز پڑھی اس کو عمرہ کا ثواب حاصل ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ پیر اور جمعرات کے دن مسجد قبا میں جایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔

"چاہے یہ کسی بھی جگہ ہوتی۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ، چاہے یہ مسجد دنیا کے کسی کونے میں ہوتی میں اپنے اونٹ کے کھُروں کو گھِستا ہوا یہاں آیا کرتا۔"

حاکم نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر و بیشتر مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے کبھی پیدل چل کر اور کبھی کسی سواری پر۔ حضرت ابو سعید خدریؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں پیر کے دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد قبا میں گیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء میں اکثر تشریف لایا کرتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد قبا میں آئے آپ ﷺ وہاں نماز پڑھنے لگے، اسی وقت وہاں انصاری مسلمان آکر آنحضرت ﷺ کو سلام کرنے لگے، میں نے حضرت بلالؓ سے کہا۔

"تمہارے خیال میں آنحضرت ﷺ کیسے ان کے سلام کا جواب دیں گے؟"

انہوں نے کہا

"آپ ﷺ نماز پڑھنے کی حالت میں اپنے ہاتھ سے ان کو اشارہ کر دیں گے۔"

یعنی ہتھیلی نیچے کر کے ہاتھ کی پشت اوپر کر دیں گے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ جب آپ ﷺ کی صاحبزادی حبشہ سے مدینے تشریف لائیں تو اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔

کتاب ھدیٰ میں ہے کہ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ جس شخص نے نماز میں کوئی ایسا اشارہ کیا جس سے کوئی بات سمجھی جاسکے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز لوٹالے، تو یہ حدیث باطل ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ بات صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے میں آنحضرت ﷺ کو سلام کرتا تھا جب آپ ﷺ نماز میں مشغول ہوتے تو آپ ﷺ سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتے، اس حدیث کے مقابل صرف ایک حدیث ہے جو مجہول ہے اور وہ وہی ہے جو پیچھے بیان ہوئی، لہذا یہ مجہول حدیث ان صحیح احادیث کی مخالفت میں نہیں پیش کی جاسکتی۔

<u>انصار کی پاکیزگی پر مدحِ خداوندی</u> :-...... غرض جب اسی مسجد قبا کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔

(آیت ۱۰۸، سورۂ توبہ، پ ۱۱، ع ۱۳)

ترجمہ :- البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا) وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں نماز کے لئے کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے معلوم کرلیا کہ وہ کون سی پاکی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی مرد یا عورت جب بھی بیت الخلاء جاتا ہے تو ہمیشہ اپنی شرمگاہ کو پانی سے دھوتا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی وہ پاکیزگی ہے۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد قبا میں صحابہ کے پاس تشریف لائے۔ تفسیر کشاف میں یہ بھی ہے کہ، اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ مہاجر مسلمان بھی تھے، غرض آپ مسجد قبا کے دروازے پر آکر ٹھہر گئے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ مسجد میں انصاری مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"کیا تم لوگ مؤمن ہو؟"

اس پر وہ سب خاموش رہے، آپ ﷺ نے پھر اپنا سوال دہرایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! بے شک یہ لوگ مؤمن ہیں اور میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں!"

اب آپ ﷺ نے سوال فرمایا۔

"کیا تم تقدیر پر ایمان رکھتے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا ہاں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا

"کیا تم مصیبتوں پر صبر کرتے ہو،"

انہوں نے عرض کیا، ہاں! پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا

"کیا تم کشادگی اور آسودگی کی حالت میں شکر ادا کرتے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا۔

"رب کعبہ کی قسم تم مؤمن ہو۔!"

اس کے بعد آپ ﷺ بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے گروہ انصار! اللہ عزوجل نے تمہاری تعریف کی ہے، وہ کیا بات جس کا تم وضو اور بیت الخلاء کے وقت اہتمام کرتے ہو؟"

یعنی وہ کون سی پاکی ہے (جس پر حق تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے) انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہم قضائے حاجت کے بعد تین ڈھیلے استعمال کرتے ہیں اور ڈھیلوں کے بعد پانی سے استنجاء پاک کرتے ہیں!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوا۔

یہاں تک کتاب ھدیٰ کا حوالہ ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ سوال فرمایا تو انصاریوں نے عرض کیا۔

"ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ ہمارے پڑوسی یہودی ہیں جو قضائے حاجت کے بعد اپنی پشت پانی سے دھوتے ہیں لہذا ہم بھی ان ہی کی طرح عمل کرنے لگے۔"

ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ۔ "جاہلیت کے زمانے میں ہم پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے جب اسلام آگیا تو بھی ہم نے اس عادت کو نہیں چھوڑا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا، اس عادت کو اب بھی مت چھوڑنا۔ ایک روایت میں صحابہ کا یہ جواب ہے کہ :

"ہم جس پاکی کا اہتمام کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نماز سے پہلے ہم وضو کرتے ہیں اور ناپاکی کی حالت میں غسل کرتے ہیں۔" آپ ﷺ نے پوچھا۔

"کیا اس کے سوا بھی کوئی اور عادت ہے ؟"

صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں سوائے اس کے کہ قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ ایک روایت میں پاخانے اور پیشاب دونوں کے بعد پانی سے استنجاء کا ذکر ہے۔

نیز ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ، ہم ناپاکی کی حالت میں پوری رات نہیں گزارتے ، آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہی پاکیزگی ہے اس لئے اس کو ہمیشہ لازم رکھو۔ مسند بزاز میں ابن عباسؓ کی روایت میں آنحضرت ﷺ کے سوال پر ان کا جواب صرف یہ ہے کہ ہم ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔

ان تمام روایتوں سے جن میں ڈھیلے استعمال کرنے کا ذکر ہے امام نوویؒ کے قول کی تردید ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اسی طرح یعنی قبا میں انصاریوں کی حدیث میں پانی کے ساتھ ڈھیلوں کے ذکر کو فقہاء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے مگر حدیث کی کتابوں میں اس بات کی کوئی اصل نہیں ملتی، بلکہ حدیث میں انصاریوں کے صرف یہ الفاظ ہیں کہ ہم پانی سے استنجا کرتے ہیں، حدیثوں میں ڈھیلے کے علاوہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ (ی) لیکن جن حدیثوں میں ڈھیلے کا ذکر نہین ہے وہ بھی اس لئے نہیں ہے کہ اس کا استعمال سب کو معلوم تھا (کیونکہ یہ عادت تھی)۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت اور شریعت کے سلسلے میں جو خصوصیت دی گئی وہ ڈھیلے سے استنجاء اور پانی ڈھیلے دونوں کا استعمال بھی ہے (یعنی اس امت اور شریعت کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے۔

قبا کے رہنے والوں میں ایک عویمر ابن ساعدہؓ بھی تھے جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ کے بندوں میں ایک بہترین بندہ اور جنت کا مکین عویمر ابن ساعدہؓ ہے۔"

(ی) کیونکہ وہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے پانی سے استنجاء کیا جیسا کہ ایک قول ہے۔ (ی) چنانچہ ایک حدیث میں اس پاکیزگی کے متعلق خاص طور پر ان ہی سے سوال کیا گیا ہے۔ چنانچہ بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عویمر ابن ساعدہؓ کے پاس پیغام بھیج کر ان سے اس پاکیزگی کے متعلق سوال فرمایا تھا جس پر انہوں نے وہ جواب دیا تھا جو پہلی روایت میں بیان ہوا۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی سے استنجاء اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے قبا کے سوا دوسری جگہوں پر عام نہیں تھا۔ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے والے پہلے شخص حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے۔

صحابہ میں سے ایک صحابی ایسے تھے جو (پیشاب کے بعد) پانی سے استنجا کرنے کو ناپسند کرتے تھے یہ حضرت حذیفہؓ تھے، شاید یہ اس کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ اس طرح شریعت کی دی ہوئی رخصت اور رعایت سے گریز ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں بھی ایک روایت ہے کہ وہ پانی سے استنجاء نہیں کیا کرتے تھے۔ غالبًا اس کی وجہ بھی وہی ہوگی جو ہم نے بیان کی۔ اسی طرح حضرت ابن زبیرؓ سے بھی روایت ہے کہ ہم ایسا نہیں کرتے تھے۔

امام احمد سے روایت ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ علامہ مغلطائی تو اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کو رد کیا ہے۔ امام مالکؒ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ آپ ﷺ (پیشاب کے بعد) پانی سے استنجا کیا کرتے تھے، مگر غالبًا یہاں انکار سے مراد یہ ہے کہ امام مالکؒ اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں، بہر حال یہ قابل غور ہے۔

بعض روایتوں میں ڈھیلے کا ذکر بھی گزرا ہے۔ ان روایتوں کے ظاہر سے امام شافعیؒ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے جو انہوں نے کتاب الاُم میں ذکر کیا ہے کہ ڈھیلا اور پانی دونوں استعمال کرنے کی سنت اس بات پر موقوف ہے کہ صرف ڈھیلے سے استنجا کرنا بھی کافی ہو اگر صرف اسی پر بس کی جائے، امام شافعیؒ نے لکھا ہے کہ صرف ڈھیلے سے استنجاء کرنا کافی ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کافی استنجاء کے بعد پھر پانی سے بھی دھوئے تو یہ عمل زیادہ محبوب ہوگا۔

یہاں روایت کے ظاہر کا لفظ اس لئے کہا گیا ہے کہ صرف استنجاء کی طرف بھی ضمیر کے لوٹنے کا امکان ہے مگر کافی کی قید کے ساتھ نہیں، بعد کے شافعی علماء نے جس مسلک کو قبول کیا ہے وہ یہ ہے کہ ڈھیلا اور پانی دونوں استعمال کرنے کی صورت میں صرف اصل نجاست کا زائل کر دینا کافی ہے چاہے وہ ایک ہی ڈھیلے سے ہو جائے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بات محبوب ہے مگر امام شافعیؒ نے جس بات کا ذکر کیا ہے اس کو بہت زیادہ محبوب بتلایا ہے۔

واضح رہے کہ انصاریوں کی اس حدیث میں ڈھیلے اور پانی دونوں کے استعمال کی بات قضائے حاجت کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ قفال نے اپنی کتاب محاسن الشریعت والمفہوم میں کتاب الاُم کی بنیاد پر یہی بات کہی ہے مگر کتاب الاُم کی جو عبارت یہاں نقل کی گئی ہے اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بات صرف قضائے حاجت کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ پیشاب کے بعد بھی ڈھیلا اور پانی دونوں کا استعمال بہت زیادہ محبوب ہے۔

قبا سے کوچ اور مدینہ میں رونق فرمائی :-...... غرض قبا میں مذکورہ مدت تک قیام کرنے کے بعد آپ ﷺ وہاں سے روانگی کے لئے اپنی اونٹنی جدعاء پر سوار ہوئے۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے، اور ایک قول ہے کہ عضباء پر سوار ہوئے، یہاں سے آپ ﷺ کی منزل مدینہ تھی۔

جہاں تک جدعاء کا تعلق ہے تو اس کے معنی جس کی پوری ناک کٹی ہوئی ہو یا کان کٹا ہوا ہو۔ قصواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہو اور عضباء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا کان پھٹا ہوا ہو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ صرف اونٹنیوں کے القاب تھے ورنہ ان اونٹنیوں میں سے کسی میں بھی ان میں سے کوئی عیب نہیں تھا، آگے اصل یعنی کتاب عیون الاثر کے حوالے سے بیان ہوگا کہ یہ تینوں القاب ایک ہی اونٹنی کے تھے۔

پروانہ ہائے نبوت کے جلو میں کوچ :-...... جب آنحضرت ﷺ سوار ہو کر قبا سے نکلے اور مدینے کی طرف چلے تو آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے آدمی بھی تھے جن میں سوار بھی تھے اور پیدل بھی تھے، ان میں ہر شخص دوسرے سے الجھ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑ کر چلنے کی سعادت اسے حاصل ہو، یہاں تک کہ اسی حالت میں آپ ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔

(قال) مدینے کے سب لوگ اور بچے بڑے اس وقت یہ کہتے جاتے تھے۔

"اللہ اکبر۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ محمد ﷺ آگئے۔!"

حبشیوں نے آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں نیزہ بازی کے کمالات اور کرتب دکھلائے۔

بنی عمرو ابن عوف نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ ہم لوگوں سے اکتا کر یہاں سے آگے تشریف لے جا رہے ہیں، یا ہمارے گھروں سے بہتر کوئی گھر چاہتے ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا

"مجھے ایک ایسی بستی میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے جو دوسری بستیوں کو کھالے گی!"

یعنی دوسری بستیوں پر غالب آجائے گی، مراد ہے دوسری بستیوں کے لوگوں پر اثر انداز ہو جائے گی، یعنی دوسری بستیوں کو فتح کرلے گی اور ان بستیوں کے رہنے والوں کا مال اس کے حصہ میں آئے گا اور ان کے باشندے جنگوں میں قید ہو کر غلام بن جائیں گے۔"

اس پر ان لوگوں نے آپ ﷺ کی اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا۔ (ی) حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ یہ بستی مدینہ منورہ ہے۔ شیخین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ، مجھے ایک ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے جو یثرب کی بستیوں (یعنی نواح) کو کھالے گی، وہ بستی مدینہ ہے۔ گویا لفظ مدینہ اپنی ممتاز حیثیت میں ان بستیوں کا مشترکہ نام ہے جیسا کہ لفظ ثریا ستارے کو عام انداز میں نجم یا ستارہ کہہ دیا جاتا ہے مراد وہی ہوتا ہے، اور اگر اس کے سوا کوئی دوسری بستی مراد ہوتی ہے تو مدینے کے باشندے کی نسبت مدنی کہہ کر ظاہر کی جاتی ہے اور کسی دوسرے شہر کے باشندے کو مدینی کہا جاتا ہے جس سے مراد شہر کا رہنے والا ہوتا ہے، تاکہ دونوں میں فرق باقی رہے (کیونکہ مدینہ کے معنی ہیں شہر اور مدنی کے معنی ہیں شہر کا رہنے والا، مگر اب مدنی کے معنی مدینہ منورہ کا باشندہ ہوتے ہیں اور شہر کے رہنے والے کو مدینی کہا جاتا ہے)۔

یثرب :-...... جہاں تک لفظ یثرب کا تعلق ہے تو اصل میں یہ مدینہ شہر میں ایک خاص جگہ کا نام تھا مگر پھر پورے شہر کا نام ہی یثرب پڑ گیا تھا، یہ یثرب ایک شخص کا نام تھا جو نوحؑ کی اولاد میں سے تھا غالباً اس جگہ کا نام یثرب اسی لئے پڑا کہ یثرب نے آکر اس جگہ قیام کیا ہوگا۔

مدینہ کے فضائل اور برکات :-...... ایک حدیث میں ہے کہ مدینہ منورہ برے آدمیوں کو اسی طرح دور کر دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ منورہ اپنے یہاں کے برے لوگوں کو علیٰحدہ نہیں کر دے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ صورت حال آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ صورت حال دجّال کے زمانے میں ظاہر ہوگی، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ دجّال مدینے کے باشندوں میں ایک بھونچال سا پیدا کر

دے گا، چنانچہ ہر منافق اور کافر وہاں سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ دجال سنیچر میں آکر اترے گا جس سے مدینے میں تین زبردست جھٹکے لگیں گے جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ وہاں سے ہر منافق اور کافر کو نکال دے گا، چنانچہ اسی بنیاد پر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس بات کا کہ مدینہ برے آدمیوں کو اپنے یہاں سے علیحدہ کر دے گا، یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ زمانے میں اور ہر شخص کے لئے عام ہے۔ (بلکہ ایک خاص زمانے کے لئے ہے اور خاص لوگوں کے لئے ہے) کیونکہ وہاں منافق بھی تھے، اور دوسری طرف وہاں سے بہت سے اچھے اور بلند مرتبہ لوگ بھی نکلے ہیں جیسے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ۔ اگرچہ علامہ ابن جوزیؒ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ان کا انتقال مدینے میں ہی ہوا ہے۔

صحابہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کی سرزمین میں بھی میرے کسی صحابی کا انتقال ہوا تو قیامت کے دن وہ وہاں کے رہنے والوں کا قائد اور ان کے لئے روشنی کا ذریعہ بنے گا۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ، وہ وہاں کے تمام باشندوں کا شفاعت کرنے والا بنے گا۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ اگر لوگ جانتے ہوں تو مدینہ ہی ان کے لئے سب سے زیادہ کشادگی اور سہولتوں کا شہر ہے، تو اس حدیث کے پہلے حصہ کی بنیاد پر مراد یہ ہے کہ کشادگی اور سہولتوں والے شہروں کے مقابلے میں مدینہ ان کے لئے بہتر ہے۔ (یعنی خود مدینہ کشادگی اور سہولتوں کا شہر تو نہیں مگر ایسے شہروں کے مقابلے میں مدینہ بہتر ہے) اس حدیث کا مکمل متن یہ ہے کہ، لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی اپنے چچازاد بھائی اور دوسرے رشتہ داروں سے کہے گا کہ آؤ کشادگی اور زندگی کی سہولتوں کی جگہ پر چل کر رہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگ اگر جانتے تو مدینہ ہی ان کے لئے زیادہ بہتر جگہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو شخص بھی اس شہر سے اکتا کر یہاں سے جائے گا، یعنی اس سے بیزار ہو کر کسی سہولت اور کشادگی والے شہر میں جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر آدمی کو اس کی جگہ یہاں بھیج دے گا۔

اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے مدینے کا مکے سے افضل ہونا ثابت ہو، (یعنی یہ کہ مدینے کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص مکے چلا جائے)۔

مدینے کے ناموں میں سے ایک نام اکالۃ البلدان بھی ہے۔ اسی طرح ایک نام بارہ بھی ہے۔ اس کو فاضحہ یعنی رسوا کرنے والا کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، یعنی اگر کوئی اس شہر میں رہ کر کوئی چیز چھپائے تو اللہ تعالیٰ اس کو علی الاعلان کھول کر رسوا کر دیتا ہے، یعنی مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی برائی کو یہاں رہتے ہوئے چھپانا چاہے تو وہ چھپ نہیں سکتی۔

یثرب کہنے کی ممانعت :-...... آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے اب مدینہ کو یثرب کہا وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے یہ طابہ ہے شام کی طرح (یعنی جیسے شام کو خوشبوؤں کی وجہ سے شام کہا جاتا ہے) یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، پھر تین مرتبہ فرمایا کہ یہ طیبہ ہے جیسے ھیہ یہ طائب ہے جیسے کاتب!

طیبہ کے معنی ہیں صاف ولطیف اور پاکیزہ۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کو طیبہ اس لئے کہا گیا کہ اس میں رہنے کی وجہ سے ایک پاکیزہ خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں پاکیزہ خوشبوئیں پھیلتی رہتی ہیں، اس شہر میں نہ طاعون کی بیماری داخل ہو سکتی ہے اور نہ دجال اور نہ یہاں کوڑھی ہوتے ہیں، کیونکہ اس کی سرزمین پاک کوڑھ کے مرض کو ختم کر دیتی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کو قرآن پاک میں بھی یثرب کے نام سے یاد کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ منافقوں کے قول کی حکایت کے طور پر کہا گیا ہے یعنی ان کو یثرب کہنے کی ممانعت ہو جانے کے بعد بھی جو ان کا قول تھا اس کی حکایت بیان کی گئی ہے۔

ایک ارشاد خود آنحضرت ﷺ کا ہے کہ، میں اس کو یثرب کے سوا کچھ نہیں پاتا، یا اسی طرح اور جہاں جہاں بھی آپ ﷺ نے مدینے کے بجائے اس شہر کو یثرب کے لفظ سے یاد کیا ہے وہ اس نام کی ممانعت سے پہلے کی بات ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایمان اسی طرح مدینے کی طرف سمٹتا ہے جیسے سانپ اپنے بھٹ میں سمٹ جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسلام اپنی ابتداء میں بھی غریب تھا اور آگے جاکر اپنے آغاز کی طرح پھر غریب ہو جائے گا اور اس طرح سمٹ جائے گا جیسے سانپ اپنے بھٹ میں سمٹ جاتا ہے۔

مدینے کو یثرب کا نام دینا اس لئے ناپسند کیا گیا ہے کہ یثرب کا لفظ تثریب سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں گناہ پر مواخذہ اور گرفت جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

قال لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ الآیۃ ۹۲ پ ۱۳ سورۂ یوسف ع ۱۰

ترجمہ :- یوسفؑ نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں۔

یا پھر یہ لفظ ثرب سے نکلا ہے جس کے معنی فساد کے ہیں (لہذا دونوں صورتوں میں ایسے مبارک شہر اور پاک بستی کا نام ایسا ہونا مناسب نہیں ہے جس کی اصل میں گناہ پر پکڑ یا فتنہ و فساد موجود ہو چنانچہ اسی لئے مدینے کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے)۔

قاسم ابن محمد سے روایت ہے کہ، میں نے سنا ہے کہ توریت میں مدینے کے چالیس نام ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک قول کے مطابق گیارہ نام بتلائے گئے ہیں جن میں سے ایک سکینہ بھی ہے، نیز ان ناموں میں جابرہ یعنی ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا، نیز اس کے نام عذراء اور مرحومہ بھی ذکر کئے گئے ہیں

مدینے کے نام :-...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس شہر کے تقریباً سو نام ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں اور بالآخر دار الابرار، دار الایمان، دار السنۃ، دار السلام اور دار الفتح۔ امام نووی کہتے ہیں کہ مکے اور مدینے کے علاوہ دنیا میں اور کوئی ایسا شہر نہیں ہے جس کے اتنے زیادہ نام ہوں۔

مدینہ میں جمعہ کی پہلی نماز :-...... بعض علماء کا قول ہے کہ قبا سے مدینہ منورہ کیلئے آنحضرت ﷺ روانگی جمعہ کے دن ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک قول ہے کہ مدینے کو روانگی میں جمعہ کی نماز کا وقت آگیا اس وقت آپ ﷺ مدینے کے محلے بنی سالم ابن عوف میں تھے چنانچہ وہاں وادی کے وسط جو مسجد تھی آنحضرت ﷺ نے اس میں اپنے تمام صحابہ کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا فرمائی، ان مسلمانوں کی تعداد سو تھی، اسکے بعد آپ ﷺ نے جب مدینہ میں جمعہ پڑھا تو آپ ﷺ کے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ سے اسی طرح روایت ہے کہ

آپ ﷺ نے مدینہ میں چالیس آدمیوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی۔(ی) مگر وہ کہتے ہیں کہ اس سے کم نمازیوں کی تعداد میں نے نہیں دیکھی۔

مدینے میں پہلا خطبہ :-...... جس وقت سے آنحضرت ﷺ نے بنی سالم کی اس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی اس مسجد کو مسجد جمعہ " کہا جانے لگا، یہ قبا کی طرف جانے والے راستے کے بائیں جانب ہے اس طرح یہ جمعہ کی پہلی نماز تھی جو آنحضرت ﷺ نے مدینے میں پڑھی۔(ی) اس نماز سے پہلے آپ ﷺ نے خطبہ دیا تھا جو اسلام کا پہلا خطبہ جمعہ ہے، آپ ﷺ کے اس اولین خطبے کا ایک حصہ یہ ہے۔

"پس جو شخص اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا سکے تو ضرور بچالے چاہے وہ آدھے چھوہارے کے برابر ہی کیوں نہ ہو، جس کو کچھ بھی نہ آتا ہو تو وہ کلمہ طیبہ کو لازم کرلے کیونکہ اس سے نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملتا ہے، اور سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ ایک روایت میں آخری الفاظ یہ ہیں کہ ،اور تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔"

علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اس خطبے کو نقل کیا ہے، نیز مواہب میں بھی یہ پورا ذکر ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں جو ہم نے یہاں پیش کئے ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اگر آپ ﷺ قبا میں پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن ٹھہرے تو یہ گذشتہ روایت درست ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی جیسا کہ بیان ہوا، لیکن جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ قبا میں آٹھ دس دن یا اس سے زیادہ ٹھہرے جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا تو پھر یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ اس مدت میں آپ ﷺ نے قبا میں کوئی جمعہ نہ پڑھا ہو (لہذا یہ کہنا درست نہیں ہو سکتا کہ مدینے میں پڑھا جانے والا خطبہ اسلام کا پہلا خطبہ ہے) چنانچہ بعض علماء نے صاف ہی لکھا ہے کہ قبا میں قیام کی مدت کے دوران آنحضرت ﷺ وہاں مسجد قبا میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اب ظاہر ہے پھر یہ بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ قبا میں پڑھی جانے والی جمعہ کی نمازیں آپ ﷺ نے بغیر خطبے کے پڑھائیں۔

ادھر کتاب اجماع صغیر میں آنحضرت ﷺ کے خطبے میں یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ جہاں میں کھڑا ہوں اسی وقت، اسی مقام پر اور اسی سال سے قیامت تک کے لئے تم پر جمعہ کی نماز فرض کی ہے، جس شخص نے بغیر کسی عذر کے عادل امام یا جابر امام کے ساتھ جمعہ کی نماز چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ کبھی اس کے منتشر شیرازے کو جمع نہیں کرے گا اور نہ اس کے کاموں میں برکت باقی رہے گی سن لو نہ اس کی نماز درست ہو گی نہ اس کا حج ہو گا، نہ اس کے لئے برکت رہے گی اور نہ اس کا صدقہ قبول ہو گا۔"

اب اگر آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ اپنے اس خطبے میں ارشاد فرمائے ہیں جو خطبہ آپ ﷺ نے مدینے کی مسجد جمعہ میں دیا تھا جیسا کہ ظاہر بھی یہی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے خطبہ واجب ہی نہیں تھا، مگر یہ بات شافعی فقہاء کے قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ جمعہ مکے ہی میں واجب ہو چکا تھا مگر وہاں جمعہ اس لئے نہیں پڑھا جا سکا کہ مسلمانوں کو مکے میں اتنی قوت اور شوکت ہی حاصل نہیں تھی کہ کھلے عام جمعہ ادا کر سکتے، کیونکہ روزانہ کی پانچوں نمازوں کے مقابلے میں اس کا اظہار زیادہ قوی اور ناگزیر تھا۔

کتاب اتقان میں یہ ہے کہ جمعہ ان احکام میں سے ہے جن کی آیت بعد میں نازل ہوئی مگر ان کا حکم اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا، اسی لئے یہ آیت مدنی ہے یعنی مدینے میں نازل ہوئی جبکہ جمعہ مکے ہی میں فرض ہو چکا

تھا۔

اُدھر ابن غرس کا قول ہے کہ مکے کی زندگی میں کبھی جمعہ قائم نہیں ہوا ہے مگر ابن ماجہ نے ایک حدیث حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن کعب ابن مالک سے پیش کی ہے جو کہتے ہیں کہ جب میرے والد کی آنکھیں جاتی رہیں تو میں ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں لے جایا کرتا تھا، چنانچہ جب میں انہیں جمعہ میں لے کر جاتا اور وہ جمعہ کی اذان سنتے تو ابوامامہ اسعد ابن زرارہ کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تھے، آخر ایک روز میں نے ان سے کہا۔

"بابا۔ کیا آپ کی نماز اسعد ابن زرارہ کے لئے ہوتی ہے کہ جب بھی آپ جمعہ کی اذان سنتے ہیں ان کے لئے مغفرت مانگتے ہیں، آخر کیوں؟"

انہوں نے کہا

"بیٹے! وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے مکے سے یہاں تشریف لانے سے بھی پہلے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔!"

یہاں تک ابن ماجہ کا حوالہ ہے، مگر یہ بات قابل غور ہے کہ اس حدیث سے ابن غرس کے اس دعویٰ کی تردید کس طرح ہوتی ہے کہ مکے میں کبھی جمعہ کی نماز نہیں ہو سکی۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مدینے میں جمعہ کی نماز کا ثواب ایسا ہے جیسے یہاں کے علاوہ دوسری جگہوں ہزاروں نمازیں پڑھنا، اسی طرح مدینے میں رمضان کے روزے رکھنا ایسا ہے جیسے دوسری جگہ پر ایک ہزار مہینوں کے روزے رکھنا۔ یہ حدیث کتاب وفا میں نافع ابن عمر سے بیان کی گئی ہے۔

<u>دحیہ کلبیؓ کے حسن کی تاثیر اور خطبہ جمعہ میں خرابطہ</u> :-...... مدینے کے بعد جس بستی میں سب سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھی گئی وہ بحرین کا شہر عبدالقیس ہے، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آیا جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے تھا یا بعد میں تو اس کے متعلق کتاب الدر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ عیدین کی طرح نماز کے بعد دیا کرتے تھے، ایک روز آپ ﷺ کھڑے ہوئے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ دحیہ کلبیؓ کا قافلہ مدینے پہنچا، وہ جب آتا تھا تو اس کے گھر والے اس کے استقبال کے لئے گاتے بجاتے باہر نکلا کرتے تھے، ادھر اور لوگ بھی اس قافلے اس کھانا خریدتے اور اسے دل بہلانے کے لئے دہاں جایا کرتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لوگ دحیہ کے حسین چہرے سے دل بہلانے کے لئے یعنی اسے دیکھ کر جی خوش کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدر حسین و جمیل اور خوبصورت شخص تھا کہ جب وہ آتا تو کوئی جوان عورت ایسی نہیں ہوتی تھی جو اس کو دیکھنے کے لئے باہر نہ نکل آتی ہو، اس لئے ممکن ہے کہ لوگ اس گانے بجانے سے لطف اندوز ہونے نیز دحیہ کے چہرے کو ایک نگاہ بھر کر دیکھنے کے لئے وہاں جاتے ہوں۔

غرض اس وقت آنحضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک دحیہ کا قافلہ مدینے پہنچنے کا شور بلند ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اٹھ اٹھ کر قافلے کی طرف بھاگ گئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس تقریباً بارہ آدمی بیٹھے رہ گئے۔ علامہ جلال محلی نے اپنی تفسیر میں تقریباً کے بجائے پورے بارہ ہی آدمی رہ جانے کا ذکر کیا ہے، اب ان لوگوں کے علاوہ باقی آدمیوں کا اٹھ کر چلے جانا ممکن ہے خطبہ کے دوران اس کے ارکان پورے ہونے سے پہلے رہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بعد گئے ہوں۔ پہلی صورت میں ممکن ہے بھاگنے والے لوگوں میں سے اتنے واپس آگئے ہوں جن سے چالیس آدمیوں کی تعداد پوری ہو گئی ہو اور اس درمیان میں لمبا

وقفہ بھی نہ گزرا ہو، پھر بھاگنے کی وجہ سے انہوں نے خطبہ کے جو ارکان نہیں سنے تھے، آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ان کو سنایا، لہذا اب یہ بات امام شافعیؒ کے اس مسلک کے خلاف نہیں ہوتی ہے جس میں انہوں نے چالیس آدمیوں کے خطبہ کے ارکان سننے کو ضروری قرار دیا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ وہ لوگ خطبہ کے دوران تین مرتبہ اٹھ کر بھاگے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا الآیہ پ ۲۸ سورۂ جمعہ ع ۲

ترجمہ :-اور بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔

نماز سے پہلے خطبہ کا معمول :-......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے لگے تاکہ لوگ ایسے موقعہ پر نماز کی وجہ سے اٹھ کر نہ جا سکیں، اسی بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے لہذا حسن بصریؒ کی مخالفت کی وجہ سے اس میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا، لہذا اب بعض ہمارے یعنی شافعی فقہاء کا قول یہ ہے جو جمعہ کی نماز کا دونوں خطبوں کے بعد واجب ہونا بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے جمعہ کی نماز دونوں خطبوں کے بعد ثابت ہے یعنی یہ بات متعین ہو چکی ہے۔

زہری سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے، یعنی گذشتہ خطبے کے علاوہ، تو اس میں یہ فرماتے۔

"جو چیز پیش آنے والی ہے وہ بہت قریب ہے، پیش آنے والی چیز تم سے دور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جلد بازی کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا، اور نہ لوگوں کی وجہ سے کاموں کی رفتار سست کرتا ہے لوگ ایک بات کی خواہش کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ دوسری بات کا ارادہ فرماتا ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے لوگوں کا چاہا نہیں ہوتا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ضرور ہو کر رہتا ہے خواہ وہ لوگوں کی خواہش کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو، جو چیز اللہ کے نزدیک قریب ہے اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں اور جو چیز اللہ کے نزدیک دور ہے اس کو قریب کرنے والا کوئی نہیں، اور کوئی بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتی۔" واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کی میزبانی کے لئے شوق و آرزو :-...... غرض نماز جمعہ پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ دوبارہ مدینہ کی طرف جانے کے لئے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ (ی) آپ ﷺ نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی، اور اس کو کوئی حرکت نہ دی۔ اونٹنی دائیں اور بائیں (اس طرح) دیکھنے لگی (جیسے وہ چلنے کے لئے سمت اور رخ کا فیصلہ کر رہی ہے) یہ دیکھ کر بنی سالم کے لوگوں نے (یعنی جن کے محلّے میں آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز پڑھی تھی، آنحضرت ﷺ سے سوال کیا، ان میں عتبان (عین کے زبر کے ساتھ) ابن مالک نوفل ابن عبداللہ ابن مالک اور عبادہ ابن صامت بھی تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

بنی سالم کی درخواست :-...... "یارسول اللہ! ہمارے یہاں قیام فرمائیے جہاں لوگوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور عزت و حفاظت بھی پوری حاصل ہوگی۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ، جہاں دولت و ثروت بھی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ، ہمارے قبیلے میں اتریئے ہم تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور ہمارے پاس ہتھیار بھی ہیں، نیز ہمارے پاس باغات اور زندگی کی ضروریات بھی ہیں یارسول اللہ! جب کوئی خوف و دہشت کا مارا ہوا عرب اس

علاقہ میں آجاتا ہے تو وہ ہمارے ہی یہاں آکر پناہ ڈھونڈھتا ہے۔

آپ ﷺ کا جواب :-...... آپ ﷺ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور مسکرا کر فرمایا۔

"اس کا یعنی اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو یعنی یہ جہاں جانا چاہے اس کو جانے دو کیونکہ یہ مامور ہے۔

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت خود چلے گی اور اس کو اپنی منزل معلوم ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔

بنی بیاضہ اور بنی ساعدہ کی درخواست :-...... غرض اس کے بعد اونٹنی چل پڑی یہاں تک کہ بنی بیاضہ کا محلّہ آگیا، مراد ہے بنی بیاضہ کا قبیلہ، یہاں بنی بیاضہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی ان میں زیاد ابن لبید اور فروہ ابن عمرو بھی تھے انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ سے وہی درخواست کی جو بنی سالم نے کی تھی، آپ ﷺ نے ان کو بھی وہی جواب دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے اس کا راستہ چھوڑ دو، اس کے اونٹنی آگے بڑھی اور بنی ساعدہ کے محلّہ میں پہنچی، بنی ساعدہ کے لوگوں میں سعد ابن عبادہ، منذر ابن عمرو اور ابو دجانہ شامل تھے، بنی ساعدہ کے لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ سے وہاں اترنے اور قیام کرنے کی درخواست کی مگر آپ ﷺ نے ان کو بھی یہی جواب دیا کہ یہ مامور ہے اس کا راستہ چھوڑ دو۔

بنی نجار کی درخواست :-...... اس کے بعد اونٹنی آگے بڑھی اور آخر بنی عدی ابن نجّار کے محلّے میں داخل ہوئی، یہ آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی ننہال تھی، جوں ہی اس محلّے کے شروع کے حصے میں اونٹنی داخل ہوئی تو بنی عدی کے لوگوں نے بھی آپ ﷺ سے وہی درخواست کی جو پیچھے ذکر ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا۔

"ہم آپ کے ننہال، یعنی آپ ﷺ کے دادا کی ننہال والے ہیں، اس لئے ہمارے یہاں قیام فرمایئے جہاں رشتے داری کے علاوہ عزت و اعزاز بھی ہے اور ہم تعداد میں بھی بہت ہیں اور آپ ﷺ کی حفاظت میں بھی پیش پیش ہوں گے، یارسول اللہ! ہمیں چھوڑ کر کسی اور کے یہاں نہ جایئے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ، کیونکہ اپنی قوم میں ہی آپ ﷺ کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ ہم آپ ﷺ کے رشتے دار ہیں۔!"

بنی نجار کی خوش نصیبی :-...... آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی وہی جواب دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے، چنانچہ اونٹنی چلتی رہی یہاں تک کہ کچھ آگے جا کر بنی نجار کے اسی محلّے میں ایک جگہ بیٹھ گئی، یہی اب مسجد نبوی کی جگہ ہے۔ یعنی اب مسجد نبوی کے دروازے یا منبر کی جو جگہ ہے وہاں اونٹنی بیٹھ گئی، یہ جگہ بنی مالک ابن نجار کے مکان کے دروازے کے پاس تھی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے دروازے کے قریب تھی۔

حضرت ابوایوبؓ کی بختاوری :-...... حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام خالد ابن زید نجار انصاری تھا جو قبیلہ خزرج کے تھے۔ یہ عقبہ کے مقام پر بھی اور دوسری تمام جگہوں پر بھی آنحضرت کے ساتھ رہے تھے، یہ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی رہے اور خاص طور پر یہ جنگ جمل، جنگ صفین اور نہروان کی لڑائی میں ان کے ساتھ تھے، حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یہ یزید ابن معاویہ کے ساتھ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں شام کے علاقہ میں لڑے، ان کی وفات قسطنطنیہ شہر کے قریب ہوئی اور وہیں ان کو دفن کیا گیا، یزید نے ان کے دفن کے بعد حکم دیا کہ ان کی قبر پر گھوڑے دوڑا دیئے جائیں تاکہ قبر کا نشان بالکل نہ رہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس نے ایسا اسلئے کیا کہ کہیں کفار ان

کی قبر کھود کر نعش نہ نکال لیں، کیونکہ مشرکوں کو اگر قبر کا پتہ چل جاتا تو وہ ان کی قبر کھود ڈالتے اور نعش کی بے حرمتی کرتے،

غرض بنی نجار کے محلّہ میں اس جگہ آکر اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی مگر آنحضرت ﷺ فوراً اس پر سے نہ اترے تھوڑی ہی دیر بعد اونٹنی اچانک پھر اچھل کر کھڑی ہوئی اور چل پڑی اور چند ہی قدم چل کر ٹھہر گئی آنحضرت ﷺ نے اسکی لگام چھوڑ رکھی تھی، اس کے بعد اونٹنی پھر اسی جگہ واپس ہوئی جہاں پہلے بیٹھی تھی اور دوبارہ وہیں بیٹھ گئی، پھر اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور بغیر منہ کھولے اس نے آواز نکالی، اسی وقت آنحضرت ﷺ اونٹنی پر سے اتر گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے میرے پروردگار! مجھے مبارک جگہ پر اتارنا اور تو ہی بہترین جگہ ٹھہرانے والا ہے!"

آپ ﷺ نے یہ جملہ چار مرتبہ فرمایا، اس وقت آنحضرت ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہو گئی تھی جو وحی کے نازل ہونے کے وقت ہو جایا کرتی تھی، جب کیفیت ختم ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"انشاء اللہ یہی قیام گاہ ہو گی!"

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا سامان اتارنے کا حکم فرمایا۔

ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت ابوایوبؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

"مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کا سامان اتار کر اپنے یہاں لے جاؤں!"

چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور وہ سامان اتار کر اپنے گھر لے گئے۔ اسی وقت حضرت اسعدؓ ابن زرارہ آگئے اور انہوں نے اونٹنی کی مہار اپنے ہاتھ میں لی اور چلے گئے، چنانچہ وہ اونٹنی ان ہی کے پاس رہتی تھی،

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب حضرت ابوایوبؓ سامان اتارنے لگے تو انہوں نے اونٹنی کو اپنے گھر میں لے جا کر بٹھایا، مگر ممکن ہے کہ اسعد ابن زرارہ اس کے بعد اونٹنی کی لگام پکڑ کر لے گئے ہوں اور پھر وہ ان کے پاس ہی رہی ہو۔

حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے تو انصاریوں نے قرعہ ڈالا کہ آپ ﷺ کس کے یہاں آکر اتریں گے، اس قرعہ اندازی میں میرا ہی نام نکلا تھا، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں انصاریوں سے اس محلّے یعنی بنی نجّار کے انصاری مسلمان مراد ہیں جن کے یہاں لو نٹنی بیٹھی تھی۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب بنی نجّار کے محلّے میں اس جگہ اونٹنی نے بیٹھ کر اپنی گردن زمین پر ڈال دی تو بنی سلمہ کے ایک شخص جن کا نام جبار ابن صخر تھا اور جو بہت صالح مسلمانوں میں سے ایک تھے، اونٹنی کے پہلو میں کچو کے دے کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگے، وہ ایسا اس تمنا میں کر رہے تھے کہ شاید اونٹنی کھڑی ہو جائے اور پھر بنی سلمہ کے محلے میں جا کر بیٹھ جائے (تاکہ آنحضرت ﷺ کے قیام کی سعادت انہیں حاصل ہو) مگر اس کے باوجود بھی اونٹنی اپنی جگہ سے نہ اٹھی۔

<u>انصار میں خیر و سعادت کی ترتیب</u> :-......ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"انصاریوں کے گھروں میں بہترین گھر بنی نجار کا ہے :-اس کے بعد بنی عبد الاشہل کا، اس کے بعد بنی

حرث کا، اور پھر بنی ساعدہ کا، اور انصاریوں کے سب ہی گھر خیر و برکت والے ہیں۔!"

سعد ابن عبادؓ کے مجروح احساسات اور ردّ عمل :-......جب حضرت سعد ابن عبادؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان کے دل میں اس کی کچھ کھٹک ہوئی (کیونکہ وہ بنی ساعدہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے لہذا) انہوں نے کہا،

"ہمارا مقام ان چاروں میں سب کے بعد آتا ہے، میرا گدھا لاؤ میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر ملوں گا۔"

مگر اسی وقت ان کے بھانجے سہل نے ان سے بات کی اور کہا۔

بھانجے کی فہمائش پر غلطی کا احساس :-...... "کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دینے اور آپ ﷺ کی بات آپ ﷺ پر لوٹانے کے لئے جا رہے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ آپ سے زیادہ جانتے ہیں! کیا آپ کے لئے یہی بات کافی نہیں ہے کہ آپ ان چار بہتر قبیلوں میں سے ایک تو ہیں چاہے چوتھے ہی کیوں نہ ہوں۔"

"بے شک اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔!"

پھر انہوں نے گدھا واپس لے جانے کا حکم دیا اور اس کا رسا اتروادیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ سہل نے سعد سے یہ کہا۔

"بیٹھ جاؤ، کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ آنحضرت ﷺ نے جن چار خاندانوں کا نام لیا ان میں ایک تمہارا خاندان بھی ہے! جن خاندانوں کو آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور ذکر نہیں فرمایا ان کی تعداد تو ان سے کہیں زیادہ ہے جن کا آپ ﷺ نے نام لیا ہے۔!"

اس پر حضرت سعدؓ خاموش ہو گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کا خیال چھوڑ دیا۔

بنی نجّار میں خوشی کے شادیانے

جس وقت آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچ کر بنی نجار کے یہاں اترے اور آپ ﷺ نے ان کے خاندان کو عزت بخشی تو لڑکیاں دف ہاتھوں میں لئے خوشی سے سرشار باہر نکل آئیں اور یہ نغمہ گانے لگیں،

نحن جوارٌ من بنی النجار
یا حبّذا محمد من جار

ترجمہ: ہم بنی نجار کے پڑوسیوں میں سے ہیں اے خوشا بخت کہ محمد ﷺ ہمارے پڑوسی ہیں۔
یہ آوازیں سن کر آنحضرت ﷺ باہر نکلے اور ان کے پاس آئے۔ پھر آپ نے ان لڑکیوں سے فرمایا،
"کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟"
انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا،
"اللہ جانتا ہے کہ میرے دل میں بھی تمہارے لئے محبت ہی محبت ہے"

مسئلہ ٔ سماع کے متعلق احادیث...... ایک روایت میں آپ ﷺ کے یہ لفظ ہیں کہ خدا کی قسم میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔ ایک روایت میں لفظوں کے تھوڑے فرق سے آپ ﷺ نے یہی بات تین مرتبہ فرمائی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بن بیاہی بچیوں سے دف پر گانا سننا جائز ہے۔ اسی کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکی وہاں آگئی جس کا نام سیرین تھا، اس کے ہاتھ میں ایک فانوس تھا جس کو لئے ہوئے وہ لوگوں کے درمیان گھومنے اور یہ نغمہ گانے لگی،

هَلْ عَلَيَّ وَيْحَكُمْ
اِنْ لَهَوْتُ مِنْ حَرَجٍ

ترجمہ: اگر میں تمہارے سامنے اس طرح گاؤں تو آخر اس میں کیا حرج ہے۔
اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور آپ ﷺ نے فرمایا،
"انشاء اللہ، اس میں کوئی حرج نہ ہوگا"
اس بارے میں احقر مترجم آگے کچھ تفصیل پیش کرے گا۔ اس سلسلے میں یہاں متعدد حدیثیں اور علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں علمائے دیوبند کا جو مسلک ہے وہ آگے پیش کر دیا جائے گا)۔

عید کے دن حضرت عائشہؓ کا سماع...... اسی طرح حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اس وقت میرے پاس دو انصاری لڑکیاں بیٹھی ہوئی گا رہی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ دف بجا بجا کر گا رہی تھیں، آنحضرت ﷺ آکر بستر پر لیٹ گئے اور آپ ﷺ نے اس طرف سے رخ موڑ لیا۔ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ وہاں آگئے اور انہوں نے مجھے ڈانٹا۔ آنحضرت ﷺ فوراً ان کی طرف مڑے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں سننے دو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے ڈانٹ کر فرمایا،

"یہ شیطانی باجے اور رسول اللہ ﷺ کے مکان میں؟"

حضرت ابو بکرؓ نے مجھے ڈانٹتے ہوئے یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ چادر سے منہ ڈھکے ہوئے لیٹے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اپنا چہرہ کھولا اور فرمایا،

"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو ابو بکر۔ یہ عید کے دن ہیں"

کیونکہ یہ قربانی کی تاریخوں میں سے ایک تاریخ تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عید الفطر کا دن تھا اور ایک قول ہے کہ عید قربان کا دن تھا۔ لیکن اگر دونوں عیدوں پر بھی یہ واقعہ پیش آیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

رُبیع بنت معوّذ کی حدیث...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بخاری میں ربیع بنت معوذ روایت کرتی ہیں کہ ان کی شب عروسی کی صبح میں آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت ان کے پاس چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا کر ایک نغمہ گا رہی تھیں جس میں وہ اپنے ان باپ دادا کا نوحہ کر رہی تھیں جو غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ آخر گاتے گاتے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ پڑھا کہ ہمارے درمیان ایسے نبی موجود ہیں جو آئندہ کی باتیں جانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو اس لڑکی سے فرمایا،

"یہ لفظ مت کہو۔ بس وہی کہو جو پہلے گا رہی تھیں"

آپ ﷺ کی بخیر واپسی پر حبشی لڑکی کی نذر...... حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی غزوے میں تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کے پاس ایک حبشی لڑکی آئی اور اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! میں نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بخیریت اور زندہ سلامت مدینہ واپس پہنچا دیا تو میں آپ ﷺ کے سامنے دف بجاؤں گی"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"اگر تم نے یہ نذر مانی تھی تو بجاؤ!"

چنانچہ اب وہ لڑکی دف بجانے لگی۔ اسی وقت وہاں حضرت ابو بکرؓ آگئے مگر وہ دف بجاتی رہی ان کے بعد وہاں حضرت عمر آگئے۔ لڑکی نے حضرت عمرؓ کی شکل دیکھتے ہی جلدی سے دف زمین پر رکھ دیا اور اسے چھپانے کے لئے اس کے اوپر بیٹھ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے لڑکی کا حضرت عمرؓ سے یہ خوف دیکھا تو فرمایا،

"اے عمر! شیطان بھی تم سے کانپتا ہے میں یہاں بیٹھا ہوا تھا اور وہ دف بجا رہی تھی پھر ابو بکر آگئے اور وہ تب بھی بجاتی رہی مگر جیسے ہی تم آئے تو لڑکی نے اپنا دف پھینک دیا۔"

یعنی جب شیطان بھی تم سے پناہ مانگتا ہے تو اس کم عقل عورت کا تو شمار ہی کیا ہے۔

مزامیر اور باجے گاجے کا سماع حرام ہے...... یہاں آنحضرت ﷺ کا ایک عورت سے دف پر سماع سننا اس گزشتہ روایت کے خلاف نہیں جو آنحضرت ﷺ کے بچپن میں آپ ﷺ کی منجانب اللہ حفاظت کے بیان میں گزری ہے کہ آپ ﷺ جاہلیت کی اس برائی سے محفوظ رہے تھے جب آپ ﷺ قریش کی ایک گانے بجانے کی مجلس کی طرف چلے اور راستے میں آپ ﷺ کو نیند آگئی تھی جس کی وجہ سے آپ ﷺ اس مجلس میں نہ پہنچ سکے تھے) کیونکہ یہاں صرف دف تھا جبکہ وہاں قریش کی ان مجلسوں میں دف کے ساتھ مزامیر یعنی باجے اور ساز

بھی ہوتے تھے۔

جہاں تک گزشتہ حدیث میں حضرت ابو بکرؓ کا دف کو مزمار کہنے کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دف کے سننے کو بھی حرام سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے دف کو مزمار یعنی ساز اور باجے سے تشبیہ دی جس کا سننا حرام ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سماع صوفیاء کے یہاں عام ہے اور اس کو محبت کی طرف کھینچنے والی چیزوں میں شمار بھی کیا گیا ہے اور اس سے موصوف کیا گیا ہے (مگر واضح رہے کہ اس قول میں صرف سماع کا لفظ ہے) بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ یہ سماع نفوس کے لئے سب سے بڑا جال ہے۔(ی) اور ان چیزوں میں سے ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے نیز سماع کی تاثیر بے عقل جانوروں بلکہ درختوں تک پر محسوس اور مشاہد کی گئی ہے جو شخص سماع سے بھی متاثر نہ ہو سکے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا مذاق فاسد ہے اور اس کی طبعیت بالکل بے حس ہے۔

حضرت ابو بشر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا گزر حبشی لڑکوں کے پاس سے ہوا وہ کھیل رہے تھے اور ناچ ناچ کر یہ نغمہ گا رہے تھے۔

يَا أَيُّهَا الضَّيْفُ الْمُعَرِّجُ طَارِقًا
لَوْلَا مَرَرْتَ بِآلِ عَبْدِالدَّارِ

ترجمہ: اے بلند مرتبہ مہمان! تم بنی عبد الدار کے مہمان کیوں نہ بنے

لَوْلَا مَرَرْتَ بِهِمْ تُرِيْدُ قِرَاهُمْ
مَنَعُوكَ مِنْ جَهْدٍ وَمِنْ اقْتَارٍ

ترجمہ: اگر تم وہاں سے گزرتے اور ان کی میزبانی چاہتے تو وہ ہر قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں سے تمہاری حفاظت کرتے۔

(ی) آنحضرت ﷺ نے ان حبشی لڑکوں کی اس حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ اسی سے ہمارے شافعی علماء اس رقص کے جائز ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں جس میں فحاشی عریانیت اور تصنع نہ ہو کہ بدن کو توڑ مروڑ کر اور لچک کر یا کولھے مٹکا کر بل کھائے جائیں۔

سماع کے سلسلے میں شافعی مسلک...... غرض ایسی بہت سی صحیح حدیثیں اور متواتر آثار ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے خوبصورت آوازوں میں شعر پڑھے گئے جو کبھی دف کے ساتھ تھے اور کبھی بغیر دف کے تھے۔ چنانچہ ان ہی احادیث کی بنیاد پر ہمارے شافعی علماء نے دف بجانے کو جائز قرار دیا ہے چاہے اس میں گھونگھرو بھی ہوں جو سرور اور مسرت کے اظہار کے لئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے شافعی علماء نے ایسے شعر گانے اور ان کے سننے کو جائز قرار دیا ہے جن میں کسی کی ہجو اور برائی نہ بیان کی گئی ہو یا اس قسم کی کوئی اور برائی نہ ہو جیسے کسی فاسق کے فسق کا اظہار ہے یا کسی عورت یا لڑکے کے حسن و جوانی کی تعریف ہو۔ جہاں تک اس بارے میں اختلاف کا تعلق ہے تو وہ لہو و لہب کے سننے کی وجہ سے جیسے ساز اور باجے گاجے وغیرہ ہیں یا کسی عورت یا خوش شکل اور نوخیز لڑکے کی آواز جس کے سننے سے فتنہ پھیلنے کا ڈر ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کا ایک قول...... حضرت جنید سے ایک قول منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ساز اور باجے سننے والے لوگوں کی تین قسمیں ہیں (۱) سب سے پہلے تو عوام ہیں ان کے لئے یہ حرام ہے تاکہ وہ تباہی سے محفوظ

رہیں(۲) دوسری قسم میں زاہد و عابد لوگ ہیں ان کے لئے جائز ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنے مجاہدات کو پاسکیں۔ اور (۳) تیسری قسم میں عارفین ہیں ان کے لئے یہ مستحب ہے تاکہ ان کے دل زندہ رہیں۔

اسی طرح کا ایک قول ابو طالب مکی کا بھی ہے جس کو علامہ سہروردی نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں صحیح قرار دیا ہے۔ بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ تمام نفس یہاں تک کہ بے عقل جانور بھی یہ فطرت اور جبلت لے کر پیدا ہوئے ہیں کہ وہ اچھی آواز کو سننے کے مشتاق ہوتے ہیں چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نغمے سن کر پرندے تک اڑتے اڑتے ٹھہر کر ان کے سر پر منڈلانے لگتے تھے۔

سماع کے بر خلاف صفوان کی حدیث...... مگر ابن ابی شیبہ نے صفوان ابن ابی امیہ سے ایک روایت پیش کی ہے جس سے اس بارے میں اشکال پیدا ہوتا ہے یہ صفوان ان صحابہ میں سے ہیں جن کی دلداری فرمائی گئی ہے یعنی مؤلفہ قلوب میں سے ایک ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ وہاں عمر ابن قرہ آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بد بختی مسلط فرمادی ہے کہ دف بجانے کے سوا کسی اور طریقہ سے روزی نہیں کما سکتا۔ اس لئے فحش گانوں کے سوا دوسرے نغموں کے لئے مجھے اجازت عنایت فرمادیجئے"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"تمہیں اس کی اجازت نہیں مل سکتی اور نہ عزت و نعمت کی۔ اے خدا کے دشمن! تو جھوٹا ہے، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے نیک اور پاک روزی بھی دی مگر تو نے اس میں سے وہ روزی پسند کرلی جس کو اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر حرام کر دیا تھا اور اس رزق کو چھوڑ دیا جو حق تعالیٰ نے تیرے لئے حلال کیا تھا۔ اگر آج کے بعد تو نے اس طرح کی بات کہی تو میں تجھے زبردست مار دوں گا!"

اب اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص دف بجانے کو بطور پیشہ کے اختیار کرے جو مکروہ تنزیہی ہے۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس فقرے کا تعلق ہے کہ تو نے اس چیز کو اختیار کرلیا جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر حرام کی تھی۔ تو یہ آپ ﷺ نے بطور مبالغہ کے فرمایا تھا تاکہ اس حرکت سے نفرت پیدا کر دی جائے۔

سماع کے سلسلے میں صحیح مسلک...... تشریح: سماع کے سلسلے میں علامہ نے متعدد احادیث پیش کی ہیں جن سے اس کے جائز ہونے کو ثابت کیا ہے۔ سماع میں انہوں نے صرف شعر کو لحن اور ترنم سے گانے کو ہی شمار نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ دف بجانے کو بھی لیا ہے۔ اور نیز امام شافعی کے مسلک کے مطابق اس رقص کو بھی جائز قرار دیا ہے جس میں جسم کو بل دینے ناز و انداز اور فحاشی و عریانیت کا دخل نہ ہو اس بارے میں جیسا کہ راقم الحروف مترجم نے گزشتہ سطروں میں لکھا کچھ تفصیلات ہیں جو حالات و احوال کے تحت ہیں چنانچہ اس سلسلے میں کچھ تفصیلات یہاں پیش کی جاتی ہیں جو علماء دیوبند کے مسلک کے مطابق ہیں اور اپنے اکابر کی تحریروں کی روشنی میں بیان کی جارہی ہیں۔

سماع کے بارے میں ایک مختصر بات یہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلاف میں صوفیاء و عارفین نے مختلف طریقوں سے اپنے تزکیہ نفس اور باطن کی صفائی کے لئے جستجو کی، جن کا مقصد عرفان الٰہی اور وصول الی اللہ یعنی حق تعالیٰ تک پہنچنا تھا۔ ان ہی میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ایسے اشعار خوش آوازی اور ترنم کے

ساتھ سنے جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنابیان کی گئی ہے اور جو معشوق حقیقی تک پہنچنے کے لئے دلوں میں ایک تازہ ولولہ اور نئی گرمی پیدا کریں اسی کو سماع کہتے ہیں جو حقیقت میں ان ہی عارفین اور زہاد و صوفیاء کا حصہ تھا جن کے قلوب مزکّی اور پاکیزہ تھے اور جو ایک صحیح راستے پر مضبوط ہو چکے تھے کہ سماع جیسے نازک اور پُرخطر طریقے ان کے لئے تفریح نفس کا سامان نہیں بنتے تھے بلکہ تزکیۂ نفس اور صفائی باطن کا ذریعہ بنتے تھے۔ اس سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ سماع کا تعلق انسان کے احوال سے بہت لازمی ہے کیونکہ اگر سننے والا قلب کے ان خاص احوال سے بہرہ ور نہیں ہے تو یہ راہ اس کے لئے مخدوش ہی مخدوش ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ چاروں ائمہ میں سے کسی نے سماع کو جائز قرار دیا ہے تو اس بارے میں حضرت تھانویؒ نے امام غزالی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان آئمہ کی رائے یہی ہے کہ سماع حرام ہے۔ جہاں تک امام ابو حنیفہؒ کا تعلق ہے تو مذہب حنفی کی اہم کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک سماع جائز نہیں ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے امام ابو حنیفہ کی رائے اس کے جائز ہونے کے متعلق نقل کی ہے۔ خود امام غزالی نے سماع کو مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے کہ اگر وہ شرطیں پائی جاتی ہوں تو سماع جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔ علامہ حلبی نے اس سلسلے میں کچھ روایتیں نقل کی ہیں جن کی بنیاد پر سماع کا جواز ثابت ہوتا ہے ان میں ایک تو حضرت عائشہؓ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس دو لڑکیاں گا رہی تھیں اور وہ عید کا دن تھا۔ دوسرا واقعہ حبشی لڑکی کا ہے جس نے آنحضرت ﷺ کی بخیریت واپسی کے لئے نذر مانی تھی۔ تیسرا واقعہ ربیع بنت معوذ کا ہے۔ ان تینوں روایتوں کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ان روایتوں میں غنا سے مراد لغوی غنا اور ترنم مراد ہے۔ جبکہ غنا صرف اس کا نام نہیں کہ کسی شعر کو ذرا آواز بنا کر اور لہرا کر پڑھ دیا جائے بلکہ غنا موسیقی کے قاعدوں کے مطابق آواز کے مخصوص زیر و بم اور صوتی حرکتوں کا نام ہے اور ان تینوں روایتوں میں اس خاص غنا یا موسیقی کا کہیں نام نہیں ہے۔ یہ تینوں فعلی روایتیں ہیں یعنی ان میں آنحضرت ﷺ کا عمل ظاہر کیا گیا ہے جبکہ اس مخصوص موسیقی کے دور میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد موجود ہیں لہٰذا وہ خاص موسیقی ان روایات کے باوجود جائز قرار نہیں دی جاسکتی جس کا سماع حرام ہے۔

اس تفصیل سے اتنا اندازہ ہو سکتا ہے کہ غنا کی مختلف قسمیں ہیں۔ وہ غنا جس میں سادگی ہو اور جو عریانیت و فحاشی سے پاک ہو جائز ہے۔ مگر جیسا کہ گزشتہ سطروں میں بیان کیا گیا یہ راستہ چاہے کتنا ہی سادہ ہو پُرخطر اور مخدوش ہے اور ان ہی لوگوں کے لئے اس پر چلنا ممکن ہے جو اس راستے کے تمام خطرات سے پوری طرح واقف ہوں اور ان سے بچاؤ کا پورا سامان کر چکے ہوں۔ ظاہر ہے اس کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ اس کا تعلق شخصی احوال اور کیفیات و مدارج قلبی سے ہے۔

حضرت تھانویؒ کہتے ہیں کہ جن روایات سے سماع کا ثبوت اور جواز ملتا ہے یہ غنا اور موسیقی کے جائز ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اصل میں شعر تو ایک منظوم کلام کا نام ہے جو نثر کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ اگر مضمون اچھا ہے تو شعر بھی اچھا ہے اور اگر مضمون برا ہے تو شعر بھی برا ہے۔ جبکہ غنا خاص لحن اور نغمے کا نام ہے۔ آج کل سماع کی محفلوں میں جس طرح موسیقار اور قوال اور ان کے سازندے بزم سجا کر بیٹھتے ہیں ظاہر ہے آنحضرت ﷺ کے روبرو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا سماع کرنے والوں کو اس روشنی میں اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے ایک مرتبہ سماع کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اصل میں سماع کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں فرق کیا جانا چاہئے، ایک سماع وہ ہے جس سے دین میں نفع ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جس سے تکلیف و تنگی دور کرنے کے لئے رخصت ہے، حق تعالیٰ کا قرب چاہنے والوں کا بھی ایک سماع ہے اور لہو ولعب پسند کرنے والوں کا بھی ایک سماع ہے جو لوگ مطلق سماع کو یعنی موسیقی اور غنا کو جائز قرار دیتے ہیں انہوں نے اس بارے میں بہت حدیثیں بھی گھڑ رکھی ہیں جو بے سروپا ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ہاں شادی وغیرہ میں آپ ﷺ نے عورتوں کو دف بجانے کی اجازت دی ہے جہاں تک مردوں کا تعلق ہے تو آپ کے زمانے میں نہ کوئی مرد ڈھول بجاتا تھا اور نہ دف۔ رہی حضرت عائشہؓ والی وہ حدیث کہ عید کے دن وہ لڑکیوں سے گیت سن رہی تھیں، اس بارے میں حضرت ابو بکرؓ کا حضرت عائشہ ﷺ کو ڈانٹنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے لئے اس قسم کی چیزیں بالکل نئی تھیں اور وہ ان کے عادی نہیں تھے، اسی لئے صدیق اکبرؓ نے اس کو شیطانی آواز قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے اس لئے چشم پوشی فرمائی کہ یہ عید کا دن تھا جس میں بچیاں کھیل کود سے دل بہلاتی ہیں اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ حضرت عائشہؓ کمسن تھیں لہٰذا آنحضرت ﷺ نے دین میں آسانی کے پیش نظر اس بچکانہ کھیل پر چشم پوشی فرمائی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہی فرماتے ہیں کہ بعد کے جن علماء نے بحث کی ہے وہ اس لئے کہ وہ گانے بجانے کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ثابت کریں اور وصل کا شوق دلوں میں پیدا کیا جائے۔ ان کے خیال میں خدا اس سے خوش ہوتا ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ خواص کے لئے یہ سماع قرآن کے سماع سے بھی افضل ہے کیونکہ اس سماع سے نفس خدا کی محبت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے لوگ اس سماع کے عادی ہو جاتے ہیں اور قرآن پاک اور اس کی تلاوت سے انہیں دلچسپی اور شغف باقی نہیں رہتا۔ آیات قرآنی کی تلاوت سے ان کے دلوں میں وہ گرمی و حرارت پیدا نہیں ہوتی جو چنگ و رباب پر غزلیں سننے اور تال سُر کی آوازوں سے پیدا ہوتی ہے۔

لہٰذا ظاہر ہے کہ جو شخص اس قسم کے سماع اور اس گانے میں فرق نہیں کرتا جو عید وغیرہ کے خوشی کے موقعوں پر عورتیں سادگی سے گانے لگتی ہیں تو یہ اس شخص کی غلطی ہے۔

یہاں امام شافعیؒ کا مسلک سماع کو جائز قرار دینے کا بیان کیا گیا ہے مگر ابن تیمیہؒ نے ہی امام شافعیؒ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں بغداد میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر آیا ہوں جسے دہریوں نے ایجاد کیا ہے یعنی گانا بجانا، اس کے ذریعہ انہوں نے لوگوں سے قرآن پاک چھڑا دیا۔

اسی طرح امام احمدؒ بن جنبلؒ نے اس کو بدعت کہا ہے اور ناپسند کیا ہے۔

غرض حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ملت میں شامل اور خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اس قسم کے سماع کا قائل نہیں ہے۔

لہٰذا مومن کو ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کے سامنے وہ تمام باتیں کھول کر بیان فرما دی ہیں جو جنت کے قریب لے جانے والی اور جہنم سے دور کر دینے والی ہیں۔ اگر اس مروج سماع میں کوئی بھی خوبی اور اچھائی ہوتی تو اللہ اور اس کے رسول لوگوں کو اس سے ناآشنا ہرگز نہ رکھتے۔

اس بارے میں اصل یہ ہے کہ پہلے ہر چیز کی حقیقت اور ماہیت پر غور کرنا چاہئے اور اس کے بعد اس کے حلال یا حرام یا مکروہ ہونے کے متعلق فیصلہ کرنا چاہئے۔ لفظ غنایا گانا ایک نام ہے جس کی بہت سی قسمیں اور نوعیتیں ہیں مثلاً ایک وہ گانا ہے جسے گا کر حاجی کعبہ وزمزم وغیرہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ یعنی اس قسم کے اشعار ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں، اسی طرح مجاہدین رزمیہ گانے گا کر اپنا اور دوسروں کا شوق شہادت تیز کرتے ہیں، اسی طرح حدی خوانوں کا گانا جسے گا گا کر وہ اونٹوں کو منزلوں کی طرف ہنکاتے ہیں، یہ سب گانے جائز ہیں اور انہیں آنحضرت ﷺ نے بھی سنا ہے۔ یا مثلاً پیچھے ذکر ہوا کہ امام غزالی نے سماع کو بہت سی شرطوں کے ساتھ باندھ دیا ہے۔

اس لئے بہر حال سماع کی موجودہ شکل کو درست یا جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پھر جہاں تک خاص سماع ہے چونکہ اس سے بھی اکثر لاعلمی یا کم فہمی کی وجہ سے اللہ ورسول کی ناراضگی لازم آجاتی ہے اس لئے سماع کا حکم نہ اللہ نے دیا نہ اس کے رسول نے اور نہ مشائخ اور سلف صالحین نے۔

جہاں تک رقص کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ رقص کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی اجازت نہ خدا اور رسول نے دی اور نہ کسی امام نے۔ یہ ایک عام جملہ ہے جس میں تمام اماموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ رقص متفقہ طور پر سب کے نزدیک ناجائز ہے۔ علامہ حلبی نے شافعی علماء کے مسلک میں ایسے رقص کو جائز بتلایا ہے جو بغیر بے حیائی کے ہو اور جس میں جسم کو توڑا اور مٹکایا نہ جائے اور اس کو مصنوعی حرکتیں نہ دی جائیں، ظاہر ہے ان شرائط کے بعد وہ پھر رقص ہی نہیں کہلائے گا بلکہ ایک ایسا گانا ہو جائے گا جسے چل پھر کر گایا گیا ہو یا محض گول گھوم کر گایا گیا ہو کیونکہ رقص اور ناچ ایک مستقل فن ہے جس میں رقاص اپنے جسم کی حرکتوں سے پوری پوری کیفیات کا اظہار، منظر کشی اور بعض اوقات پوری پوری کہانیوں اور واقعات کو پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا جسم کی ایک سادہ حرکت کو جو بغیر کسی خاص مقصد کے ہو رقص سے تعبیر ہی نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ حلبی خود شافعی عالم ہیں اور اپنے دور کے ممتاز علماء اور مشہور اتقیاء و بزرگوں میں سے ہیں۔ لہٰذا اس بارے میں رائے زنی کرنا بے محل اور غیر ضروری ہے۔

جہاں تک اپنے مسلک اور اکابر کی روش کا تعلق ہے وہ تفصیل سے پیش کردی گئی جو موقعہ کے مناسب تھی تاکہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ یہ تفصیلات حضرت تھانویؒ کی تالیف اور امام ابن تیمیہؒ کی آراء کی روشنی میں درج کی گئی ہیں جو حضرات اس بارے میں تفصیلی فتاویٰ اور معلومات کے خواہشمند ہیں وہ حق السماع اور وجد و سماع کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ (تشریح ختم، مرتب)

غرض آنحضرت ﷺ بنی نجار میں حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں اترے کیونکہ اس جگہ اونٹنی کے بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا،

"ہمارے لوگوں یعنی بنی نجار کے اس محلے کے لوگوں میں یہاں سے سب سے زیادہ قریب مکان کون سا ہے؟"

حضرت ابوایوب نے عرض کیا،

"میرا یہ گھر سب سے قریب ہے اور ہم نے وہاں آپ ﷺ کا سامان بھی پہنچادیا ہے"

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا،

المرء مع رحلہ یعنی آدمی اپنے سامان کے ساتھ ہوتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جہاں سامان رکھا گیا وہیں سامان والا بھی رہے گا۔ اس کے بعد سے ہی آنحضرت ﷺ کا یہ جملہ عرب کی ایک کہاوت بن گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ابوایوبؓ سے فرمایا،

"جاؤ، ہمارے سونے کی جگہ کا انتظام کرو۔"

حضرت ابوایوبؓ نے فوراً جا کر انتظام کیا اور پھر آپ ﷺ سے آکر عرض کیا،

"آپ ﷺ کے قیام کی جگہ کا انتظام کر دیا گیا ہے یا نبی اللہ! لہذا اللہ تعالیٰ کی برکتوں کے ساتھ تشریف لے چلئے!"

آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی حضرت زید ابن حارثہ بھی وہیں ٹھہرے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک روایت میں ہے کہ (آپ ﷺ کے آنے سے پہلے ہی) لوگوں میں یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ آپ ﷺ کس کے یہاں ٹھہریں کیونکہ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ آپ ﷺ کی قیام گاہ میرا گھر یا میرا خاندان یا میرا محلّہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

"آج رات میں بنی نجار کے یہاں قیام کروں گا جو عبدالمطلب کی ننہال کے لوگ ہیں۔"

یہ بات آپ ﷺ نے ان کا اعزاز کرنے کے لئے فرمائی تھی چنانچہ صبح کو آپ ﷺ سویرے ہی وہاں چلے گئے۔

اب آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد گزرا ہے کہ آج رات بنی نجار کے یہاں اتروں گا۔ اس کا مطلب ہوگا کہ اس رات کے بعد آنے والی کل میں۔ اب اس روایت کی روشنی میں بنی نجار کے اس گزشتہ قول سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے جس میں انہوں نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ ہمارے یہاں تشریف لے چلئے۔ نیز ان کو آنحضرت ﷺ کے اس جواب سے بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ اونٹنی مامور ہے۔ کیونکہ ممکن ہے آپ ﷺ کو بنی نجار کے یہاں قیام کرنے کا ہی حکم دیا جا چکا ہو۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خصوصیت اس خاص جگہ اور مقام کی تھی جو بنی نجار کے محلے میں تھی اور جہاں آپ ﷺ کو اترنا تھا، وہ جگہ وہ تھی جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ خود ہی پہلے یہ فرما چکے تھے کہ آپ ﷺ بنی نجار کے یہاں اتریں گے تو دوسرے خاندانوں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کیوں کی، اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی، یا انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ ممکن ہے اس بارے میں آنحضرت ﷺ کو اپنی رائے استعمال کرنے کا بھی حق ہو۔

بنی نجار کے یہاں آنحضرت ﷺ کے قیام کرنے کے بارے میں امام سبکیؒ نے اپنے قصیدہ تائیہ میں ان شعروں میں اشارہ کیا ہے،

نَزَلْتَ　عَلٰی　قَوْمٍ　بِاَیْمَنِ　طَائِرٍ
لِاَنَّکَ　مَیْمُوْنَ　السنا　والنَقِیبَۃٌ

ترجمہ: آپ ﷺ ایک مبارک مہمان کی حیثیت سے اس قوم میں قیام فرما ہوئے اور آپ ﷺ خود انتہائی بلند شان اور اعلیٰ طبعیت کے مالک ہیں۔

فَیَا لِبَنِیْ النَّجَّارِ مِنْ شَرَفٍ بِهٖ
یَجُرُّوْنَ اَذْیَالَ الْمَعَالِیْ الشَّرِیْفَةُ

ترجمہ: لہٰذا بنی نجار کو آپ ﷺ کے اس قیام فرمانے سے اس قدر اعزاز حاصل ہوا کہ وہ اپنے اعزاز و شرف کے دامن کو کھینچتے ہیں۔

اس گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے آپس میں جھگڑنے اور آنحضرت ﷺ کے ان سے یہ فرمانے کا واقعہ رات کے اخیر حصے میں پیش آیا جبکہ آپ ﷺ قبا میں تھے (اور اگلے دن مدینہ کے لئے روانہ ہونے والے تھے)اس سے ان حضرات کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے مکہ سے آنے کے فوراً بعد اور قباء میں قیام کرنے سے پہلے کا ہے، مدینہ شہر میں پہنچ جانے کے بعد کا نہیں ہے لہٰذا مدینہ والوں (کے جھگڑنے) سے مراد قباء والے لوگ ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن جوزیؒ کے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ شاید آپ ﷺ نے رات میں بنی نجار کے یہاں قیام کیا(ی) یعنی اس رات اور پھر بنی عمرو ابن عوف کے یہاں چلے گئے یعنی قباء میں (یعنی مکہ سے آنے کے بعد آپ ﷺ نے پہلے بنی نجار کے یہاں قیام فرمایا اور رات وہاں گزاری، اس کے بعد آپ ﷺ صبح کو قبا میں تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ نے گزشتہ تفصیل کے مطابق بنی عمرو ابن عوف کے یہاں قیام فرمایا)۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ بالائی مدینہ کے ایک محلے میں اترے جس میں رہنے والوں کو بنی عمرو ابن عوف کہا جاتا ہے، آپ ﷺ نے انکے یہاں چودہ رات قیام فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے بنی نجار کے ایک مجمع کو بلوایا۔ وہ سب لوگ ہتھیار اور تلواریں لگا کر آئے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس وقت بھی گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر سوار تھے اور حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے اور بنی نجار کے لوگوں کا مجمع آپ ﷺ کے گرد تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی اونٹنی ابوایوبؓ کے گھر کے آگے آکر بیٹھ گئی۔

اس روایت میں بہت زیادہ اختصار ہے جو ظاہر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے پاس رکے، وہ کپڑا لپیٹے بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ کا ارادہ اس کے یہاں اترنے کا تھا مگر عبداللہ ابن ابی نے کہا،

"آپ ﷺ ان ہی لوگوں کے پاس چلے جائیے جنہوں نے آپ ﷺ کو بلایا ہے اور ان ہی کے یہاں اتریئے"

اس پر حضرت سعد ابن عبادہؓ نے عرض کیا،

"یارسول اللہ! آپ ﷺ اس کی بات کا کوئی خیال نہ کیجئے آپ ﷺ ہمارے یہاں آئے ہیں اور خزرج والوں کی یہ تمنا ہے کہ وہ یہ سعادت حاصل کریں۔"

سردار منافقین عبداللہ ابن اُبی ابن سَلُول

ابن اُبَیّ کی بکواس...... ایک مرتبہ یہ ہوا کہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! اگر آپ ﷺ عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے پاس جاتے (یعنی اس کا دل بڑھانے کے لئے) تو اس کے نتیجہ میں اس کی قوم کے وہ لوگ بھی مسلمان ہو سکتے ہیں جو اب تک اسلام نہیں لائے اور خود اس کے دل میں جو نفاق ہے وہ بھی دور ہو سکتا ہے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر اسی وقت روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک بڑا مجمع پیدل چلا۔ مگر جب آنحضرت ﷺ اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا،

"بس مجھ سے دور ہی رہو، مجھے آپ ﷺ کے گدھے کی بو بہت بری لگ رہی ہے۔"

اس پر ایک انصاری مسلمان نے اس سے کہا،

"خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کے گدھے میں بھی تجھ سے بہتر خوشبو ہے"

اس جواب پر عبداللہ ابن ابی کی قوم کے ایک شخص کو غصہ آگیا اور اس نے اس مسلمان کو گالیاں دیں۔ اس پر اس انصاری کی طرف سے مسلمان غصے میں کھڑے ہو گئے اور عبداللہ کی طرف سے اس کی قوم کے لوگ غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں گروہوں میں پتھروں جوتوں اور ہاتھوں ہر طرح سے لڑائی شروع ہو گئی اس حادثہ پر حق تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی،

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (سورۂ حجرات پ ۲۶ ع ۱ آیت ۹)

ترجمہ: اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو۔

بخاری میں یہ واقعہ اسی طرح ہے۔ اسی میں یہ حدیث بھی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کا عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے پاس سے گزر ہوا، وہ اس وقت کچھ لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ابن ابی نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر فرمایا،

"ابن ابی کبشہ نے اس سرزمین میں زبردست فساد پھیلا دیا ہے"

ابن ابی کے بیٹے کا عشق رسول...... یہ بات عبداللہ ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ نے سن لی (یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ دونوں باپ بیٹے ایک ہی نام کے تھے، یعنی باپ کا نام عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا اور بیٹے کا نام عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی تھا باپ زبردست فریب کار اور منافقوں کا سردار تھا جبکہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ نہایت مخلص اور سچے مسلمان تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پروانے و شیدائی تھے)

ماں باپ کا اسلام میں بلند درجہ...... غرض حضرت عبداللہؓ نے باپ کا یہ جملہ سن لیا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے جا کر کہا کہ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں اس کا سر کاٹ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں؟ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کے اس جذبہ کے جواب میں فرمایا،

"نہیں، بلکہ اپنے باپ کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کرو۔"

منافق کا حسن ظاہر...... یہ ابن ابی نہایت خوبصورت اور سجیلے بدن کا آدمی تھا۔ ساتھ ہی اس کی گفتگو بھی بہت فصیح ہوتی تھی۔ چنانچہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی شخص کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (سورۂ حجرات پ ۲۸، ع ۳)

ترجمہ: اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ظاہری شان و شوکت کی وجہ سے ان کے قد و قامت آپ کو

خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ﷺ ان کی باتیں سن لیں گویا یہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے لگائی ہوئی کھڑی ہیں۔

یہاں مراد تو ابن ابی ہے لیکن آیت میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ (یعنی اس کو دیکھیں۔ کے بجائے۔ان کو دیکھیں۔ کہا گیا ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ابن ابی اپنی قوم کا بڑا اور معزز آدمی تھا لہٰذا اس کو ساری قوم کے نمائندے کی حیثیت سے جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

ابن ابیؒ کی بیہودگی اور فتنہ......زہری نے عروہ ابن اسامہ ابن زید سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ گدھے پر سوار ہو کر چلے جس پر پالان بھی تھا، آپ ﷺ کے پیچھے اسامہ تھے۔ آپ ﷺ سعد ابن عبادہ کی بیمار پرسی کے لئے بنی حرث ابن خزرج میں جا رہے تھے راہ میں آپ ﷺ عبداللہ ابن ابیؒ ابن سلول کی ایک مجلس سے گزرے، یہ ایک ملی جلی مجلس تھی جس میں مسلمان بھی تھے بت پرست مشرکین بھی تھے اور یہودی بھی تھے۔ مسلمانوں میں عبداللہ ابن رواحہؓ بھی تھے۔اس وقت تک خود عبداللہ ابن ابی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ غرض جب آنحضرت ﷺ وہاں پہنچے تو گدھے کے چلنے سے گرد و غبار اڑا ابن ابیؒ نے جلدی سے اپنی چادر اپنی ناک پر رکھ لی۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے کہنے لگا،

"ہم پر دھول مت اڑاؤ!"

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو سلام کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ وہیں اتر گئے پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلایا اور ان کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔اس کے جواب میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے آنحضرت ﷺ سے کہا،

"اے شخص! تم جو کچھ کہتے ہو چاہے وہ سچ ہی ہو مگر میں اسے پسند نہیں کرتا۔اس لئے ہماری مجلسوں میں آکر تم ان باتوں سے ہمیں تکلیف مت پہنچایا کرو۔ تم اپنے لوگوں میں ہی جاؤ اور وہاں جو شخص تمہارے پاس آئے اس کو اپنی باتیں سنایا کرو!"

اس پر عبداللہ ابن رواحہ نے کہا،

"بے شک یا رسول اللہ! آپ ﷺ ہمیں نصیحت فرمائیے اور خدا کے خوف سے ڈرائیے کیونکہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔"

ابن ابیؒ کی آنحضرت سے غصہ اور بیزاری کا سبب...... اس پر مسلمان، مشرک اور یہودی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے جس سے لڑائی کا اندیشہ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ برابر ان کو ٹھنڈا کرتے رہے یہاں تک کہ ان لوگوں کا غصہ فرو ہوا۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر وہاں سے حضرت سعد ابن عبادہؓ کے پاس تشریف لے گئے آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا،

"اے سعد! تم نے نہیں سنا ابو حباب یعنی ابن ابیؒ نے کیا کہا، اس نے ایسا ایسا کہا۔"

حضرت سعدؓ نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! اس کو معاف فرما دیجئے اور اس سے درگزر فرمائیے، کیونکہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ ﷺ پر اپنی کتاب نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر جو کچھ نازل فرمایا اس کے ذریعہ حق بھیج دیا ہے اس سے پہلے اس علاقہ کے لوگ اس کو اپنا بادشاہ بنانے اور تاج پہنانے پر متفق ہو چکے تھے مگر پھر جب آپ ﷺ اپنا

سچا پیغام لے کر آئے تو اس وجہ سے ابن ابی کی بادشاہی گھٹائی میں پڑ گئی تو وہ جھنجھلا اٹھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی یہ حرکت بھی اسی وجہ سے۔"

چنانچہ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کو معاف فرمادیا۔ واللہ اعلم

ابو ایوبؓ کے یہاں قیام کی مدّت...... آنحضرت ﷺ اس وقت تک حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان ہی میں ٹھہرے جب تک کہ مسجد نبوی اور آپ ﷺ کا ایک حجرہ تیار نہیں ہو گیا۔ آپ ﷺ کے قیام کا یہ عرصہ ربیع الاول سے اگلے سال کے صفر کے مہینے تک کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابو ایوبؓ کے یہاں سات مہینے ٹھہرے۔

انصار کا جذبۂ میزبانی......(قال) جب آنحضرت ﷺ قباء میں عمرو ابن عوف کے یہاں سے رخصت ہو کر مدینہ تشریف لائے تو اکثر مہاجرین بھی وہاں سے مدینہ ہی آگئے جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت انصاریوں کے درمیان اس بارے میں رسّہ کشی ہوئی کیونکہ ان میں سے ہر ایک خاندان کی خواہش تھی کہ مہاجر ہمارے یہاں ٹھہریں۔ آخر انصاریوں نے تمام مہاجروں کے لئے دو تیروں سے قرعہ اندازی کی اور ہر ہر مہاجر قرعہ ہی کے ذریعہ انصاریوں میں سے کسی کے یہاں ٹھہرا۔ اس طرح مہاجرین انصاریوں کے گھروں میں ٹھہرے اور انصاریوں نے اپنا مال و دولت ان پر خرچ کیا۔

مسجد نبوی کی جگہ...... مسجد نبوی کی جگہ میں وہ جگہ بھی آگئی تھی جہاں ابو امامہ اسعد ابن زرارہ کی مسجد تھی۔

حضرت ابو امامہ یہاں ان مسلمانوں کے ساتھ جماعت کیا کرتے تھے جو ان کے پاس ہوتے تھے۔ یہ جگہ پہلے سہل اور سہیل کی تھی جہاں وہ کھجوریں خشک کیا کرتے تھے ایسی جگہ کو مربد، جرین، مسطح اور بیدر کہا جاتا ہے یعنی وہ جگہ جہاں غلّہ یا کھجوریں خشک کرنے کے لئے پھیلائی جائیں اس کو اردو میں خرمن یا کھلیان کہا جاتا ہے۔

مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ بھی اسی مسجد ابو امامہ میں نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ام زید ابن ثابت سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے میں اسعد ابن زُرارہ کو دیکھتی تھی کہ وہ لوگوں کو پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے تھے اور سہل اور سہیل کے خرمن میں انہوں نے جو مسجد بنائی تھی اس میں جماعت کیا کرتے تھے۔ پھر اُمّ زید کہتی ہیں کہ مجھے اب تک یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو آپ نے بھی اسی مسجد میں نماز پڑھائی اور پھر یہاں مسجد نبوی بنائی۔ یعنی خرمن کے بقیہ حصے کو بھی شامل کر کے مسجد نبوی بنائی۔

چنانچہ اس تفصیل کے بعد اب حافظ دمیاطی کے اس قول سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا جو انہوں نے زہری سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی مسجد نبوی کی جگہ پر پہنچ کر بیٹھ گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے بھی اس جگہ پر مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے جو سہل اور سہیل کا خرمن تھا یہاں صرف دیواریں بنی ہوئی تھیں مگر چھت نہیں تھی اور اس مسجد کا قبلہ یعنی رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ یہ مسجد اسعد ابن زرارہ نے بنائی تھی اسی میں وہ پانچوں وقت کی نمازیں اور جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ بھی اسی مسجد میں نماز پڑھتے رہے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ اس مسجد میں قبلہ کی دیوار اسعد ابن زرارہ نے بنائی تھی جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ وہ ان مسلمانوں کے ساتھ اسی رخ میں نماز پڑھا کرتے تھے جو حضرت مصعب ابن عمیر

کے مدینہ آنے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ پھر حضرت مصعبؓ بھی یہاں آنے کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ہی نمازیں پڑھتے رہے۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔ مگر حضرت مصعبؓ کے مدینہ آنے کے سلسلے میں پیچھے جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس کی وجہ سے اس بات میں شبہ ہے۔

مگر بخاری میں یہ ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے آنحضرت ﷺ مرابض غنم میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی مرابض میں بھی نماز پڑھی ہو کیونکہ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ ﷺ جہاں بھی ہوتے وہیں نماز ادا فرمالیا کرتے تھے۔

<u>جگہ کی خریداری اور قیمت</u> ...... غرض مدینہ پہنچنے کے بعد جلد ہی آنحضرت ﷺ نے حضرت اسعد ابن زرارہ سے فرمایا کہ وہ پورا قطعہ زمین فروخت کر دیں جس کے ایک حصے میں مسجد بھی بنی ہوئی تھی تاکہ آپ وہاں مسجد بنا سکیں۔ یہ جگہ حضرت اسعد کی نگرانی میں تھی اور اصل میں دو یتیم لڑکوں سہل اور سہیل کی تھی جو حضرت اسعدؓ کی سرپرستی میں تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دونوں لڑکے حضرت معاذ ابن عفراء کی تربیت و نگرانی میں تھے۔ اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں ہے کہ یہی دوسرا قول زیادہ مشہور ہے۔ کتاب مواہب میں بھی یہی بات اس طرح کہی گئی ہے کہ پہلا قول مرجوع یعنی کمزور ہے۔ یہ دونوں یتیم لڑکے بنی مالک ابن نجار میں سے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سہل اور سہیل حضرت ابوایوب کی تربیت و نگرانی میں تھے۔ بعض حضرات نے اس اختلاف کی روشنی میں کہا ہے کہ بظاہر یہ تینوں ہی آدمی یعنی اسعد ابن زرارہ، معاذ ابن عفراء اور ابوایوب انصاری ان یتیم لڑکوں کے وکیل تھے اور ان کی طرف سے معاملات کرتے تھے کیونکہ یہ لڑکے ان کے چچا کی اولاد میں سے تھے۔ اسی بنا پر ان کی سرپرستی کو ان تینوں ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوایوبؓ نے آنحضرت ﷺ کو پیش کش کی کہ آپ ﷺ یہ زمین لے لیں اور اس کی قیمت وہ اپنے پاس سے ان یتیم لڑکوں کو ادا کر دیں گے مگر آپ ﷺ نے اس سے انکار فرمادیا اور دس دینار میں آپ ﷺ نے زمین کا یہ قطعہ خرید فرمایا۔ یہ قیمت حضرت ابوبکرؓ کے مال میں سے ادا کی گئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ (یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ زمین سہل اور سہیل کی ہے) آپ ﷺ نے ان دونوں یتیم لڑکوں کو بلوایا اور زمین کی خریداری کے سلسلے میں ان سے معاملہ کی گفتگو فرمائی۔ ان دونوں نے عرض کیا،

"یارسول اللہ! ہم یہ زمین آپ کو ہبہ کرتے ہیں۔"

مگر آپ ﷺ نے ان یتیموں کا ہبہ اور ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرمادیا یہاں تک کہ پھر آپ ﷺ نے دس دینار میں اس کو خرید فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ ان دونوں کو قیمت ادا کر دیں۔ اب گویا ان دونوں کو حقیقت کے اعتبار سے ہی یتیم کہا گیا ہے۔

ایک راویت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی نجار کے لوگوں کو بلایا۔ یہ غالباً وہی تینوں تھے جن کا پیچھے ذکر ہوا یعنی اسعد، معاذ اور ابوایوب رضی اللہ عنھم اجمعین۔ ان کے ساتھ سہل اور سہیل بھی تھے آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا،

"تم لوگ اپنی اس زمین کی قیمت لے کر مجھے فروخت کر دو!"

انہوں نے عرض کیا،

نہیں یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے بلکہ اللہ کے لئے دیدیں گے۔"

مگر آپ ﷺ نے قیمت کے بغیر لینے سے انکار کردیا۔ (قال) ایک حدیث میں ہے کہ اسعد ابن زرارہ نے ان دونوں یتیموں کو اس کے بدلے میں ایک باغ دیدیا تھا جو خود ان کا تھا اور بنی بیاضہ میں تھا۔ ایک قول ہے کہ اس کے لئے ان کو ابوایوب نے راضی کیا تھا اور ایک قول کے مطابق معاذ ابن عفراء نے تیار کیا تھا۔ اب ان مختلف روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ شاید ان تینوں حضرات نے ہی ان لڑکوں کو کچھ نہ کچھ معاوضہ دیا تھا جو اس دینار قیمت کے علاوہ تھا (جو آنحضرت ﷺ نے دیئے تھے) لہٰذا ان تینوں کی طرف اس بات کی نسبت کردی کہ ان کی دلدہی کے لئے اس قیمت کے علاوہ ان تینوں نے مزید کچھ نہ کچھ کیا تھا)۔

ایک روایت میں ہے کہ اس زمین میں زمانۂ جاہلیت کا قبرستان تھا جہاں مشرکوں کی قبریں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قبریں مٹا کر زمین برابر کردی جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ مسجد نبوی کی جگہ میں باغ تھا اور وہاں گڑھے اور مشرکوں کی قبریں بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے قبریں مٹا دینے گڑھے برابر کردینے اور باغ کو کاٹ دینے کا حکم دیا۔ علامہ دمیاطی نے اس طرح لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو کاٹ دینے کا حکم دیا جو اس باغ میں تھیں۔ باغ سے مراد یہی احاطہ تھا جس میں خرمن تھا۔ یہاں کھجوروں کے درخت ہونے کی وجہ سے اس کو باغ کہا گیا ہے نیز یہاں غرقد کے جو درخت تھے ان کو کٹوا دینے کا حکم فرمایا۔ یہ غرقد وہاں کا ایک مشہور درخت ہوتا تھا۔ بقیع غرقد مدینہ والوں کا قبرستان تھا۔ غرقد درخت کو یہودیوں کا درخت بھی کہا جاتا ہے۔

<u>یہودیوں کا ایک درخت اور اس کی تاریخ</u>...... اس درخت کو یہودیوں کا درخت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول ہوگا اور وہ دجّال اور اس کے یہودی لشکر کو قتل کریں گے تو اس وقت جو یہودی اس درخت کے پیچھے آکر چھپے گا۔ یہ درخت اس یہودی کی چغلی نہیں کھائے گا اور اس کا پتہ نہیں بتلائے گا، اس کے علاوہ جتنے بھی درخت ہوں گے اگر ان کے پیچھے کوئی یہودی جان بچانے کے لئے چھپے گا تو وہ درخت فوراً پکار اٹھے گا،

"اے روح اللہ! (عیسیٰ علیہ السلام کا لقب) یہاں ایک یہودی چھپا ہوا ہے"

وہ فوراً وہاں آکر یہودی کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اور پھر یا تو اس کو امان دیدیں گے اور یا قتل کردیں گے۔ مگر یہ غرقد درخت کسی یہودی کی نشان دہی نہیں کرے گا بلکہ ان کو پناہ دے گا۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس کو یہودیوں کا درخت کہا جاتا ہے۔

<u>مسجد نبوی کا مبارک سنگ بنیاد</u>...... زمین کی خریداری کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا اور اینٹیں بنانے کا حکم دیا۔ گارہ تیار ہونے کے بعد مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ حدیث میں آتا ہے کہ تعمیر شروع ہونے کے وقت آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے پہلی اینٹ رکھی۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کی اینٹ کے برابر ایک اینٹ رکھی۔ پھر حضرت عمرؓ کو بلایا جنہوں نے صدیق اکبر کی اینٹ کے پاس اینٹ رکھی۔ پھر حضرت عثمان ﷺ آئے اور ایک اینٹ انہوں نے حضرت عمر کی اینٹ کے برابر میں رکھی۔

سنگ بنیاد رکھنے کی ترتیب اور خلافت...... ابن حبان نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں یوں ہے کہ تعمیر شروع ہونے کے بعد پہلا پتھر آپ ﷺ نے رکھا اور پھر اسی ترتیب سے ان تینوں خلفاء کو ایک ایک پتھر رکھنے کا حکم دیا جب وہ پتھر رکھ چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"میرے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔"

ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند بری نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں پیش کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میرے بعد یہی حضرات بااختیار ہوں گے۔ مگر علامہ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ اس سند کے ساتھ یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے یہ جو فرمایا کہ اپنا پتھر عمرؓ کے پتھر کے پاس رکھ دو۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان حضرات کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ حکم دراصل اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ان تینوں کی قبریں اسی جگہ بنیں گی کیونکہ اگر اس میں قبروں ہی کی طرف اشارہ ہوتا تو اسی جگہ حضرت عثمانؓ بھی دفن ہوتے جیسے حضرت ابو بکرؓ کے برابر حضرت عمرؓ دفن ہوئے۔ اس لئے حقیقت میں یہ ان کی قبروں کی طرف نہیں بلکہ ان حضرات کی خلافت کی ترتیب کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ اس کے بعد آپ ﷺ کا جو یہ جملہ ہے کہ میرے بعد یہی خلیفہ ہوں گے اس سے خلافت کی ترتیب ہی ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہ اس کے بعد سنگ بنیاد رکھوانے کے اس واقعہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے بعد خلافت کا معاملہ ہے۔

حاکم کے اس حدیث کی تصحیح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ حضرات کے نزدیک اس بارے میں تامل ہے کہ یہ قول کسی صحیح میں نہیں آیا ہے یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ شیخین کی صحیح مراد ہے۔ جہاں تک حاکم کے اس قول کا تعلق ہے کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابن حبان کی اس مذکورہ حدیث کی موافقت نہیں ہوتی کیونکہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو اپنا خلیفہ یا جانشین نہیں بنایا تھا۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ان تینوں کی بات کا مطلب یہ ہے کہ وفات کے وقت اپنی جانشینی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے اس قسم کی کوئی بات دوبارہ نہیں فرمائی۔ اب ظاہر ہے اس سے خلافت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے اس اشارے کا انکار ثابت نہیں ہوتا نہ ہی اس سے آنحضرت ﷺ کے اس جملے میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے بعد یہی خلیفہ ہوں گے کیونکہ خلافت سے صرف انتظام حکومت ہی مراد نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ علم میں آپ ﷺ کے خلیفہ ہوں گے۔

علامہ ابن حجر ہیثمی نے بھی اس سلسلے میں اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں اس بات میں یعنی پتھر رکھوانے اور آپ ﷺ کے یہ فرمانے میں کہ میرے بعد یہی خلیفہ ہوں گے یہ احتمال ہے کہ اس میں علم وہدایت کی خلافت مراد ہو کیونکہ جہاں تک انتظامی خلافت کے اعلان کا تعلق ہے تو وہ عام طور پر موت کے قریب ہوا کرتا ہے لہٰذا اگر اس کے مقابلے میں کوئی ایسی روایت ہو گی جو اس کے خلاف ہو تو اس سے مضبوط اور محفوظ نص یا دلیل شمار نہیں ہو گی۔ یہاں تک علامہ ہیثمی کا کلام ہے۔

تعمیر مسجد کا آغاز...... غرض اس کے بعد آپ ﷺ نے عام مسلمانوں سے فرمایا کہ اب پتھر لگانے شروع

کردو۔ مسلمانوں نے پتھروں سے بنیادیں بھرنی شروع کیں جو تقریباً تین ہاتھ گہری تھیں۔ اس کے بعد اینٹوں کی تعمیر اٹھائی گئی۔ دونوں جانب پتھروں کی دیواریں بنا کر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت بنائی گئی اور کھجور کے تنوں کے ستون بنائے گئے۔ دیواروں کی اونچائی قد آدم تھی۔

مسجد کی نوعیت...... شہر ابن حوشب سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا،

"میرے لئے پھونس اور لکڑی کا ایک ایسا جھونپڑا بنادو جیسا موسیٰ علیہ السلام کا تھا اور ایک ایسا ہی ظلہ یعنی سائبان بنادو جیسا ان کا سائبان تھا مگر یہ کام جلد ہونا چاہئے۔

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا سائبان یا چھپر کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا،

"وہ ایسا تھا کہ جب وہ اس میں کھڑے ہوتے تو ان کا سر چھت سے لگ جاتا تھا۔"

اب گویا مراد یہ ہے کہ میرے لئے جو چھپر ڈالو اس کی اونچائی بھی اتنی ہی ہو کہ میں کھڑا ہوں تو چھت سے سر لگ جائے یا ہاتھ اٹھائیں تو چھت کو چھو جائیں۔ اب ان دونوں روایتوں میں موافقت کی صورت یہ ہے کہ ایسا چھپر ڈالو جو اس تفصیل کے قریب قریب ہو یعنی اس کی چھت بہت زیادہ اونچی نہ ہو۔ اب آگے آنے والی اس روایت سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوگا جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے چھت کی اونچائی سات ہاتھ رکھنے کا حکم فرمایا۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

حافظ دمیاطی کی سیرت میں ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس میں چھت نہ ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھونس اور لکڑی کا ایسا چھپر ڈال دو جیسا موسیٰ علیہ السلام کے جھونپڑے میں تھا۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا جھونپڑا کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا ایسا کہ جب وہ اس میں ہاتھ اٹھاتے تو وہ چھت سے جالگتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی بنانے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہے کہ اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے جھونپڑے جیسا چھپر ڈلوائیے جو اونچائی میں سات ہاتھ اونچا تھا (ی) اور وہ سات ہاتھ ایسے تھے کہ چھت تک ان کا سر پہنچتا تھا اور اس میں آراستگی نہ ہو۔ مگر اس کام میں جلدی ہونی چاہئے۔

اب یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ہے موسیٰ علیہ السلام کا قد سات ہاتھ لمبا تھا۔ مگر یہ بات اس مشہور قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا قد چالیس ہاتھ لمبا تھا اور اتنا ہی لمبا ان کا عصا تھا اور اتنی ہی لمبی اس کی ٹیک تھی۔

مسجدوں کی آرائش...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا،

"مجھے مسجدوں کو سجانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے شاید یہ بات اس وقت فرمائی جبکہ انصاری مسلمانوں نے آپس میں بہت سا مال و دولت اکٹھا کیا اور اس کو آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! یہ مسجد بنائیے اور اس کو آراستہ کرائیے ہم اس چھپر کے نیچے کب تک نماز پڑھیں گے؟"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب لوگ مسجدوں کی آرائش وزینت کرنے لگیں گے تب ہی قیامت قائم ہوگی۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ قیامت قائم ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یعنی نشانی یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں ایسے ہی آرائش وزیبائش کرنے لگیں گے جیسے یہودی اور نصرانی اپنے کینسوں اور گرجاؤں میں زیب وزینت کرتے ہیں۔

غرض مسجد کی چھت کھجور کی چھال اور پتّیوں کی تھی اور اس پر تھوڑی سی مٹی تھی۔ اس لئے جب بارش ہوتی تو اندر پانی رستا تھا جو مٹی سے ملا ہوا اور گدلا ہوتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد کے اندر کیچڑ ہو جاتی تھی یہ دیکھ کر مسلمانوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! اگر آپ ﷺ حکم دیں تو چھت پر زیادہ مٹی بچھادی جائے تاکہ اس میں سے پانی رِس کر اندر نہ ٹپکے"

مگر آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں! بلکہ ایسا ہی چھپر جیسا موسیٰ علیہ السلام کا چھپر تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک یہ چھت ایسی ہی رہی۔

تعمیر کے کام میں آنحضرت ﷺ کی شرکت...... مسجد کی تعمیر کے وقت تعمیر کے کام میں تمام مسلمان مہاجروں اور انصاریوں نے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی بہ نفس نفیس اور اپنے ہاتھ سے کام کیا تاکہ سب مسلمانوں کو کام کی ترغیب ہو۔

(قال) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے کپڑوں میں بھر بھر کر اینٹیں ڈھوتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنی چادر میں بھر کر اینٹیں لارہے تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ مبارک غبار آلود ہوگیا۔ اس وقت آپ ﷺ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

هٰذَا الحِمَالُ لَاحِمَالُ خَيْبَرَ
هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرَ

ترجمہ: یہ بوجھ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں ہے بلکہ پروردگار! یہی بوجھ سب سے زیادہ عمدہ اور بہتر ہے۔

ان شعروں میں حمال (بوجھ) محمول کے معنی میں ہے ایک روایت میں اس کو جمال کہا گیا ہے جو جمل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے پہلی تو صاف ہے مگر یہ دوسری مناسب حال نہیں ہے کیونکہ یہ جب ہی مناسب ہو سکتی ہے جب کہ خیبر کے اونٹ۔

کبھی آپ ﷺ یہ شعر پڑھتے تھے

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُالْاٰخِرَةْ
فَارْحِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

ترجمہ: اے اللہ! اصل اور حقیقت میں اجر جو کچھ ہے وہ آخرت ہی کا اجر ہے اس لئے تو انصار اور مہاجرین پر رحمت فرما کہ وہ اسی اجر کی آس اور تمنا کرتے ہیں۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ شعر ایک انصاری عورت کا ہے اس کا دوسرا شعر یا اس قطعے کا آخری بند یہ ہے۔

وَعَافَهُمْ مِنْ حَرِّ نَارٍ سَاعِرَه
فَاِنَّهَا لِكَافِرٍ وَّ كَافِرَه

ترجمہ: اور آپ ﷺ مسلمانوں کو جہنم کی ہولناک آگ سے بچائیے کیونکہ وہ آگ مشرکوں اور کافروں ہی کے لئے ہے۔

آنحضرت ﷺ اور شعر ...... بخاری شریف میں اس مصرعہ کے الفاظ اس طرح ہیں۔ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَار وَالْمُهَاجِرَة اب خود آنحضرت ﷺ نے ہی اس شعر کو وزن سے نکال کر پڑھا تھا جیسا کہ شعر پڑھنے میں یہ آپ ﷺ کی عادت تھی (کہ آپ شعر کو بے وزن کر کے پڑھا کرتے تھے) اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اسی طرح ایک روایت کے الفاظ میں آپ ﷺ نے فَارْحَمْ کے بجائے فَاصْلِحْ اور ایک روایت کے مطابق فَاکْرِمْ پڑھا تھا۔ ایک روایت میں یہ شعر ہی اس طرح ذکر ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَة
فَارْحَمِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنَاصِرَة

ترجمہ: اے اللہ! آخرت کی بھلائی اور خیر کے سوا کوئی خیر نہیں ہے پس تو مہاجرین اور انصاریوں پر اپنی رحمت فرما

ایک روایت میں فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَہ ہے۔ علامہ زہری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شعر کو اس طرح پڑھا تھا کہ پہلا مصرعہ اَللّٰهُمَّ لاخیر اور دوسرا مصرعہ فَارْحَمِ الْمُهَاجِرِیْن والانصار اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ اگر کبھی کسی مثال کے لئے بھی شعر پڑھتے تو اس کو شعری وزن پر باقی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ یہاں دوسرا مصرعہ بالکل وزن سے ہٹا ہوا ہے مگر خود پہلا مصرعہ بھی وزن سے گرا ہوا ہے۔ کیونکہ اگر اَللّٰهُمَّ میں سے الف لام نکال کر اس کو لَاهُمَّ پڑھا جائے تب شعر کا وزن درست ہوگا۔ اسی طرح فَارْحَمْ کے بجائے فَارْحَمِ کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شعر جس انصاری عورت کے ہیں اس نے ان کو اسی طرح یعنی لاہم اور فارحم کی صورت میں پڑھا ہوگا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس کو بدل کر وزن سے گرادیا۔

علامہ زہری سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مثال کے لئے کبھی کوئی شعر موزوں حالت میں نہیں پڑھا سوائے اس شعر کے ھذا الحمال جہاں تک اس شعر ھذا الحمال کا تعلق ہے تو اس کے شاعر کا نام ہمیں معلوم نہیں ہے۔ آگے علامہ زہری کا ایک قول آرہا ہے کہ یہ شعر خود آنحضرت ﷺ ہی کا ہے مگر اس بارے میں شبہ ہے وہ بھی آگے آئے گا۔

کیا آپ ﷺ کبھی شعر پڑھتے تھے؟ ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابن شہاب یعنی زہری کا قول ہے کہ ہمیں کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان شعروں کے سوا آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی مکمل یعنی موزوں شعر مثال میں استعمال کیا ہو۔ ابن عائذ کہتے ہیں یعنی وہ شعر جو آپ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اینٹیں ڈھوتے ہوئے رجز کے طور پر پڑھ رہے تھے۔

مگر یہ بات علامہ زہری کے اس گزشتہ قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے مثال کے لئے سوائے ھذا الحمال کے کبھی کوئی شعر موزوں حالت میں نہیں پڑھا (کیونکہ علامہ زہری کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے علاوہ بھی کوئی شعر وزن کے ساتھ نہیں پڑھا جب کہ بعض علماء نے علامہ کے قول کو ایک دوسرے ہی انداز میں نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس شعر کے سوا کبھی کوئی اور موزوں شعر مثال میں نہیں پڑھا۔ یہ بات زہری کے مطلب کے بھی خلاف ہے اور) ان کے قول کی یہ تفسیر اس بناء پر بھی مناسب نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے علاوہ بھی مکمل اور موزوں حالت میں مثال کے لئے شعر کا استعمال

فرمایا ہے۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ غزوۂ بدر کے مقتولین کے درمیان گھوم رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

نُفَلِّقُ هَامًا مِنْ رِجَالٍ اَعِزَّةٍ
عَلَيْنَا وَهُمْ كَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

ترجمہ: اور ہم آج ان لوگوں کی کھوپڑیاں توڑتے ہیں جو کبھی ہمارے لئے معزز تھے۔ یہ لوگ بڑے نافرمان اور رشتہ داروں کے حقوق سے غفلت کرنے والے لوگ تھے۔

کیا آپ ﷺ کے لئے شعر کہنا ممکن تھا؟...... کتاب مواہب میں ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے شعر کہنا غیر ممکن تھا شعر پڑھنا نہیں (یعنی آپ ﷺ نے چونکہ کبھی شعر نہیں کہا اس لئے یہ آپ ﷺ کے لئے آسان کام نہیں تھا مگر جہاں تک شعر کو صحیح طور پر پڑھنے کی بات ہے وہ آپ ﷺ کے لئے مشکل نہیں تھا۔ جیسا کہ اکثر وہ لوگ جو شعر و شاعری سے دلچسپی نہیں رکھتے شعر کو صحیح وزن اور اس کے مناسب زیر و بم کے ساتھ پڑھ بھی نہیں سکتے بلکہ شعر کو نثر کی طرح پڑھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے سلسلے میں اسی بات کا انکار کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ میں اگر اپنی طرف سے شعر پڑھوں تو میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ میں نے کس طرح کہا ہے۔

تفسیر کشاف میں ہے، یہ صحیح ہے کہ پیغمبر شعر کہنے سے معصوم ہوتے ہیں مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شعر کو صحیح طور پر پڑھ بھی نہیں سکتے یعنی اس طرح کہ اس کا وزن اور بحر و قافیہ درست ہو۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: حافظ دمیاطی نے علامہ زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی شعر نہیں کہا سوائے اس شعر کے جو پیچھے ابھی گذرا ہے یعنی هذا الحمال تو گویا یہ شعر خود آنحضرت ﷺ کا ہے مگر یہ بات خود علامہ زہری کے گزشتہ قول کے خلاف ہے۔ غالباً یہاں علامہ زہری کی عبارت میں کچھ حصہ نقل ہونے سے رہ گیا ہے وہ اصل میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی شعر نہیں کہا سوائے اس کے اور اس سے پہلے بھی آپ ﷺ نے کوئی شعر کبھی مکمل اور موزوں حالت میں نہیں پڑھا۔ لہٰذا اب یہ بات ان کے گزشتہ قول کے خلاف نہیں رہتی۔

شعر بدترین کلام...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی شعر کو اس کے وزن پر باقی رکھ کر نہیں پڑھا۔

یعنی اگر مثال کے لئے بھی شعر پڑھتے تو اس کو وزن سے گرا کر پڑھتے تھے۔ تو یہ بات حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا،

"یا رسول اللہ ﷺ کبھی کوئی شعر بھی پڑھتے تھے؟"

انہوں نے فرمایا،

آنحضرت ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ برا کلام شعر تھا۔ سوائے اس کے کہ آپ ﷺ کبھی شعر کے ذریعہ مثال دے دیا کرتے تھے مگر اس میں بھی آپ ﷺ شعر کے پہلے حصے کو آخر میں اور آخر کے حصے کو بعد میں کر دیا کرتے تھے۔ یعنی اکثر آپ ﷺ اسی طرح پڑھتے تھے (۔ مثلاً یہ مصرعہ آپ ﷺ یوں پڑھتے)۔

ویاتیك من لم تزود بالاخبار یعنی اس مصرعہ کی صحیح صورت آگے ذکر ہو رہی ہے ایسے ہی آپ اس مصرعہ کو اس طرح پڑھا کرتے۔

كَفٰى بِالْاِسْلَامِ وَالشَّيْبُ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا

یعنی اسلام ہی سب سے بڑا سہارا ہے اور بڑھاپا آدمی کو برائیوں سے روکنے والا ہے۔

قرآن سے ثبوت...... یہ مصرعہ سُحیم عبد بنی حسماس کا ہے جو مشہور و معروف شاعر ہے اور اصل میں اس کا مصرعہ اسطرح ہے کفی الشیب والاسلام للمرء ناهیا جب آپ ﷺ نے اس مصرعہ کو اس طرح بدل کر پڑھا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ شاعر نے اسے اس طرح کہا ہے اور انہوں نے مصرعہ کو صحیح حالت میں پڑھ کر سنایا مگر آنحضرت ﷺ نے دوبارہ اس کو اسی طرح پڑھا جس طرح پہلے وزن سے گرا کر پڑھا تھا۔ تب حضرت ابو بکرؓ نے کہا،

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں (پھر انہوں نے آیت کا یہ حصہ پڑھا) وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ یعنی ہم نے ان کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ کا یہ جملہ جس میں انہوں نے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ پڑھا اس بات کا ثبوت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر کوئی شعر اپنی موزوں حالت میں جاری نہیں ہوتا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے سُحیم کا یہ شعر سنا،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا لَا انْقِطَاعَ لَهٗ
فَلَيْسَ اِحْسَانُهٗ عَنَّا بِمَقْطُوْعٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں جو کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں کیونکہ اس کے احسانات بھی کبھی نہ ختم ہونے والے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوب کہا اور سچ کہا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہترین شاعر کون ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو یہ کہے کہ،

اَلَمْ تَرَيَا نِّيْ كُلَّمَا جِئْتُ طَارِقًا
وَجَدْتُ بِهَا وَاِنْ لَّمْ تَطِيْبُ طَيِّبًا

ترجمہ: کیا تم دونوں دیکھتے نہیں کہ میں جب بھی اپنی محبوبہ کے پاس گیا تو میں ہمیشہ اس کے پاس جاکر مسحور ہو گیا چاہے اس نے خوشبوئیں بھی نہ لگا رکھی ہوں۔

یہ اصل میں اس طرح ہے وجدت بها طیبا وان لم تطیب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے فرماتے تھے،

"یارسول اللہ! آپ ﷺ شاعر نہیں ہیں اور نہ ہی آپ ﷺ شعروں کی روایت کرنے والے یعنی دوسروں کے شعر سنانے والے ہیں"

(کیونکہ آپ ﷺ شعر کو موزوں حالت میں نہیں پڑھتے تھے) پیچھے حضرت عائشہؓ کی حدیث میں گزرا ہے کہ شعر آپ ﷺ کے نزدیک بدترین کلام تھا۔ اس سے مراد ہے شعر خود موزوں کرنا آپ ﷺ کے نزدیک بدترین تھا۔ ورنہ جیسا کہ پیچھے گزرا آپ ﷺ شعر سنا بھی کرتے تھے اور دوسروں سے پڑھوا بھی لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ ﷺ صخر کی ماں شریک بہن خنساء سے شعر پڑھوا کر سنا کرتے تھے اور اس کے شعر پسند فرماتے تھے۔ جب وہ یہ شعر سناتی تو آپ ﷺ داد دیتے اور ہاتھ سے اشارہ فرماتے،

بعض مؤرخین نے لکھا ہے، اس بات پر عالم کا اتفاق ہے کہ عورتوں میں اس سے بہتر شاعرہ نہ اس سے پہلے ہوئی اور نہ اس کے بعد ہوئی۔ اپنے اسی بھائی یعنی صخر کے متعلق اس نے جو شعر کہے ان میں سے دو شعر یہ ہیں،

اَعَیْنَیَّ جُوْدَا وَلَا تَجْمَدَا
اَلَا تَبْکِیَانِ لِصَخْرِ النَّدَا

ترجمہ: اس کی سخاوتوں اور فیاضیوں نے مجھے عاجز کردیا۔ میرے ہمدم کیا تم اس شخص کے لئے آنسو نہیں بہاتے جو سخاوت کی چٹان تھا۔

طَوِیْلُ النِّجَادِ عَظِیْمُ الرَّمَادِ
وَسَادَ عَشِیْرَتَہٗ اَمْرَدَا

ترجمہ: اس کی تلوار کا پرتلہ لمبا تھا اور مہمانداری کی کثرت کی وجہ سے اس کے یہاں راکھ کے ڈھیر رہتے تھے اور کم عمری ہی میں اپنے قبیلہ کا سردار ہو گیا تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خنساء کی شاعری سے متعلق ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام نزھتہ الجلساء فی اشعار الخنساء ہے جو اس عورت کی شاعرانہ صلاحیتوں اور عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔

پیچھے حضرت عائشہؓ کی حدیث میں گزرا ہے کہ آپ ﷺ کبھی شعر کے ذریعہ مثال دیدیا کرتے تھے۔ اس میں کبھی آپ ﷺ پہلے حصے کو بعد میں اور بعد کے حصے کو پہلے کردیا کرتے تھے۔ یعنی اکثر آپ ﷺ اسی طرح پڑھتے تھے۔ یہاں لفظ اکثر کی وجہ سے حضرت عائشہؓ ہی کی اس حدیث میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ آپ ﷺ ابن رواحہ کے شعر سے بھی مثال دیا کرتے تھے۔

ویاتیك بالاخبار من لم تزوّد

یا مثلاً حضرت عائشہؓ ہی کا قول ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی شعر پڑھتے نہیں سنا سوائے ایک شعر کے،

تَفَائَلْ بِمَا تَھْوِیْ یَکُنْ فَلَقَلَّمَا
یُقَالُ لِشَیْءٍ کَانَ اِلَّا تَحَقَّقَا

ترجمہ: تم جس چیز کی طرف مائل ہواس کے متعلق نیک فال لو یہ کہتے ہوئے کہ یہ چیز ضرور ہو جائے گی۔ جس چیز کو اس طرح نہ کہا جائے وہ اکثر نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ شعر کو موزوں حالت میں نہیں پڑھتے تھے...... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ علامہ مزنی نے کہا ہے کہ مجھ تک ایسی کوئی حدیث نہیں پہنچی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی پورا شعر درست وزن کے ساتھ پڑھا ہو، بلکہ یا تو آپ ﷺ پہلا مصرعہ پڑھتے جیسے لبید کا یہ مصرعہ ہے، الا کل شئی ماخلا اللہ باطل یعنی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے، یا آپ ﷺ شعر کا صرف دوسرا مصرعہ پڑھتے جیسے طرفہ کا یہ مصرعہ ہے، ویاتیك بالاخبار من لم تزود اس میں یہ شبہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی گزشتہ حدیث میں اس کو ابن رواحہ کا شعر کہا گیا ہے یا مثلاً اعشی بن مازن نے عورتوں کی برائی میں چند شعر پڑھے تھے جو طرفہ ہی کے تھے ان کا آخری مصرعہ ہے۔ وَھُنَّ شَرّ غَالِبٍ لِمَنْ غَلَبَ یعنی جو شخص ان کے شر میں پھنس جائے اس کے لئے وہ زبردست شر ہیں۔ اس مصرعہ کو آپ ﷺ یوں پڑھتے، وَھُنَّ شَرّ غَالِبٍ لِمَنْ غَلَبَ لیکن اگر آپ ﷺ کبھی پورا شعر پڑھتے تو اس کو بدل دیتے یعنی اسے وزن سے گرا دیتے۔ یعنی اکثر ایسا کرتے جیسے عباس ابن مرداس کا شعر

ہے جو آپ ﷺ نے پورا پڑھا، یعنی ایک مرتبہ آپ ﷺ نے عباس ابن مرداس سے فرمایا،

"تمہیں اپنا وہ شعر یاد ہے نا! ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ تمہارا ہی تو شعر ہے کہ

اَصْبَحَ نَهْبِيْ وَنَهْبُ الْعَبِيْدِ
بَيْنَ الْاَقْرَعِ وَ عُيَيْنَهِ

ترجمہ: میری اور میرے غلاموں کی لوٹ مار اقرع اور عیینہ کی نظروں کے سامنے ہوتی تھی۔

اس آپر آپ ﷺ سے کسی نے کہا کہ شعر کے لفظ اصل میں اس طرح ہیں بین عینة والاقوع

آپ ﷺ نے فرمایا یہ اصل میں یوں ہے۔ الا قرع وعینیہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ سن کر عرض کیا،

"یارسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اشھد انك رسول اللّٰہ آپ ﷺ حقیقت میں نہ شاعر ہیں اور نہ دوسروں کے شعر سنانے والے ہیں (یعنی نہ صحیح شعر پڑھ سکتے ہیں) اور نہ یہ آپ ﷺ کے لئے مناسب ہی تھا۔ شاعر نے اصل میں بین عیینہ والا قرع کہا ہے۔"

شعر گوئی آپ ﷺ کی شان سے فروتر تھی...... یعنی یہ آپ ﷺ کے لئے مناسب بھی نہیں تھا کہ آپ ﷺ شاعر ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے۔ نہ ہی یہ آپ ﷺ کی شان کے مطابق تھا کہ آپ ﷺ دوسروں کے شعر سنا سکتے۔ یعنی ان کے اصل وزن اور بحر کے ساتھ۔ یعنی آپ ﷺ کی شان ایسی نہیں بلکہ شعر و شاعری سے بلند و بالا ہے (ی) مگر آپ کی شان شعر و شاعری سے بلند ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کبھی شعر کو اس کی اصل شکل اور وزن کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی ایک پورا شعر نہیں پڑھا۔ یعنی جو موزوں اور شعری بحر کے مطابق ہو۔ اب یہ بات مواہب کے گزشتہ حوالے کے خلاف ہے مگر اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ بات حضرت عائشہؓ سے منقول ہو (مواہب کے گزشتہ حوالے میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے خود شعر کہنا غیر ممکن ہو سکتا ہے شعر پڑھنا نہیں)۔

علامہ مزنی اور بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ اکثر و بیشتر تو آپ ﷺ کی عادت یہی تھی کہ آپ ﷺ شعر کے پہلے حصے کو بعد میں اور بعد کے حصے کو پہلے کر دیا کرتے تھے۔ کتاب امتاع میں بھی یہی ہے کہ اتفاقاً اور خال خال ہی آپ ﷺ پورا شعر موزوں اور شعری بحر کے مطابق پڑھ دیا کرتے تھے اور پھر مواہب کا قول اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مثال میں شعر پڑھنا آپ ﷺ کے لئے ہمیشہ غیر ممکن تھا چنانچہ اسی بات کی علامہ زہری کے قول سے تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے مثال میں کبھی کوئی شعر اس کی موزوں حالت میں نہیں پڑھا سوائے هذا الحمال کے جس کو آپ ﷺ نے شعری بحر کے مطابق پڑھا اس بارے میں جو اشکال ہوتا ہے وہ گزر چکا ہے۔

شعر کی تعریف اور بعض موزون قرآنی آیات...... جہاں تک شعر کی بات ہے تو اس کی تعریف یہ ہے کہ یہ ایک ایسا عربی کلام ہوتا ہے جس کو باقاعدہ ارادہ سے موزون یعنی قرآن کے مطابق کیا گیا ہو۔ علامہ بدر دمیاطی کہتے ہیں کہ یہاں باقاعدہ ارادے سے کے الفاظ سے وہ جملے یا کلام شعر کے دائرے سے نکل جاتے ہیں جن میں اتفاقاً موزونیت اور شعری بحر پیدا ہو گئی ہو جیسے قرآن پاک کی بہت سی آیات ہیں جن کے بارے میں یہ اتفاق ہے کہ ان میں موزونیت اور شعری بحر موجود ہے (مگر پھر بھی وہ شعر نہیں ہیں) یعنی شعر کی جو سولہ بحریں

اور زمینیں ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی بحر کچھ آیتوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسی آیتوں کو علامہ جلال سیوطیؒ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً ایسی آیات پاک میں سے ایک یہ ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورۂ آل عمران، پ ۴، ع ۱ آیت ۹۲)

یا مثلاً ایک دوسری آیت ہے

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (سورۂ سبا، پ ۲۲، ع ۲)

اسی طرح ایک اور آیت ہے

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ (سورء صف، پ ۲۸، ع ۲ آیت ۱۳)

<u>آنحضرت ﷺ کی زبان سے جاری ہونے والے رجزیہ **کلمات**</u>...... ایسے ہی مثلاً آنحضرت ﷺ کے کچھ کلمات ہیں جن میں اتفاقی طور پر شعری وزن پیدا ہو گیا جس میں کسی ارادہ کو دخل نہیں تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے،

هَلْ أَنْتَ إِلَّا أُصْبُعٌ دُمِيْتِ
وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَالَقِيْتِ

یعنی یہ بات اسی صورت میں ہے جبکہ اس کلام کو آنحضرت ﷺ کا کلام مانا جائے کیونکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ کا شعر ہے اس لئے کہ یہ شعر ان اشعار میں موجود ہے جو ابن رواحہ نے غزوۂ موتہ کے سلسلے میں کہے تھے یہاں ان کی انگلی زخمی ہو گئی تھی اور اس سے خون بہنے لگا تھا۔ اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں فی سبیل اللہ کے بجائے فی کتاب اللہ ہونے کی بھی روایت ہے۔ مگر یہ ممکن ہے کہ کلمہ آنحضرت ﷺ کا ہی رہا ہو اور ابن رواحہ نے اس کو اپنی نظم میں شامل کر لیا ہو جیسا کہ بیان ہوا۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ رجزیہ یعنی جنگی اشعار کی قسموں میں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر صرف یہ دو قسمیں ہی جاری ہوتی تھیں ایک منہوک اور دوسرے مشطور۔ (یہ دونوں رجزیہ اور رزمیہ شاعری کی اصطلاحیں ہیں۔

منہوک۔ یعنی ایسے رجزیہ مصرعہ کو کہتے ہیں جس کے دو تہائی حصے کو چھوڑ دیا یا نکال دیا گیا ہو یعنی باقی حصے کو منہوک کہتے ہیں۔

مشطور۔ ایسے رجزیہ مصرعہ کو کہتے ہیں جس کے چھ جزوں میں سے تین جز کو حذف کر دیا گیا ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر ان ہی دو قسموں کے مصرعے آتے تھے مثلاً منہوک رجزیہ مصرعہ جو آپ ﷺ کی زبان سے نکلا وہ یہ ہے، اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ یعنی میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔

اسی طرح مشطور رجزیہ مصرعہ جو آپ ﷺ کی زبان پر آگیا وہ یہ ہے هَلْ اَنْتَ اِلَّا اُصْبُعٌ دُمِيْتِ

<u>کیا رجزیہ **کلمات** شاعری میں شامل ہیں؟</u>...... ایک قول یہ ہے کہ ایک مصرعہ شعر یعنی شاعری کا جز نہیں ہوتا اس قول کی بنیاد یہ ہے کہ مشہور شاعر اخفش کے نزدیک رجزیہ کلمات سرے سے شاعری یا شعر کی جنس میں ہی شامل نہیں ہیں۔ اگرچہ شاعر خلیل اس بات کو نہیں مانتا۔ حقیقت میں اخفش نے رجزیہ کلمات کو خلیل کے نظریہ کی تردید میں ہی شاعری سے خارج قرار دیا ہے کیونکہ خلیل اور اس کے ہمنوا شاعر رجز کو شاعری ہی کی ایک قسم مانتے ہیں۔

اخفش نے اس نظریہ کو ان الفاظ میں رد کیا ہے کہ میں ان لوگوں یعنی خلیل اور اس کے ہمنواؤں کا نظریہ ایک دلیل کی بنیاد پر نہیں مانتا جس کا یہ لوگ اگر اقرار نہیں کرتے تو کفر کرتے ہیں۔ وہ دلیل یہ ہے کہ اگر رجزیہ کلمات شاعری ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادانہ ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ یعنی ہم نے اپنے نبی کو شاعری نہیں سکھلائی۔ اور شاعری آنحضرت ﷺ کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے۔ یہاں تک اخفش کا کلام ہے۔

مگر کتاب نور میں ہے کہ حقیقت میں صحیح بات یہ ہے کہ رجزیہ کلمات بھی شاعری کی ایک صنف اور قسم ہیں یعنی کتاب نور کے مصنف اس بارے میں خلیل کے نظریہ کو مانتے ہیں اور یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جو موزون اور شعری بحر کے مطابق کلمے جاری ہوگئے وہ شعر نہیں ہیں کیونکہ ان کی بحر اور موزونیت میں آپ کے ارادے کو دخل نہیں تھا بلکہ اتفاقاً ان کلموں میں وزن کی رعایت ہو گئی بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

کیا آنحضرت ﷺ پر شعر کہنا اور سنانا حرام تھا؟...... علامہ ماوردی نے شافعی فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے لئے شعر کہنا یعنی خود موزون کرنا ممنوع اور حرام تھا اسی طرح دوسروں کے شعر (شعری خوبیوں کی بناء پر) سنانا بھی حرام تھا۔ (ی) یعنی سوائے اس کے کہ آپ ﷺ کسی مثال کے لئے کوئی شعر پڑھ دیں مگر اس کے متعلق بھی گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ شعر کو اس کے وزن اور بحر کے ساتھ نہیں پڑھ پاتے تھے)۔

بعض لوگوں نے شعر سنانے اور شعر پڑھ دینے میں فرق کیا ہے یعنی شعر سنانا یا شعر کی روایت کرنا تو یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فلاں کا شعر ہے کہ وغیرہ اور شعر پڑھ دینا یہ ہے کہ کسی مثال وغیرہ میں آدمی ایک یا دو مصرعہ پڑھ دے۔ اس صورت میں آدمی کسی شعر کی روایت نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ بھی مثال کے لئے کبھی شعر پڑھ دیتے تھے لیکن شعر کی روایت نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک ان بعض علماء کا حوالہ ہے۔

مگر اس بارے میں ایک شبہ ہے کہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا تھا کہ سب سے بہترین شاعر کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ جو یہ کہتا ہے کہ...... وغیرہ۔ ایسے ہی آپ ﷺ نے عباس ابن مرداس سے فرمایا کہ تم ہی نے تو یہ شعر کہا ہے کہ...... وغیرہ۔ چنانچہ اس بارے میں ان ہی علماء نے کہا ہے کہ شعر سنانے اور شعر پڑھنے میں فرق تھا یعنی آپ ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ فلاں نے یوں کہا ہے تو اس قول کی وجہ سے اس میں خود شاعر کی بلندی پوشیدہ ہے جو شعر کی شان کو بھی بلند کرتی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ شعر سے بحیثیت شعر کے گریز فرمائیں۔ لیکن اس کے علاوہ خود ان احادیث میں ہی حضرت ابو بکرؓ کا یہ قول بھی موجود ہے جو آپ ﷺ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے لئے شعر کی روایت بھی ممکن نہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

ایک دوسرا نظریہ...... شاعر خلیل سے روایت ہے کہ شعر آنحضرت ﷺ کے نزدیک بہت سے کلاموں کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ تھا۔ (ی) کہا جاتا ہے کہ اس بات میں حضرت عائشہؓ کی اس گزشتہ روایت سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے جس میں ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک بدترین کلام شعر تھا کیونکہ یہاں شعر سے مراد وہ کلام تھا جس میں برائی اور دوسروں کی عیب جوئی وغیرہ ہو۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ شعر ایک کلام ہے جس کی

برائیاں بری ہیں اور اچھائیاں اچھی ہیں۔

جامع صغیر میں ہے کہ شعر بھی عام کلام اور بات چیت کی طرح ہی ہے چنانچہ اگر اس میں اچھائی ہے تو وہ عام گفتگو کی اچھائیوں کی طرح اچھی ہے اور برائی ہے تو دوسری باتوں کی برائیوں کی طرح بری ہے۔ اچھا شعر دو خوبصورتیوں میں سے ایک ہے جس سے حق تعالیٰ ایک مسلمان کو آراستہ فرمادیتا ہے۔

اچھے شعر پسندیدہ کلام ہیں...... حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اگر قرآن پاک کی کوئی پوشیدہ حکمت تم سے اوجھل ہو تو اس کو شعر میں تلاش کرو کیونکہ شعر عربوں کے علوم کا خزانہ ہے۔

حضرت عمر کے کلام میں ہے کہ وہ شعر بہت اچھے ہوتے ہیں جو آدمی اپنی ضرورت کے اظہار سے پہلے کہتا ہے اور جن کے ذریعہ فیاض آدمی کا دل ہمدردی سے بھر جاتا ہے اور بخیل آدمی کے دل میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

اب گویا اس ساری بحث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور سب کے اقوال سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے جو چیز حرام تھی وہ شعر کہنا تھا یعنی باقاعدہ ارادہ کر کے موزون اور شعری بحر کے مطابق کلام کرنا۔ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب اور مراد بھی یہی ہے وَمَا عَلَّمْنَاہُ الشِّعْرَ لہٰذا اگر آنحضرت ﷺ کی زبان سے کبھی موزون اور شعری بحر کے مطابق کلام ادا ہو گیا تو اس کو اصطلاحی طور پر شعر نہیں کہا جائے گا کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو موزون کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا (بلکہ اتفاقی طور پر ایسا کلام آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہو گیا) اور یہ بات آپ ﷺ کے لئے ممنوع نہیں تھی۔ ادھر اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر آپ ﷺ مثال کے لئے یا شاعر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کوئی شعر پڑھتے تو آپ ﷺ اس کو موزون صورت میں نہیں پڑھتے تھے اگرچہ کبھی کبھی آپ ﷺ نے شعر کو اس کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔

کیا آپ ﷺ شعر کو وزن سے پڑھنے پر قادر تھے...... بعض ادیبوں نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعر کو صحیح طور پر پڑھ سکتے تھے یعنی ارادہ کر کے اس کو وزن کے ساتھ پڑھنے یا کہنے پر قادر تھے مگر آپ ﷺ ایسا کرتے نہیں تھے یعنی اس کو وزن کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ ادیب کہتے ہیں کہ یہ بات ماننا اس کے مقابلے میں زیادہ بلند اور بہتر ہے جو ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ موزوں انداز میں پڑھ ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کے ماننے میں یہ اشکال ہے کہ اس طرح قرآن پاک کی تکذیب ہوتی ہے (کیونکہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو شعر کا علم دیا ہی نہیں گیا)۔

علامہ بغوی جو شافعی فقہاء میں سے ہیں ان کی کتاب میں ہے کہ ایک قول کے مطابق آپ ﷺ شعر کہنے یا موزون انداز میں پڑھنے پر قادر تھے مگر آپ ﷺ ایسا کرتے نہیں تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ ایسا کرنے پر قادر نہیں تھے۔ البتہ آپ ﷺ اچھے اور برے شعر میں فرق کر سکتے تھے (کیونکہ اس کا تعلق سخن فہمی سے ہے یا پھر) غالباً اچھے اور برے سے مراد موزون اور غیر موزون شعر ہے (کہ اگر شعر وزن اور بحر سے گرا ہوا ہے تو آپ ﷺ اس کو پہچان لیتے تھے)۔

مگر کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ بعض زندیق اور دہریئے جو اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ شعر کہنے پر قادر تھے۔ مگر اس طرح وہ دہریئے صرف قرآن پاک کو جھٹلانا چاہتے ہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ وَمَا عَلَّمْنَاہُ الشِّعْرَ وَمَا

يَنْبَغِيْ لَهُ

شعر گوئی مبالغہ اور تخیل آرائی کا نام ہے...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگرچہ قرآن پاک کے کلام میں دوسری تمام کتابوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ موزونیت ہے مگر اس کو شاعری سے بری اور پاک کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک حق و صداقت اور سچائیوں کا خزانہ ہے جبکہ شاعری کی پرواز اور بنیاد ہی یہ ہوتی ہے کہ اس میں تخیلات اور باطل تصورات کو حق و صداقت کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جن کو ظاہر کرنے کے بجائے اس میں خود بینی و خود پسندی، دوسروں کی برائی میں مبالغہ اور ایذا رسانی کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بھی شعر و شاعری سے پاک رکھا۔

چونکہ شاعری کی شہرت جھوٹ اور مبالغہ آرائی ہی کے ساتھ ہے اس لئے اہل علم اور اہل عقل ان قیاسات اور اندازوں کو بھی شاعری کا نام دیتے ہیں جو اکثر و بیشتر جھوٹ اور غلط ہی ثابت ہوتے ہیں۔

مسجدوں میں شعر گوئی کی ممانعت ...... ایک حدیث میں مسجدوں میں بیٹھ کر شعر پڑھنے کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے،

"جس شخص کو تم مسجد میں شعر سناتے ہوئے دیکھو اس سے تین مرتبہ یہ کہو اللہ تعالیٰ تیرا منہ موڑ دے!"

جیسا کہ ظاہر ہے یہاں بلا تخصیص ہر شعر کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے جو اس بارے میں سختی اور تنگی ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

کتاب عرائس میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ آدم علیہ السلام نے بھی شعر کہا ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور آدم علیہ السلام پر گناہ کا بہتان باندھا۔ محمد ﷺ اور تمام پیغمبر علیہم السلام شعر و شاعری سے ممانعت کے معاملے میں برابر ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْبَغِيْ لَهُ" کی تفسیر میں لکھا ہے،

"یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ شعر ایک ایسا کلام ہے جس میں اجمال ہوتا ہے (یعنی تفصیل نہیں ہوتی) لفظوں کا ہیر پھیر ہوتا ہے اور لفظی دھوکہ ہوتا ہے (یعنی کہا کچھ جاتا ہے اور مراد کچھ ہوتی ہے (ی) جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ہم نے محمد ﷺ کے لئے نہ تو کوئی چیز اشاروں کنایوں میں کہی نہ لفظی ہیر پھیر کیا اور نہ لفظی دھوکہ کیا کہ کہا کچھ اور مراد کچھ لی نہ ہی ہم نے ان سے کسی گنجلک انداز میں خطاب کیا۔" شیخ نے اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

اب اس تفسیر کی روشنی میں کیا ان حروف مقطعہ (جیسے الم کھیعص وغیرہ وغیرہ) سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے جو کئی سورتوں کے شروع میں ہیں؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید شیخ ابن عربی ان حروف مقطعہ کو ان باتوں میں شمار نہیں کرتے جو متشابہ کہلاتی ہیں یا یہ کہ متشابہ سے وہ چیزیں مراد نہیں ہوتیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا ہے یعنی صرف اپنے تک ہی رکھا ہے۔ (یعنی ان حروف مقطعہ کا علم اللہ تعالیٰ نے کچھ انسانوں کو بھی دیا ہے جیسا کہ امام شافعی کا قول بھی یہی ہے) واللہ اعلم۔

تعمیر میں صحابہ کی جانفشانی...... (غرض اس تفصیل کے بعد دوبارہ اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں جو مسجد

نبوی کی تعمیر اور آنحضرت ﷺ کے خود محنت و مشقت اٹھانے کے بارے میں چل رہا ہے) جب صحابہ نے آنحضرت ﷺ کو خود اینٹیں ڈھوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اور زیادہ جانفشانی اور محنت سے کام کیا یعنی اینٹیں ڈھونی شروع کیں۔ مراد بڑے بڑے پتھر ہیں جیسا کہ بعض علماء نے اس کی تشریح کی ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر تیزی سے لا رہے تھے۔ مراد وہ پتھر ہیں جن سے دیوار اور دروازے کی دونوں جانبیں بنائی گئیں جیسا کہ بیان ہوا۔ یہاں تک کہ کام اور جانفشانی کی رفتار کے سلسلے میں ایک شخص نے کہا،

لَئِن قعدنا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ
لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ

ترجمہ: اگر ہم اس حالت میں جان فشانی سے کام نہ کریں جبکہ اللہ کے نبی مشقت اٹھا رہے ہیں تو یہ ہمارے لئے بربادی و تباہی کی بات ہو گی۔

عمارؓ کی آرزوئے ثواب میں زیادہ مشقت...... چنانچہ ہر شخص ایک ایک اینٹ اٹھا کر لانے لگا مگر حضرت عمار ابن یاسرؓ ایک دفعہ میں دو اینٹیں لا رہے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھ سے ان کے سر سے مٹی جھاڑتے اور فرماتے،

"عمار! تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح ایک ایک اینٹ کیوں نہیں اٹھاتے؟"

انہوں نے عرض کیا،

"اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب چاہتا ہوں"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمارؓ دو اینٹیں اٹھاتے تو ان میں سے ایک اپنی بیت سے اور دوسری آنحضرت ﷺ کے حصے کی اٹھاتے اس پر آپ ﷺ نے ان کی کمر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا،

اے ابن سُمیّہ! سب لوگوں کے حصے میں ایک ایک اجر ہے اور تمہارے حصے میں دو دو اجر ہیں اور دنیا میں سے تمہارا آخری زادِ راہ یعنی کھانا دودھ کا ایک گھونٹ ہو گا!"

عمارؓ کے متعلق پیشین گوئی...... حضرت عمارؓ کے حق میں ایک حدیث ہے کہ عمار ابن سُمیّہ کے سامنے جب بھی دو ایسی باتیں آئیں جن میں سے ان کو ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو ہمیشہ ان کا انتخاب سچائی اور سیدھے راستے کا ہوتا۔ جب بھی لوگوں کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہوتا تو حضرت عمارؓ ہمیشہ حق اور سچائی پر ہوتے۔ (خود حضرت عمّار سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ) تمہیں باغیوں اور سرکشوں کی ایک جماعت قتل کرے گی تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمارؓ کہہ رہے تھے کہ میں تمام فتنوں سے اللہ تعالیٰ اور ایک روایت کے مطابق رحمٰن کی پناہ مانگتا ہوں۔

تشریح: یہ حضرت عمارؓ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا کہ دنیا میں تمہاری آخری خوراک دودھ کا ایک گھونٹ ہو گا چنانچہ اس پیشین گوئی کی تفصیل مترجم کتاب شرح زرقانی سے لے کر پیش کر رہا ہے۔

پیشین گوئی کی تکمیل...... زرقانی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ علامہ طبرانی نے کبیر میں ابی سنان والی صحابی سے حسن سند کے ساتھ ایک روایت بیان کی ہے، ابی سنان کہتے ہیں کہ میں نے عمار ابن یاسر کے آخر وقت میں ان کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے ایک غلام کو بلا کر پینے کے لئے کچھ مانگا وہ دودھ کا

ایک پیالہ لے کر آیا جو حضرت عمار نے پی لیا۔ پھر انہوں نے کہا،

"اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا آج میں محمد ﷺ اور ان کی جماعت کی محبت کے سوا ہر چیز چھوڑ رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ دنیا میں جو چیز آخری یعنی آخری غذا تیرے ساتھ جائے گی وہ دودھ ہو گا۔

پھر انہوں نے کہا،

"خدا کی قسم! انہوں نے یعنی دشمنوں نے ہمیں شکست دیدی اور وہ ہماری طرف پیش قدمی کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم سمجھ لیں گے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں"

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہیں باغیوں اور سرکشوں کی ایک جماعت قتل کرے گی۔

غرض اس کے بعد حضرت عمارؓ صفین کے مقام پر حضرت علیؓ کا ساتھ دیتے ہوئے قتل ہو گئے اور وہیں ان کو دفن کیا گیا یہ واقعہ ۳۷ھ کا ہے اس وقت ان کی عمر تیرانوے ۹۳ یا چورانوے ۹۴ سال کی تھی۔

وہ باغی اور سرکش جماعت شام والوں کی تھی جو حضرت معاویہ کے ساتھی تھے۔

امام بخاری نے اپنے ایک نسخے میں اور مسلم و ترمذی وغیرہ نے مرفوع طور پر روایت بیان کی ہے کہ عمار پر افسوس ہے، ان کو سرکشوں کی ایک جماعت قتل کرے گی وہ ان کو جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ جماعت ان کو جہنم کی طرف بلائے گی۔ مراد یہ ہے کہ ایسی چیز اور سبب کی طرف بلائیں گے جو جہنم کی طرف لے جانے والا ہو گا۔

اس بارے میں ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ (خود بھی صحابی تھے اور ان) کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی۔ لہذا یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے۔

علامہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جہنم کی طرف بلانے والے یہ سمجھ کر نہیں بلائیں گے کہ وہ جہنم کی طرف بلا رہے ہیں بلکہ وہ اپنی جگہ پر یہ سمجھیں گے کہ ہم جنت کی طرف بلا رہے ہیں۔ اب جہاں تک ان کے ایسا سمجھنے کی بات ہے تو وہ مجتہد تھے اس لئے اس تصور اور سمجھنے کی وجہ سے ان پر کوئی ملامت نہیں ہے چاہے حقیقت میں بات ان کے خیال کے خلاف ہی ہو۔ بات کے بر خلاف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت واجب الاطاعت حضرت علیؓ تھے یعنی امیر المومنین تھے اور تمام مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب تھی اور حضرت عمارؓ ان ہی کی اطاعت کی طرف بلا رہے تھے جو جنت میں جانے کا سبب تھا۔ تشریح ختم۔

(حوالہ شرح زرقانی علی المواہب جلد اس ۳۶۶ مطبع ازہریہ مصر۔ مرتب)۔

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مستقل طور پر اینٹیں نہیں ڈھوئیں بلکہ کسی کسی وقت آپ ﷺ بھی سب کام کرنے والوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ ادھر حضرت عمارؓ کے متعلق ہی مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ مجھے ایک ایسے آدمی نے بتلایا جو مجھ سے بہتر ہے کہ جب حضرت عمارؓ غزوۂ خندق کے وقت خندق کھودنے میں مصروف تھے تو آنحضرت ﷺ کی نظر ان پر پڑی آپ ﷺ حضرت عمارؓ کے سر سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا کہ اے ابن سُمیّہ تمہیں ایک سرکش جماعت قتل کرے گی۔ ایک دوسری روایت میں اس حدیث کے بتلانے والے کا نام بھی ظاہر کر دیا گیا ہے جس کو حضرت ابو سعیدؓ نے یہاں ظاہر نہیں کیا (بلکہ اپنے سے بہتر آدمی کہہ کر روایت بیان کر دی) وہ شخص حضرت ابو قتادہؓ ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ خندق کھود رہے تھے اور لوگ پتھروں سے

توڑی ہوئی اینٹیں ایک ایک کر کے لے جارہے تھے اس وقت حضرت عمارؓ دو دو اینٹیں اٹھا اٹھا کر لے جارہے تھے حالانکہ اس وقت وہ بیماری کی وجہ سے کافی کمزور ہو رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے ابن سُمیّہ! تم پر ترس آتا ہے کہ سرکشوں کی ایک جماعت کے ہاتھوں تم قتل ہو گے۔

بعض لوگوں نے (اس اختلاف کے بارے میں کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت کا ہے یا غزوۂ خندق کے وقت کا) یہ کہا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ یہاں خندق کھودنے کی بات راوی کے وہم اور مغالطے کی وجہ سے ذکر ہو گئی ہے یا پھر آپ ﷺ نے یہ بات مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی کے وقت دونوں موقعوں پر فرمائی ہو گی۔ یہاں تک حوالہ ہے۔ اب گویا یہ کہا جائے گا کہ تعمیر مسجد کے وقت دو دو اینٹیں کر کے لے جارہے ہوں گے اور غزوۂ خندق کے وقت دو دو پتھر اٹھا کر لے جارہے ہوں گے۔

تعمیر کے دوران ابن مظعون کا احساس نفاست ...... حضرت عثمان ابن مظعونؓ ایک نہایت نفاست پسند اور صفائی پسند آدمی تھے وہ بھی مسجد کی تعمیر کے وقت پتھر ڈھونے والوں میں شامل تھے جب وہ اینٹ اٹھا کر چلتے تو اسے اپنے کپڑوں سے دور رکھ کر احتیاط سے لے جاتے تاکہ مٹی لگ کر کپڑے خراب نہ ہو جائیں۔ پھر اگر کپڑوں کو مٹی لگ جاتی تو فوراً اس کو چٹکی سے جھاڑتے جاتے تھے حضرت علیؓ نے ان کی یہ احتیاط اور نفاست دیکھی تو طنز یہ طور پر نہیں بلکہ از راہ مذاق یہ شعر پڑھنے لگے،

حضرت علیؓ کا ان سے مذاق......

لَایَسْتَوِیْ مَنْ یَعْمُرُ الْمَسَاجِدَا
یَدْأَبُ فِیْهَا قَائِمًا وَّقَاعِدًا

ترجمہ: ایک وہ شخص ہے جو مسجدوں کو آباد کرنے کے لئے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر حالت میں وہاں پہنچتا ہے۔

وَمَنْ یَرٰی عَنِ التُّرَابِ حَائِدًا

ترجمہ: اور ایک وہ شخص ہے جو گرد و غبار دیکھ کر ہی رک جاتا ہے۔

یہ حضرت عثمان ابن مظعونؓ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں ہی اپنے اوپر شراب حرام کرلی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے،

"میں شراب ہرگز نہیں پیوں گا کہ جس سے میری عقل اور ہوش و حواس جاتے رہیں اور وہ لوگ مجھ پر ہنسیں جو مجھ سے کم رتبہ ہیں"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ میں نے کئی بڑے بڑے شاعروں سے پوچھا کہ یہ رجزیہ شعر جو حضرت علیؓ نے حضرت عثمان ابن مظعونؓ کے لئے بطور مثال اور اشارہ کے پڑھا ان کے اپنے شعر ہیں یا دوسرے کے ہیں مگر ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔

عمار کی غلط فہمی اور ابن مظعونؓ کا غصہ ...... غرض حضرت علیؓ نے یہ رجزیہ شعر پڑھے تو حضرت عمارؓ ابن یاسرؓ نے ان کو سن لیا ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ شعر حضرت علیؓ نے کیوں اور کس کے لئے پڑھے مگر چونکہ یہ انہیں پسند آئے اس لئے انہوں نے بھی پڑھنے شروع کر دیئے یہ پڑھتے ہوئے وہ حضرت عثمان ابن مظعونؓ کے پاس سے بھی گزرے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ سمجھا کہ حضرت عمارؓ ان پر طنز کر رہے ہیں چنانچہ انہوں نے کہا،

"اے ابن سُمیّہ! میں نہیں جانتا کہ تم کس پر طنز کر رہے ہو یا تو تم چپ ہو جاؤ ورنہ میں یہ لوہا تمہارے

منہ پر مار دوں گا۔"

آنحضرت ﷺ کی ناراضگی...... ان کے ہاتھ میں اس وقت ایک لوہا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خدا کی قسم میں یہ لاٹھی تمہاری ناک پر مار دوں گا۔ اس روایت کے مطابق ان کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بات سن لی۔ آپ ﷺ یہ سن کر ناراض ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر فرمایا،

"عمار ابن یاسرؓ میری آنکھ کا تارا ہے"

یہ دیکھ کر لوگوں نے حضرت عمارؓ سے کہا،

"رسول اللہ ﷺ ناراض ہوگئے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے بارے میں کوئی وحی نہ نازل ہو"

حضرت عمارؓ نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کو راضی کروں گا۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا،

"یارسول اللہ! آپ ﷺ کے صحابہ کو مجھ سے کیا ضد ہوگئی ہے؟"

آپ ﷺ نے پوچھا تمہارے ان کے درمیان کیا بات ہوگئی۔ حضرت عمار نے عرض کیا ﷺ

"وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں وہ خود ایک ایک اینٹ کر کے لے جارہے ہیں اور مجھ پر دو دو اینٹوں کا بوجھ لادرہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھ پر دو دو تین تین اینٹیں لادرہے ہیں"

غالباً کبھی کبھی حضرت عمارؓ نے تین اینٹیں بھی اٹھائی ہوں گی۔ (جیسا کہ زرقانی میں ہے حضرت عمار نے یہ بات بطور مزاح کے اور آنحضرت ﷺ کا غصہ دور کرنے کے لئے کہی تھی) یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے عمارؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو لے کر تمام مسجد میں گھومے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ ان کے سر کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیر کر مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور ان سے فرماتے تھے،

"اے ابن سُمیّہ! یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کریں گے بلکہ تمہیں سرکشوں کی ایک جماعت قتل کرے گی"

کبھی آپ ﷺ یہ فرماتے، افسوس عمار! وغیرہ۔ تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے یعنی جنت میں لے جانے والے راستے کی طرف اور وہ راستہ سچے امام کی پیروی اور اطاعت کا ہے، کیونکہ حضرت عمار لوگوں کو حضرت علیؓ کی پیروی کی طرف بلاتے تھے جو اس وقت واجب الاطاعت امام تھے۔ جب کہ مخالف فریق کے لوگ جہنم کے راستے کی طرف بلاتے تھے اور وہ راستہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کی اطاعت نہ کریں بلکہ امیر معاویہؓ کی اطاعت کریں۔

اس میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حضرت عمار کی قاتل جماعت میں جو صحابہ تھے وہ سرکش کیسے کہلا سکتے ہیں کیونکہ وہ تو معذور تھے اس لئے کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کی مخالفت کی جو وجہ تھی وہ درست تھی (اور وہ اس کو حق سمجھتے تھے) اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمارؓ کے اعتقاد کے مطابق تو وہ جہنم ہی کا راستہ تھا (کیونکہ وہ امام حق کی مخالفت کی طرف بلارہے تھے) للٰہذا اسی اعتبار سے ان کو باغیوں کی جماعت کہا گیا ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ جہاں تک امیر معاویہؓ کی جماعت کا تعلق ہے وہ باغی جماعت تو تھی مگر فاسق جماعت نہیں تھی کیونکہ ان حضرات کے ذہن میں جو تشریح اور تاویل تھی اس کی وجہ سے یہ معذور تھے۔

بعض راویوں نے گزشتہ حدیث میں جس میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کا ذکر ہے آپ ﷺ کا یہ جملہ بھی ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن میں ان کی شفاعت نہیں کروں گا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ جس راوی نے یہ جملہ ذکر کیا ہے اس نے اس اضافہ سے اللہ اور اس کے رسول پر بہتان باندھا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ نہیں فرمایا تھا اور کسی معتبر راوی نے اس کو نقل نہیں کیا ہے۔

امام ابو العباس ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ یہ جھوٹ ہے جو حدیث میں بڑھا دیا گیا ہے کسی حدیث کا علم رکھنے والے نے کسی معروف سند سے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت عمارؓ کے متعلق یہ جملہ ہے کہ وہ میری آنکھوں کا نور ہیں۔ اس جملے کی بھی کوئی سند نہیں ہے صحیح میں صرف اتنا ہے کہ عمار کو باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی۔

حضرت عمارؓ کے قاتل...... ابو عالیہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ عمار کا قاتل جہنم میں جائے گا۔ اس بارے میں یہ بات عجیب اور حیرت ناک ہے کہ یہی ابو عالیہ جنہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے خود حضرت عمارؓ کے قاتل ہیں جنگ صفین میں یہ حضرت معاویہ کے ساتھ تھے اور انہوں نے حضرت عمار کو قتل کیا جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ (ی) اور وہ کہتے تھے کہ جب حضرت عمار میدان جنگ میں اترے تو انہوں نے کہا،

"اے اللہ! اگر میں جانتا کہ تیری خوشنودی اس میں ہے کہ میں آگ جلاؤں اور پھر اس میں کود جاؤں تو میں ایسا ہی کرتا یا اپنے آپ کو پانی میں غرق کرلوں تو میں یہی کرتا۔ میں ان لوگوں کے خلاف جنگ کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف تیرے ہی لئے لڑ رہا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ تو مجھے رسوا اور ذلیل نہیں فرمائے گا۔"

اس وقت حضرت عمارؓ کے ہاتھ میں ان کا ہتھیار کانپ رہا تھا کیونکہ اس وقت ان کی عمر تہتّر سال کی تھی اس وقت ان کے لئے دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا جسے دیکھ کر وہ ہنسنے لگے لوگوں نے ان سے ہنسنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا،

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مرنے کے وقت آخری چیز جو تم پیو گے وہ دودھ ہو گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت تمہاری آخری غذا دودھ کے چند گھونٹ ہوں گے!"

شوق شہادت...... اس کے بعد حضرت عمارؓ نے بلند آواز سے کہا،

"آج بہشت کو سجا دیا گیا اور خوبصورت حوروں کو آراستہ کر دیا گیا۔ آج ہم اپنے محبوب محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے جا کر ملیں گے۔"

جب حضرت عمارؓ قتل ہوئے تو حضرت عمرو ابن عاص گھبرائے ہوئے امیر معاویہ کے پاس پہنچے اور بولے کہ عمار قتل ہو گئے ہیں۔ امیر معاویہ نے کہا،

"تم اپنے پیشاب میں پھسلو! کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے۔ ان کے قتل کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو انہیں لے کر آئے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ خاموش رہو۔ تم اپنے ہی پیشاب میں پھسلتے ہو ان کے قتل کے ذمہ دار علی اور ان کے ساتھی ہیں جو انہیں یہاں لے کر آئے اور ہمارے سامنے لا کر ڈال دیا۔"

کہا جاتا ہے کہ جب اس بات پر حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے احتجاج کیا اور وہ اپنے اس جملے سے انکار

نہ کر سکے تو کہنے لگے کہ ان کے قتل کی ذمہ داری اسی شخص کی ہوگی جو عمار کو ان کے گھر سے نکال کر میدان جنگ میں لایا تھا۔ ان کی مراد حضرت علیؓ سے تھی۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا،

اس کا مطلب ہے کہ حضرت حمزہؓ کو آنحضرت ﷺ نے قتل کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ ہی ان کو میدان جنگ میں لائے تھے۔"

عمار کی عظمت اور شہادت کا سخت رد عمل...... جب حضرت عمارؓ قتل ہوئے تو حضرت خزیمہ نے بیتابانہ اپنی تلوار میان سے کھینچ لی اور حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر میدان جنگ میں لڑے۔ اس سے پہلے وہ دونوں فریقوں یعنی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ سے علیحدہ ہو چکے تھے مگر حضرت عمارؓ کے قتل کے بعد انہوں نے یہ کہہ کر جنگ میں شرکت کی،

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ عمار کو ایک سرکش گروہ قتل کرے گا۔ چنانچہ اب معاویہ نے جنگ کی یہاں تک کہ عمار کو قتل کر دیا۔"

حضرت ذوالکلاعؓ اس جنگ میں امیر معاویہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک دن امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو ابن عاصؓ سے کہا،

"آخر ہم حضرت علی اور عمار ابن یاسر سے کیسے لڑیں گے؟"

ان دونوں نے کہا،

"عمار تو ہمارے ساتھ آکر مل جائیں گے اور ہماری طرف سے علیؓ کے ساتھ جنگ کریں گے۔"

یہ حضرت ذوالکلاعؓ حضرت عمارؓ سے پہلے ہی قتل ہو گئے تھے جب حضرت عمار قتل ہوئے تو امیر معاویہ نے کہا "اگر اس وقت ذوالکلاع زندہ ہوتے تو ہمارے آدھے آدمیوں کے ساتھ علی سے جا ملتے۔"

عمارؓ کے قتل پر ابن بُدیل کا جوش و غضب...... ان کے اس اندیشے کی وجہ بھی غلط نہیں تھی کیونکہ حضرت ذوالکلاعؓ کے اثر میں ان کے خاندان کے چار ہزار اور ایک قول کے مطابق دس ہزار آدمی تھے۔ حضرت علیؓ کی طرف حضرت عبداللہ ابن بدیل ابن ورقاء تھے۔ جب حضرت عمارؓ قتل ہوئے تو انہوں نے جوش میں آکر دو تلواریں دونوں ہاتھوں میں لیں اور دو ہی زرہیں پہنیں اور اپنی تلواروں سے پرے کے پرے صاف کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ تک پہنچ گئے۔ وہ اس قدر بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑتے ہوئے بڑھ رہے تھے کہ امیر معاویہ اور ان کے خاص دستے کو اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ جانے پر مجبور ہونا پڑھا۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے وہیں میدان جنگ میں کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا اور پھر کہا،

لوگو سن لو! معاویہ اس چیز کے دعویدار بن کر کھڑے ہوئے ہیں جس کے وہ حقدار نہیں ہیں۔ وہ خلافت کے حقدار سے جھگڑا کر رہے ہیں۔ وہ ایک باطل بات کے لئے لڑ رہے ہیں تاکہ اس باطل سے حق کو ذبح کر دیں وہ تم پر دیہاتیوں اور گروہوں کے ذریعہ زبردستی کر رہے ہیں انہوں نے ان لوگوں کے سامنے گمراہی کو سجا بنا کر پیش کیا ہے اور ان کے دلوں میں فتنہ و فساد کی محبت پیدا کر دی ہے۔ وہ ان کو فریب دے رہے ہیں جہاں تک تم یعنی عام لوگوں کی بات ہے تو تم خدا کی قسم حق اور سچائی پہچاننے والے ہو اور تمہیں تمہارے پروردگار نے نور ہدایت اور کھلی دلیلیں دی ہیں۔ اس لئے ان سرکش باغیوں سے لڑو۔ ان سے لڑو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہی

ہاتھوں ان کو انجام تک پہنچائے ان کو ذلیل اور رسوا کرے۔ تمہیں ان پر فتح ونصرت عطا فرمائے اور مومنوں کے دلوں کو شفا عطا فرمائے۔ اس سرکش گروہ سے جنگ کرو جو خود اپنے ہی لوگوں سے سلطنت کے لئے لڑ رہے ہیں چلو اٹھو اور آگے بڑھو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت فرمائے۔"

جب حضرت عمارؓ شہید ہو گئے تو اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے اس بات پر پشیمان ہوئے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی مدد اور ان کی طرف سے جنگ کیوں نہیں کی۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت کہا،

"مجھے کسی بات کا افسوس نہیں سوائے اس کے کہ میں سرکشوں کے مقابلے میں کیوں نہ لڑا؟"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ہم حضرت علیؓ کے ساتھ صفین کے مقام پر نو سو ایسے صحابہ ساتھ گئے تھے جو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے لوگ تھے ان میں سے تریسٹھ آدمی قتل ہوئے جن میں حضرت عمار ابن یاسرؓ بھی تھے حضرت خزیمہ ابن ثابت جن کی تنہا شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا وہ بھی اگرچہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے مگر انہوں نے اپنے ہتھیاروں کو روک رکھا تھا (یعنی لڑ نہیں رہے تھے) مگر جب حضرت عمارؓ قتل ہو گئے تو انہوں نے اپنی تلوار میان سے نکال لی اور آخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے کیونکہ لڑنے سے پہلے وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ عمار کو ایک سرکش گروہ قتل کرے گا۔

<u>عمار ابن یاسرؓ کا مقام</u>...... ایک حدیث میں ہے کہ جس نے عمار سے دشمنی رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھی اور جس نے عمار سے نفرت کی اس سے اللہ تعالیٰ نے نفرت کی۔ عمار حق کے ساتھ ہیں جہاں حق ہو گا وہیں وہ ہوں گے۔ عمار گوشت پوست کے ساتھ ایمان میں رچ بس چکا ہے۔ عمار کے سامنے جب بھی دو مختلف باتیں آئیں گی، تو وہ ان میں سے ہمیشہ اس بات کو قبول کریں گے جس میں زیادہ سچائی اور ہدایت ہو گی۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمارؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا استقبال ان الفاظ سے فرمایا،

"خوش آمدید ہو اس شخص کو جو پاک وصاف ہے۔ عمار ابن یاسر وہ شخص ہے جو از سر تا بقدم ایمان میں ڈوبا ہوا ہے ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ عمار سر سے پیر تک ایمان سے لبریز ہے اور ایمان اس کے گوشت اور خون میں رچا بسا ہوا ہے۔"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ روانہ فرمایا، (سریہ صحابہ کا وہ مختصر لشکر یا فوجی دستہ ہوتا تھا جس کو آنحضرت ﷺ دشمن کی سرکوبی کے لئے بھیجتے تھے خود تشریف نہیں لے جاتے تھے) اس دستے کے امیر حضرت خالد ابن ولید مقرر ہوئے تھے۔ حضرت عمارؓ کا حضرت خالد سے کسی بات پر اختلاف ہو گیا جب یہ حضرت آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا پھر حضرت خالدؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! کیا آپ اس بات سے خوش ہیں کہ یہ عیب دار غلام مجھے گالیاں دے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"اے خالد! عمار کو برا مت کہو کیونکہ جس نے عمار کو برا کہا اللہ نے اس کو برا کہا، جس نے عمار سے

دشمنی رکھی اللہ نے اس کے ساتھ دشمنی رکھی اور جس نے عمار پر لعنت کی اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عمار غصہ میں وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اسی وقت حضرت خالد بھی اٹھ کر عمار کے پیچھے پیچھے چلے یہاں تک کہ حضرت خالد نے ان کی چادر کا پلّہ پکڑ لیا اور اس کے بعد ان سے معافی مانگی جس پر حضرت عمارؓ ان سے راضی ہو گئے۔

نبوت کی ایک نشانی اور دلیل...... حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

"حق اور سچائی عمار کے ساتھ ساتھ ہے جب تک کہ کبر تکبر ان کو سر گشتہ نہ کر دے۔"

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کیونکہ حضرت عمارؓ اور حضرت عثمان ابن عفان کے درمیان کچھ دشمنی پیدا ہو گئی تھی (یہ بات حضرت عثمان غنی کی خلافت کے زمانے کی ہے) اس زمانے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ کو تخت خلافت سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اس وقت حضرت سعد ابن ابی وقاص نے جو اس زمانے میں بیمار تھے حضرت عمارؓ کو اپنے یہاں بلایا اور کہا،

برا ہو اے ابو یقظان! آپ ہم میں اہل خیر اور بہترین لوگوں میں سے تھے آپ کے متعلق یہ کیا بات سننے میں آرہی ہے کہ آپ مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور امیر المومنین کے خلاف لوگوں کو برگشتہ کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس عقل ہے یا نہیں؟"

حضرت عمار یہ سن کر غصہ ہو گئے اور انہوں نے اپنے سر سے عمامہ اتار کر کہا،

"بس تو سمجھ لو جس طرح (یعنی جتنی آسانی سے) میں نے یہ پگڑی سر سے اتار دی اسی طرح عثمان کو بھی تخت خلافت سے اتار دیا۔"

حضرت سعدؓ نے کہا،

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جب آپ بوڑھے ہو گئے آپ کی ہڈیاں گھل گئیں اور عمر تمام ہونے کو آئی تو آپ نے اسلام کا پھندا اپنے گلے سے اتار پھینکا اور دین کا لباس اتار کر اس طرح ننگے اور خالی ہو گئے جیسے اس وقت تھے جب آپ کی ماں نے آپ کو جنم دیا تھا۔"

اس پر حضرت عمار غصے میں بھرے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے،

"میں سعد ابن ابی وقاص کے فتنے سے اپنے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں۔"

اس موقعہ پر حضرت سعدؓ نے وہ گزشتہ حدیث بیان کی اور کہا،

"عمار کے ہوش و حواس جاتے رہے اور وہ سٹھیا گئے۔"

حضرت عمار نے اپنی قوم کے لوگوں کو یہ واقعہ بتلا کر مشتعل کیا۔

مسجد نبوی کا قبلہ اور اس کے دروازے...... (قال) غرض اس تفصیل کے بعد اصل بیان کی طرف آتے ہیں کہ مسجد نبوی کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا اور اس کے تین دروازے بنائے گئے، ایک دروازہ مسجد کے آخری حصے میں، ایک وہ دروازہ جس کو باب عاتکہ اور باب الرحمت کہا جاتا ہے اور تیسرا وہ دروزاہ جس کو اب باب جبرئیل کہا جاتا ہے۔ یہی وہ دروازہ ہے جس سے آنحضرت ﷺ مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے اس کو باب عثمان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دروازہ حضرت عثمانؓ کے گھر کے دروازے کے پاس تھا یہی وہ دروازہ ہے جس سے اب قبرستان بقیع کی طرف جاتے ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ پھر اس کے بعد جب قبلہ کی تبدیلی ہوئی تو قبلہ کعبہ کی طرف ہوا چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ میری اس مسجد کا قبلہ جب متعین ہوا تو کعبے کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا گیا اور میں نے اس کا رخ لیا۔ اب گویا اس حدیث سے دوسری مرتبہ قبلے کا تعین مراد ہے۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ میری اس مسجد کا قبلہ متعین ہوا تو اس وقت میرے اور کعبے کے درمیان کے پردے ہٹا دیئے گئے۔ واللہ اعلم

مسجد نبوی کا قطعہ ...... بعض علماء نے مسجد نبوی کے متعلق کچھ حیرت ناک تفصیلات علامہ مغلطائی کے حوالے سے ذکر کی ہیں کہ مسجد نبوی کی جو زمین ہے اس کو آنحضرت ﷺ کے ظہور سے بھی ایک ہزار سال پہلے یمن کے بادشاہ تبع نے آنحضرت ﷺ کے لئے خرید لیا تھا اور یہ زمین آنحضرت ﷺ کی ملکیت تھی۔ یعنی آنحضرت ﷺ سے ہی متعلق اور آپ ﷺ ہی کی ملک تھی کیونکہ اس کا اظہار شاہ تبع کے خط سے ہوتا ہے جو اس نے ایک ہزار سال پہلے زمین خریدنے کے بعد اس مکان میں رہنے والے کو آنحضرت ﷺ کے نام لکھ کر دیا تھا (کہ اگر تم اس نبی کا زمانہ پاؤ تو یہ خط میری طرف سے ان کو پیش کر دینا اور اگر وہ نبی تمہارے زمانے میں ظاہر نہ ہو تو اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرنا کہ یہ خط ان کے سپرد کر دیں)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: آگے تفصیل آرہی ہے کہ تبع بادشاہ نے آنحضرت ﷺ کے لئے اس جگہ مکان بنوایا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائیں تو آپ ﷺ اس مکان میں ٹھہریں گے، کہا جاتا ہے کہ وہ مکان ہی حضرت ابوایوب کا مکان تھا (جو اسی شخص کی اولاد میں سے تھے جس کو تبع نے اس مکان میں بسایا تھا) یہاں پیدا ہونے والے شبہ کو دور کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ شاید وہ زمین جو تبع نے آنحضرت ﷺ کے لئے وقف کی تھی اس خرمن اور ابوایوب کے مکان دونوں کو ملا کر تھی۔ یعنی یہ پورا علاقہ تبع نے آنحضرت ﷺ کے لئے خرید کر وقف کیا تھا۔ پھر بعد میں یہ علاقہ تقسیم ہو گیا اور ایک حصہ میں حضرت ابوایوبؓ کا مکان ہو گیا اور باقی حصہ میں وہ خرمن بن گیا۔ پھر اسی طرح یہ مکان اولاد در اولاد ایک سے دوسرے کے پاس آتے آتے حضرت ابوایوبؓ کے پاس پہنچا۔ چنانچہ اس مکان کے حضرت ابوایوبؓ تک پہنچنے کے سلسلے میں یہی بات مواہب نے بھی لکھی ہے۔

مگر یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اس علاقہ کا ذکر تبع کے خط میں تھا تو آنحضرت ﷺ کے علم میں یہ بات ضرور ہوتی کیونکہ جیسا کہ آگے بیان ہوگا یہ خط آنحضرت ﷺ کے ظہور کے ابتدائی زمانہ میں ہی مکہ میں آپ کی خدمت میں پیش کیا جا چکا تھا۔ جبکہ مکہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور حضرت ابوایوبؓ کے مکان پر قیام فرمانے کی جو تفصیل گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس زمین کے بارے میں اس تفصیل کی خبر نہیں تھی۔ واللہ اعلم۔

پانچ ماہ تک قبلۂ اول کی طرف نمازیں...... (قال) مسجد کی تعمیر کے بعد آنحضرت ﷺ اس میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پانچ ماہ تک نمازیں پڑھتے رہے پھر جب قبلہ کا رخ بدل گیا تو آپ ﷺ نے مسجد کا دروازہ بند کر دیا جو مسجد کے آخری حصے میں تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ قبلے کی تبدیلی کے بعد سوائے باب جبرئیل کے باقی وہ تمام دروازے بند کر دیئے گئے جن سے آنحضرت ﷺ مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے (ی) یعنی صرف یہ دروازہ اپنی جگہ پر باقی رکھا

گیا۔ جہاں تک باب رحمت کا تعلق ہے۔ جس کو باب عاتکہ بھی کہا جاتا تھا اس کو اس کی جگہ سے ہٹا کر بنایا گیا۔

مسجد میں کنکریوں کا فرش...... مسجد نبوی میں کنکریاں بچھانے کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ بارش ہوئی جس سے تمام فرش بھیگ گیا چنانچہ جو شخص بھی آتا وہ اپنے کپڑوں میں کنکریاں بھر کر لاتا اور اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر ان کو بچھا دیتا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا،

"یہ فرش (یعنی کنکریوں کا فرش) بڑا اچھا ہے"

ایک روایت اس حدیث کے خلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود حکم دیا تھا کہ مسجد میں کنکریاں بچھادی جائیں مگر اس حکم کی تعمیل سے پہلے ہی آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت میں کنکریاں بچھوائیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ اختلاف دور کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ شاید جب کچھ صحابہ نے اپنے لئے وہاں کنکریاں بچھائی تھیں تو آپ کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ آپ نے پوری مسجد میں کنکریاں بچھانے کا حکم فرمادیا تھا کیونکہ کچھ حصے میں تو بچھ ہی چکی تھیں۔ مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ مسجدوں میں فرش بچھانا بدعت یعنی نئی بات ہے۔ اب اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید ان علماء کی مراد چٹائی کے فرش سے ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چٹائیوں کا فرش نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا تھا۔ ادھر بعض حضرات نے اس بات کو صاف ہی لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مسجدوں میں چٹائیوں کے فرش بچھائے وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں جبکہ اس سے پہلے مسجدوں میں کنکریوں کا فرش تھا یعنی خود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں۔ جیسا کہ یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے۔

قرن اول کا احتیاط پسند مزاج...... کتاب احیاء میں ہے کہ اس زمانہ میں بہت سی عام طور پر کی جانے والی باتیں حضرات صحابہ کے زمانے میں منکر اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی تھیں جیسے ہمارے زمانے میں مسجدوں کے اندر چٹائی اور کپڑے وغیرہ کے فرش بچھانا بہت عام اور پسندیدہ بات ہے جبکہ مسجدوں میں چٹائیوں کے فرش بچھانا صحابہ کے زمانہ میں بدعت کی بات تھی کیونکہ ان کی رائے تھی کہ ان کے اور فرش زمین کے درمیان کوئی چیز حائل اور رکاوٹ نہ ہونی چاہئے۔ یہاں تک احیاء کا حوالہ ہے۔ (ی) مگر کنکریاں ظاہر ہے نمازی اور زمین کے درمیان حائل نہیں کہلا سکتیں (کیونکہ کنکریوں کا فرش خود بھی ننگا فرش ہوتا ہے)

حضرت عثمانؓ کی طرف سے مزید زمین کا ہبہ...... آگے ایک روایت آرہی ہے کہ مسجد نبوی قلعہ خیبر کی فتح کے بعد بنائی گئی تھی۔ چنانچہ شاید حضرت خارجہ کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ جب لوگ یعنی مسلمان زیادہ ہو گئے تو ایک روز انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اگر اس میں اضافہ کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور ایسا کرادیا گیا۔ غالباً یہی وہ اضافہ ہے جس کے تحت آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں وہ زمین بھی شامل فرمادی جس کو حضرت عثمان نے ایک انصاری مسلمان سے دس ہزار درہم میں خریدی تھی۔ اس خریداری کے بعد حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا،

"یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ مجھ سے وہ قطعہ خریدنا چاہیں گے جو میں نے انصاریوں سے خریدا ہے؟"

یہ زمین مسجد نبوی سے ملی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس قطعہ کو خرید لیا اور حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت جنت میں اپنے لئے ایک مکان کو بنایا۔

حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کی داستان۔۔۔۔۔ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان غنیؓ کوان کی خلافت کے زمانے میں دوسری مرتبہ محصور کیا گیا یعنی ان کو اپنے مکان میں بند ہو جانے پر مجبور کر دیا گیا تو وہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر کہا کہ لوگوں کے سامنے آئے اس وقت وہ پیاس سے بے چین تھے، چھت پر سے انہوں نے لوگوں سے پکار کر کہا کیا یہاں علی موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کیا طلحہ موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ تب حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں سے یہ فرمایا،

"میں تم سے اس خدائے برتر کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کہ کیا تمہیں یاد ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ بنی فلاں کا خرمن یعنی جو مسجد نبوی کے برابر میں تھا جو شخص خریدے گا (اور اس کو مسجد نبوی میں شامل کر دے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ اس پر میں نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں وہ خرمن خرید لیا تھا۔"

حضرت عثمانؓ کو صحیح قیمت یاد نہیں رہی تھی۔ مگر پیچھے بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اسے دس ہزار درہم میں خریدا تھا اس لئے یہ بات قابل غور ہے، غرض اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے کہا،

"اس خریداری کے بعد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور میں نے آپ ﷺ کو بتلایا کہ میں نے وہ خرمن خرید لیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ہماری مسجد بنادو اس کا زبردست اجر و ثواب تمہیں حاصل ہوگا۔"

لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی اس بات کی تصدیق کی اور کہا کہ بے شک ایسا ہی ہوا تھا۔ ایک روایت میں حضرت عثمانؓ کی یہی بات تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ مثلاً کیا تمہیں یاد ہے کہ جب مسجد نبوی تنگ ہو گئی تھی تو آنحضرت ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ جو شخص اس قطعہ کو خرید کر مسجد میں شامل کر دے گا اس کو اس نیکی کے برابر اجر ملے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو اسی کے بقدر خیر جنت میں ملے گی۔ پھر میں نے اس کو خرید کر مسجد میں شامل کر دیا اور اب تم مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روکتے ہو۔

مسجد نبوی سے متعلق عثمان غنیؓ کی خدمات۔۔۔۔۔حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں مسجد نبوی میں بہت کافی اضافے کرائے تھے۔ نیز انہوں نے مسجد کی دیواریں منقش پتھروں سے بنوائیں۔ اسی طرح مسجد کے ستون بھی نقشین پتھروں کے بنوائے مسجد کی چھت انہوں نے سال کی لکڑی کی ڈلوائی جیسا کہ بخاری میں ہے۔

غرض حضرت عثمانؓ نے اپنی ان خدمات میں سے بہت سی اس وقت لوگوں کے سامنے گنوائیں۔ مثلاً انہوں نے کہا،

"میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں یاد نہیں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں سوائے بئر رومہ کے میٹھے پانی کا کنواں کوئی نہ تھا اور ہر شخص قیمت دے کر اس کا پانی لیا کرتا تھا، تب آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کون ہے جو چاہ رومہ کو خرید کر عام مسلمانوں کے استعمال کے لئے وقف کر دے اور اس کا صلہ جنت میں حاصل کرے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اور جنت میں اپنے لئے سیرابی کا ٹھکانہ حاصل کرے۔ تب میں نے اپنی گاڑھی کمائی خرچ کر کے اسے خریدا اور امیر و غریب اور مسافر ہر ایک کے استعمال کے لئے اس کو بلا قیمت عام اور وقف کر دیا۔"

ایک گھونٹ پانی کے لئے التجا...... یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ بے شک ہمیں یہ سب یاد ہے۔ تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

"مگر آج تم ہی لوگ مجھے اس میں سے پینے اور پانی لینے سے روک رہے ہو۔ کیا کوئی نہیں جو ہمیں پانی کے چند گھونٹ دیدے تا کہ میں نمکین پانی ہی سے اپنا فاقہ توڑ سکوں۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تم میں سے کوئی اتنی ہی مہربانی کر دے کہ میری پیاس اور تشنگی کا حال علیؓ کو پہنچا دے۔ جب حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے تین مٹکے پانی کے بھروا کر حضرت عثمانؓ کے پاس روانہ کئے مگر ان میں سے ایک بھی حضرت عثمانؓ کے پاس نہ پہنچ سکا۔ اس پانی کو امیر المومنین کے پاس پہنچنے دینے کے لئے بنی امیہ کے غلام بنی ہاشم کے غلاموں سے الجھ پڑے جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے تھے۔

چاہ رومہ اور حضرت عثمانؓ...... مدینہ میں جو چاہ رومہ تھا اس کو ایک یہودی نے کھدوایا تھا جس کا نام رومہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ اس کنویں کا پانی مسلمانوں کو بیچا کرتا تھا یہ کنواں عتیق کے مقام پر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا جس سے اس کا پانی میٹھا ہو گیا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ کون ہے جو اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے استعمال کے لئے وقف کر دے اور جنت میں اپنے لئے سیرابی کا ٹھکانہ حاصل کرے۔ تو حضرت عثمانؓ اس کنویں کا سودا کرنے کے لئے رومہ کے پاس پہنچے مگر اس نے پورے کنویں کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا حضرت عثمانؓ نے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم دے کر خرید لیا اور اس کو عام مسلمانوں کے استعمال کے لئے کھول دیا۔ انہوں نے چونکہ آدھا کنواں خریدا تھا اس لئے ایک دن حضرت عثمان کے استعمال کا ہوتا تھا اور ایک دن اس یہودی کے استعمال کا ہوتا تھا (یعنی حضرت عثمانؓ والے دن میں عام مسلمان وہاں سے مفت پانی بھرتے تھے اور یہودی والے دن میں مفت پانی لینے کی اجازت نہیں ہوتی تھی) اب مسلمانوں نے یہ کیا کہ حضرت عثمان والے دن میں کنویں سے دو دن کا پانی نکال لیتے تھے۔ اس یہودی نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا،

آپ نے میرا کنواں اور اس کی آمدنی برباد کر دی۔ اس لئے باقی آدھا حصہ بھی آپ ہی آٹھ ہزار درہم میں خرید لیجئے۔ ایک قول یہ ہے کہ پورے کنویں کے لئے حضرت عثمانؓ نے جو رقم ادا کی وہ پینتیس ہزار درہم تھی۔

حضرت عثمانؓ کا یہ قول کہ میں نے اس کنویں کو امیر و غریب اور مسافر سب کے لئے عام کر دیا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ اس کنویں میں میرا یعنی مالک کا ڈول بھی عام مسلمانوں کے ڈول کی طرح پڑے گا (یعنی مالکانہ حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مشترک چیز کی طرح میں بھی اسے استعمال کروں گا۔ تو اپنے ڈول یعنی اپنے استعمال کے بارے میں ان کا یہ کہنا) شرط کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس سے مراد یہ تھی کہ کنواں ہر شخص کے لئے برابر کے درجہ میں عام ہو گا۔ لہٰذا اس جملے سے یہ مسئلہ نہیں پیدا ہوتا کہ وقف کرنے والے کو یہ شرط رکھنے کا حق حاصل ہے کہ وہ وقف شدہ چیز سے خود بھی فائدہ اٹھاتا رہے گا۔ اگرچہ بعض علماء نے اس سے یہی مسئلہ نکالا ہے۔

خلیفۂ سوم کا محاصرہ...... حضرت عثمانؓ کا یہ محاصرہ یعنی گھر میں نظر بندی دو مہینے بیس دن تک رہی۔ علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ان کا پہلا محاصرہ بیس دن تک رہا تھا اور دوسرا محاصرہ چالیس دن رہا۔ محاصرہ کے ان

ہی دنوں میں ایک روز حضرت عثمان نے کہا،

"کاش کوئی سچا آدمی مجھے ان پریشان حالات کی وجہ بتلا سکتا"

یعنی میں ان پریشانیوں میں کیوں گھر گیا؟ اس پر ایک انصاری کھڑا ہوا اور کہنے لگا،

امیر المومنین! اس کی وجہ میں بتلاتا ہوں۔ آپ ان لوگوں کے سامنے اتنے جھک گئے کہ یہ آپ پر سوار ہی ہو گئے۔ آپ پر یہ ظلم و ستم کرنے کی جرأت انہیں آپ کی حد سے بڑھی ہوئی رواداری اور شرافت کی وجہ سے ہوئی ہے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو بیٹھ جاؤ۔

حضرت عثمان کا بے رحمانہ قتل...... اس محاصرہ میں سب سے پہلے ان کے گھر میں جو گھسے وہ محمد ابن ابو بکرؓ تھے۔ یہ اور ان کے ساتھی حضرت عمرو ابن حزم کے مکان کی دیوار پھلانگ کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں کود ے۔ محمد ابن ابو بکر نے مکان میں گھس کر حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ کر کھینچی۔ حضرت عثمان نے اس پر ابن ابو بکر سے فرمایا،

"بھتیجے اس داڑھی کو چھوڑ دو۔ کیونکہ خدا کی قسم تمہارے باپ بھی اس داڑھی کا احترام کرتے تھے"

یہ سن کر محمد ابن ابو بکر کو شرمندگی ہوئی اور گھر سے باہر نکل آئے۔ ایک روایت میں ہے کہ محمد ابن ابو بکر نے حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ کر اسے جھٹکا دیا اور کہا،

"اس وقت نہ معاویہ تمہیں بچا سکے اور نہ ابن ابو سرح بچا سکے!"

حضرت عثمان نے فرمایا،

بھتیجے میری داڑھی چھوڑ دو! خدا کی قسم تم اس داڑھی کو کھینچ رہے ہو جس کی تمہارے باپ بھی عزت کرتے تھے۔ تمہارے باپ میرے ساتھ تمہارے اس معاملہ کو ہرگز پسند نہ کرتے"

اس پر محمد ابن ابو بکر نے داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے چلے گئے۔ ایک قول ہے کہ محمد ابن ابو بکر نے ان کی داڑھی پکڑ کر کہا،

"میں جس ارادے سے آیا ہوں وہ تمہاری داڑھی پکڑنے سے کہیں زیادہ ہے۔"

حضرت عثمان نے فرمایا،

"میں تمہارے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد اور نصرت مانگتا ہوں۔"

اس کے بعد محمد ابن ابو بکر نے وہ چھری خلیفہ کی پیشانی میں ماری جو ان کے ہاتھ میں تھی۔ پھر ان میں سے کسی نے ان کے تلوار ماری۔ اسی وقت وہاں حضرت عثمان کی بیوی نائلہ آگئیں تو انہوں نے ان کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کاٹ ڈالیں۔

نعش کی بے حرمتی...... ابن ماجشون نے مالک سے روایت کیا ہے کہ قتل کے بعد حضرت عثمانؓ کی نعش تین دن تک یوں ہی پڑی رہی۔

ایک قول ہے کہ ان کے قتل کے بعد ان کی لاش تین دن تک گھر میں بند پڑی رہی کسی کو لاش اٹھانے کی اجازت نہ تھی اس لئے تین دن تک اسے دفن نہ کیا جا سکا۔ آخر تیسرے دن کے بعد جب رات آئی تو وہاں بارہ آدمی آئے جن میں حویطب ابن عبد العزیٰ، حکیم ابن حزام اور عبداللہ بن زبیر بھی شامل تھے۔ ایک قول یہ ہے

کہ چار آدمیوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ کہ حضرت ابن زبیرؓ حضرت عثمانؓ کے قتل کے وقت موجود نہیں تھے اس کے بعد ان لوگوں نے خلیفہ کی لاش اٹھائی۔ جب یہ جنازہ لے کر قبرستان میں پہنچے تو خلیفہ کے مخالفین نے ان لوگوں کو روک دیا اور کہا،

خدا کی قسم اس لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنے دیا جائے گا۔"

قبرستان بقیع میں خفیہ تدفین...... آخر ان لوگوں نے لاش اس جگہ دفن کردی جہاں لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنے سے پرہیز کرتے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ اپنی زندگی میں جب یہاں سے گزرا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ یہاں ایک صالح انسان دفن ہوگا جس کے بعد دوسرے لوگ یہاں اپنے مردوں کو دفن کر کے مطمئن ہوا کریں گے۔

یہ جگہ پہلے ایک باغ تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو خرید کر قبرستان بقیع میں شامل کردیا تھا۔ چنانچہ خود حضرت عثمان ہی وہ سب سے پہلے آدمی ہیں جن کو یہاں دفن کیا گیا (کیونکہ پہلے اس جگہ پر لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ قبرستان بقیع کے اسی اصل حصے میں دفن کرتے تھے جو پہلے سے چلا آرہا تھا)۔

مخالفوں کا خوف...... جنازہ لے جانے والے مخالفین کے ڈر کی وجہ سے بڑی تیزی سے چل رہے تھے چنانچہ جب وہ ایک دروازے سے جنازہ لے کر تیزی سے نکلے تو لاش کا سر دروازے سے ٹکرا گیا۔ جب انہوں نے حضرت عثمانؓ کو دفن کردیا تو ساتھ ہی اس ڈر سے قبر اوپر سے برابر کردی کہ کہیں مخالفین قبر کھود کر لاش نہ نکال لیں، حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کے دونوں غلام بھی قتل ہوگئے تھے ان کی لاشوں کو یہ حضرات جلدی سے ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے ایک ٹیکرے پر ڈال آئے جہاں انہیں کتّوں نے کھالیا۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا سبب...... اس سارے فتنے اور لوگوں کے حضرت عثمانؓ کے دشمن بن جانے کا سبب یہ ہوا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد ان تمام بڑے بڑے صحابہ کو ان کے عہدوں سے معزول اور سبکدوش کردیا تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا تھا۔ ان میں کچھ حضرات وہ تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھا جائے جیسے بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے کہ ان کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے خاص طور پر وصیت فرمائی تھی کہ ان کو ان کے عہدے پر باقی رکھا جائے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے ان کو برطرف کرکے ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ ابن عامر کو گورنر بنادیا۔ اسی طرح انہوں نے مصر کی گورنری سے حضرت عمرو ابن عاص کو برطرف کر کے ابن ابو سرح کو مقرر کردیا۔ ادھر کوفہ سے انہوں نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ کو سبکدوش کردیا۔ نیز حضرت ابن مسعودؓ کو بھی برطرف کردیا گیا اور مدینہ طلب کرلیا گیا۔ کوفہ ہی سے انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو بھی سبکدوش کر کے ان کی جگہ اپنے ماں شریک بھائی ولید ابن عقبہ ابن معیط کو متعین کردیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فاسق فرمایا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَايَسْتَوٗنَ (سورۂ سجدہ، پ۲۱، ع۲۴ آیت ۱۸)

ترجمہ: تو کیا جو شخص مومن ہو گیا وہ اس شخص جیسا ہو جائے گا جو بے حکم (یعنی نافرمان) ہو! وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے

چنانچہ ولید کے تقرر پر لوگ کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ نے بہت برا کیا کہ ایسے آدمی کو تو برطرف

کر دیا جو نرم دل، نیک خو، پرہیز گار اور ایسا تھا جس کی دعائیں مقبول تھیں اور ان کی جگہ اپنے اس بھائی کو مقرر کر دیا جو بددیانت، فاسق اور شرابی ہے (ان تمام الزامات اور بہتانوں کے جوابات خود حضرت عثمانؓ نے دیئے ہیں)۔

غالباً لوگوں کی یہ بیزاری اور ولید کے تقرر پر یہ نفرت آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی بناء پر تھی جس کو حاکم نے اپنی صحیح میں پیش کیا ہے۔ وہ ارشاد یہ ہے،

آنحضرت ﷺ کا ارشاد...... جس امیر نے لوگوں کی ایک جماعت پر کسی کم درجے کے آدمی کو عہدہ دے دیا جبکہ اس جماعت میں وہ لوگ بھی ہوں جن سے اللہ تعالیٰ اس شخص کے مقابلہ میں راضی اور خوش ہے تو اس امیر نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور سب مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔"

اس فتنہ میں حکم ابن ابوالعاص کی ذات...... حضرت عثمانؓ کی ان باتوں میں سے جن پر لوگ ان کے دشمن بن گئے ایک یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے چچا حکم ابن ابوالعاص کو مدینہ میں بلالیا۔ یہ شخص مروان کا باپ تھا اس کو آنحضرت ﷺ کا راندۂ درگاہ کیا ہوا اور آپ ﷺ کا دھتکارا ہوا شخص کہا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات پاک اور پھر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں یہ طائف میں ہی رہا۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت عثمانؓ نے صدیق اکبرؓ سے درخواست کی تھی کہ حکم ابن ابوالعاص کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دیدیں مگر صدیق اکبرؓ نے انکار فرمادیا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ بہر حال وہ میرے چچا ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

" تمہارا چچا جہنمی ہے۔ ہر گز نہیں۔ ہر گز نہیں۔ میں آنحضرت ﷺ کے کسی فیصلے کو ہر گز نہیں بدلوں گا، خدا کی قسم میں اس کو ہر گز یہاں نہیں آنے دے سکتا۔"

پھر جب حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا دور آیا تو حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظمؓ سے اس بارے میں درخواست کی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے غصہ سے فرمایا،

تمہارا برا ہو عثمان! کیا تم اس شخص کے بارے میں بات کر رہے ہو جو رسول اللہ ﷺ کا راندۂ درگاہ اور آپ ﷺ کا دھتکارا ہوا ہے، جو خدا اور خدا کے رسول کا دشمن ہے۔"

(حضرت عثمانؓ پھر مایوس ہو کر خاموش ہو گئے) پھر جب حضرت عثمانؓ خود خلیفہ بنے تو انہوں نے حکم ابن ابوالعاص کو مدینہ بلالیا۔ مہاجروں اور انصاریوں پر اس کا زبردست اور شدید ردّ عمل ہوا (اور صحابہ نے حضرت عثمانؓ پر اپنی ناخوشی کا اظہار کیا) مگر حضرت عثمانؓ نے اس معاملہ میں بڑے بڑے صحابہ کی بات نہیں مانی۔ چنانچہ لوگوں کے حضرت عثمان کی مخالفت اور دشمنی میں اٹھ کھڑے ہونے کا سب سے بڑا سبب یہی تھا۔

حضرت عثمان نے اپنے اس اقدام کی وجہ بتلاتے ہوئے کہا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے اس وقت آپ ﷺ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ حکم کو واپس مدینہ بلالیں گے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں نے یہ بات حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان سے کہی تھی اور کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے اس وعدہ کا میں گواہ ہوں۔ مگر صدیق اکبرؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ تم اکیلے گواہ ہو (جبکہ گواہی میں کم از کم دو آدمی ہونے ضروری ہیں) پھر حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوران میں نے ان سے بھی یہی بات کہی مگر انہوں نے یہی کہہ دیا کہ ایک آدمی کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بعد اب جبکہ حکومت و خلافت میرے ہاتھ میں آئی

تو میں نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر دیا اور حکم کو مدینہ میں آنے کی اجازت دے دی)۔

گورنروں کی معزولی کے احکامات اور عوامی ناراضگی کی ابتداء...... (ی) جہاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو سبکدوش کرنے کا تعلق ہے تو (کہا جاتا ہے کہ) ان کے کارندوں نے شکایت پہنچائی کہ وہ بخیل اور تنگ دل ہیں۔ لہٰذا انہوں نے فتنہ کھڑا ہونے کے خوف سے انہیں برطرف کر دیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ان ہی اقدامات میں سے جن کی بناء پر لوگ ان سے ناراض ہو گئے ایک یہ تھا کہ ان کے پاس مصر کے لوگ آئے اور انہوں نے حضرت عثمان سے اپنے گورنر کی شکایت کی یہ ابن ابی سرح تھے جن کو حضرت عثمانؓ نے ہی مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔ مصریوں نے ابن ابو سرح کی شکایت کرتے ہوئے کہا،

"آپ نے ایک ایسے شخص کو کیسے مسلمانوں کا عامل یعنی گورنر بنادیا جس کا خون آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن جائز قرار دیدیا تھا۔ آپ نے اس کو گورنر بنادیا اور عمرو ابن عاص کو برطرف کر دیا۔"

اس بات کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمرو کے خلاف مصریوں کی مسلسل شکایتوں کی وجہ سے عمرو ابن عاص کو سبکدوش کیا گیا تھا۔

مصر کی گورنری اور خلیفہ کے خلاف خوفناک سازش...... جہاں تک ابن ابو سرح کا تعلق ہے تو یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور ان کے حالات اس کے بعد بہتر ہو گئے تھے اور چونکہ سیاسی معاملات میں (خلیفہ کے خیال کے مطابق) ان کی سوجھ بوجھ حضرت عمرو ابن عاص کے مقابلے میں زیادہ تھی اس لئے ان کا تقرر کر دیا گیا۔

جہاں تک حضرت مغیرہ ابن شعبہ کو برطرف کرنے کا تعلق ہے تو ان کے متعلق حضرت عثمانؓ کو شکایتیں پہنچی تھیں کہ وہ لوگوں سے رشوتیں لیتے ہیں لہٰذا خلیفہ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان کو سبکدوش کر دیا جائے (یعنی الزام غلط ہونے کے باوجود مصلحت یہی تھی کہ ان کو اس عہدہ سے الگ کر دیا جائے)

غرض وہ مصری یہاں سے مایوس ہو کر واپس مصر چلے گئے۔ اسی دوران میں ابن ابی سرح نے ایک مصری کو قتل کر دیا اس پر مصریوں کا یہ وفد پھر مدینہ آیا اور اس دفعہ انہوں نے بڑے بڑے صحابہ سے بات چیت کی جیسے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ وغیرہ۔ ان حضرات نے خلیفہ سے جا کر کہا،

"آپ ابن سرح کو فوراً سبکدوش کر دیجئے کیونکہ وہاں کے لوگ ان کی جگہ دوسرے آدمی کا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں۔"

حضرت عثمان نے کہا،

"وہ اپنے لئے کسی شخص کا خود انتخاب کر کے مجھے بتلا دیں میں اسی کو وہاں کا گورنر بنادوں گا۔"

محمد ابن ابو بکر کو مصر کی گورنری کا حکم نامہ...... مصریوں نے اس پر محمد ابن ابو بکر کو منتخب کیا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے محمد ابن ابو بکر کے نام تقرری کا حکم نامہ لکھا اور ان کو مصر کا گورنر بنادیا۔ چنانچہ خلیفہ کا فرمان لے کر محمد ابن ابو بکر مصر کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ مہاجر اور انصاری مسلمانوں کی ایک جماعت بھی روانہ ہوئی اور تابعین کی ایک جماعت بھی گئی تاکہ مصر والوں اور ابن ابو سرح کے درمیان معاملات اور صورت حال کو دیکھیں۔ جب محمد ابن ابو بکر مدینہ سے تین منزل کے فاصلے پر پہنچے تو اچانک انہیں ایک حبشی غلام اونٹ پر سوار جاتا ہوا نظر آیا۔ یہ قاصد خلیفہ کا تھا۔ انہوں نے غلام سے پوچھا کہ کس مقصد سے آئے ہو؟ اس نے کہا،

"میں امیر المومنین کا غلام ہوں۔ انہوں نے مصر کے گورنر یعنی ابن ابوسرح کے پاس بھیجا ہے۔"

سازش کی بے نقابی......اس قافلے میں سے ایک شخص نے محمد ابن ابو بکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ مصر کے گورنر یہ ہیں۔ غلام نے کہا میں انکے پاس نہیں بھیجا گیا ہوں۔ آخر محمد ابن ابو بکر کو اس معاملہ کی خبر ہوئی اور انہوں نے اس غلام کو اپنے پاس بلایا۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھ کے تمام مہاجر اور انصاری مسلمانوں کی موجودگی میں اس سے پوچھا کہ تو کس کا غلام ہے ؟ اب وہ حبشی کبھی تو کہتا کہ امیر المومنین کا غلام ہوں اور کبھی کہتا کہ میں مروان کا غلام ہوں۔ آخر ان میں سے ایک شخص نے اس کو پہچان لیا اور اس نے کہا کہ یہ حضرت عثمانؓ کا غلام ہے اب محمد ابن ابو بکر نے اس سے پوچھا۔

"تجھے کس کے پاس بھیجا گیا ہے ؟"

اس نے کہا،

"مجھے ایک خط دے کر مصر کے گورنر کے پاس بھیجا گیا ہے۔"

ابن ابو بکر کی مدینہ کو واپسی......ابن ابو بکر نے پوچھا کہ کیا تیرے پاس وہ خط موجود ہے۔ اس نے انکار کیا کہ خط میرے پاس نہیں ہے اس پر ان لوگوں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے حضرت عثمان کا خط مل گیا جو مصر کے گورنر ابن ابوسرح کے نام تھا۔ یہ خط سیسے کی ایک نلکی میں رکھا ہوا تھا اور وہ نلکی چمڑے کی ایک تھیلی میں تھی۔ محمد ابن ابو بکر نے وہ خط کھولا اور ان کے تمام ساتھی بھی وہیں آکر جمع ہو گئے اب اس خط کو پڑھا گیا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

"تمہارے پاس جب محمد اور فلاں فلاں لوگ پہنچیں تو انہیں کسی نہ کسی طرح قتل کر دینا۔ ایک روایت کے مطابق خط کے الفاظ یہ تھے۔ فلاں فلاں لوگوں کے پہنچنے کا خیال رکھنا جیسے یہ تمہارے پاس پہنچیں فوراً ان کی گردنیں مار دینا۔ فلاں کو یہ سزا دینا، فلاں کو یہ سزا دینا۔ ان میں کچھ صحابہ ہیں اور کچھ تابعین ہیں ایک روایت کے مطابق خط کے الفاظ یہ تھے کہ محمد ابن ابو بکر کو ذبح کر کے اس کی کھال میں بھوسہ بھروا دینا اور اپنے کام میں لگے رہو اور میرے خط کا انتظار کرو۔"

حضرت عثمانؓ سے براہ راست تحقیق......ان لوگوں نے جیسے ہی یہ خط پڑھا سب کے سب گھبرا گئے اور وہیں سے واپس مدینہ آگئے۔ مدینہ پہنچ کر ان لوگوں نے یہ خط تمام صحابہ اور تابعین کو دکھایا۔ جس نے بھی یہ خط پڑھا اس نے اس پر سخت رنج و افسوس کا اظہار کیا۔ آخر حضرت علیؓ وہ خط اور اس غلام کو لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے ان کے ساتھ بہت سے وہ صحابہ بھی تھے جو غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچ کر انہوں نے پہلے خلیفہ سے اس غلام کے متعلق دریافت کیا۔

"کیا یہ شخص آپ کا غلام ہے ؟"

انہوں نے کہا، ہاں! پھر انہوں نے اونٹ کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ بھی آپ کا ہی ہے ؟ انہوں نے کہا،

"ہاں!"۔ اب انہوں نے کہا،

"تو یہ خط آپ ہی نے لکھا ہے۔"

حضرت عثمان نے کہا،

"نہیں۔ میں اللہ کے نام پر حلف اٹھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے یہ خط لکھا اور نہ میں نے اس کے لکھنے کا

کسی کو حکم دیا، نہ ہی میں اس کے بارے میں کچھ جانتا ہوں"

حضرت علیؓ نے کہا،

"مگر اس خط پر لگی ہوئی مہر آپ ہی کی مہر ہے"

حضرت عثمانؓ نے کہا، ہاں! حضرت علیؓ نے کہا،

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا غلام آپ کا اونٹ لے کر اور آپ کا ایک ایسا خط لے کر روانہ ہو جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہے اور آپ کو ان باتوں کا کچھ پتہ نہ ہو ؟"

حضرت عثمان نے پھر کہا،

"میں حلف اٹھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے اس خط کے لکھنے کا حکم دیا اور نہ اس غلام کو مصر کے لئے روانہ کیا"

حضرت عثمان کی برأت...... اب ان حضرات کو یقین ہو گیا کہ یہ ساری کارروائی اور سازش اصل میں مروان کی معلوم ہوتی ہے حضرت عثمان کی نہیں کیونکہ حضرت عثمان جھوٹا حلف نہیں لے سکتے (کیونکہ قاعدہ یہ تھا کہ خلیفہ کا ایک منشی ہوتا تھا جو تمام حکم نامے اور فرمان لکھا کرتا تھا۔ پھر یہ فرمان حضرت عثمانؓ کو دکھلا کر ان کی مہر لگائی جاتی تھی)۔

ایک روایت میں حضرت عثمان کے یہ لفظ ہیں کہ یہ خط یقیناً میرے ہی منشی کا لکھا ہوا ہے اور اس پر مہر بھی میری ہی ہے (مگر مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ۔ غلام میرے حکم کے بغیر گیا ہے اور میرے حکم اور اطلاع کے بغیر ہی اونٹ لے جایا گیا ہے۔ تب حضرت علیؓ وغیرہ نے کہا کہ پھر اس فرمان پر لگی ہوئی آپ کی مہر کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں ؟ حضرت عثمان نے کہا،

"یہ مہر غالباً مروان نے اس پر لگائی ہے۔"

مروان کو سپرد کرنے کا مطالبہ...... اب ان حضرات نے خلیفہ سے مطالبہ کیا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دو یہ مروان خلیفہ کے ساتھ ہی ان ہی کے مکان میں رہتا تھا۔ مگر حضرت عثمان نے مروان کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی غصہ ہو کر وہاں سے اٹھ گئے۔ وہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکلے،

"عثمان اس سازش سے اپنے آپ کو اس وقت تک بری نہیں کر سکتے جب تک کہ مروان کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں تاکہ ہم اس خط کے متعلق تحقیقات اور معلومات کریں۔ اگر تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس خط کا حکم عثمان نے دیا تھا تو ہم ان کو خلافت کے عہدے سے معزول کر دیں گے اور اگر یہ خط حضرت عثمانؓ کی طرف سے مروان نے لکھوایا ہے تو ہم دیکھیں گے کہ مروان کے لئے کیا کیا جائے۔"

خلیفہ کا انکار اور ان پر حملہ...... مگر حضرت عثمانؓ نے مروان کو ان کے سامنے پیش کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ اگر مروان گھر سے نکلا تو لوگ اس کو قتل کر دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی بناء پر حضرت عثمان کے گھر کا لوگوں نے محاصرہ کر لیا اور خلیفہ کو گھر میں نظر بند ہو جانا پڑا۔ لوگوں نے خلیفہ کے گھر کو ہر طرف سے گھیر لیا اور پانی تک گھر میں پہنچنے پر پابندی لگا دی۔ جس کی تفصیل پیچھے بیان ہوئی۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ جب مصریوں نے خلیفہ کے گھر پر دھاوا بولا اور حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے لئے گھر میں گھُس گئے تو اس وقت حضرت عثمانؓ کی گود میں قرآن پاک رکھا ہوا تھا اور وہ تلاوت کر رہے تھے حملہ آور حضرت عثمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر جھپٹے اور وار کیا حضرت عثمانؓ نے ہاتھوں پر وار روکا جس سے اس ہاتھ پر زخم آیا اور خون کی دھاریں بہہ نکلیں (جو قرآن پاک پر گرا) ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان کا خون قرآن کے کھلے ہوئے صفحے پر گرا اور جس آیت پر خون گرا وہ یہ تھی۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (سورۂ بقرہ، پ۱، ع۱۶ آیت ۱۳۷)

ترجمہ: تو سمجھ لو کہ تمہاری طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

حضرت عثمان نے کہا،

"میرا یہ ہاتھ وہ پہلا ہاتھ ہے جس نے قرآن پاک کی مفصّل یعنی طویل سورت لکھی۔"

یہاں تک علامہ ابن جوزی کا حوالہ ہے۔ یہ واقعہ بھی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے چنانچہ حاکم نے ابن عباسؓ سے ایک حدیث پیش کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ سے فرمایا،

آنحضرت ﷺ کی ایک پیشن گوئی اور اس کی تکمیل ...... اے عثمان! تم اس حالت میں قتل ہو گے کہ تم سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے ہو گے اور تمہارے خون کا ایک قطرہ آیت پاک فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ پر گرے گا۔"

مگر علامہ ذہبی نے اس حدیث کے آخری حصے کو موضوع قرار دیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے اوصاف ...... ایک روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو انہوں نے کہا "خدا کی قسم میں نے نہ جاہلیت کے زمانے میں کبھی زنا کیا اور نہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی میں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ میرے لئے میرے دین کا کوئی بدل بھی ہو سکتا ہے۔ نہ ہی کبھی میں نے کسی کو قتل کیا۔ پھر آخر تم مجھے کس لئے قتل کرنا چاہتے ہو۔"

پھر انہوں نے کہا،

"خدانخواستہ میری مخالفت کہیں تمہیں کسی ایسے ہی بھیانک انجام سے دوچار نہ کر دے جس سے قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالح علیہم السلام کو دوچار ہونا پڑا۔ قوم لوط بھی تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اس لئے اے میری قوم کے لوگو! مجھے قتل مت کرو کیونکہ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو تمہاری ایسی حالت ہو جائے گی"

اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ نے اپنی انگلیاں ایک دوسری میں پھنسا کر اشارہ کیا اس کے بعد انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات اور اس کی نعمتیں شمار کراتے ہوئے کہا،

جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں اپنے ہاتھ دے کر آپ ﷺ سے بیعت کی تھی اس کے بعد سے آج تک میں نے ان ہاتھوں سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا کوئی جمعہ مجھ پر ایسا نہیں گزرا جس میں میں نے اللہ کے نام پر ایک غلام آزاد نہ کیا ہو اور اگر کسی جمعہ کے دن میں میرے پاس کوئی غلام نہیں ہوتا تو بعد میں جب میسر آجاتا ہے تو میں اس جمعہ کے دن کا قرض پورا کرنے کے لئے آزاد کرتا ہوں۔"

شہادت سے پہلے حضرت عثمانؓ کا خواب ...... چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جن غلاموں کو حضرت عثمانؓ نے آزاد کیا ان کی تعداد تقریباً دو ہزار چار سو ہے۔

ایک روایت ہے کہ جس دن حضرت عثمانؓ قتل ہوئے اس کی رات میں انہوں نے آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو خواب میں دیکھا تھا ان حضرات نے حضرت عثمانؓ سے جو کئی دنوں سے بھوکے پیاسے گھر میں بند تھے، فرمایا،

"صبر کرو! آنے والی رات میں تم ہمارے ساتھ کھاؤ پیو گے"

شہادت کے لئے تیاری...... صبح ہی حضرت عثمان نے قرآن پاک منگایا اور اسے اپنے سامنے کھول کر رکھ لیا اس روز انہوں نے پاجامہ پہنا جب کہ اس سے پہلے جاہلیت یا اسلام کے زمانے میں انہوں نے کبھی پاجامہ استعمال نہیں کیا تھا (بلکہ لنگی باندھتے تھے) اس وقت انہوں نے لنگی کے بجائے پاجامہ اس لئے پہنا کہ کہیں قتل کے بعد ان کی شرمگاہ کسی کے سامنے نہ کھل جائے (کیونکہ حضرت عثمانؓ کو اَشَدُّھُمْ حَیَاءً اَوْ اَحیا ھُمْ عُثْمَانَ فرمایا گیا ہے۔ یعنی حضرت عثمانؓ اس امت کے سب سے زیادہ باحیا اور شرم وحیا کے پُتلے تھے)۔

حضرت عثمانؓ پر الزامات...... حضرت عثمان کے خلاف جن الزامات کی وجہ سے لوگوں میں غیظ و غضب اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مروان ابن حکم کو ڈیڑھ لاکھ اوقیہ مال دیدیا تھا۔ اسی طرح مدینہ کے بازاروں میں جو مال بکتا تھا اس کا دس فیصدی حرث کو دیدیا تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ ان کے پاس حضرت ابو موسیٰ ایک کھال بھر کر سونا لائے جس کو حضرت عثمانؓ نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے بیت المال کا بہت بڑا حصہ اپنے مکانات کی تعمیر اور ان کی زیبائش میں خرچ کر دیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے سوائے اونٹوں کے صدقہ کی چیزیں حلال کر لی تھیں (جو سراسر غلط الزام اور بہتان ہے)

نیز انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو قید تنہائی میں ڈال دیا تھا۔ اسی طرح عطاء اور ابی بن کعبؓ کو قید میں ڈال دیا تھا۔ نیز انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کر کے ربذہ کے مقام پر پہنچادیا تھا۔ انہوں نے عبادہ بن صامت کو معاویہ کی شکایت پر شام سے واپس بلا لیا کعب بن عبدہ اور عمار ابن یاسرؓ کے بیس بیس کوڑے لگوائے اور کعب کو جلاوطن کر کے پہاڑوں کی طرف نکال دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو کہا کہ تم منافق ہو۔ اسی طرح انہوں نے بیت المال کی اکثر زمینیں قطعات کر کے فروخت کر دیں اور حکم دیا کہ ان کے گماشتہ اور نمائندہ سے پہلے زمینیں کسی کو نہ بیچی جائیں۔ نیز یہ کہ سمندر میں کوئی جہاز ان کے تجارتی مال کے سوا کسی اور کا مال لے کر نہیں چل سکتا۔ اسی طرح انہوں نے کچھ ایسے صحیفے اور تحریریں جلوادیں جن میں قرآن پاک کی آیات بھی لکھی ہوئی تھیں یا اسی طرح جب وہ حج کو گئے تو انہوں نے منیٰ میں نماز میں قصر نہیں کی بلکہ پوری نماز پڑھی۔ اسی طرح انہوں نے عبیداللہ کے قتل کے فیصلے پر عمل نہیں کرایا حالانکہ اس نے ہرمزان کو قتل کیا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ پر لوگوں نے یہ الزامات لگائے تھے جس پر عوام ان سے ناراض تھے یہاں تک کہ لوگوں کی اسی ناراضگی کے نتیجہ میں وہ شہید ہوگئے۔ مگر ان سب الزامات کا جواب تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے چنانچہ کتاب صواعق نے ان تمام الزامات کا جواب دیا ہے لہذا جو حضرات چاہیں وہ صواعق میں جوابات دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت عثمان ﷺ کے خلاف الزامات کی حیثیت...... (تشریح: حضرت عثمان غنیؓ پر جو الزامات

تاریخی کتابوں میں ملتے ہیں ان کے جوابات بھی تاریخ ہی میں موجود ہیں جیسا کہ خود علامہ حلبی نے کتاب صواعق کا حوالہ دیا ہے۔ حال ہی میں ایک کتاب اردو میں بھی شواہد تقدس کے نام سے شائع ہوئی ہے جو مشہور مورخ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہٗ کی تصنیف ہے جس میں خلیفہ مظلوم حضرت عثمان غنیؓ پر لگائے الزامات کا جواب دیا گیا ہے۔ قارئین اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں تو خلیفہ مظلوم کی مظلومانہ حیثیت ان کے سامنے آجائے گی اور ان تمام الزامات کا جواب بھی واضح ہو جائے گا اسی کتاب سے چند اقتباس پیش کر رہا ہوں جن میں خود حضرت عثمان غنیؓ نے ایک بار عوام کے سامنے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات کی صفائی کی ہے اور عوام نے آپ کے بیانات کی تصدیق کی ہے)۔

پھر آپ نے کوفہ و بصرہ کے باشندوں کو جو مدینہ میں تھے بلوایا اور عام جلسہ کا اعلان کرا دیا۔ کوفی صاحبان کو منبر کے قریب بٹھایا اور عام مسلمان ان کے گرداگرد بیٹھے۔ پھر آپ نے ان سازشی لوگوں کی مدینہ منورہ میں آمد کا تذکرہ فرمایا۔ پھر ان دونوں کو جنہوں نے پتہ لگا کر رپورٹ دی تھی سامنے کھڑا کیا اور تمام حالات لوگوں کے سامنے بیان فرمائے۔ حاضرین نے ایک آواز ہو کر کہا کہ ان کو قتل کر دیجئے ان کی گردنیں اڑا دیجئے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب ایک امام موجود ہیں تو اگر کوئی شخص خود اپنے سے یا کسی اور شخص سے بیعت کی دعوت دیتا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اس کو قتل کر دو۔ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے شخص کے واسطے میں عام مسلمانوں کے لئے ایک ہی بات جائز قرار دیتا ہوں کہ اس کو قتل کر دیں اور قتل کرنے والے مجھ کو بھی اپنا شریک کار سمجھیں۔

آگے اسی کتاب میں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا،

الزامات کا جواب...... "یہ لوگ کچھ الزام لگاتے ہیں اور ان کے الزامات کے جواب بھی ان کو معلوم ہیں مگر پھر بھی وہ مجھے بار بار ٹوکتے ہیں اور ان الزاموں کو اچھالتے ہیں منشا یہ ہے کہ عام لوگ جو واقف نہیں ان کی نظر میں مجھے مجرم گردانیں۔ ایک الزام یہ ہے کہ میں سفر میں نماز قصر نہیں پڑھتا پوری نماز پڑھتا ہوں۔ بے شک میں نے منیٰ میں قصر نہیں کیا پوری نماز پڑھی اس لئے کہ مکہ میں میرے اہل و عیال ہیں اس لئے میری حیثیت مسافر کی نہیں رہتی اور اس لئے بھی کہ بہت بڑی تعداد ان نو مسلموں کی آگئی تھی جو احکام اسلام سے واقف نہیں تھے۔ وہ یہی سمجھ جاتے کہ ان نمازوں کی رکعتیں دو دو ہی ہیں۔ فرمایئے میں نے ٹھیک کیا۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے مدینہ کا ایک رقبہ چراگاہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ یہ صرف میں نے ہی نہیں کیا مجھ سے پہلے بھی رقبے چراگاہوں کے لئے مخصوص کئے جاتے رہے ہیں (تاکہ جو اونٹ زکوٰۃ و صدقات میں آتے ہیں وہ وہاں چر سکیں) حضرت عمر فاروقؓ نے فوج کے گھوڑوں کے لئے ایک چراگاہ مخصوص کی تھی اس پر بھی بہت اعتراض کیا گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق کو اس کا جواب دینا پڑا تھا۔ پھر میں نے کسی کی مملوکہ زمین چراگاہ میں شامل نہیں کی۔ میں نے اسی علاقے کو مخصوص کیا ہے جس پر مدینہ والے زبردستی قابض ہو گئے تھے۔ بایں ہمہ کسی کو وہاں مویشی چرانے کی ممانعت نہیں ہے اور نہ کسی کو وہاں سے ہٹایا گیا۔ یہ چراگاہ صدقات کے اونٹوں کے لئے مخصوص ہے اور یہ تخصیص اور حد بندی اس لئے کی جاتی ہے کہ لوگوں سے جھگڑا نہ ہو۔ بے شک کچھ وہ تھے جو روپیہ خرچ کر کے اپنا حق قائم کرنا چاہتے تھے ان کو بلا شبہ اس کا موقع نہیں دیا گیا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے پاس میری سواری کی صرف دو اونٹنیاں ہیں اس کے علاوہ نہ میرے

پاس اونٹ ہے نہ بکری۔ آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ جب میں خلیفہ بنایا گیا تو مدینہ میں سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں میرے پاس تھیں مگر آج میرے پاس نہ اونٹ ہے نہ بکری صرف یہ دو اونٹ ہیں جو سفر حج کے لئے میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔ فرمایئے جو کچھ میں نے کیا صحیح ہے۔ آواز بلند ہوئی بالکل ٹھیک۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے قرآن پاک کے متفرق نسخوں کو ختم کر کے صرف ایک باقی رکھا ہے تو دیکھئے قرآن ایک ہی ہے اس کی طرف سے نازل ہوا جو واحد ہے میں نے جو کچھ کیا اس میں میں نے اتباع کی ہے بڑوں کے نقش قدم پر چلا ہوں کہ ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے قرآن کو جمع کیا وہ صرف سینوں میں تھا اس کو مرتب کر کے کاپیوں کی شکل میں رکھا۔ میں نے ان کاپیوں کی ایک کتاب بنا دی۔ فرمایئے میں نے غلط کیا حاضرین نے بالاتفاق کہا۔ غلط نہیں بالکل صحیح کیا۔

اعتراض یہ ہے کہ حکم ابن العاص کو آنحضرت ﷺ نے مکہ سے نکال کر طائف بھیج دیا تھا میں نے اس کو واپس بلا لیا یہ غلط ہے آنحضرت ﷺ نے ہی اس کی اجازت دیدی تھی پس آپ ﷺ ہی اس کے نکالنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی واپسی کی اجازت دینے والے۔ فرمایئے واقعہ یہی ہے حاضرین نے کہا بالکل ٹھیک۔"

آگے اسی کتاب میں ہے،

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے ابن ابی سرح کو پورا مال غنیمت دیدیا۔ یہ غلط ہے میں نے خمس کا خمس یعنی مال غنیمت میں بیت المال کا پانچواں حصہ ہوتا ہے میں نے اس پانچویں کا پانچواں بطور انعام دیا تھا وہ ایک لاکھ ہوتا تھا اور جہاد کے موقعہ پر حوصلہ افزائی کے لئے ایسے انعامات حضرت ابو بکرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ بھی دیتے رہے ہیں۔ مگر لشکر والوں نے کہا کہ ان کو یہ پسند نہیں ہے اور ان کو اس سے ناگواری ہے۔ میں نے اس کو ابن ابی سرح سے واپس لے کر تمام لشکر والوں پر تقسیم کر دیا۔ حالانکہ لشکر والوں کو یہ ناگواری نہ ہونی چاہئے تھی آپ حضرات بتائیں واقعہ یہی ہے۔ سب نے جواب دیا بے شک واقعہ یہی ہے!

اعتراض یہ ہے کہ میں اپنے اہل بیت (گھر والوں) سے محبت کرتا ہوں اور ان کو عطیہ دیتا ہوں، بے شک مجھے اہل بیت سے محبت ہے مگر یہ محبت ان کے ساتھ کسی ظلم پر کبھی مائل نہیں ہوئی بلکہ اس نے ان کے اوپر حقوق لادے ہیں۔ رہا عطیئے دینا تو جو کچھ میں نے کسی کو دیا اپنے پاس سے دیا مسلمانوں کے مال کو میں نہ اپنے لئے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لئے اور میں اپنے خاص مال میں سے بڑے بڑے عطیئے آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں بھی دیتا رہا ہوں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے دور میں بھی حالانکہ میں اس وقت اپنی عمر کے اس دور میں تھا جب انسان بخیل اور مال کا حریص ہوا کرتا ہے اور اب جبکہ میں اس عمر کو پہنچ گیا ہوں جو میرے خاندان کے لوگوں کی ہوتی ہے اور میری زندگی بیت چکی ہے اور جو کچھ میرا میرے اہل و عیال میں تھا اس کو رخصت کر چکا ہوں تو یہ بے دین یہ باتیں کہتے ہیں اور حقیقت ہے کہ میں نے کسی بھی شہر پر کسی محصول (یعنی ٹیکس) کا اضافہ نہیں کیا کہ اس طرح کی شکایتوں کا جواز ثابت ہو (بلکہ) واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کے اضافہ کو میں نے مسترد اور نامنظور کیا ہے۔ میرے پاس صرف خمس آتے ہیں ان میں سے کچھ بھی میرے لئے حلال نہیں ہے۔ مسلمان ہی ذمہ دار ہوتے ہیں کہ خمس کی رقومات کو اس کے مستحقوں کو ادا کر دیں اور جائز موقعوں پر صرف کریں اور اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ بھی بے موقعہ صرف نہ کریں۔ میں اس مال میں سے کچھ بھی اپنے لئے وصول نہیں کرتا۔ میرا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا میں صرف اپنے مال میں سے کھاتا ہوں۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو زمینیں دی ہیں واقعہ یہ ہے کہ اراضی مفتوحہ میں حضرات مہاجرین اور انصار سب شریک تھے پھر جن حضرات نے ان مفتوحہ علاقوں میں قیام فرمایا وہ وہاں کے ساکن ہو گئے تو ان کی وہی حیثیت ہو گئی جو وہاں کے باشندوں کی ہے ان کے وہی حقوق ہیں جو اس علاقے کے دوسرے لوگوں کے حقوق ہیں اور جن حضرات نے وہاں قیام نہیں فرمایا اور اپنے وطن واپس آ گئے تو اس سے ان کا وہ حق تو ضائع نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ نے ان مفتوحہ جائیدادوں میں ان کے لئے مقرر کیا ہے میں نے ایسے حضرات کے حصوں کی تحقیق کرائی پھر میں نے ان کے ان حصوں کو ان کی فرمائش پر ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جو بلاد عرب میں صاحب جائیداد ہیں فروخت کرنے کے بعد یہ حصے ان کے نام منتقل کر دیئے۔ وہ ان کے قبضے میں ہیں میرے قبضے میں نہیں اور ان کے قبضے میں میری بخشش سے نہیں پہنچے بلکہ انہوں نے قیمت ادا کی تب ان کو ملے ہیں۔

(حوالہ شواہد تقدس ص ۹۲ تا ۹۷)۔

(اس تفصیل سے بہت سے اعتراضات کا جواب خود حضرت عثمانؓ کے بیان سے ہی مل جاتا ہے اور دیگر تمام الزامات کے جواب بھی تاریخ کی معتبر کتب میں محفوظ ہیں۔ نیز خود شواہد تقدس حضرت عثمانؓ کی برات پر ہی مشتمل ہے اس لئے تفصیلی جوابات کے خواہشمند حضرات یہ کتاب مطالعہ فرمائیں۔ مرتب)۔

غرض مسجد نبوی کی تعمیر کا بیان چل رہا تھا۔ اس بارے میں ابن بکار نے حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے چار سال کے بعد اینٹیں تیار کرنے اور مسجد نبوی کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ مگر تاریخ مدینہ میں اس روایت کا انکار کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ حضرت انسؓ سے جو روایت پیش کی گئی ہے وہ واہی روایت ہے یا اس کا مضمون سمجھا نہیں گیا ہے کیونکہ یہ بات مشہور قول کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد نبوی میں توسیعات...... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری یہ مسجد صنعاء کے مقام تک بھی بن جائے (یعنی پھیل جائے) تو یہ میری مسجد یعنی مسجد نبوی ہی رہے گی۔

چنانچہ اس سلسلہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی نشانیوں میں سے ہے (کہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی عمارت کے دور تک پھیلنے کی پہلے ہی اطلاع دیدی تھی) کیونکہ آپ ﷺ کے بعد مسجد میں توسیع ہوتی رہی۔ سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے اس میں توسیع کی۔ یہ توسیع ۱۶۰ھ میں کی گئی پھر ۲۰۲ھ میں خلیفہ مامون عباسی نے مسجد نبوی میں کچھ اور توسیع کی۔

اس تفصیل سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسجد نبوی کے بڑھنے اور وسیع ہونے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد ہے وہ اسی وقت کے لئے خاص ہے جب آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی) یعنی اس وقت مسجد نبوی جتنی بھی وسیع ہو جائے وہ مسجد نبوی ہی کہلائے گی بعد میں ہونے والا اضافہ اگرچہ مسجد نبوی کا حصہ ہی رہے گا مگر وہاں کا اجر و ثواب وہ نہیں ہو گا جو مسجد نبوی کا ہے)۔ (ی) پھر بھی (اس بحث سے علیحدہ ہو کر) اتنی بات واضح ہے کہ مسجد نبوی کے اس حصے میں نماز پڑھنے کی پابندی اور خیال رکھنا زیادہ بہتر ہے جو حصہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا ہے۔

تعمیر مسجد کے ساتھ دو ازواج کے حجروں کی تعمیر...... (قال) مسجد نبوی کے ساتھ ہی ازواج مطہرات یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے لئے دو حجرے بنائے گئے یہ حجرے مسجد نبوی سے بالکل ملحق اور ملے ہوئے بنائے گئے۔ نیز مسجد ہی کے طرز پر اینٹوں سے تعمیر کئے گئے۔

ان حجروں کی چھتیں بھی لکڑی اور کھجور کی چھال سے بنائی گئیں۔

مسجد کی تعمیر کے شروع ہی میں یمامہ کے لوگوں میں سے ایک شخص مدینہ منورہ آئے تھے ان کا نام طلق تھا اور یہ بنی حنفیہ میں سے تھے۔ خود ان ہی سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ آیا تو اس وقت آپ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ سب مسلمان بھی کام کر رہے تھے میں چونکہ گارا گھولنے کے کام سے خوب واقف تھا اس لئے میں نے ایک ہموار جگہ پر تغار بنایا اور گارا گھولنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا،

"اس کام میں اتنی اچھی مہارت رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا،

"تم یہی کام کرو۔ میں دیکھتا ہوں تم اس کام میں بہت اچھی طرح واقف ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ بنی حنفیہ کا یہ شخص گارا گھولنے کے کام سے خوب واقف ہے۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ گارا گھولنے کا کام اسی یمانی شخص سے لو۔ کیونکہ اس کام میں وہ تم سب میں زیادہ ماہر اور واقف معلوم ہوتا ہے۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں بنی حنفیہ کے اس شخص کو تغاری بنادو۔ وہ یہ کام تم سب سے زیادہ اچھی طرح کر رہا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے گھر والوں کی مکہ سے آمد...... جب کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے آپ ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ اور زید بن رافع کو مکہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دیئے تاکہ وہ آپ ﷺ کے گھر والوں کو مکہ سے یہاں لے آئیں۔

(ی) یہ پانچ سو درہم آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے لے کر ان دونوں کو دیئے تھے تاکہ اس رقم سے یہ سفر کی ضروریات خرید سکیں۔ چنانچہ حضرت زید نے اس میں تین اونٹ خریدے۔ ادھر ان دونوں کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ نے بھی دو یا تین اونٹ دے کر عبداللہ ابن اریقط کو راہبر کے طور پر بھیجا۔ چنانچہ یہ مکہ سے حضرت فاطمہ، حضرت ام کلثوم جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں تھیں اور ان کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی اہلیہ حضرت سودہ بنت زمعہ، آپ ﷺ کی دایہ ام ایمن جو زید ابن حارثہ کی بیوی تھیں اور ان کے بیٹے اسامہ ابن زید کو لے کر مدینہ آگئے۔ یعنی یہ اسامہ ایمن کے ماں شریک بھائی تھے۔ گویا اسامہ خود بھی آنحضرت ﷺ کے چہیتے تھے اور آپ کی دایا کے بیٹے تھے۔

اسامہ ابن زیدؓ پر آپ ﷺ کی شفقت...... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ (جبکہ اسامہ ابن زیدؓ چھوٹے سے تھے) وہ دروازے کی چوکھٹ سے ٹھوکر کھا کر گر گئے اور ان کا چہرہ زخمی ہو گیا جس سے خون بہنے لگا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

"اس کے پاس سے ہٹ جاؤ۔"

مجھے اس وقت گویا ان سے کچھ کراہت سی محسوس ہوئی کیونکہ وہ سیاہ فام اور چپٹی ناک والے حبشی تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ خود بیٹھ کر ان کے چہرے سے خون پوچھنے اور ان کا زخم دھونے لگے۔

صاحبزادی حضرت زینبؓ...... غرض آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ تو مدینہ آگئیں۔ جہاں تک آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا تعلق ہے تو وہ شادی شدہ تھیں اور مکہ میں اپنے شوہر کے پاس رہتی تھیں جو ان کی خالہ کے بیٹے بھی تھے۔ یہ اس وقت تک مسلمان

نہیں ہوئے تھے اس لئے انہوں نے حضرت زینبؓ کو ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔

آگے بیان آئے گا کہ اس کے بعد حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر سے پہلے مدینہ کو ہجرت کر لی تھی اور شوہر کو کفر کی حالت میں مکہ چھوڑ آئی تھیں۔ ان کا نام ابوالعاص ابن ربیع تھا۔ بعد میں یہ ابوالعاص غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے مگر پھر ان کو چھوڑ دیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی حضرت زینبؓ سے دستبردار ہو جائیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بیوی کو ساتھ رکھنے پر زور نہیں دیا۔ اس کے بعد جب یہ مسلمان ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کو ان کے سپرد کر دیا۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کی چوتھی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا تعلق ہے تو اس بارے میں پیچھے بیان گزر چکا ہے کہ وہ اپنے شوہر حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ ہجرت کر گئی تھیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے گھر والوں کی آمد...... غرض حضرت فاطمہ اور ان دوسرے لوگوں کے ساتھ جن کا پیچھے ذکر ہوا حضرت عبداللہ ابن ابو بکرؓ مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے ابن ابو بکر کے ساتھ خود ان کے یعنی حضرت ابو بکرؓ کے گھر والے بھی تھے جن میں حضرت ابو بکر کی بیوی اُمّ رومان حضرت عائشہؓ ان کی بہن حضرت اسماءؓ بھی تھیں جو حضرت زبیرؓ کی بیوی تھیں۔ اس وقت حضرت اسماء حمل سے تھیں اور ان کے یہاں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ پیدا ہونے والے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ اور ان کی والدہ اُمّ رومان اونٹ پر پالکی میں بیٹھیں اچانک اونٹ بدک کر بھڑک اٹھا۔ میری والدہ ایک دم گھبرا کر چلاّنے لگیں کہ ہائے میری بیٹی۔ ہائے میری دلہن۔ (دلہن سے مراد اُمّ المومنین حضرت عائشہ ہی تھیں کیونکہ اس وقت ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی) غرض اس فریاد پر ایک دم اونٹ پُر سکون ہو گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلامتی عطا فرمائی۔ ایک روایت میں حضرت عائشہ ہی کہتی ہیں کہ جب میری والدہ نے ہائے میری دلہن، ہائے میری بیٹی کہا تو ایک آواز یہ کہتے سنائی دی کہ اونٹ کی لگام چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے فوراً لگام چھوڑ دی اور اللہ کے حکم سے اونٹ پُر سکون ہو گیا اور ہمیں سلامتی ملی۔

صدیق اکبر کی اہلیہ اُمّ رومان کا مقام...... اُمّ رومان کے پیٹ سے حضرت ابو بکرؓ کے یہاں حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ سے پہلے اُمّ رومان کی شادی عبداللہ ابن حرث سے ہوئی تھی جسکے نتیجہ میں طفیل پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُمّ رومان کے بارے میں فرمایا،

"جس شخص کو جنت کی حوروں میں سے کوئی حور دیکھنے کی خواہش ہو وہ اُمّ رومان کو دیکھ لیں۔"

ان کی وفات آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی ۶ھ میں ہو گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ ان کی قبر میں خود بہ نفس نفیس اترے اور یہ دعا پڑھی،

"اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے اور تیرے رسول کے لئے اُمّ رومان نے کیا کیا تکلیفیں جھیلی ہیں۔"

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان کی وفات آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہوئی ہے۔ یہ اختلاف بخاری میں مسروق کے ایک قول سے پیدا ہوتا ہے، یہ مسروق آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور ان کا ایک قول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی والدہ اُمّ رومان سے پوچھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مسروق کے آنحضرت ﷺ

کی وفات کے بعد پیدا ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ بخاری میں جو یہ حدیث ہے وہ صحیح حدیث ہے جو ظاہر ہے کہ سیرت نگاروں کی اس روایت کے مقابلے میں زیادہ مقدم اور قابل قبول ہے جس کے مطابق اُمّ رومان کی وفات آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہوئی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ...... غرض بخاری میں حضرت اسماء سے روایت ہے کہ ہجرت کے اس سفر میں میں قباء کے مقام پر ٹھہری جہاں میرے یہاں عبداللہ ابن زبیر پیدا ہوئے۔ اس کے بعد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے اپنے بیٹے کو آپ ﷺ کی گود میں دیدیا۔ آپ ﷺ نے ایک کھجور منگا کر اسے چبایا پھر آپ ﷺ نے بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اس طرح عبداللہ ابن زبیرؓ کے منہ میں دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے جو چیز گئی وہ آنحضرت ﷺ کا لعاب دہن تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ چبائی ہوئی کھجور بچے کو کھلا کر تحنیک کی۔ کتاب مواہب میں اسی طرح ہے کہ آپ ﷺ نے بچے کی تحنیک کی اور اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کی۔ یہ پہلا بچہ ہے جو اسلام آنے کے بعد مہاجروں میں پیدا ہوا۔

مہاجروں میں پہلا بچہ...... (اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماء کے یہاں پیدائش کے وقت آنحضرت ﷺ قبا میں ہی تھے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد حضرت اسماء اسے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئی ہوں) اس بارے میں شبہ ہوتا ہے کیونکہ حضرت اسماء آنحضرت ﷺ کے قباء سے مدینہ تشریف لے آنے کے بعد قباء پہنچی ہیں کیونکہ ایک قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے گھر والے جب مکہ سے آئے تو اس وقت آنحضرت ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے گھر والوں کو سخ میں ٹھہرایا۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید اس وقت آنحضرت ﷺ مدینہ سے قباء میں آئے ہوئے ہوں گے (جب حضرت اسماء وہاں پہنچیں)۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن زبیر اھ میں پیدا ہوئے، ۲ھ میں نہیں جیسا کہ واحدی اور ان کے نقش قدم پر کچھ دوسروں کا قول ہے۔ علامہ واحدی نے لکھا ہے کہ ابن زبیر کی پیدائش ہجرت کے بیس مہینے بعد ہوئی اور مسلمان اس پیدائش پر بے انتہا خوش ہوئے کیونکہ یہودی یہ کہنے لگے تھے کہ ہم نے ان مسلمانوں پر جادو کرادیا ہے اس لئے ان کے نہ کوئی بچہ پیدا ہو رہا ہے اور نہ ہوگا۔

اس تفصیل سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ واحدی کا قول ہی درست ہے۔ اب اس اختلاف کے سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید بیس مہینے کی مدّت تک ابن زبیر ماں کے پیٹ میں رہے (جس کی بناء پر یہودیوں نے یہ بات کہنی شروع کردی تھی جہاں تک بچے کے ماں کے پیٹ میں غیر معمولی مدّت تک رہنے کا تعلق ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے) چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام مالک دو سال تک ماں کے پیٹ میں رہے۔ اسی طرح ضحاک ابن مزاحم تابعی بھی دو سال تک ماں کے پیٹ میں رہے۔ علامہ سیوطی نے تو محاضرات میں یہ لکھا ہے کہ امام مالک تین سال تک ماں کے پیٹ میں رہے۔ خود امام مالک کہتے ہیں کہ ہماری پڑوسن کے بارہ سال میں چار چار سال کے حمل سے تین بچے ہوئے۔

اب یہ بات ممکن ہے کہ حضرت اسماء قباء پہنچیں تو حضرت عبداللہ ابن زبیر پیدا ہوئے اور اتفاق سے اسی روز آنحضرت ﷺ بھی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ غرض آنحضرت ﷺ نے ہی ان کا نام عبداللہ رکھا اور ان کے نانا حضرت صدیق اکبرؓ کے لقب پر ان کا لقب ابو بکر رکھا۔

ابن زبیرؓ کی کم عمری میں بیعت...... ایک روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی تو ان کے والد حضرت زبیرؓ نے ان کو حکم دیا کہ جاکر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کریں چنانچہ یہ بیعت کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ ان کی درخواست پر مسکرائے اور پھر آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے گھر والے مدینہ آکر سخ کے مقام پر ٹھہرے تھے تو اس سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت اسماء قبا کے مقام پر اتریں اور وہیں ان کے یہاں پیدائش ہوئی کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ مدینہ میں پہنچنے سے پہلے حضرت اسماء آرام کی غرض سے قباء میں رک گئی ہوں کیونکہ وہ حاملہ تھیں (اور اس حالت میں جبکہ پیدائش قریب ہو ان کے لئے مسلسل سفر یقیناً تھکن کا باعث ہوا ہوگا) چنانچہ وہ قباء میں ٹھہریں اور وہیں ان کے یہاں ولادت ہوگئی چنانچہ گزشتہ تفصیل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

جس طرح حضرت عبداللہ ابن زبیر وہ پہلا بچہ ہیں جو مدینہ میں مہاجر مسلمانوں کے یہاں پیدا ہوا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن جعفر ابن ابو طالب بھی وہ پہلا بچہ ہیں جو حبشہ کے مہاجروں کے یہاں پیدا ہوا۔ ان کو عبداللہ جواد کہا جاتا ہے۔ حسن اتفاق سے جس روز عبداللہ پیدا ہوئے اسی روز خود نجاشی بادشاہ کے یہاں بھی بچہ پیدا ہوا، نجاشی نے حضرت جعفر کے پاس آدمی بھیج کر معلوم کرایا کہ آپ نے اپنے بچے کا کیا نام رکھا ہے؟ حضرت جعفر نے کہا کہ میں نے بچے کا نام عبداللہ رکھا ہے۔ چنانچہ نجاشی نے بھی اپنے بچے کا نام عبداللہ ہی رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس نے اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ شہزادہ عبداللہ کو بھی دودھ پلایا۔ چنانچہ اسی رضاعی رشتے کی وجہ سے ان دونوں میں خط و کتابت رہتی تھی (کیونکہ جیسا آگے بیان ہوگا حضرت جعفر مدینہ تشریف لے آئے تھے)۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد انصاریوں میں جو سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا وہ مَسلمہ ابن مخلد تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بچہ نعمان ابن بشیر تھا۔

ایک قول ہے کہ حضرت اسماء کی والدہ مدینہ پہنچیں تو اس وقت تک وہ مشرکہ تھیں وہ حضرت اسماءؓ کے لئے ایک ہدیہ لے کر آئیں۔ حضرت اسماء نے اپنی والدہ کو واپس کر دیا اور ان کا ہدیہ بھی انہیں لوٹا دیا۔ حضرت اسماء نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت اسماء کو حکم دیا کہ اپنی والدہ کو اپنے پاس ٹھہرائیں اور ان کا ہدیہ بھی قبول کرلیں (چنانچہ حضرت اسماء نے اس کے بعد ایسا ہی کیا)۔

کافر ماں باپ یا کافر اولاد کے حقوق کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو بکر جب مکہ میں تھے اور کافر تھے تو انہوں نے مدینہ میں اپنے والد حضرت ابو بکرؓ کے پاس درخواست بھیجی کہ میرے خرچ وغیرہ کے لئے کچھ بھیجتے رہا کریں۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے ان کے نان نفقہ کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا (کیونکہ اس وقت تک حضرت عبدالرحمٰن مسلمان نہیں ہوئے تھے) چنانچہ ان دونوں واقعات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی جس میں کافروں پر خرچ کرنے کی اجازت دی گئی۔

بالائی مکان میں قیام کیلئے حضرت ابو ایوبؓ کی آنحضرت ﷺ سے درخواست...... حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے مکان پر آکر اترے تو آپ ﷺ نے مکان کی

نچلی منزل میں قیام فرمایا جبکہ میں اور اُمّ ایوب یعنی حضرت ابوایوب کی بیوی اوپر کے حصے میں چلے گئے (مگر مجھے اپنا اوپر رہنا مناسب نہ معلوم ہوا) میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، میرے لئے یہ بات بہت ہی گراں اور نامناسب ہے کہ میں تو اوپر رہوں اور آپ ﷺ نیچے رہیں، اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ ﷺ اوپر کے حصے میں جاکر رہیں اور میں اور اُمّ ایوب نچلے حصے میں آکر رہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"اے ابوایوب! ہمیں نیچے ہی رہنے دو مجھے اور میرے پاس آنے والوں کو اسی میں سہولت رہے گی۔"

(چنانچہ آپ کا قیام نچلے حصے میں ہی رہا اور حضرت ابوایوب اوپر کے حصے میں رہتے رہے) حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ ہماری پانی کی ایک گھڑیا ٹوٹ گئی جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میں اور اُمّ ایوب گھبرا کر اٹھے اور ہم نے اپنے لحاف سے وہ پانی خشک کرنا شروع کر دیا ہمارے پاس یہ ایک ہی لحاف تھا اس کے علاوہ گھر میں اور کوئی لحاف بھی نہیں تھا۔ ہم نے اس ڈر سے جلدی جلدی پانی خشک کرنا شروع کیا کہ کہیں پھونس پرال کی چھت میں سے پانی ٹپک کر آنحضرت ﷺ پر نہ گرے اور آپ ﷺ کو تکلیف ہو۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ سے مسلسل یہ درخواست کرتا رہا کہ آپ ﷺ اوپر کے حصے میں تشریف لے آئیں۔ آخر آپ ﷺ مان گئے۔

ایک روایت میں حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب آنحضرت ﷺ میرے یہاں آکر اترے تو میں اوپر کے حصے میں رہنے لگا۔ رات کو جب میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو میں نے اس سے کہا،

رسول اللہ ﷺ کا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ اوپر رہیں کیونکہ جب ہم یہاں اوپر چلے پھریں گے تو چھت کی مٹی آپ ﷺ کے اوپر گرے گی۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ کے پاس ہر وقت فرشتے نازل ہوتے رہیں گے اور وحی نازل ہوا کرے گی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ پر قرآن اترا کرے گا اور جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آیا کریں گے۔"

چنانچہ اس رات بے ادبی کے خیال سے میں اور ام ایوب تمام رات نہیں لیٹے۔ صبح کو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! تمام رات نہ میں لیٹا اور نہ اَمّ ایوب لیٹیں۔"

آپ ﷺ نے پوچھا کیوں؟ میں نے عرض کیا،

"اس لئے کہ آپ ﷺ ہم سے اوپر رہنے کے زیادہ حقدار ہیں، آپ ﷺ پر وحی اور فرشتے نازل ہوتے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا کہ میں اس چھت پر کبھی نہ چڑھوں گا جس کے نیچے آپ ﷺ ہوں۔"

(ی) حضرت ابوایوب کے غلام افلح سے بھی روایت ہے کہ جب مدینہ آکر آنحضرت ﷺ حضرت ابوایوبؓ کے مکان کے نچلے حصے میں ٹھہرے تو جب حضرت ابوایوبؓ کو اس کا احساس ہوا تو انہوں نے اور ان کی بیوی نے مکان کے ایک حصے میں رات گزاری اور صبح کو آنحضرت ﷺ سے بات کی۔

ابن عبادہؓ اور ابن زُرارہؓ کے یہاں سے کھانا...... جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوبؓ کے یہاں آکر ٹھہرے تو روزانہ آپ ﷺ کے یہاں حضرت سعد ابن عبادہؓ اور حضرت اسعد ابن زُرارہؓ کے یہاں سے کھانے

کے پیالے آتے تھے۔ حضرت سعد ابن عبادہؓ کے یہاں سے جو کھانا آتا وہ اس کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی بیویوں کے یہاں جاتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہؓ کے یہاں سے کھانے کا جو پیالہ آتا اس میں ثرید ہوتا یعنی گوشت یا روٹی دہی میں ہوتی یا گھی میں ہوتی یا شہد میں ہوتی یا سرکہ میں ہوتی یا زیتون کے تیل میں ہوتی۔ یہ کھانا روزانہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی بیویوں کے یہاں بھی جاتا یعنی جس بیوی کے یہاں آپ ﷺ ہوتے وہیں کھانا جاتا۔ آپ ﷺ کے ابوایوبؓ کے یہاں قیام کے زمانے میں دوسرے صحابہ کے یہاں سے بھی کھانا آتا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں آنحضرت ﷺ کے دروازے پر تین تین چار چار آدمی کھانا لئے ہوئے آپ ﷺ کے انتظار میں موجود نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ آخر آپ ﷺ ابوایوبؓ کے یہاں سے مسجد نبوی میں منتقل ہوگئے۔

ایک روایت میں ہے کہ بنی نجار کے لوگ باری باری ابوایوبؓ کے یہاں آنحضرت ﷺ کی قیام گاہ پر کھانا لاتے رہتے تھے۔ یہاں آپ ﷺ نو مہینے تک ٹھہرے۔ مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے پاس جس کے یہاں سے کھانا آیا وہ زید ابن ثابت کی والدہ تھیں جنہوں نے ایک بڑے پیالہ میں کھانا بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت زید ابن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوایوبؓ کے یہاں قیام کے زمانے میں سب سے پہلا جو ہدیہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا وہ میری والدہ کی طرف سے بھیجا ہوا کھانا تھا۔ انہوں نے ایک پیالے میں روٹی دودھ اور گھی کا ثرید بھیجا تھا۔ میری والدہ نے یہ کھانا میرے ہاتھ بھجوایا تھا چنانچہ میں نے پیالہ آپ ﷺ کے سامنے لاکر رکھ دیا اور عرض کیا،

"یارسول اللہ! یہ پیالہ میری والدہ نے بھجوایا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو برکت عطا فرمائے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے خود زید کو برکت کی دعا دی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بلایا اور سب نے مل کر کھایا۔ زید کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابھی میں دروازے سے نکلا بھی نہیں تھا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے یہاں سے ایک پیالہ آگیا اس میں ثرید تھا اور گلیاں تھیں ایک حدیث میں آتا ہے کہ ثرید آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ کھانا تھا۔ ثرید کو ثفل بھی کہا جاتا ہے۔

مسجد نبوی میں مقام صُفّہ...... جب مسجد نبوی کی تعمیر ہوگئی تو اس میں ایک علیحدہ حصہ اور بنایا گیا اور اس پر سائبان ڈال دیا گیا جو کہ غریب اور مسکین صحابہ کی پناہ گاہ کے طور پر بنایا گیا اس جگہ کو صُفّہ کہا جاتا تھا اور یہاں رہنے والے صحابہ کو اصحاب صُفّہ کہا جاتا تھا۔ روزانہ رات کو عشاء کے وقت آنحضرت ﷺ ان اصحاب صُفّہ کو (کھانے کے لئے) اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیتے تھے پھر بھی ان میں سے ایک جماعت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی کھانا کھاتی تھی۔

اصحاب صُفّہ کی تعریف...... (تشریح: یہ اصحاب صُفّہ ان درویش اور فقیر نش صحابہ کی جماعت تھی جن کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا نہ ان کے پاس گھر در تھا۔ نہ کھانے کو روٹی اور پہننے اوڑھنے کو پورے کپڑے تھے یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے عاشق اور راہ خدا کے فدائی تھے۔ یہ اللہ پر توکّل کرنے والوں کی سچی اور مخلص ترین جماعت تھی ان کو نہ تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ ملازمت یا زراعت سے سروکار۔ دن رات ان کا مشغلہ اللہ اللہ کرنا اور کتاب و سنت کی روشنی اور تعلیم حاصل کرنا تھا، ان میں بہت سے وہ لوگ بھی ہوتے جو آنحضرت ﷺ کے عشق و محبت

اور آپ ﷺ کی ہم نشینی کے شوق و جذبہ میں بغیر کسی انتظام کے مدینہ منورہ چلے آتے اور یہاں بارگاہ نبوت میں اللہ کے نام پر بوریہ نشین ہو جاتے۔ ان میں سے بہت سوں کے پاس ایک کپڑا بھی پورا نہیں تھا جس سے یہ بدن ڈھانپ سکیں۔ اس طرح گویا یہ حضرات خانقاہ نبوت کے درویش اور قلندر تھے جنھوں نے خدا اور رسول کے عشق میں اپنی زندگیاں تج دیں اور اپنی جانوں کو اسلام اور قرآن کی خدمت اور نبوت کا فیضان حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیا تھا۔ تشریح ختم۔ مرتب)۔

اصحاب صُفّہ کا مقام...... گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صُفّہ کی جگہ مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران ہی بنائی گئی تھی اور اسی وقت سے وہ مسکین صحابہ کا ٹھکانہ تھی۔ مگر بیہقی نے عثمان ابن یمانؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ جب مدینہ میں مہاجروں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور ان کے لئے کھانے اور قیام کرنے کا کوئی انتظام نہ رہا تو آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرا دیا اور ان لوگوں کا نام اصحاب صُفّہ رکھ دیا۔ آپ ﷺ ان کو اپنی مجلسوں میں بٹھاتے اور ان کی دلدہی فرماتے۔ (ی) نیز جب آپ ﷺ نماز پڑھنے جاتے تو ان کے پاس آکر کھڑے ہوتے اور فرماتے،

"اگر تم جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا مقام کتنا بلند ہے تو تم چاہتے کہ اور زیادہ حاجت مند اور فقیر بن جاؤ۔"

مسجد نبوی میں روشنی کا انتظام...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ رات کو جب اندھیرا پھیل جاتا تو مسجد میں روشنی کرنے کے لئے کھجور کی شاخیں جلائی جایا کرتی تھیں۔ پھر جب حضرت تمیم داری مدینہ آئے تو وہ اپنے ساتھ قندیلیں اور رسّیاں اور زیتون کا تیل لائے انہوں نے یہ قندیلیں مسجد کے احاطے میں لٹکا دیں اور رات کو ان کو جلا دیا یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"ہماری مسجد روشن ہو گئی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی روشنی کا سامان فرمائے۔ خدا کی قسم اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کو تم سے بیاہ دیتا۔"

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مسجد نبوی میں چراغ جلائے وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں چنانچہ بعض دوسرے علماء کے اس قول سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے وہ قول یہ ہے کہ مسجدوں میں قندیل جلانا نئی باتوں میں مستحب بات ہے اور سب سے پہلے جس نے یہ نئی بات کی وہ حضرت عمرؓ ابن خطاب ہیں (مراد یہ ہے کہ قندیل روشن کرنے کی جدّت انہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں کی) یعنی جب تراویح کی نماز کے لئے لوگ حضرت ابی ابن کعبؓ کے پاس جمع ہوئے تو فاروق اعظمؓ نے مسجد میں قندیل لٹکوا دیئے۔ حضرت علیؓ نے جب یہ دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہا،

"آپ نے ہماری مسجدوں کو روشن کر دیا۔ اے ابن خطاب! اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن فرمائے۔"

یہاں غالباً حضرت عمرؓ کے پہلی بار قندیل جلانے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے کثرت سے قندیل جلا کر مسجد کو روشن اور منور کیا۔ لہٰذا پیچھے تمیم داری کے متعلق جو روایت گزری ہے اس میں اور اس قول میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا۔

ادھر تمیم داری کے غلام سراج کی ایک روایت کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم پانچ غلام تھے اور سب تمیم داری کے تھے اور اپنے آقا کے ساتھ مدینہ آئے

تھے) یہاں تمیم داری کے حکم پر میں نے مسجد نبوی میں قندیل جلا کر اسے روشن کیا ان قندیلوں میں زیتون کا تیل جلایا گیا۔ اس سے پہلے مسلمان مسجد نبوی میں صرف کھجور کی شاخیں جلا کر اسے روشن کیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے مسجد کو روشن دیکھا تو فرمایا۔

"ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے؟"

تمیم داری نے کہا کہ میرے اس غلام نے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا فتح ہے آپ نے فرمایا۔

"نہیں اس کا نام سراج ہے۔"

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے میرا نام سراج رکھ دیا۔ واضح رہے کہ عربی میں سراج کے معنی چراغ کے ہیں)۔

ایک عجیب واقعہ...... ایک شخص کی روایت ہے کہ خلیفہ مامون رشید عباسی نے مجھے حکم دیا کہ میں مسجدوں میں زیادہ سے زیادہ چراغ جلانے کا حکم نامہ لکھ کر جاری کروں۔ اب میں حیران تھا کہ حکم نامہ میں کیا لکھوں کیونکہ یہ ایک ایسی ہدایت اور حکم تھا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں دیا تھا (کیونکہ حکم نامہ میں اس کی کوئی وجہ اور بنیاد لکھنی ضروری تھی) آخر میں نے خواب میں اپنے آپ کو یہ لکھتے دیکھا۔ مسجدوں میں زیادہ سے زیادہ روشنی کرو کیونکہ اس روشنی کی وجہ سے تہجد پڑھنے والوں کو مسجدوں میں انسیت اور دل بستگی ہوگی اور اللہ کے گھروں سے اندھیرے کی وحشت دور ہوگی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں نے یہی الفاظ خلیفہ کے حکم نامہ میں لکھ دیئے۔

بعض علماء نے لکھا ہے مگر مسجدوں میں زیادہ روشنی کرنا جیسا کہ پندرہ شعبان کو کی جاتی ہے اور جس رات کو لیلۃ الوقود یعنی شب نور کہتے ہیں اس کا حکم بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا مسجدوں میں چراغاں کرنے اور نقش و نگار بنانے کا ہے جس کو کچھ علماء نے مکروہ سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

تُبّع حِمیَری کا واقعہ

ابن اسحاق نے کتاب مبداء و قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ تُبّع ابن حسان حِمیَری تبّع اول تھا جس کی حکومت مشرق سے لے کر مغرب تک ساری دنیا میں تھی۔ یمنی زبان میں تبّع کے معنی ہیں جس کے سب تابع فرمان ہوں۔ تبع کو رئیس بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ بادشاہ اپنی داد و دہش اور بخشش میں دوسرے تمام امیر و کبیر لوگوں کا سردار یعنی ان سے زیادہ تھا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے مال غنیمت حاصل کیا۔

مکہ پر حملے کا ارادہ اور اس کا انجام...... جب اس نے بیت اللہ شریف کو ڈھانے کے ارادے سے مکہ جانے کا قصد کیا تو اچانک اس کے سر میں پھوڑا نکلا جس میں پیپ اور مواد پیدا ہو گیا اور اس کی وجہ سے سر میں شدید درد پیدا ہو گیا۔ ساتھ ہی وہ زخم سڑ گیا اور اس میں اتنی زبردست بدبو پیدا ہو گئی کہ کوئی شخص اس سے دو تین گز کے فاصلے پر بھی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا جیسا کہ پیچھے بھی گزرا ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ پھر اس نے کعبے کا غلاف چڑھایا تھا۔

شاہ تبعؒ مدینہ میں۔ نبی آخر الزماں کی اطلاع...... اس کے بعد تبعؒ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ اس سفر میں اس کے ساتھ ایک لاکھ تیس ہزار سوار اور ایک لاکھ تیرہ ہزار پیدل فوج تھی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ جو دانشور اور علماء ہیں ان میں سے چار سو آدمیوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب وہ یثرب سے واپس نہیں جائیں گے۔ تبعؒ نے ان علماء کو بلا کر پوچھا کہ ان کے اس فیصلے میں کیا حکمت و دانائی ہے انہوں نے کہا،

"اللہ کے گھر کی عزت کو ایک شخص بلند کرے گا جو آئندہ زمانے میں ظاہر ہونے والا ہے اس کا نام محمد ہوگا یہ شہر اس نبی کی ہجرت گاہ اور قیام ہوگا اور وہ یہاں سے واپس نہیں جائے گا۔"

علماء کو یثرب میں قیام کی اجازت اور نبی کے نام خط...... (یعنی اس بناء پر ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اسی مبارک شہر میں رہیں اور یہاں سے واپس نہ جائیں۔ چنانچہ تبعؒ نے ان علماء کو اس کی اجازت دیدی اور) ان میں سے ہر ایک کے لئے اس نے یثرب میں ایک ایک گھر بنوادیا پھر بادشاہ نے ہر ایک کے لئے ایک ایک باندی خریدی ان کو آزاد کیا اور ان کو ان لوگوں کے ساتھ بیاہ دیا۔ ساتھ ہی بادشاہ نے ان سب کو بہت کچھ انعام واکرام دے کر مالا مال کیا نیز اس نے ایک خط اس نبی یعنی آنحضرت ﷺ کے نام لکھا اس پر اپنی مہر لگائی اور اس کو ان عالموں میں سے سب سے بڑے عالم کے حوالے کر کے اس سے کہا کہ اگر وہ اس نبی کا زمانہ پائے تو یہ خط میری طرف سے ان کی خدمت میں پیش کر دے۔ اس خط میں تبعؒ نے لکھا تھا کہ میں آپ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ کے دین کو قبول کرتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ کے لئے مکان...... ساتھ ہی تبعؒ نے آنحضرت ﷺ کے لئے یہاں ایک مکان بنوایا کہ جب آپ ﷺ اس شہر میں تشریف لائیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مکان ہی حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی آکر بیٹھی تھی۔ نیز کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ اسی بڑے عالم کی اولاد میں سے تھے جس کو تبعؒ نے وہ خط دیا تھا۔ جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ میں آکر خود اپنے ہی مکان میں اترے تھے کسی دوسرے کے مکان میں نہیں (کیونکہ اس خط کی رو سے اس مکان میں رہنے والے صرف آنحضرت ﷺ کے انتظار میں یہاں ٹھہرے ہوئے تھے تاکہ جب آپ یہاں پہنچیں تو آپ ﷺ کی امانت آپ ﷺ کے سپرد کر دیں)۔

ایک ہزار سال بعد تبعؒ کا خط بارگاہ نبوت میں...... جب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع فرمائی تو یثرب والوں نے یعنی اس عالم کی اولاد نے وہ خط ایک شخص کے ہاتھ آپ ﷺ کے پاس مکہ بھجوادیا تھا اس شخص کا نام ابو لیلیٰ تھا۔ مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو دیکھا تو اس کے کچھ بتلانے سے پہلے آپ ﷺ نے خود ہی اس سے فرمایا،

"کیا تم وہی ابو لیلیٰ نامی شخص ہو جس کے پاس تبع اول کا خط ہے؟"

ابو لیلیٰ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا،

"میں محمد ہوں۔ لاؤ وہ خط مجھے دو!"

پھر آنحضرت ﷺ نے وہ خط پڑھوا کر سنا بعض علماء نے اس خط کا مضمون یہ بیان کیا ہے،

خط کا مضمون...... امّا بعد! اے محمد ﷺ میں آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے اس پروردگار پر جو ہر چیز کا پروردگار ہے ایمان لاتا ہوں آپ ﷺ ایمان اور اسلام کی جو شریعت اور طریقے اپنے پروردگار کی طرف سے لے کر ظاہر

ہوئے ہیں ان پر بھی ایمان لاتا ہوں اور میں ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کر چکا ہوں اب اگر خوش قسمتی سے مجھے آپ ﷺ کا زمانہ مل گیا یعنی میری زندگی ہی میں آپ ﷺ ظاہر ہو گئے تو اس سے بہتر بات اور اس سے بڑی نعمت میرے لئے اور کچھ نہ ہو گی۔ لیکن اگر مجھے آپ ﷺ کا زمانہ نہ مل سکے تو آپ ﷺ مجھے فراموش نہ فرمائیں اور قیامت کے دن حق تعالیٰ کے حضور میں میری شفاعت و سفارش فرمائیں اس لئے کہ میں اولین لوگوں میں کا ہوں۔ میں آپ ﷺ کے دنیا میں آنے سے بھی پہلے اور اللہ تعالیٰ کے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجنے سے بھی پہلے آپ ﷺ سے بیعت کر چکا ہوں۔ اب میں آپ ﷺ کی اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی خط تمام ہوتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (سورۂ روم، پ ۲۱، ع ۱ آیت ۴،۵)

ترجمہ: "پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے" گویا یہ آیت آپ ﷺ کے نازل ہونے سے پہلے تلاوت کی گئی۔ اس خط کا عنوان اور القاب اس طرح تھا" محمد بن عبداللہ خاتم النبین والمرسلین اور پیغمبر رب العالمین کے نام تبّع اول حمیر کی طرف سے۔ جس شخص کے ہاتھوں یہ خط پہنچے وہ اس کو امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرے اور جس کے نام خط ہے ان تک پہنچائے۔"

تبّع نے یہ خط ان علماء میں جو سب سے بڑا عالم تھا اس کے حوالے کیا تھا۔ اس کے بعد یہ خط اسی عالم کی اولاد میں سے کسی شخص کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت ملا جب کہ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے روانہ ہو چکے تھے اور مکہ اور مدینہ کے بیچ میں تھے۔

مگر گزشتہ روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ خط ظہور کے شروع ہی میں وصول ہو گیا تھا۔ غرض یہ خط پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"نیک اور صالح بھائی تبّع کو مرحبا ہو"

آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔ تبّع نے جس وقت یہ الفاظ کہے تھے کہ میں محمد ﷺ اور ان کی شریعت پر ایمان لاتا ہوں اس وقت سے آنحضرت ﷺ کی پیدائش تک پورا ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔

(ی) یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ تبّع نے یثرب میں آنحضرت ﷺ کے ظہور سے (پیدائش سے نہیں) ایک ہزار سال پہلے مسجد نبوی کی جگہ خرید کر وہاں آپ ﷺ کے لئے مکان بنوا دیا تھا۔ (یعنی ایک روایت میں پیدائش سے اس وقت تک ایک ہزار سال کا فاصلہ ذکر ہے اور دوسری روایت میں ظہور سے اس وقت تک ایک ہزار سال کا ذکر ہے جبکہ پیدائش اور ظہور میں چالیس سال کا فرق ہے) اس لئے یہ بات قابل غور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اوس اور خزرج ان ہی دانشوروں اور تورات کے عالموں کی اولاد میں سے ہیں جو یثرب میں آکر قیام پذیر ہو گئے تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کس طرح حضرت ابوایوبؓ کے مکان میں آکر ٹھہرے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ نے وہ خرمن جہاں مسجد نبوی بنائی گئی کس طرح خریدا تھا جب کہ آپ ﷺ کو تبّع کا یہ خط ظہور کے شروع ہی میں یا مکہ اور مدینہ کے درمیان ہجرت کے وقت مل چکا تھا۔ چنانچہ اس تفصیل میں شبہ پیدا ہوتا ہے جس کی طرف گزشتہ سطروں میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

مدینہ کی تاراجی کا ارادہ اور ایک دانشمند کی نصیحت...... اس سلسلے میں ایک شبہ اور ہے جس کو ابن

دحیہ نے اپنی کتاب تنویر میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بادشاہ تبّع اول نہیں تھا بلکہ تبّع اوسط تھا اور یہ تبّع اوسط ہی تھا جس نے بیت اللہ شریف پر غلاف چڑھایا تھا جبکہ اس سے پہلے وہ بیت اللہ ہی پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ نیز اسی نے یثرب پر چڑھائی کی تھی اور اس کو تاراج کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ شہر نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے جن کا نام محمد ﷺ ہے تو وہ مدینہ کو نقصان پہنچائے بغیر وہاں سے واپس ہو گیا تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ تبّع نے مدینہ کو تاراج کرنے اور یہودیوں کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت تبّع کے ساتھ ایک جہاندیدہ شخص تھا جس کی عمر ڈھائی سو سال ہو چکی تھی، اس بوڑھے نے کہا،

"بادشاہ کی عقل و دانش بہت ہے اور غصہ یا وقتی غضب انہیں کوئی غلط کام کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا اور جہاں پناہ کی شان اور چشم پوشی اتنی زبردست ہے کہ وہ ہمارے لئے نہ کبھی ختم ہو سکتی ہے اور نہ ہم آپ کی معافی اور درگزر سے کبھی محروم ہو سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ شہر ایک نبی کی ہجرت گاہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا دین لے کر ظاہر ہو گا۔"

اس شخص سے یہ خبر سن کر بادشاہ نے (مدینہ کو تاراج کرنے کا ارادہ ختم کر دیا اور) ایک خط لکھا جس میں کچھ شعر بھی لکھے) اور وہاں بسنے والے عالموں میں سے وہ خط ایک کے حوالے کیا) جس کے بعد وہ پشت در پشت ان کی نسلوں میں ایک سے دوسرے کے پاس پہنچتا رہا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور ان لوگوں نے وہ قدیم اور ہزار سالہ امانت آپ ﷺ کے سپرد کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خط حضرت ابوایوب انصاری کے پاس تھا اور یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے سات سو سال پہلے کا ہے۔

تبّع کی بیٹیوں کی قبر...... کتاب تنویر ہی میں یہ بھی ہے کہ ابن ابی دنیا نے لکھا ہے کہ انہوں نے اسلام سے پہلے صنعاء کے مقام پر ایک قبر کھودی تو اس میں دو عورتوں کی لاشیں تھیں جو بالکل تروتازہ تھیں۔ ان کے سروں پر چاندی کی ایک تختی رکھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا،

"یہ فلاں عورت اور فلاں عورت کی قبر ہے جو دونوں تبّع کی بیٹیاں تھیں، جنہوں نے یہ شہادت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتی تھیں اور ان سے پہلے بھی تمام نیک اور صالح لوگ اسی اقرار پر مرے ہیں۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ تبّع کو برا مت کہو کیونکہ وہ مومن تھا۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ تبّع حمیری کو برا مت کہو کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے کعبے پر غلاف چڑھایا۔"

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ یہی حال تبّع اول کا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔ اس نے کچھ شعر بھی کہے تھے جن میں اس نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر بھی دی تھی۔ واللہ اعلم

مدینہ سے بیماریوں کا اخراج...... جاہلیت کے زمانے میں مدینہ منورہ بیماریوں کا شہر کہلاتا تھا جہاں آئے دن نئی نئی وبائیں پھیلتی رہتی تھیں۔ اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ مدینہ جانے والا اس وادی کے سامنے پہنچ کر اگر گدھے کی آواز میں رینکے تو اس پر مدینہ کی وباؤں اور بیماریوں کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی اجنبی آدمی مدینہ کی وادی میں داخل ہوتا تو اس سے کہا جاتا کہ اگر تم مدینہ کی وباؤں سے سلامتی اور حفاظت چاہتے ہو تو گدھے کی آواز میں رینکو۔ چنانچہ اگر وہ ایسا کرتا تو محفوظ رہتا تھا۔

کتاب حیات الحیوان میں یوں ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں جب لوگ شہر کی کسی وبا سے دہشت زدہ

ہوتے تو وہ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے گدھے کی طرح ایک سانس میں دس مرتبہ گدھے کی آواز نکال کر رینکتے ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ایسا کرنے کے بعد شہر کی وباان پر اثر نہیں ڈال سکے گی۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہاں کے لوگ ناپ تول کے معاملے میں سب سے زیادہ بے ایمان اور بددیانت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی بری عادت کے خلاف یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ الخ (سورۂ مطففین، پ ۳۰، ع ۱ آیت ۲-۱)

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے اپنا حق ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔

مدینہ پہنچتے ہی صحابہ بیماریوں کا شکار...... چنانچہ اس کے بعد ان لوگوں نے یہ بری عادت چھوڑ دی اور ٹھیک ٹھیک ناپ تول کرنے لگے۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بہت سے صحابہ بخار وغیرہ میں مبتلا ہوئے۔ ایک راویت کے لفظ یہ ہیں کہ صحابہ کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ بیمار پڑ گئے چنانچہ بہت سے صحابہ بیمار ہو کر اتنے کمزور ہو گئے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے بلکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا،

"سنو! بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز کے آدھی کے برابر ہے اس لئے تکلیف برداشت کرو اور کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔"

حضرت عائشہؓ کو بخار...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم جب مدینہ آئے تو اس سرزمین میں سب سے زیادہ بیماریاں پھوٹی تھیں، چنانچہ خود حضرت عائشہؓ کو بخار آنے لگا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا،

"کیا بات ہے تمہاری حالت ایسی کمزور کیوں ہو گئی؟"

حضرت عائشہؓ نے بخار کو برا بھلا کہتے ہوئے عرض کیا،

"آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ مجھے بخار نے آگھیرا ہے اور یہ اسی کا اثر ہے۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں اس سے روکتے ہوئے فرمایا،

بخار دور کرنے کی دعا...... بخار کو برا بھلامت کہو کیونکہ یہ خدا کے حکم پر آتا ہے۔ ہاں تم چاہو تو میں تمہیں ایسے کلمے یعنی دعا بتلا دوں کہ اگر تم ان کو پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارا بخار دور فرما دیا کرے گا۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ضرور بتلائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو،

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ جِلْدِيْ الرَّقِيْقِ وَعَظْمِيَ الدَّقِيْقِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِيْقِ يَا اُمَّ مِلْدَمٍ اِنْ كُنْتِ اٰمَنْتِ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ فَلَا تُصَدِّعِيْ الرَّاْسَ وَلَا تُنْتِنِيْ الْفَمَ وَلَا تَاْكُلِيْ اللَّحْمَ وَلَا تَشْرَبِيْ الدَّمَ وَتَحَوَّلِيْ عَنِّيْ اِلٰى مَنِ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔

ترجمہ: اے اللہ! میری نازک کھال اور کمزور ہڈیوں پر رحم فرما اور بخار کی اس تپش اور سختی کو مجھ سے دور فرما دے اے اُمّ ملدم یعنی بخار! اگر تو اللہ رب العزت پر ایمان رکھتی ہے تو نہ میرے سر میں درد پیدا کر نہ میرے منہ میں بدبو پیدا کر نہ جسم کا گوشت چاٹ اور نہ خون پی بلکہ مجھ سے دور ہو جا اور اس شخص کے پاس جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے یہ دعا پڑھی جس کی برکت سے ان کا بخار جاتا رہا۔

اسی طرح حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب مدینہ پہنچے تو ہم نے یہاں کے پھل کھائے جس کے نتیجہ میں ہمیں بخار نے آپکڑا۔ مدینہ آنے کے بعد جن صحابہ کو بخار آیا ان میں حضرت ابو بکرؓ ان کے غلام عامر ابن فہیرہ اور حضرت بلال بھی شامل تھے۔ جب حضرت ابو بکرؓ کو بخار آیا تو وہ یہ شعر پڑھنے لگے،

كل امرئ مصبح في اهله
والموت ادنى من شراك نعله

ترجمہ: ہر شخص کو اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کے پاس ہونا چاہئے کیونکہ مدت انسان سے اتنی قریب ہے جتنا اس کے جوتے کا تسمہ۔

(ی) یہ شعر حنظلہ ابن یسار کے شعروں میں سے ایک ہے جو اس صحیح قول کی بنیاد پر ہے کہ رزمیہ کلمے شاعری میں شامل ہوتے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ یعنی یہ شعر خود حضرت ابو بکرؓ کا اپنا شعر نہیں ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اسلام کے دور میں حضرت ابو بکرؓ نے کبھی شعر نہیں کہا۔ (ی) اور نہ ہی انہوں نے جاہلیت کے دور میں کبھی شعر وشاعری کی جیسا کہ خود حضرت عائشہؓ سے ہی راویت ہے کہ خدا کی قسم حضرت ابو بکر نے جاہلیت کے یا اسلام کے کسی بھی دور میں کبھی شعر نہیں کہا یعنی کبھی شاعری نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

مگر یہ بات کتاب ینبوع کے قول کے خلاف ہے اس میں ہے کہ شعر وشاعری کوئی پست اور رذیل مشغلہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم شعر کہا کرتے تھے ان میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے شعر زیادہ بلند درجے کے ہوا کرتے تھے ادھر حضرت عائشہؓ کی جو روایت پیچھے گزری ہے وہ بظاہر حضرت انسؓ کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کو دیکھتے تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے،

امين مصطفى بالخير يدعو
كضوء البدر زايله الظلام

ترجمہ: آنحضرت ﷺ خیر اور بھلائی کی طرف بلاتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ایسا ہے جیسا کہ چاند کی روشنی اندھیروں کو مٹا کر رکھ دیتی ہے۔

اب اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے صدیق اکبرؓ سے کوئی شعر کبھی نہیں سنا یعنی ایسا شعر جو خود حضرت ابو بکرؓ نے ہی موزون کیا ہو۔

مدینہ پہنچ کر حضرت بلالؓ بھی بیمار پڑگئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ جب بھی ان کا بخار اترتا تو وہ مکہ کو یاد کرتے ہوئے اپنی آواز بلند کرتے اور یہ شعر پڑھتے۔

الاليت شعرى هل ابيتن ليلة
بواد وحولى اذخرو جليل

ترجمہ: کاش میں جانتا کہ آیا کبھی میں اس وادی یعنی مکہ میں پھر رات گزار سکوں گا جہاں میرے گرد و پیش میں وہاں کی مخصوص گھاس بکھری ہوئی ہوگی۔

وهل اردن يوما مياه مجنة
وهل يبدون لى شامة وطفيل

ترجمہ: اور یہ کہ آیا میں کبھی پھر اس جگہ پہنچ سکوں گا جہاں کا پانی شیریں ہے اور جہاں شامہ اور طفیل پہاڑ میری نگاہوں کے سامنے آسکیں۔

ساتھ ہی وہ کہتے۔

"اے اللہ! شیبہ ابن ربیعہ اور امیہ ابن خلف پر لعنت فرما کہ انہوں نے ہمیں وطن سے نکال کر اس بیماریوں کی سرزمین میں آنے پر مجبور کر دیا"

ایک روایت میں چوتھا مصرعہ اس طرح ہے کہ وهل يبدون لى عامر و طفيل یہ عامر بھی مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے مگر شرح بخاری میں خطابی نے لکھا ہے کہ میں شامہ اور طفیل کو مکہ کے دو پہاڑوں کے نام سمجھتا تھا مگر پھر جب میں نے خود وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں دو پانی کے چشمے ہیں۔ یہاں تک خطابی کا کلام ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ پانی کے چشمے ان دونوں پہاڑوں کے قریب ہوں اور اسی لئے ان کو بھی اسی نام سے پکارا جاتا ہو۔

جہاں تک حضرت بلال کی طرف سے شیبہ اور امیہّ پر لعنت بھیجنے کا تعلق ہے تو شاید یہ واقعہ اس کی ممانعت آنے سے پہلے کا ہے کہ متعین طور پر کسی شخص پر لعنت بھیجی جائے کیونکہ صحیح قول کے مطابق کسی شخص کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ بات صحیح طور پر اور تحقیق سے معلوم ہو کہ وہ کفر پر ہی مرا ہے جیسے ابو جہل اور ابو لہب ہیں (کہ ان کا کفر پر مرنا تحقیق سے معلوم ہے) مگر کسی زندہ کافر پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کا احتمال ہے کہ اس کا خاتمہ درست ہو جائے اور وہ اسلام پر مرے۔ اس لئے کہ لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دھتکار دیا جانا جس کے بعد گویا رحمت خداوندی سے مکمل مایوسی ہو جاتی ہے۔

جہاں تک کسی شخص کی کسی بری عادت پر یا اس عادت کے ساتھ موصوف کر کے اس پر لعنت بھیجنے کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ لعنت اصل میں اس شخص کی توہین کا سبب اور شریفانہ مقام سے دھتکارنے کے لئے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارنے کے لئے نہیں ہوتی جو لعنت کی اصل حقیقت ہے۔

حضرت عائشہؓ اپنے والد وغیرہ کی مزاج پُرسی کو...... مدینہ میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عامر ابن فہیرہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ایک ہی مکان میں رہتے تھے اور بیمار تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان تینوں کی مزاج پُرسی کے لئے جانے کی اجازت لی اور پھر ان کے پاس پہنچی۔ یہ واقعہ ہم عورتوں کے لئے پردے کا حکم آنے سے پہلے کا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان تینوں کو بے حد شدید بخار ہے میں نے ان کو سلام کیا۔ (ی) اور اپنے والد سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اس پر انہوں نے وہی شعر پڑھا جو پیچھے گزرا ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان کے منہ سے شعر سن کر کہا،

اِنّاللّٰہِ، میرے والد بخار میں ہذیان بول رہے ہیں۔"

اس کے بعد میں نے عامر ابن فہیرہ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے اس نے جواب دیا،

انی وجدت الموت قبل ذوقه
انّ الجبان حتفه من فوقه

ترجمہ: میں نے موت سے پہلے ہی موت کا مزا چکھ لیا جب کہ بزدل آدمی کا موت کے خوف سے ہمیشہ دم گھٹتا رہتا ہے۔

میں نے اس کی زبان سے بھی شعر سن کر کہا۔

"خدا کی قسم اس کو خود بھی خبر نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے۔

اس کے بعد میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ آپ کا آج کیا حال رہا۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ بخار کی شدت کی وجہ سے بات سمجھ ہی نہیں رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ کے جواب میں دو شعر پڑھے تھے۔ غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہاں سے واپس جاکر میں نے ان تینوں کی کیفیت رسول اللہ ﷺ سے بیان کی اور کہا،

"بخار کی شدت کی وجہ سے وہ سب یا تو ہذیان بول رہے ہیں اور یا بات ہی نہیں سمجھتے"

مگر سیرت ابن ہشام کی روایت اس تفصیل کے خلاف ہے۔ اس میں ہے کہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ، عامر ابن فہیرہؓ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم بخار میں گرفتار ہوگئے (یعنی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد پیش آیا جبکہ پیچھے گزرنے والی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد نہیں بلکہ اس وقت پیش آیا تھا جبکہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی بھی ہو چکی تھی)

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شاید ایک دفعہ تو ان کو مدینہ آتے ہی بخار آیا جو کچھ دن بعد دور ہو گیا اور اس کے بعد دوبارہ اس وقت آیا جبکہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہو چکی تھی یا پھر یہ صورت ہوگی کہ چونکہ حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہو چکا تھا اس لئے رخصتی نہ ہونے کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ سے اجازت لے کر ان کی مزاج پرسی کو جانا پسند کیا۔ نیز یہ کہ شاید حضرت ابو بکر صدیقؓ اس مکان میں نہیں تھے جس میں ان کی بیوی رہتی تھیں۔

تاریخ ازرقی میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ پہنچے تو ان میں اکثر لوگ بیمار پڑ گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کی مزاج پُرسی کو تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ جس پر انہوں نے وہ شعر پڑھا جو پیچھے گزرا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس جاکر ان کی طبیعت پوچھی تو انہوں نے وہ شعر پڑھے جو پیچھے گزرے۔ اس کے بعد آپ ﷺ عامر ابن فہیرہؓ کے پاس پہنچے تو ان کا حال پوچھا اور انہوں نے وہ شعر پڑھا جو پیچھے بیان ہوا۔ اب اس اختلاف کی وجہ سے یہ بات قابل غور ہے۔

مدینہ کی بیماریاں جحفہ میں...... غرض جب حضرت عائشہؓ نے ان تینوں کا حال آنحضرت ﷺ کو جاکر بتلایا تو آپ ﷺ نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا، کیونکہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! مدینہ کی محبت بھی ہمارے دلوں میں اتنی ہی ڈال دے جتنی تو نے مکہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اس کے مد اور صاع (جو مدینہ کے پیمانے تھے ان) میں ہمارے لئے برکت عطا فرمادے اور اس شہر کی آب و ہوا ہمارے لئے درست فرمادے اور اس شہر کی وباؤں کو مہیعہ یعنی جحفہ کی طرف منتقل فرمادے۔"

ایک روایت میں اسی طرح ہے، یہ جگہ رابغ کے قریب ہے جہاں سے مصر سے آنے والے حاجی احرام باندھتے ہیں۔ اس وقت اس بستی کے لوگ یہودی تھے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ مدینہ کی محبت بھی ہمارے دلوں میں اتنی ہی ڈال دے، اس لئے تھا کہ وطن کی محبت اور اس سے پیار انسان کی فطرت ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص مکہ سے مدینہ آیا تھا تو حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں پوچھا،

"تم نے مکہ کو کس حال میں چھوڑا؟"

اس پر اس شخص نے مکہ کی خوبیاں اور وہاں کے حالات بتلانے شروع کئے جس پر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے فلاں! ہمارے شوق کو اس طرح نہ بھڑکاؤ"

ایک روایت میں ہے کہ "یہاں دلوں کو لگ جانے دو"

طاعون کی بیماری کا مدینہ سے اخراج...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بخار اور وبا کے مدینہ سے کہیں دور چلے جانے کی دعا آپ ﷺ نے آخر میں فرمائی تھی کیونکہ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تھے تو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا تھا کہ طاعون اور بخار کی بیماریوں میں سے مدینہ کے لئے کوئی ایک اختیار کرلیں۔ چنانچہ بخار کو مدینہ میں رہنے دیا گیا اور طاعون کی بیماری کو ملک شام میں بھیج دیا گیا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام بخار اور طاعون کی بیماریاں لے کر آئے میں نے بخار کو مدینہ کے لئے باقی رکھ لیا اور طاعون کی بیماری کو ملک شام کی طرف بھیج دیا۔ یہاں باقی رکھنے کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ حدیث سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کے آنے سے پہلے مدینہ میں بخار نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے طاعون کے مقابلے میں بخار کی بیماری کو اس لئے اختیار کیا کہ اس وقت صحابہ کی تعداد بہت تھوڑی تھی لہٰذا آپ ﷺ نے بخار کو اختیار فرمایا کیونکہ اکثر بخار کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوا کرتی۔ برخلاف طاعون کے کہ اس بیماری میں اتفاقاً ہی کوئی شخص بچتا ہے ورنہ اکثر یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔

بیماریوں کا شہر بیماریوں سے پاک وصاف...... پھر اس کے بعد جب آپ ﷺ کو مشرکوں سے جہاد کی ضرورت پیش آئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اجازت دیدی اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ جہاد کرنے والے لوگوں کے جسم بخار گھلائے دے رہا ہے اور وہ کمزور ہوتے جارہے ہیں تو آپ ﷺ نے بخار کو مدینہ سے جحفہ کے مقام پر بھیج دیئے جانے کی دعا فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور اسکے بعد مدینہ شہر اللہ کی سرزمین میں سب سے زیادہ پاک وصاف اور صحت بخش آب و ہوا کا شہر بن گیا جب کہ اس سے پہلے یہ شہر بیماریوں کا گھر کہلاتا تھا۔

اس بارے میں یہی قول ہے کہ جو قابل غور ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بخار مدینہ شہر سے باہر نکال دیا گیا تو وہاں پھر بخار وغیرہ کی بیماری بالکل نہیں پائی جانی چاہئے۔ ادھر یہی بات کتاب خصائص صغریٰ میں بھی ہے جو آگے بیان ہوگی۔

غرض جب بخار کی بیماری مدینہ سے نکل کر جحفہ شہر میں چلی گئی تو وہ شہر ایسا ہو گیا کہ جو شخص بھی بستی میں داخل ہوتا فوراً بخار میں مبتلا ہو جاتا۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر اس کے بعد یہاں سے کوئی پرندہ بھی اڑ کر جاتا تو اس کو بیماری لگ جاتی تھی۔

مگر اب اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پھر اس حالت میں اس شہر کو احرام باندھنے کے لئے میقات کیوں بنایا گیا جب کہ شریعت کے قاعدوں میں یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی

کوئی ایسا حکم نہیں دیتے تھے جس میں لوگوں کے لئے کوئی نقصان ہو۔

اس اشکال کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اصل میں بخار کی بیماری اس بستی میں صرف اس وقت تک کے لئے منتقل کی گئی تھی جب تک وہاں یہودی رہتے تھے۔ پھر جب سرزمین حجاز سے یہودیوں کا زوال ہوا تو جحفہ سے بخار بھی زائل ہو گیا اس سے بھی پہلے اسی وقت بخار کی بیماری وہاں سے زائل ہو چکی تھی جب کہ اس شہر کو میقات قرار دیا گیا۔ یہ قول اسی طرح ہے جو قابل غور ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے بال الجھے ہوئے تھے وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ کی بستی میں جا کر اس نے قیام کیا۔ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ مدینہ کی بیماریاں اس شہر سے نکل کر مہیعہ کی بستی میں منتقل ہو گئی ہیں۔

علامہ سیوطی نے خصائص میں یہ لکھا ہے کہ بخار کی بیماری مدینہ سے اسی وقت نکل کر جحفہ کی طرف چلی گئی تھی جب آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچے تھے۔ پھر جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس بخار اور طاعون کی بیماریاں لے کر آئے تو آپ نے بخار کو مدینہ کے لئے روک لیا اور طاعون کو شام کی طرف بھجوا دیا۔

<u>بخار کی وبا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں</u>...... پھر جب خود آنحضرت ﷺ کے بخار کو اختیار کرنے پر یہ بیماری مدینہ میں آئی تو یہ خود سے مدینہ کے کسی شخص کو نہیں لگ سکی بلکہ آنحضرت ﷺ کے مکان کے دروازے پر آکر ٹھہری اور آپ ﷺ سے اس نے پوچھا کہ میں کن لوگوں کے پاس جاؤں؟ آپ ﷺ نے اس کو انصاری مسلمانوں کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ بخار کی بیماری رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"میں اُمّ ملدم ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں بخار کی بیماری ہوں میں گوشت چاٹتی ہوں اور خون پیتی ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"تجھے نہ خوش آمدید ہے اور نہ مرحبا۔ (یعنی تو اس قابل نہیں ہے کہ تجھے خوش آمدید کہا جا سکے)"

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو بخار کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا تھا (جبکہ یہاں آپ ﷺ نے بخار کو یہ فرمایا کہ تو خوش آمدید کہنے کے قابل نہیں ہے) غرض اس کے بعد بخار نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"کیا میں آپ ﷺ کی قوم کے ان لوگوں کے پاس جاؤں جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ عزیز ہیں یا آپ ﷺ کے ان صحابہ کے پاس جاؤں جو آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"تو انصاریوں کے یہاں چلی جا!"

چنانچہ یہ بیماری انصاریوں میں چلی گئی اور ان کو لگ گئی جب انصاری مسلمان بیمار پڑے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے لئے صحت یابی کی دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ان سے فرمایا،

"اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ تمہیں اس بیماری سے نجات دیدے اور اگر تم اس کو باقی

رکھنا چاہو تو یہ تمہارے گناہوں کو زائل کرتی رہے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ تمہیں تمہارے گناہوں سے پاک کرتی رہے گی"

انصاریوں نے عرض کیا،

"تب تو یارسول اللہ اس کو باقی رہنے دیجئے"

غالباً انصاریوں میں آپ ﷺ نے یہ بیماری سب کے پاس نہیں بھجوائی تھی بلکہ ان میں سے کسی ایک طبقہ کی طرف بھجوائی تھی۔ لہٰذا اب یہ بات اس روایت کے مخالف نہیں رہتی جس میں ہے کہ انصاری مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے بخار کی شکایت کی کیونکہ وہ چھ دن اور رات سے مسلسل اس میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی جس سے ان کو شفا حاصل ہو گئی۔ صحابہ کی اس بیماری میں آنحضرت ﷺ ایک ایک گھر میں علیٰحدہ علیٰحدہ جا کر اس کے لئے صحت و شفا کی دعا فرماتے رہے۔

بخار گناہوں کے ازالہ کا سبب...... خصائص کی جو روایت پیچھے بیان ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بخار کی بیماری مدینہ سے جحفہ کی طرف منتقل ہو گئی تو مدینہ میں اس کا کوئی حصہ اور اثر باقی نہیں رہا تھا اور دوبارہ جو یہ بیماری مدینہ میں آئی تو آنحضرت ﷺ کے اختیار پر ہی آئی انہوں نے جو بات حافظ ابن حجر سے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ مدینہ میں وہاں کا شہری یا باہر کا آیا ہوا جو شخص بھی ٹھہرتا تھا اس کو بخار کی بیماری لگ جاتی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی دعا سے یہ بیماری ختم ہو گئی سوائے اس کے کہ ایک آدھ شخص ایسا باقی رہ گیا جس کو یہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔

ایک حدیث میں آتا ہے

ایک رات کا بخار ایک برس کے گناہوں کا کفارہ ہے جس شخص کو ایک دن بخار آیا اس کو دوزخ کی آگ سے حفاظت مل گئی اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو کر ایسا ہو جاتا ہے جیسا اپنی پیدائش کے دن تھا۔"

امام احمد نے اپنی صحیح حدیثوں کے مجموعہ میں ابن حبان سے یہ روایت یوں نقل کی ہے کہ بخار کی بیماری نے آنحضرت ﷺ سے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں اُمِّ ملدم ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس کو قباوالوں کے یہاں چلے جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ لوگ بے حد شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ آخر انہوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے وہی بات کہی جو پیچھے انصاریوں کے سلسلے میں گزری۔ انہوں نے پوچھا کیا ایسا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں تو انہوں نے کہا کہ پھر تو اسے رہنے دیجئے۔ واللہ اعلم

مدینہ میں خیر و برکت کے لئے دعاء نبوی...... غرض پھر آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے لئے یہ دعا فرمائی۔

"اے اللہ! تو نے مکہ میں جو برکت پیدا فرمائی ہے اس سے دوگنی برکت یہاں پیدا فرما۔ ایک روایت میں ہے کہ اور یہاں ایک برکت کی جگہ دو برکتیں عطا فرما۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ کھانا جلد ختم ہو جاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانا گزارہ کے لائق پکاؤ اس سے تمہیں برکت حاصل ہو گی۔ ایک قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نوالے چھوٹے بناؤ۔ ایسے ہی آپ ﷺ نے مدینہ میں چرنے والی بکریوں کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! مدینہ

کی بکریوں کے آدھے پیٹ کو دوسری جگہوں کی بکریوں کے پورے پیٹ کے برابر فرمادے۔

(ی) غالباً یہ دعا صرف ان ہی بکریوں کے لئے نہیں تھی جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھیں بلکہ ہمیشہ کے لئے تھی۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے خصائص صغریٰ میں مدینہ کی جو خصوصیات لکھی ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ہے کہ مدینہ کا گرد و غبار کوڑھ کی بیماری کو ختم کرتا ہے اور مدینہ کی بکری کا آدھا پیٹ دوسری جگہوں کی بکری کے پورے پیٹ کے برابر ہوتا ہے۔ حدیث میں کرش کا لفظ استعمال ہوا ہے جو آدمی کے معدہ کی طرح ہوتا ہے (اس کو جگالی کی اوجھ بھی کہا جاسکتا ہے)۔

مدینہ دجّال سے بھی پاک کر دیا گیا...... نیز جس طرح مدینہ منورہ کو طاعون کی بیماری سے پاک کر دیا گیا یعنی اس بیماری کو ملک شام کے علاقے میں بھیج دیا گیا اسی طرح مدینہ کو دجال سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے چنانچہ شیخین نے ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کے دروازوں پر فرشتے متعین ہیں جو اس شہر میں نہ طاعون کو گھسنے دے سکتے ہیں اور نہ دجّال کو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ مدینہ کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے پر ایک فرشتہ متعین ہے۔

(طاعون کی بیماری کا نام طعن کے لفظ سے بنا ہے جس کے معنی مارنا اور کچو کے لگانا ہے اس کے بارے میں پیچھے گزرا ہے کہ اس کو مدینہ سے نکال دیا گیا تھا) اب اس بارے میں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ اس بات کو مدینہ کی تعریف کے طور پر کیسے بیان کیا گیا کہ وہاں طاعون نہیں داخل ہو سکتا اور آنحضرت ﷺ نے کیوں اس بیماری کو مدینہ سے نکال کر ملک شام کو بھیج دیا جب کہ طاعون سے مرنے والا شہید کی موت مرتا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بیماری کو جس سبب سے ملک شام کی طرف بھجوایا تھا وہ پیچھے بیان ہو چکی ہے اور پھر آپ ﷺ نے مدینہ کو اس بیماری سے بالکل پاک کر دیا کیونکہ طاعون کا سبب کفار جنّات اور شیاطین کے طعن یعنی کچو کے لگانا ہوتا ہے (جس سے یہ بیماری پھیلتی ہے مراد یہ ہے کہ جسم میں اس بیماری کی جو مادّی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں وہ اصل میں شیاطین اور جنّات کے کچو کے لگانے سے پیدا ہوتی ہیں جس سے بدن میں سمیت اور زہریلے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور طاعون کی گلٹیاں نکل آتی ہیں تو گویا اس کا اصل سبب شیاطین کے کچو کے ہوتے ہیں) لہٰذا مدینہ منورہ کے احترام کے طور پر اس شہر کو اس خوفناک بیماری سے محفوظ کر دیا گیا۔

چنانچہ کسی زمانے میں بھی مدینہ میں یہ بیماری نہیں پائی گئی جبکہ اس کے برخلاف مکہ میں بعض سالوں میں یہ مرض پھیلا ہے مثلاً ۷۴۹ھ میں مکہ میں طاعون کی وبا پھوٹی تھی۔ ایک قول ہے کہ ۱۰۳۹ھ میں بھی وہاں یہ وبا پھیلی تھی جبکہ سیلاب کی وجہ سے کعبہ کی وہ دیوار جو حجر اسود کی طرف کی ہے گر گئی تھی۔ چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس گھڑی یہ دیوار گری اسی وقت سے شہر میں طاعون پھیل گیا اور جب تک اس حصے کو لکڑیاں اور تختے وغیرہ رکھ کر بند نہیں کر دیا گیا یہ وبا پھیلتی رہی جب اس حصے کو مرمّت کر کے ڈھک دیا گیا تو فوراً ہی شہر سے وبا ختم ہو گئی۔ مکہ کے کچھ بزرگ اور معتبر حضرات نے اس واقعہ کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

جہاں تک مدینہ کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہاں کسی بھی زمانے میں طاعون کی بیماری نہیں پھیلی تو بعض حضرات کے قول اس بات کے خلاف ہیں۔ وہ قول یہ ہے کہ ۶ھ میں یعنی آنحضرت ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے چھ سال بعد وہاں طاعون کی بیماری پھیلی جس سے بہت سی جانیں فنا ہوئیں۔ اسلام کے دور میں طاعون

کی یہ سب سے پہلی وبا تھی تب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ،

"جب یہ وبا کسی بستی میں پھیلے تو اس شہر کو چھوڑ کر مت جاؤ اور اگر تمہیں کسی دوسرے شہر میں اس وبا کے پھوٹنے کی خبر ملے تو اس شہر کے قریب بھی مت جاؤ۔"

ایک روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو ایک روز جبکہ آپ ﷺ منبر پر تھے تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس سرزمین سے وباؤں اور بیماریوں کو منتقل فرمادے۔

یہ روایت اس گزشتہ تفصیل کے خلاف ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد نہیں فرمائی تھی بلکہ کافی عرصہ بعد فرمائی تھی۔ اسکے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہاں آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی سفر سے مدینہ واپس تشریف لائے تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ پہنچنا مراد نہیں ہے۔

مدینہ سب سے زیادہ آسودگی بخش شہر...... ایک حدیث میں آتا ہے،

"عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ لوگ آسودگی اور خوش حالی کی تلاش میں اپنے گھر والوں سمیت اپنے شہر سے نکلا کریں گے لیکن اگر وہ جانتے تو مدینہ ہی ان کے لئے سب سے بہتر اور آسودگی بخش شہر ہے۔ یہاں رہنے والا جو شخص بھی یہاں کی فاقہ کشی اور سختیوں پر صبر کرے گا اور اسی حالت میں یہیں مر جائے گا تو قیامت کے دن میں اس کا شفیع یعنی سفارشی یا شہید یعنی شہادت دینے والا بنوں گا۔ (ی) یعنی گناہ گار کے لئے سفارشی اور نیکوکار کے لئے شہادت دینے والا بنوں گا۔

مدینہ میں مرنے کی ترغیب...... حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

"تم میں سے جو شخص مدینہ میں مرسکے وہ ضرور یہیں مرنے کی کوشش کرے کیونکہ یہاں مرنے والے کے لئے قیامت میں میں سفارشی بنوں گا۔ یہاں رہنے والا شخص جب کبھی بھی کسی برائی کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح مٹادے گا جیسے پانی میں نمک گھل کر ختم ہو جاتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ

"اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں اسی طرح پگھلادے گا جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے یا جیسے پانی میں نمک گھُل جاتا ہے۔ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مدینہ اپنے یہاں کے ایک ایک شریر اور بدکار کو اسی طرح نکال باہر نہیں کردے گا جیسے بھٹی لوہے کے میل کو نکال کر ختم کردیتی ہے۔ مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جیسے آگ چاندی کے میل کو صاف کر کے اسے کندن بنادیتی ہے۔"

یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ بات نہ تو ہر زمانے میں عام ہے اور نہ تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے۔ "مکہ اور مدینہ گناہوں یعنی اپنے گناہ گاروں کو اسی طرح نکال باہر کریں گے جیسے بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے۔ جس نے ظلم کے ذریعہ مدینہ کے باشندوں کو ڈرایا تو اللہ عزّ و جل اس کو ڈرائے گا اور اس پر اللہ، اسکے فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہو۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بات قبول نہیں فرمائے گا۔

اب جن لوگوں نے یزید پر لعنت بھیجنا جائز قرار دیا ہے وہ اسی حدیث کو اپنی دلیل بناتے ہیں کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا اس نے حرّہ کے واقعہ میں مدینہ والوں کا خون بہانا جائز قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نام لے کر یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے۔ جب کہ بحث اسی میں ہے کہ نام لے کر لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہیں۔ اس حدیث سے صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی اس برائی کا ذکر کر کے لعنت بھیجنا جائز ہے یعنی یہ کہنا کہ جس شخص نے مدینہ والوں کو ڈرایا اس پر لعنت ہے مگر یہ بات قابل بحث ہی نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا یہ بات جائز ہے اور ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مدینہ والے میرے پڑوسی ہیں اور میری امت پر اس وقت میرے پڑوسیوں کی حفاظت ضروری ہے جب تک وہ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں۔ جس نے ان کی حفاظت کی میں قیامت کے دن اس کے گناہوں کے لئے سفارشی اور اس کی نیکیوں کے لئے گواہ بنوں گا اور جس نے ان کی حفاظت نہیں کی اس کو قیامت میں دوزخیوں کا پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے انصاریوں کی اس بستی کو (ظلم سے) ڈرایا تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس نے دونوں کے درمیان کو یعنی مجھے ڈرایا۔

مدینہ کو طابہ یعنی خوشیوں کا گھر اس لئے کہا گیا کہ یہاں خوش گوار زندگی میسر آتی ہے اور جیسا کہ طابہ کے معنی خوشبو کے بھی ہیں۔ اس کو اس لئے بھی طابہ کہا گیا کہ یہاں کی جو خوشبو اور معطر آب و ہوا ہے وہ کہیں اور نہیں پائی جاتی۔ مدینہ کی خصوصیات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس بستی کی مٹی میں جذام اور بعض حضرات کے اضافہ کے مطابق کوڑھ سے شفا ہے بلکہ ہر بیماری سے شفا ہے اور اس بستی کی کھجور میں زہر سے شفا ہے۔

<u>کیا قیامت سے قبل مدینہ تباہ ہو جائے گا؟</u> ...... حدیث میں آتا ہے کہ قیامت قائم ہونے سے چالیس سال پہلے مدینہ منورہ تاراج اور تباہ ہو جائے گا۔ اس شہر کی تاراجی بھوک اور فاقہ کشی کی وجہ سے ہوگی جبکہ یمن کی بربادی ٹڈیوں کی وجہ سے ہوگی۔

(ی) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ٹڈیوں کیلئے بددعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! ٹڈیوں کو ہلاک فرما دے۔ بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی ٹڈیوں تہس نہس فرما دے اور ان کی جڑ ہی ختم فرما دے اور ان کے منہ ہمارے مویشیوں اور ہمارے رزق کی طرف سے پھیر دے۔ بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو فصل کی پہلی کھجور لا کر دی جاتی تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے،

"اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مدینہ شہر میں برکت عطا فرما۔ اس کے پھلوں میں برکت عطا فرما اور اس کے مد اور صاع یعنی غلّہ کے پیمانوں میں برکت عطا فرما اور اس برکت کو دوچند اور دو گنا فرما دے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ مجلس میں موجود بچوں میں سے سب سے چھوٹے بچے کو وہ کھجور دیتے اور فرماتے،

"اے اللہ! تیرے بندے تیرے دوست اور تیرے نبی ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا فرمائی تھی۔ جو دعا انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے مانگی تھی میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی تجھ سے وہی دعا مدینہ کے لئے مانگتا ہوں تو اس شہر کو بھی وہی برکتیں عطا فرما دے۔"

ازواج کے بقیہ حجروں کی تعمیر

مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ آپ نے دو حجرے اپنی بیویوں کے لئے بنوائے تھے اور پھر باقی حجرے آپ حسب ضرورت بنواتے رہے۔ چنانچہ یہی بات گزشتہ روایت کے مطابق ہے کہ اپنی بیویوں کے حجروں میں سے کچھ تو آپ نے مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی بنوائے ان میں سے ایک حضرت سودہؓ کا حجرہ تھا اور دوسرا حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ (آپ کی بیویوں کے ان حجروں کو ہی آپ کے اور ان کے گھر کہا جاتا ہے)۔

بعض شافعی علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکانات مختلف تھے اور ان میں سے اکثر مسجد نبوی سے دور تھے۔ ادھر کتاب عیون الاثر میں جو قول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تمام مکانات ہجرت کے پہلے سال میں ہی تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس میں ہے کہ۔ ہجرت کے پہلے سال میں مسجد نبوی اور آنحضرت ﷺ کے مکانات تیار ہو گئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے ان تمام زمینوں میں جو کسی کی ملک نہیں تھیں مہاجروں کے لئے نشان لگا دیئے اسی طرح ان زمینوں میں بھی جو انصاریوں نے آپ کو ہبہ کیں اور ان جگہوں پر ان مہاجروں کو بسا دیا جو قبا میں کسی انصاری کے یہاں ٹھہرے اور پھر وہاں مکان بنانا ممکن نہ دیکھ کر مدینہ چلے آئے تھے۔

عبداللہ ابن زید ہزلی کہتے ہیں کہ عمر ابن عبدالعزیز نے خلیفہ ولید ابن عبدالملک کے حکم پر جب آنحضرت ﷺ کی بیویوں کے مکانات ڈھائے تو میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ولید ابن عبدالملک کا اس بارے میں یہ فرمان آیا تھا کہ ان مکانات کو گرا کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا جائے۔ مدینہ والوں کو جتنا غمزدہ اور زار زار روتے ہوئے اس دن دیکھا جب یہ حکم نامہ پہنچا اتنا کبھی نہیں دیکھا گیا۔

ازواج کے حجروں کی شان ...... یہ حجرے کل ملا کر نو تھے جن میں سے صرف چار اینٹوں کے بنے ہوئے تھے مگر ان کی چھتیں بھی کھجور کی ٹہنیوں کی تھیں اور ان کے اوپر مٹی بچھا دی گئی تھی۔ باقی حجرے پورے کے پورے ہی کھجور کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے تھے سوائے حضرت اُمّ سلمہؓ کے حجرے کے کہ انہوں نے اپنا حجرہ پکّا بنالیا تھا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ آنحضرت ﷺ جب دومتہ الجندل کے غزوہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت اُمّ سلمہؓ نے اپنا حجرہ پختہ بنوالیا) آپ وہاں سے واپس تشریف لائے تو اپنی ازواج میں سے سب سے پہلے حضرت اُمّ سلمہؓ کے یہاں ہی تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے پکّا مکان دیکھا تو اُمّ سلمہؓ سے پوچھا۔

"یہ مکان کیسا ہے!"

انہوں نے عرض کیا۔

"میں نے لوگوں کی نظروں سے پردہ رکھنے کے لئے یہ مکان بنالیا ہے!"

مال مومن کا بدترین مصرف ...... آپ نے فرمایا۔

"ایک مسلمان کا مال خرچ ہونے کی بدترین صورت مکان کی تعمیر ہے۔"

اسی سلسلے میں حضرت سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص خطہ ہے جس کا نام منعمان ہے یعنی سزاؤں کا خطہ۔ جب کوئی شخص حرام مال کماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر گارا اور پانی یعنی تعمیر کا خرچ مسلط فرما دیتا ہے اور اس طرح وہ شخص اپنے اس مال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاپاتا۔

آپ کے جو مکانات خالص کھجور کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے تھے ان کی دیواروں پر باہر سے کمبل اور ٹاٹ ڈھک کر پردہ کر دیا گیا تھا ایسے حجرے پانچ تھے جو خالص کھجور کی چھال کے بنے ہوئے تھے ان میں پتھر استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا البتہ ان پر مٹی لیپ دی گئی تھی۔ ان کے دروازوں پر ٹاٹ وغیرہ کے پردے پڑے ہوئے تھے (جو کواڑوں کے قائم مقام تھے) ایسے دروازوں کو پلانس کہتے ہیں۔ ان پردوں کو ناپا گیا تو ایک ایک پردے کی چوڑائی ایک ہاتھ اور لمبائی تین ہاتھ تھی۔

مگر علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام مکانات پتّیوں اور چھال کے بنے ہوئے تھے جن کے اوپر مٹی لیپ دی گئی تھی۔ البتہ ان میں سے ایک آدھ اینٹوں کا تھا مگر چھتیں سب کی کھجور کی چھال کی ڈالی ہوئی تھیں۔ جہاں تک خود رسول اللہ ﷺ کے حجرے کا تعلق ہے تو اس کے اوپر بالوں کا کپڑا ڈھکا ہوا تھا جس کو عرعر کی لکڑی سے باندھا گیا تھا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

جب ولید نے ان حجروں کو توڑنے کا حکم بھیجا تو لوگوں پر بہت اثر ہوا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش ان حجروں کو نہ توڑا جاتا کہ عام لوگ بھی اپنے لئے عمدہ مکانات نہ بنا سکتے بلکہ دیکھتے کہ اللہ کے نبی کس طرح رہتے تھے جب کہ آپ کے ہاتھ میں ساری دنیا کے خزانوں کی کنجیاں تھیں۔ (ی) یعنی ان حجروں کو دیکھ کر لوگوں میں بڑے بڑے اور آرام دہ مکانات بنانے کا جذبہ نہ پیدا ہوتا جن کے ذریعہ وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔

وسائل آسائش سے ناپسندیدگی...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ مدینہ کے ایک بازار میں تشریف لے گئے وہاں آپ نے ایک عمدہ رہگزار دیکھی۔ آپ نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ ایک انصاری مسلمان کا راستہ ہے۔ اسی وقت اتفاق سے وہ شخص وہاں آگیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد کئی بار ایسا ہی ہوا۔ آخر اس مسلمان کو اصل واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اسی وقت اس کو گرا کر توڑ دیا۔

ازواج کے حجروں کے متعلق حسن بصریؒ کی روایت...... حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جب میں قریب البلوغ لڑکا تھا تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے مکانات میں جایا کرتا تھا۔ ان حجروں کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ اس وقت بھی جب کہ میرا قد بھی بہت چھوٹا تھا میں انہیں ہاتھ سے چھو لیا کرتا تھا۔

حضرت حسن بصری کی پیدائش یقینی طور پر اس وقت ہوئی تھی جب کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دو سال باقی تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی اُم سلمہؓ کی باندی کے بیٹے تھے جن کا نام خیرہ تھا۔ حضرت اُم سلمہؓ ان کو صحابہ کرام کے پاس بھیجا کرتی تھیں جو ان کو برکت کی دعائیں دیا کرتے تھے۔ وہ ان کو حضرت عمرؓ کے پاس بھی لے گئیں انہوں نے ان الفاظ میں حضرت حسن بصری کے لئے دعا کی کہ اے اللہ! ان کو دین کا تفقّہ یعنی سمجھ اور لوگوں میں محبوبیت عطا فرما۔

حضرت حسن بصریؒ...... حضرت حسنؒ کے والد ان قیدیوں میں سے ایک قیدی تھے جن کو حضرت خالد ابن

ولیدؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانے میں فارس کی جنگ میں شکست دے کر اور گرفتار کر کے لائے تھے۔ حضرت حسن نے براہ راست حضرت علیؓ سے روایتیں بیان کی ہیں کیونکہ حضرت علیؓ کے مدینہ سے کوفہ کو چلے جانے سے پہلے ان کی عمر چودہ سال کی تھی اس وقت حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہو چکی تھی۔ ایک مرتبہ ان سے کسی شخص نے کہا۔

"اے ابو سعید! آپ یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ایسے فرمایا حالانکہ آپ نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ نہیں پایا!"

حضرت حسنؒ نے جواب دیا۔

جن حدیثوں کے بارے میں تم نے مجھے یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ایسے فرمایا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایتیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں ایسے زمانہ میں ہوں کہ مدینہ میں بیٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لے سکتا۔"

اس کی وجہ حجاج ابن یوسف کا خوف تھا جو حضرت علیؓ کا جانی دشمن تھا۔ بڑے بڑے محدّثین جیسے امام ترمذی، نسائی، حاکم، دار قطنی اور ابو نعیم نے حضرت علیؓ سے حضرت حسن کی روایتیں جمع کی ہیں جو حسن بھی ہیں اور صحیح بھی ہیں۔ اس قول سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسنؒ نے حضرت علیؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس تردید کی وجہ یہ اصول ہے کہ کسی چیز کو ثابت کرنے والا قول اس کو رد کرنے والے قول کے مقابلے میں مقدم اور قابل قبول ہوتا ہے (لہٰذا یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے روایتیں سنی ہیں) یا پھر اس انکار کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حسنؒ نے حضرت علیؓ کے مدینہ سے جانے کے بعد ان سے کوئی حدیث نہیں سنی (لہٰذا اس صورت میں دونوں باتوں میں کوئی اختلاف ہی نہیں رہتا)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت حسنؒ کے کلام میں جو زبردست فصاحت اور حکمت تھی وہ اس دودھ کے چند قطروں کی برکت تھی جو انہوں نے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی چھاتیوں سے پیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حسنؒ کی والدہ خیرہ اکثر گھر میں نہیں ہوتی تھیں اور یہ بھوک سے روتے رہتے تھے ایسے میں حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ ان کے منہ میں اپنی چھاتیاں دیدیا کرتی تھیں جس سے وہ بہل جاتے تھے۔ اسی میں کبھی ایسا ہوتا کہ چھاتی میں دودھ آجاتا جسے وہ پی لیتے تھے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت حسنؒ بصرہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ خوبصورت بھرے ہوئے بدن کے اور لمبے قد کے تھے۔ یہاں تک ابن کثیر کا حوالہ ہے۔ وہ جب کبھی سامنے پڑتے اور کہیں ملتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے آرہے ہیں یعنی ان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر اس قدر رہتا تھا) کہیں بیٹھتے تو ایسا لگتا جیسے کسی ایسے معاملے میں گرفتار ہیں جس میں ان کی گردن ماردی جائے گی۔ اور ان کے سامنے جہنم کا ذکر آجاتا تو ایسا لگتا جیسے دوزخ صرف ان کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔

حجروں کے لئے قطعات...... واقدی سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے قریب اور اس کے چاروں طرف حارثہ ابن نعمان کے مکانات تھے۔ آنحضرت ﷺ جب بھی کوئی نکاح فرماتے تو حضرت حارثہ اپنا ایک مکان یعنی حجرہ آپ کو ہبہ کر دیتے جس میں آپ کی بیوی کا قیام ہو جاتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ حضرت حارثہ نے اپنے

سارے مکان اسی طرح آنحضرت ﷺ کو ہبہ کر دیئے۔ مگر یہ بات کتاب عیون الاثر کے اس گزشتہ حوالے کے خلاف ہے جس میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام مکانات ہجرت کے پہلے سال میں ہی بن گئے تھے۔

غرض پھر آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی حضرت عثمانؓ ابن مظعونؓ کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی قبر پر پانی کے چھینٹے دیئے جائیں اور یہ کہ قبر کے سرہانے ایک پتھر رکھ دیا جائے۔ آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک پتھر اٹھا کر لائے اس نے پنی طاقت سے دوگنا پتھر اٹھایا۔ آپ فوراً اس کی طرف بڑھے اور پتھر اس کے کاندھے پر سے اتار کر قبر کے پاس لائے اور سرھانے رکھ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اس پتھر کے ذریعہ مجھے اپنے بھائی کی قبر معلوم رہے گی اور میرے گھر والوں میں سے جو مرے گا اس کو یہیں دفن کروں گا۔

آپ کے صاحبزادے اور حضرت عثمان ابن مظعون کا انتقال...... چنانچہ اس کے بعد جب آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ نے ان کو حضرت عثمان کی پائینتی میں دفن کیا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعون کی لاش کو بوسہ دیا اور میں نے دیکھا کہ آپ کے آنسو حضرت عثمان ابن مظعون کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

میت پر نوحہ و ماتم کی ممانعت...... کتاب استیعاب میں یہ ہے کہ ان کا انتقال غزوۂ بدر میں شرکت کے بعد ہوا۔ ان کو غسل دیئے جانے اور کفنائے جانے کے بعد آپ نے ان کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ دیا۔ مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ان کے انتقال پر عورتیں رونے لگیں۔ حضرت عمرؓ ان کو خاموش ہو جانے کا حکم دے رہے تھے۔ آپ نے یہ دیکھ کر فاروق اعظم سے فرمایا کہ نرمی اختیار کرو۔ پھر آپ نے عورتوں سے فرمایا۔

"یہ نوحہ و ماتم اور بلند آوازی شیطان کا شیوہ ہے تم اس سے بچو۔ ایسے موقعہ پر جو کچھ آنکھ سے بہتا ہے وہ اللہ کی طرف سے اور نرم دلی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہاتھوں اور زبان سے ہوتا ہے (یعنی بین کرنا اور نوحہ کرنا) وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

حضرت عثمان کی بیوہ نے کہا جو خولہ بنت حکیم تھیں۔ ایک قول ہے کہ اُمّ علا انصاریہ نے کہا جن کے یہاں حضرت عثمان مدینہ آکر اترے تھے۔ ایک قول ہے کہ اُمّ خارجہ بن زید نے لاش کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے ابو سائب! تمہیں جنت میں پہنچنا مبارک ہو۔"

آنحضرت ﷺ نے ان کو غصہ کی نظر سے دیکھا اور پوچھا۔

"تمہیں جنت میں پہنچنے کا حال کیسے معلوم ہے۔"

انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کے ساتھی اور فدائی تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"مجھے اپنے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا!"

اس پر لوگوں کو حضرت عثمان پر بہت ترس آیا اور وہ ان کے لئے دعا کرنے لگے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عثمان ابن مظعون کی بیوی خود بنت حکیم میرے پاس آئیں وہ کافی پریشان نظر آتی تھیں۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے تو انہوں نے کہا۔

"میرے شوہر یعنی عثمان ابن مظعون ساری رات نمازیں پڑھتے رہتے ہیں اور دن بھر روزے سے

رہتے ہیں!

اسی وقت رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ ﷺ کے پاس تشریف لے آئے۔ حضرت عائشہ نے یہ بات آپ کو بتلائی تو آپ عثمان سے ملے اور فرمایا۔

"اے عثمان! ہمارے دین میں رہبانیت اور دنیا سے بے تعلق ہو جانا ہرگز نہیں ہے کیا میرا عمل تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے۔ خدا کی قسم تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور حدود کا خیال کرنے والا میں ہوں۔

آپ نے حضرت عثمان کو سلف صالح فرمایا۔ چنانچہ اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے دفن کے وقت آپ نے فرمایا۔

"میں تمہیں سلف صالح کے پاس چھوڑتا ہوں۔"

اسی طرح آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب کو دفن کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے سلف صالح عثمان ابن مظعون کے پاس جا رہو۔

<u>اسعد ابن زُرارہ کی وفات</u>...... غرض اسی عرصہ میں حضرت اسعد ابن زرارہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات پر آنحضرت ﷺ بہت زیادہ غمزدہ اور افسردہ خاطر ہوئے۔ یہ بنی نجار کے نقیب اور نمائندے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی وفات کے بعد بنی نجار کا کوئی دوسرا نقیب متعین نہیں فرمایا۔ حالانکہ ان لوگوں نے آپ سے آکر عرض کیا۔

"ان کی جگہ ہمارے لئے کسی اور کو نقیب متعین فرما دیجئے جو ہمارے معاملات کی نمائندگی کیا کرتے۔"

اس پر آپ نے ان سے فرمایا۔

"تم میری یعنی میرے دادا کی ننہال والے ہو اور میں ہی تمہار النقیب ہوں۔"

آنحضرت ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ ایک کو دوسروں کے مقابلے میں خصوصیت اور اہمیت دیدیں اور پھر وہ بات ان میں فخر و غرور کا باعث بن جائے۔ ان کے بارے میں ایک روایت اور بھی ہے۔ یعنی ان ہی ابوامامہ اسعد ابن زُرارہ کو ابن مندہ اور ابو نعیم نے بنی ساعدہ کا نقیب بتلایا ہے مگر اس بارے میں ان دونوں کو وہم اور مغالطہ ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہر قبیلے کا نقیب اسی قبیلے کے کسی آدمی کو بنایا کرتے تھے دوسرے قبیلے کے آدمی کو نہیں چنانچہ بنی ساعدہ کے نقیب حضرت سعد ابن عبادہ تھے۔

ایک قول ہے کہ حضرت براء ابن معرور رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے پھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ اپنے صحابہ کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز جنازہ پڑھی۔ پھر آپ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَارْضَ عَنْہُ وَقَدْ فَعَلْتَ

ترجمہ: اے اللہ! تو ان کی مغفرت فرما ان پر رحمت فرما ان کو اپنی خوشنودی عطا فرما۔ اور بے شک تو یہ معاملہ ان کے ساتھ فرما چکا ہے۔

اب اگر نماز سے نماز کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو یہ پہلی نماز ہے جو اسلام میں کسی مردہ کے لئے پڑھی گئی ویسے نماز سے صرف دعا بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ تو گویا اگر یہاں نماز سے مراد حقیقی نماز ہے تو یہ پہلی نماز

جنازہ ہے اور اگر یہاں نماز سے مراد دعا ہے تو پھر یہ بات کتاب استاع کے قول کے مطابق ہے جس میں ہے کہ میں نے کسی سیرت کی کتاب میں نہیں پڑھا کہ نماز جنازہ کب فرض ہوئی۔ اس بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی کہ آپ نے حضرت عثمان ابن مظعون کی نماز جنازہ پڑھی جو ۲ھ میں فوت ہوئے۔ اسی طرح اسعد ابن زرارہ بھی ہیں جن کی وفات 1ھ میں ہوئی مگر ایسی کوئی روایت نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپ نے ان کی حقیقی نماز جنازہ پڑھی۔ یہ بات پیچھے بھی بیان ہو چکی ہے اور اس میں جو اشکال ہے وہ بھی گزر چکا ہے۔

یہود مدینہ سے صلح کا معاہدہ...... اسی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصاری مسلمانوں کے سامنے ایک تحریر لکھوائی جس میں یہودیوں سے صلح کا معاہدہ کیا گیا۔ ان یہودیوں میں ان کے قبیلوں میں سے بنی قینقاع بنی قریظہ اور بنی نضیر شامل تھے۔ آپ نے ان سے دوستی واشتی کا یہ معاہدہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے کبھی جنگ نہیں کریں گے اور کبھی ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں وہ کبھی کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ نیز یہ کہ اگر اچانک مسلمانوں پر کوئی حملہ ہو تو یہ یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور آپ کی مدد کریں گے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی طرف سے یہودیوں کی جان و مال اور ان کے مذہبی معاملات میں آزادی کی ضمانت دی۔ کتاب عیون الاثر میں اس تحریر کو جوں کے توں نقل کیا گیا ہے۔

مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ...... ادھر اسی زمانے میں آنحضرت ﷺ نے مہاجر اور انصاری مسلمانوں کے درمیان محبت اور خلوص کا رشتہ مضبوط اور پائیدار کرنے کے لئے برادرانہ رشتے قائم فرمائے جس کو مواخاۃ یا رشتۂ اخوت یعنی بھائی چارہ کہتے ہیں۔ بھائی چارہ کا یہ قیام انس ابن مالکؓ کے مکان پر ہوا۔ یہ مکان اصل میں ابو طلحہ کا تھا جو اُمّ انس کے شوہر تھے ابو طلحہ کا نام زید ابن سہل تھا یہ ایک جنگ کے سلسلے میں غازی کی حیثیت سے ایک کشتی میں سمندری سفر کر رہے تھے کہ وہیں ان کی وفات ہو گئی۔ ان کے ساتھیوں نے ان کی لاش کو کشتی میں رکھا اور اس انتظار میں رہے کہ کوئی جزیرہ ملے تو ان کو اس میں دفن کر دیں۔ آخر ایک ہفتے کے بعد ان کو ایک جزیرہ نظر آیا اور اس میں ان کو دفن کر دیا۔ مگر سات دن تک لاش کو بغیر کوئی دوا لگائے رکھنے کے باوجود وہ خراب نہیں ہوئی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ چونکہ اکثر غزوات اور جنگوں میں مصروف رہتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں زیادہ روزے نہیں رکھا کرتے تھے پھر جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو اس کے بعد یہ لگاتار روزے رکھنے لگے۔

آنحضرت ﷺ نے مہاجروں اور انصاریوں کے درمیان بھائی چارہ کا جو یہ رشتہ قائم فرمایا یہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد کا واقعہ ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس وقت مسجد کی تعمیر جاری تھی۔ یہ بھائی چارہ ہمدردی و غم خواری اور حق کی بنیاد پر کیا گیا کہ اس بھائی چارہ کے تحت بنے ہوئے بھائی رشتے داروں اور عزیزوں کے مقابلے میں اپنے اس شرعی بھائی کا ترکہ اور میراث اس کی موت کے بعد پائیں گے۔ چنانچہ اس بھائی چارہ کے وقت آپ نے مہاجروں اور انصاریوں سے فرمایا۔

"اللہ کے نام پر تم سب آپس میں دو دو بھائی بن جاؤ۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ ابن جوزی نے زید ابن ابی اوفی سے روایت کیا ہے جو کہتے ہیں کہ میں

ایک روز مدینہ منورہ کی مسجد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اچانک آپ نے صحابہ کو پکارنا شروع کیا کہ فلاں کہاں ہے اور فلاں کہاں ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ موجود نہیں تھے آپ نے ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجے۔ آخر جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا۔

میں تمہارے سامنے ایک بات کہتا ہوں اس کو ذہن نشین کر کے یاد رکھو اور اپنے بعد والوں کو بھی سنادینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ایک مخلوق کو انتخاب فرمالیا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ الاٰيۃ پ ۷ اسورۂ حج ع ۱۰

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے جن فرشتوں کو چاہے احکام پہنچانے والے مقرر فرمادیتا ہے اور اسی طرح آدمیوں میں سے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت تلاوت کر کے آپ نے فرمایا۔

"میں بھی تم میں سے اس شخص کو انتخاب کرتا ہوں جو میرے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور تمہارے درمیان اسی طرح بھائی چارہ قائم کرتا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا ہے۔ اے ابو بکرؓ اٹھو!"

صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ میں بھائی چارہ...... چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اٹھے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ تب آپ نے فرمایا۔

"تمہارے لئے میرے پاس اللہ کا ہاتھ ہے یعنی اللہ کے لئے تمہارے مجھ پر احسانات ہیں جن کا صلہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں دے گا۔ اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو تمہیں ہی بناتا۔ کیونکہ تم میرے نزدیک ایسے ہو جیسے میرے بدن پر میری قمیض!"

اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے ہاتھ سے قمیض کو ہلایا۔ اس کے بعد پھر آپ نے فرمایا۔

"اے عمر! میرے قریب آؤ!"

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر حکم کی تعمیل کی اور آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔

"اے ابو حفص! اسلام سے پہلے تم ہمارے خلاف بہت زیادہ سخت تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اسلام کو تمہارے یا ابو جہل کے ذریعہ عزت و سربلندی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خوش بختی تمہارا مقدر فرمادی اور اس طرح گویا ابو جہل عمرو ابن ہشام اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ نے تمہیں پسند فرمایا۔ پس تم جنت میں میرے ساتھ اس امت کے تین آدمیوں میں سے تیسرے ہوں گے۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرمادیا۔ یہاں تک ابن جوزی کا کلام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجروں اور انصاریوں کے درمیان جس طرح ہجرت سے پہلے بھائی چارہ قائم فرمایا اسی طرح ہجرت کے بعد بھی برادرانہ رشتے قائم فرمائے۔ مگر یہ بات جب بھی مکمل ہو سکتی ہے جبکہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے علاوہ بھی دوسرے مہاجروں میں بھائی چارہ قائم فرمایا ہو۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ابن ابی اوفی نے اس روایت میں صرف ان ہی دونوں کا ذکر

کر دینے پر بس کی ہے جبکہ ان کے علاوہ دوسروں کے درمیان بھی بھائی چارہ قائم کیا گیا ہوگا۔ مگر اس بارے میں مشہور و معروف روایت یہی ہے کہ یہ شرعی بھائی چارہ دو مرتبہ قائم کیا گیا۔ ایک دفعہ صرف مہاجروں کے درمیان جو ہجرت سے پہلے ہوا اور ایک دفعہ مہاجروں اور انصاریوں کے درمیان جو ہجرت کے بعد ہوا۔ واللہ اعلم

چنانچہ بعض حضرات کے اس قول سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ اس بھائی چارہ کے وقت پچاس مہاجر اور پچاس انصاری مسلمان تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ دونوں کی مشترک تعداد نوّے تھی (یعنی پینتالیس مہاجر اور پینتالیس انصاری تھے) اس بھائی چارہ کے وقت آپ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ میرے بھائی ہیں اس طرح رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ بھائی بھائی ہوگئے۔ پھر آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت خارجہ ابن زید کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ یہ خارجہ ابن زید حضرت ابو بکرؓ کے خسر تھے ان کی بیٹی حضرت ابو بکرؓ کے گھر میں تھیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو عتبان ابن مالک کا بھائی بنایا۔ ابورُوَیم خثعی کو حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا۔ اُسید ابن حضیرؓ کو حضرت زید ابن حارثہ کا بھائی بنایا۔

یہ حضرت اُسید ان لوگوں میں سے ہیں جن کا لقب آنحضرت ﷺ نے رکھا تھا آپ نے ان کا لقب ابو عبس رکھا تھا ان کی آواز بیحد دلکش اور نغمہ ریز تھی اور یہ بڑے عمدہ انداز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ ساتھ ہی یہ انتہائی سمجھ دار اور ذی رائے آدمی تھے حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے سامنے کسی کو آگے نہیں کرتے تھے۔

<u>سعد ابن ربیع کی عالی ظرفی</u>...... اسی طرح آپ نے حضرت ابو عبیدہ اور حضرت سعد ابن معاذ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کو اسعد ابن ربیع کا بھائی بنایا۔ اسی وقت ان سعد ابن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا۔

"میں انصاری مسلمانوں میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوں میں اس مال کو آدھا آدھا تمہارے اور اپنے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے دو بیویاں ہیں میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دوں گا جب اس کی عدّت پوری ہو جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا۔"

حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہاری جان میں تمہارے گھر والوں میں اور تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے!"

کتاب عیون الاثر میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے مہاجر اور انصاری صحابہ میں برادرانہ رشتے قائم فرمائے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر تم سب دو دو بھائی بن جاؤ۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ نے زید ابن حارثہؓ کو حضرت حمزہؓ کا بھائی بنایا تھا اور غزوۂ احد کے دن حضرت حمزہؓ نے زید کو ہی اپنے مال کا نگراں بنایا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کیونکہ یہ دونوں ہی مہاجر صحابہ ہیں (جبکہ یہ بھائی چارہ مہاجروں اور انصاریوں میں قائم فرمایا گیا تھا)۔

غرض پھر آپ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ میرے بھائی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ مگر اس بارے میں بھی وہی اشکال ہوتا ہے کہ یہ بھائی چارہ مہاجر اور انصاری کے درمیان نہ ہوا جبکہ ہجرت سے پہلے آپ نے صرف مہاجروں کے درمیان جو بھائی چارہ قائم فرمایا تھا اس میں جیسا کہ بیان ہوا آپ نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے یہ بھائی چارہ قائم فرمایا تو حضرت علیؓ آپ کے پاس اس حال

میں آئے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ انہوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ میں بھائی چارہ قائم فرمایا مگر مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا۔"

آپ نے فرمایا۔

"تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ اسی طرح آپ نے حضرت جعفر ابن ابو طالب اور حضرت معاذ ابن جبل کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ حضرت جعفرؓ اس وقت حبشہ میں ہی تھے اور یہ بھائی چارہ ان کی عدم موجودگی میں ہوا۔ یعنی جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے مدینہ منورہ آگئے تو اس وقت حضرت معاذؓ نے ان کے سامنے اس بھائی چارہ کا اقرار کیا۔ اس سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت جعفرؓ غزوۂ خیبر کے سال یعنی 7ھ میں حبشہ سے مدینہ آئے تھے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے مدینہ آتے ہی یعنی جعفر کے آنے سے سات سال پہلے کس طرح حضرت معاذ اور ان کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔

اسی طرح آپ نے ابوذر غفاریؓ اور منذر ابن عمروؓ کے درمیان حذیفہ ابن یمانؓ اور عمار ابن یاسرؓ کے درمیان اور مصعب ابن عمیرؓ اور ابو ایوب کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ کتاب استیعاب میں ہے کہ سلمان فارسیؓ اور ابوالدرداءؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا گیا۔

ایک روز حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابوالدرداء کے پاس ان سے ملنے آئے انہوں نے ابوالدرداءؓ کی والدہ کو بہت افسردہ اور بوسیدہ لباس میں پایا۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کا یہ کیا حال ہے۔

اُمّ درداء نے کہا

"تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا کے کسی کام کی ضرورت اور فرصت نہیں ہے!"

یعنی انہیں دینی مشاغل کی وجہ سے اس کی فرصت ہی نہیں کہ وہ میری طرف بھی توجہ دے سکیں۔

یہ سن کر حضرت سلمانؓ نے ابودرداءؓ سے کہا۔

"تم پر تمہارے پروردگار کا حق ہے اور اسی طرح تم پر تمہارے گھر والوں کا بھی حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی حق ہے لہٰذا ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔"

حضرت ابودرداء نے حضرت سلمان کی اس نصیحت کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے بھی ان سے وہی بات فرمائی جو حضرت سلمانؓ نے کہی تھی۔ غالباً حضرت سلمانؓ کے اور حضرت ابودرداء کے درمیان یہ بھائی چارہ حضرت سلمان کے آزاد ہونے سے پہلے قائم کیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی آزادی غزوۂ احد کے بعد ہوئی ہے اس لئے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے وہ سب سے پہلے جس غزوہ میں شریک ہوئے وہ غزوۂ خندق تھا۔

امام احمد نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ اور ابو طلحہؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا مگر پیچھے بیان ہوا ہے کہ آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو حضرت سعد ابن معاذ کا بھائی بنایا تھا۔

انصاریوں کے جذبۂ خیر پر مہاجروں کا رشک...... انصاریوں نے مہاجر مسلمانوں کے ساتھ جو بے مثال معاملہ اور سلوک کیا تھا اس کا مہاجروں پر زبردست اثر تھا چنانچہ مہاجروں نے ایک دفعہ آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہم نے ان جیسے لوگ کبھی اور کہیں نہیں دیکھے جن کے پاس ہم آتے ہیں۔ انہوں نے جس طرح ہمارے ساتھ ہمدردی و غم خواری کی اور جس طرح فیاضی اور اپنائیت کا معاملہ کیا وہ ان ہی کا حق ہے

محنت و مشقت میں وہ ہمیں الگ رکھتے ہیں اور اس کے صلے میں ہمیں برابر کا شریک کرتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آخرت کا سارا اجر یہ تنہا ہی نہ سمیٹ لیں۔"

آپ نے فرمایا۔

" نہیں ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم ان کی تعریفیں اور ان کے لئے دعائیں کرتے رہو گے!"

(ی) یعنی تمہاری طرف سے ان کی تعریفیں اور ان کے لئے تمہاری دعائیں تمہارے لئے ان کے نیک سلوک اور ہمدردی و غم خواری کا بدلہ اور صلہ بن جائیں گی (لہٰذا دونوں کے نیک عمل برابر ہو جائیں گے اور جتنا ثواب ان کو ملے گا اتنا ہی تم کو بھی ملے گا)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ بھائی چارہ کا یہ قیام آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے آپ سے پہلے کسی نبی نے اپنے امتیوں میں اس طرح بھائی چارہ قائم نہیں کیا تھا۔

"**دو مظلوموں کی گلو خلاصی** ...... ایک روز آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو میری خاطر عیاش ابن ربیعہ اور ہشام ابن عاص کو مکہ سے نکال کر لا سکتا ہے۔ (ی) یہ دونوں مکہ میں قریشیوں کے ہاتھوں میں گرفتار تھے اور انہوں نے ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔ اس پر ولید ابن مغیرہ بولے جو مکہ سے خود اپنے والوں کو قید سے نکل کر مدینہ آگئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کو مکہ سے میں نکال کر لاؤں گا۔

چنانچہ اس کے بعد مکہ کے لئے روانہ ہو گئے اور چوری چھپے مکہ میں داخل ہوئے وہاں اتفاق سے ان کو ایک عورت ملی جو کھانا لئے جا رہی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ کی بندی تو کہاں جا رہی ہے اس نے کہا کہ میں ان دونوں قیدیوں کے پاس کھانا لے کر جا رہی ہوں۔ انہوں نے اس عورت کا پیچھا کیا اور وہ جگہ دیکھ لی جہاں وہ دونوں مسلمان قید تھے۔ یہ ایک گھیر تھا جس میں چھت نہیں تھی رات کو یہ وہاں پہنچے اور دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گئے انہوں نے ایک پتھر اٹھایا اور قیدیوں کی رسّی کے نیچے رکھ کر اس پر تلوار ماری اور رسّیاں کاٹ ڈالیں۔ پتھر کو چونکہ عربی میں مردہ کہتے ہیں اس لئے اس واقعہ کے بعد سے ان کی تلوار کو ذوالمردہ کہا جانے لگا تھا۔

غرض اس کے بعد انہوں نے ان دونوں کو اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود اونٹ کو مہار پکڑ کر پیدل چلے راستے میں ان کے پیر میں ٹھوکر لگی اور پیر میں خون نکل آیا۔ اس پر انہوں نے موقعہ کے مطابق اور تشبیہ کے طور پر یہ شعر پڑھا۔

هل انت الا اصبع دمیت

وفی سبیل اللہ مالقیت

یہ شعر اور اس کا ترجمہ اٹھارہویں قسط میں گزر چکا ہے غرض اس کے بعد یہ ولید ان دونوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ اس روایت سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ عیاش ابن ربیعہ فتح مکہ کے وقت تک قریش کی قید میں رہے تھے۔

ولید کے چھٹکارہ کے لئے آپ کی دعا...... آنحضرت ﷺ نے خود ولید کے لئے دعائے قنوت میں یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ولید ابن ولید کو رہائی اور نجات عطا فرما۔ یعنی آپ کی یہ دعا اس وقت کی ہے جبکہ خود ولید

ابن ولید کو اپنی مکہ کی قید سے چھٹکارا نہیں ملا تھا۔ کیونکہ یہ ولید غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔ ان کو عبداللہ ابن جحش نے گرفتار کر لیا تھا۔ پھر ان کی رہائی اور فدیہ دینے کے لئے ان کے بھائی خالد اور ہشام آئے۔ ان میں خالد ان کے باپ شریک بھائی تھے جبکہ ہشام ان کے سگے بھائی تھے۔ چنانچہ جب عبداللہ ابن جحش نے ضد کی کہ میں ولید کی جان کی قیمت میں چار ہزار درہم سے کم نہیں لوں گا اور خالد اتنی قیمت یا فدیہ دینے سے انکار کرنے لگے تو ہشام نے خالد سے کہا۔

"اصل میں تمہاری اور ولید کی مائیں الگ الگ ہیں اسی لئے تم اتنا فدیہ برداشت کرنے سے انکار کر رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر یہ مجھ سے کوئی بڑے سے بڑا مطالبہ کرتے تو میں اس کو ضرور پورا کرتا۔"

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ ابن جحش سے فرمایا تھا۔

"تم ولید کے بدلہ میں اس کے باپ کی زرہ کے علاوہ کوئی چیز قبول نہ کرنا۔"

اس زرہ میں چاندی کا کام تھا اور اس کی قیمت سو دینار تھی۔ چنانچہ وہ دونوں بھائی زرہ لے کر آئے اور اس کو حضرت عبداللہ کے حوالے کر کے اپنے بھائی یعنی ولید کو رہا کرا کے لے گئے۔ پھر مکہ پہنچ کر یہ ولید ابن ولید مسلمان ہو گئے اس پر ان سے لوگوں نے کہا کہ تم اسی وقت کیوں نہ مسلمان ہو گئے جبکہ تمہارا فدیہ یعنی جان کی قیمت نہیں دی گئی تھی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ کہیں کہ میں قید سے گھبرا کر مسلمان ہوا۔

غرض جب یہ مسلمان ہو گئے تو مکہ والوں نے ان کو قید کر دیا۔ اس کے بعد یہ ایک روز ان کے چنگل سے نکل کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پھر یہ عمرہ قضا میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ پھر انہوں نے اپنے بھائی خالد ابن ولید کو مسلمان ہونے کے لئے لکھا جس کے نتیجہ میں اسلام کا شوق ان کے دل میں گھر کر گیا۔ یہ خالد ان لوگوں میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ کے مکہ پہنچنے کے وقت وہاں سے محض اس وجہ سے فرار ہو گئے تاکہ یہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو نہ دیکھ پائیں۔ اس کی وجہ اسلام اور اہل اسلام سے نفرت و دشمنی تھی۔ آخر آنحضرت ﷺ نے خالد کے متعلق ان کے بھائی ولید ابن ولیدؓ سے پوچھا اور فرمایا۔

"اگر خالد ہمارے پاس آئیں تو ہم ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئیں گے۔ ان جیسے آدمی کو اسلام سے بے خبر نہ رہنا چاہئے۔"

چنانچہ ان کے بھائی ولید نے یہ بات خالد کو لکھ بھیجی (جس پر ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی) جتنے عرصے یہ ولید ابن ولید مکہ میں قید رہے آنحضرت ﷺ روزانہ نماز عشاء کی آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھا کرتے اور یہ دعا مانگتے تھے۔

"اے اللہ! ولید ابن ولید کو نجات عطا فرما۔ اے اللہ! سلمہؓ ابن ہشام کو رہائی عطا فرما۔ اے اللہ! عیاش ابن ربیعہ کو چھٹکارا دلا دے۔ اے اللہ! ہشام ابن عاص کو آزادی عنایت فرما۔ اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔ اے اللہ! بنی مضر پر اپنی تنگی اور گرفت کو سخت فرما دے۔ اے اللہ! ان پر ایسا ہی قحط مسلط فرما جیسا تو نے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط مسلط فرمایا تھا یہاں تک کہ لوگ گندگی کھانے پر مجبور ہو گئے تھے!

غرض آپ اسی طرح کمزور اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے لئے دعائیں فرماتے رہے یہاں تک کہ عیاش ہشام اور ولید کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب ہی مسلمانوں کو مشرکین کے چنگل سے چھٹکارہ عنایت فرما دیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ دعا آنحضرت ﷺ عشاء کی آخری رکعت میں مانگا کرتے تھے۔ مگر بخاری کی ایک میں ہے کہ یہ دعا آپ فجر کی نماز کی آخری رکعت میں فرمایا کرتے تھے۔ اس اختلاف کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو یہ دعا عشاء کی آخری رکعت میں پڑھتے تھے اور کبھی صبح کی آخری رکعت میں۔ یا پھر شاید آپ دونوں نمازوں میں پڑھتے تھے چنانچہ جس راوی نے جس نماز میں دیکھا اسی کے مطابق روایت کر دیا۔ واللہ اعلم

اسلامی بھائی چارہ اور میراث...... غرض اس بھائی چارہ کے قائم ہو جانے کے بعد جو لوگ بھائی بنے تھے تو ان میں سے ایک کی موت کے بعد دوسرا بھائی رشتے داری کے بغیر بھی محض اس بھائی چارہ کی بنیاد پر اس کی میراث کا مالک ہو جاتا تھا۔ آخر غزوۂ بدر کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ آیت ۷۵ پ ۱۰ سورۂ انفال ع ۱۰

ترجمہ: اور جو لوگ رشتے دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ اس بھائی چارہ کا مقصد یہ تھا کہ مہاجروں میں سے وحشت اور غریب الوطنی کا احساس ختم ہو جائے اور اپنے خاندان اور گھر والوں سے علیحدگی اور اس کی یاد کم ہو۔ نیز یہ کہ یہ سب آپس میں بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے لئے طاقت و قوت کا سبب بنیں چنانچہ جب اسلام کو عزت و سر بلندی حاصل ہو گئی اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی ہو گئی نیز مہاجروں کے دلوں سے اجنبیت اور وحشت کا احساس ختم ہو گیا تو وراثت کا یہ حکم بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اب گویا یہ بھائی چارہ صرف ہمدردی و غم خواری کے لئے رہ گیا اور وراثت کے سلسلے میں ہر شخص کے نسبی رشتے دار بھی حقدار ہو گئے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ زید ابن حارثہ کو بھی ابن حارثہ یعنی حارثہ کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ پہلے جب آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا تو ان کو زید ابن محمد کہا جاتا تھا۔ یہ بھائی چارہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد قائم کیا گیا تھا ایک قول اس کے علاوہ بھی ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ زید ابن حارثہ کو زید ابن محمد کہنے کی ممانعت ہونے کی وجہ حق تعالیٰ کا یہ فرمان تھا کہ لوگوں کو ان کے اصل باپ کی نسبت سے پکارا کرو۔ یہی صورت مقداد ابن عمرو کے ساتھ بھی پیش آئی تھی کیونکہ ان کو مقداد ابن اسود کہا جانے لگا تھا اس لئے کہ جاہلیت کے زمانے میں اسود نے ان کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور جس شخص کے باپ کا پتہ نہیں ہوتا تھا اس کو اس کے آقا کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

اسی وجہ سے سالم کو مولیٰ یعنی غلام ابی حذیفہ ابن عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس کہا جانے لگا تھا حالانکہ پہلے ان کو سالم ابن ابی حذیفہ کہا جاتا تھا چنانچہ ابو حذیفہ ان کو اپنے بیٹے کی جگہ سمجھتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید ابن عتبہ کی شادی سالم سے کر دی تھی۔

ایک مرتبہ ابو حذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل ابن عمرو آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہم سالم کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے۔ میں اس کے سامنے آیا کرتی تھی اور وہ اکثر میرے پاس آیا کرتا تھا۔ اب وہ بھی جوان ہو گیا ہے اور ہمیشہ کی طرح میرے پاس آتا رہتا تھا۔ مگر اب میں سمجھتی ہوں کہ اس کے میرے پاس آنے سے ابو حذیفہ کو کچھ شک ہو گیا ہے۔ اب اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔"

آپ نے فرمایا

"اس کو اپنا دودھ پلا کر اپنے اوپر حرام کرلو۔"

(یہ عام مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ایسی حرمت صرف دودھ پینے کی عمر میں ممکن ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا جائے گا)۔

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہا۔

"ہمارا خیال ہے کہ یہ صرف ایک رخصت اور رعایت ہے جو آنحضرت ﷺ نے سالم کے لئے دی ہے۔"

یہ حضرت سالم اولین مہاجروں کو مسجد قباء میں نماز پڑھایا کرتے تھے جن میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ شامل رہے ہیں۔

اس بھائی چارہ کے سلسلے میں کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ مہاجروں اور انصاریوں کے درمیان یہ بھائی چارہ جو قائم کیا گیا تھا اس کے نتیجہ میں ایسے بھائیوں کے درمیان وراثت کا حق بھی قائم ہو گیا تھا مگر یہ حکم اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی پھر منسوخ بھی ہو گیا تھا۔ (یعنی اس حکم کے نتیجہ میں کسی کو اپنے شرعی بھائی کی میراث لینے کا موقعہ نہیں آسکا تھا)۔

اب جہاں تک حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ ایسے بھائی وراثت لیا کرتے تھے یہاں تک کہ آیت پاک وَاُوْلُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ نازل ہو گئی۔ (اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ میراث لینے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا)۔

مگر اس کے معنی اب یہ لئے جائیں گے کہ مسلمان میراث کے اس حکم پر قائم تھے اور اس کے لئے تیار تھے۔ مگر پھر بھی یہاں ایک اشکال رہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حُتّات اور معاویہ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔ پھر جب امیر معاویہ کی خلافت کے زمانے میں حُتّات کا انتقال ہو گیا تو اسی بھائی چارہ کی بنیاد پر امیر معاویہ نے حُتّات کا ترکہ خود لے لیا تھا حالانکہ حُتّات کی اولاد بھی موجود تھی۔

ادھر یہی بات حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں بھی لکھی ہے مگر اس میں شبہ ہے۔ واللہ اعلم

باب سی و ششم

اذان کی ابتداء اور فرضیت

مراد ہے اذان اور اقامت یعنی تکبیر کی ابتداء اور فرضیت۔ یہ دونوں ہی چیزیں اس امت کی خصوصیات میں سے ہیں جیسے کہ اس امت کی خصوصیات میں سے رکوع جماعت اور بلند آواز سے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا ہے۔ گزشتہ امتوں کی نمازوں میں نہ رکوع تھا اور نہ جماعت ہوتی تھی۔ گزشتہ پیغمبر بھی اپنی امتوں کی طرح اپنی نماز توحید کے اقرار اور تسبیح و تہلیل کے ذریعہ شروع کرتے تھے (تہلیل کا مطلب لا الہ الا اللہ کہنا ہے جو توحید خداوندی کا اقرار ہے) نیت باندھنے کے وقت آنحضرت ﷺ کی عادت اللہ اکبر کہنا تھی اس کے سوا نماز شروع کرنے یعنی نیت باندھنے کے سلسلہ میں آپ سے اور کوئی طریقہ نقل نہیں ہے جیسے مثلاً صرف نیت

کر کے ہاتھ باندھ لینا ہو سکتا تھا۔

رکوع اس امت کی خصوصیت ہے...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ رکوع صرف اس امت کی خصوصیت ہے تو اس کے متعلق قرآن پاک کے اس حکم سے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے جو حق تعالیٰ نے حضرت مریم کو دیا تھا اور جس کو قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرَّاکِعِیْنَ پ ۳ سورہ آل عمران ع ۵ آیت ۴۳

ترجمہ: اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

کیونکہ یہاں مراد گڑگڑانا ہے یا مراد صرف نماز ہے رکوع کی یہ شکل نہیں ہے جو اس امت کی نماز میں ہے جیسا کہ ایک قول اس بارے میں یہی ہے۔ مگر کتاب بغوی میں ایک قول ہے کہ اس آیت میں سجدہ رکوع سے پہلے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھا۔ ایک قول اگرچہ یہ بھی ہے کہ تمام شریعتوں میں رکوع سجدے سے پہلے ہی رہا ہے اور یہاں آیت میں وَاسْجُدِیْ اور وَارْکَعِیْ کے درمیان جو واؤ ہے جس کے معنی اور ہیں یہ واؤ ترتیب ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ جمع کے لئے ہے کہ سجدہ اور رکوع دونوں کرو۔ یہاں تک بغوی کا کلام ہے جس کے بعد یہ اختلاف قابل غور ہے (کیونکہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی امتوں کی نماز میں رکوع جاری رہا ہے)۔

بغیر اذان کی نمازیں...... غرض اذان اور اقامت دونوں چیزوں کا وجود ہجرت کے پہلے ہی سال میں ہو گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ دوسرے سال میں ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اذان شروع ہونے سے پہلے لوگ بغیر کسی بلاوے اور پکار کے نماز کا وقت آجانے پر مسجد میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ مکہ میں نماز فرض ہونے کے وقت سے مدینہ کو ہجرت فرمانے تک اور اذان کے لئے مشورہ ہونے تک رسول اللہ ﷺ بغیر اذان کے ہی نماز پڑھتے رہے۔

اذان کب فرض ہوئی...... پھر کہتے ہیں مگر کچھ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان مکہ ہی میں ہجرت سے پہلے فرض ہو چکی تھی۔ طبرانی کی ایک حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معراج کا سفر فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ پر اذان اتاری چنانچہ آپ اذان لے کر آئے اور حضرت بلالؓ کو سکھلائی۔ مگر حافظ رجب نے اس حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے جس کو ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب مجھے معراج کے لئے سفر کرایا گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی۔ اس پر فرشتوں نے یہ سمجھا کہ جبرئیل علیہ السلام ان کو نماز پڑھائیں گے مگر انہوں نے مجھے آگے بڑھادیا اور میں نے نماز پڑھائی۔ مگر اس روایت کے بارے میں علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہی نہیں بلکہ موضوع ہے۔ یہاں تک علامہ وہبی کا حوالہ ہے۔ یہ بات اس بنیاد پر ہو سکتی ہے کہ اذان سے مراد تکبیر ہے جیسا کہ بیان ہوا کہ اذان سے تکبیر مراد ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اذان کے آغاز کے سلسلے میں جو سب سے زیادہ حیرت ناک روایت ہے اس کو ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بیان کیا ہے اس کی سند میں کچھ مجہول راوی بھی ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کے لئے اذان دی تھی۔ علامہ سیوطی سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیا ہجرت

سے پہلے بھی مکہ میں بھی حضرت بلالؓ نے یا کسی اور صحابی نے اذان دی ہے تو علامہ نے جواب دیا کہ اس طرح کی کچھ روایتیں ہیں مگر ان کی سندیں ضعیف ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مشہور قول جس کو اکثر علماء نے صحیح قرار دیا ہے اور جو صحیح حدیثوں سے واضح ہے وہ یہی ہے کہ اذان در حقیقت ہجرت کے بعد فرض ہوئی۔ ہجرت سے پہلے حضرت بلالؓ یا کسی اور نے کبھی اذا نہیں کہی۔

کتاب الدر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنَ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ الآیۃ پ 24 سورۃ حم السجدہ ع ۵

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

اس آیت کے ذیل میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ مؤذنوں کے متعلق ہے اور مکہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ اذان مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ ان آیتوں میں سے ہے جن کا حکم بعد میں نازل ہوا اور آیت پہلے نازل ہو گئی۔ یہاں تک کتاب الدر کا حوالہ ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی جو بات لکھی ہے وہ اسی کے موافق ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان احادیث سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ میں فرض ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے اس سلسلے میں ابن منذر کی وہ روایت بیان کی ہے جو پیچھے گزری کہ آنحضرت ﷺ نماز فرض ہونے کے بعد سے لے کر مدینہ آنے تک اور اذان کے متعلق مشورہ ہونے تک ہمیشہ بغیر اذان نماز پڑھتے رہے۔

اعلان نماز کے لئے مشورہ...... آنحضرت ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کی کیا صورت اختیار کرنی چاہئے ایک مشورہ یہ دیا گیا کہ نماز کا وقت آجانے پر ایک جھنڈا لہرا دیا جایا کرے۔ لوگ جب اس کو دیکھا کریں گے تو سمجھ لیا کریں گے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور ایک دوسرے کو بتلا دیا کریں گے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا۔

پھر آپ کے سامنے یہودیوں کے بوق یعنی بگل کا ذکر کیا گیا جس کو شبور اور قبع بھی کہا جاتا ہے۔ ایک قول ہے قنع لفظ ہے علامہ سہیلی نے اسی کو درست قرار دیا ہے ایک قول کے مطابق یہ لفظ قثع اور ایک قول کے مطابق قثع ہے۔ یہ ایک پھکنا یا سنگھا ہوتا ہے جسے بجا کر یہودی اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو جمع کرتے ہیں مگر آپ نے اس کو بھی ناپسند کیا اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کا طریقہ اور شعار ہے۔

اس کے بعد کسی نے ناقوس بجا کر نماز کا اعلان کرنے کی رائے دی جس سے عیسائی اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو جمع کرتے ہیں مگر آپ نے اس مشورہ کو بھی نامنظور فرمادیا اور کہا کہ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔

پھر لوگوں نے عرض کیا۔ ایک شکل یہ ہے کہ ہم کسی بلند جگہ آگ جلادیا کریں لوگ اس کو دیکھ کر نماز کے لئے جمع ہو جایا کریں گے۔

اعلان نماز کا ابتدائی طریقہ...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مجوسیوں یعنی آتش پرستوں کا طریقہ ہے۔

ایک قول ہے جیسا کہ ابن عمرؓ کی حدیث شیخین نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سب مشورے سننے کے بعد عرض کیا۔

"اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر نماز کے لئے۔ یا نماز کا وقت آجانے کا اعلان کرنے کے لئے کوئی

شخص گشت کر لیا کرے!"

چنانچہ اس رائے کو قبول کر لیا گیا اور حضرت بلالؓ کو اعلان کرنے والا مقرر کیا گیا۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ الفاظ جن سے حضرت بلالؓ نماز کا اعلان کیا کرتے تھے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃ تھے یعنی نماز جمع کرنے والی ہے مگر یہ حضرت عبداللہ کے خواب سے پہلے کی بات ہے۔ جیسا کہ ابن سعد اور سعید ابن منصور نے سعید ابن مسیّب سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو نماز کا وقت ہو جانے کا اعلان کرانے کے لئے بھیج دیا کروں۔ نیز میں نے یہ سوچا تھا کہ ان لوگوں کو کسی بلند برجی یا قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے اعلان کرنے کی ہدایت کر دوں

آنحضرت ﷺ کا یہ ارادہ اس فیصلے سے پہلے کا ہے جو حضرت عمرؓ کے مشورہ پر کیا گیا تھا جس کے بعد آپ نے حضرت بلالؓ کو وہ حکم دیا جس کا پیچھے ذکر ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے ناقوس بجا دیئے جانے کے بارے میں مشورہ کیا اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ چنانچہ اسی مقصد سے لکڑی چھیلی اور تیار کی جانے لگی تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں میں نماز کا اعلان ہوا کرے۔ یہ ناقوس لکڑی کا ہوتا تھا۔ ایک لمبی لکڑی ایک خاص انداز میں تراشی جاتی تھی اور اس پر ایک چھوٹی لکڑی مار کر آواز پیدا کی جاتی تھی۔

<u>عبداللہ ابن زیدؓ کا خواب</u>...... اسی دوران میں حضرت عبداللہ ابن زیدؓ ایک رات سوئے تو ان کو خواب میں اذان۔ (ی) اور تکبیر اقامت کے الفاظ سنائے گئے۔ چنانچہ ان ہی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بجائے جانے کا حکم دیا تو میں نے رات کو خواب میں ایک شخص کو اپنے گرد گھومتے دیکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جبکہ میں سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا میں نے ایک شخص کو گھومتے دیکھا۔ مراد یہ ہے کہ وہ بہت ہلکی نیند تھی جو بیداری سے زیادہ قریب تھی یعنی ان کی روح سونے جاگنے کی درمیانی حالت میں تھیں

علامہ سیوطی نے اس کیفیت کے بارے میں لکھا ہے کہ غالباً یہ وہ حالت اور کیفیت تھی جس میں صاحب حال لوگ عجیب و غریب حقائق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور عجیب و غریب چیزیں سنا کرتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے صحابہ کرام تمام صاحب حال اولیاء اور عارفین کے سردار ہیں۔

<u>کیا یہ حقیقت میں خواب تھا</u>...... (ی) چنانچہ یہی وہ کیفیت اور حالت ہے جو شیخ عبداللہ الولاصی پر طاری ہوئی تھی اور جس کو انہوں نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ میں ایک روز صبح کی نماز میں مسجد حرام میں تھا۔ جب امام نے نیت باندھی تو میں نے بھی اس کے پیچھے نیت باندھ لی۔ اسی وقت مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سامنے نماز پڑھا رہے ہیں اور آپ ﷺ کے پیچھے دس صحابہ ہیں۔ میں نے بھی ان ہی کے ساتھ نماز کی نیت باندھی۔ آنحضرت ﷺ نے پہلی رکعت میں سورۂ مدثر پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ عم تیساء لون پڑھی۔ اسی وقت امام حرم نے سلام پھیرا تو میں اس کیفیت سے چونکا اور میں نے امام کا سلام سن کر پہچان لیا اور خود بھی سلام پھیر دیا۔

چنانچہ خود حضرت عبداللہ ابن زید کا یہ قول بھی اسی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اگر مجھے لوگوں کے یقین نہ کرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں کہتا کہ اس وقت میں سو نہیں رہا تھا بلکہ حقیقت میں جاگ ہی رہا تھا۔ اس شخص کے جسم پر دو سبز رنگ کے کپڑے تھے اور اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا میں نے اس شخص سے کہا۔

"اے بندہ خدا! کیا تو یہ ناقوس فروخت کرتا ہے۔"

اس نے پوچھا۔

"تم اس کا کیا کرو گے۔"

میں نے بتایا کہ ہم اس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا کریں گے۔ اس نے کہا۔

"کیا میں تمہیں اس کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بتلادوں جو اس طریقہ سے زیادہ بہتر ہو۔"

میں نے کہا ضرور بتلایئے

کلمات اذان کی تعلیم ...... ایک روایت میں حضرت عبداللہ کا جواب یوں ہے کہ میں اس کو اس لئے خریدنا چاہتا ہوں تاکہ نماز کی جماعت کے لئے لوگوں کو اس کی آواز سے جمع کر لیا کریں۔ غرض اس شخص نے کہا کہ تم ان الفاظ میں نماز کا اعلان کیا کرو۔

اَللّٰہ اکبر. اللّٰہ اکبر. اللّٰہ اکبر. اللّٰہ اکبر. اشھد ان لا الہ الاّ اللّٰہ اشھدان لا الہ الا اللّٰہ. اشھد ان محمّداً الرسول اللّٰہ. اشھد انّ محمّداً الرسول اللّٰہ. حیّ عَلَی الصَّلاۃ. حَیَّ عَلَی الصَّلاۃ حیَّ عَلَی الفَلاحَ. حی علی الفلاح. اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ

کلمۂ اقامت کا اضافہ ...... حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص کچھ دیر خاموش رہا اور پھر کہنے لگا۔

"جب تم نماز کے لئے تکبیر اقامت کہو تو۔ پورے الفاظ دہراتے ہوئے حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصَّلاۃ دو مرتبہ کہا کرو۔"

مگر اس دوسری مرتبہ اس نے اذان کے جو الفاظ دہرائے ان میں صرف اللہ اکبر اور قد قامت الصَّلاۃ کے الفاظ دو دو مرتبہ کہے باقی الفاظ صرف ایک ایک بار کہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے اس سبز کپڑوں میں ملبوس شخص کو مسجد نبوی کی چھت پر کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ ایک دیوار کے آثار پر کھڑے دیکھا تھا مگر اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ آگے اس کی وضاحت آرہی ہے۔ غرض یہ کہ مسجد کی چھت پر کھڑے ہوئے اس شخص نے اذان دی اور پھر بیٹھ گیا۔ اسکے بعد پھر کھڑا ہوا اور پھر اس نے وہی الفاظ یعنی اذان کے کلمے دھرائے مگر اذان کے کلموں کے علاوہ اس دفعہ اس نے قد قامت الصّلاۃ بھی دو مرتبہ کہا۔

اب اس روایت میں اقامت کے الفاظ دو دو مرتبہ ہیں جبکہ اذان کی طرح اللہ اکبر چار چار مرتبہ ہے۔ جہاں تک مسجد کی چھت پر یا دیوار کے آثار پر کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی شبہ اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ جب اس شخص نے اذان کے کلمات بتلائے تو اس وقت وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے آثار کے قریب کھڑا ہوا ہو لہٰذا روایتوں میں چھت اور آثار دونوں کا ذکر ہے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے خواب کی تصدیق ...... غرض حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ صبح کو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو اپنا خواب سنایا۔

ایک روایت ہے کہ عبداللہؓ رات ہی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے خواب بیان کیا۔ سیرت دمیاطی میں یہی دوسری روایت ہے۔ مگر اس سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ صبح سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ جب صبح قریب تھی یعنی اندھیرے منہ وہ اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس گئے۔ غرض یہ خواب سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"بے شک یہ ایک سچا خواب ہے انشاء اللہ۔ اس لئے تم جا کر وہ سب کلمے جو تم نے خواب میں سنے بلال کو سکھلا دو تا کہ وہ ان کلموں کے ذریعہ اذان دیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند اور اونچی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی آواز زیادہ خوبصورت اور پُر کشش ہے۔"

حضرت بلالؓ پہلے مؤذن ...... بہر حال ممکن ہے ان سب ہی خصوصیات کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے بلال کو اذان دینے کے لئے ترجیح دی ہو غرض حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضرت بلال کے پاس پہنچا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا۔

"اٹھو اور عبداللہ تمہیں جو کچھ ہدایت دیں وہ کرو۔"

چنانچہ میں نے بلال کو اذان کے وہ کلمات بتلائے اور انہوں نے ان کے ذریعہ اذان دی۔ (ی) للذا حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے سب سے پہلے مؤذن ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے موذن عبداللہ ابن زید ہیں۔ امام غزالیؒ نے بھی یہی کہا ہے مگر ابن صلاح نے اس بات سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ کافی تحقیق اور تلاش کے باوجود میں اس دعویٰ کو صحیح نہ پا سکا۔ یہاں تک ابن صلاح کا حوالہ ہے۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ عبداللہ ابن زید وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کئے اور بلال وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے ان کلموں کے ذریعہ اعلان کیا یعنی اذان دی۔

اولین اذان۔ اذان فجر ...... گویا یوں کہنا چاہئے کہ اذان کی فرضیت صبح کی اذان سے شروع ہوئی جب پہلی بار حضرت بلالؓ نے یہ اذان دی تو اس وقت حضرت عمرؓ اپنے گھر میں تھے انہوں نے جیسے ہی اذان کے یہ کلمے سنے وہ اپنی چادر کے پلّے کھینچتے ہوئے تیزی سے مسجد نبوی کی طرف آئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جلدی جلدی پاجامہ پہن کر جھپٹتے ہوئے آئے۔ یہاں پہنچ کر انہیں جب حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

حضرت عمر نے بھی یہی خواب دیکھا تھا ...... "یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا جو عبداللہ ابن زیدؓ نے دیکھا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے بھی خواب میں یہی کلمے سنے ہیں جو بلالؓ ادا کر رہے ہیں۔"

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ ان عبداللہ ابن زید ابن عبد ربہ سے ہم نے سوائے اس حدیث کے اور کوئی صحیح روایت نہیں سنی۔ یعنی اذان کی اس ایک حدیث کے سوا ان سے اور کوئی روایت نقل نہیں ہے۔

ایک روایت ہے کہ عبداللہ نے جو خواب دیکھا تھا بالکل یہی حضرت ابو بکرؓ نے بھی دیکھا تھا۔ ایک قول ہے کہ بالکل یہی خواب سات اور ایک قول کے مطابق چودہ انصاریوں نے بھی دیکھا تھا۔ مگر ابن صلاح نے کہا ہے کہ پوری تحقیق کے باوجود مجھے اس قول کے ثبوت میں کوئی روایت نہیں مل سکی۔ اسی بات کی تائید علامہ نووی نے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بات نہ ثابت ہے اور نہ مشہور و معروف ہے۔ البتہ جو بات ثابت ہے وہ یہی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی چادر کھینچتے ہوئے مسجد نبوی کی طرف جھپٹے تھے۔

کیا اذان کے کلمے معراج میں سنائے گئے تھے ...... ایک قول یہ ہے کہ معراج کی رات میں رسول اللہ

ﷺ نے ایک فرشتے کو اذان کہتے ہوئے سنا تھا چنانچہ ایک حدیث ہے جس کا ایک راوی متروک ہے بلکہ ایک قول کے مطابق یہ حدیث اسی راوی کی گھڑی ہوئی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اذان سکھلانے کا ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس اپنی سواری پر آئے جس کو براق کہتے ہیں۔ وہ آنحضرت ﷺ کو اس پر سوار کرا کے لے گئے یہاں تک کہ آپ اس حجاب اور پردے تک پہنچے جو رحمٰن (یعنی حق تعالیٰ) کے نزدیک ہے آپ یہاں پہنچے ہی تھے کہ اچانک اس پردے میں سے ایک فرشتہ نکلا اور اس نے کہا اللہ اکبر۔ اسی وقت پردے کے پیچھے سے آواز آئی۔

"میرے بندے نے سچ کہا۔ میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ میں ہی سب سے بڑا ہوں۔"

اس کے بعد اس فرشتے نے پوری اذان کے کلمے کہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ ابن زید نے جو خواب دیکھا تھا وہ اسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ آنحضرت ﷺ نے آسمانوں میں اس رات جو کچھ دیکھا تھا وہ زمین پر ان ہی پانچ نمازوں کے لئے سنت اور طریقہ بنے گا جو اسی رات میں فرض ہوئی تھیں۔ (ی) چنانچہ اسی لئے حضرت عبداللہ کا خواب سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ خواب انشاء اللہ بالکل سچا ہے۔

مگر اس بات میں خصائص صغریٰ کے اس حوالے سے شبہ پیدا ہوتا ہے جو پیچھے بیان ہوا کہ اس اذان سے جو آپ کو فرشتے کے ذریعہ پہنچی حقیقی اذان مراد نہیں تھی بلکہ تکبیر مراد تھی۔ چنانچہ اسی بات کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ فرشتے نے ان کلموں میں دو مرتبہ قد قامت الصّلاۃ قد قامت الصّلاۃ یعنی نماز قائم ہو گئی کہا تھا جس پر حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"میرے بندے نے سچ کہا۔ میں نے اس نماز کا فریضہ قائم کیا ہے۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے (اسی معراج کے موقعہ پر فرشتے کے اذان دینے کے بعد) فرمایا گیا۔

"آگے بڑھئے اور آسمان والوں کی امامت فرمایئے جن میں آدم اور نوح علیہما السلام بھی ہیں۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اذان اور اس کے یہ کلمات حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کی اس حدیث کے ذریعہ اجماع واتفاق امت سے ثابت ہو چکے ہیں اس بارے میں علماء امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوائے اس کے جو محمد ابن حنفیہ سے روایت سامنے آئی ہے۔ ابوالعلاء سے روایت ہے کہ میں نے محمد ابن حنفیہ سے کہا۔

"ہم اس بارے میں بات کر رہے ہیں کہ اس اذان کی ابتداء ایک انصاری شخص کے خواب سے ہوئی ہے جو اس نے سوتے میں دیکھا تھا

!ابوالعلاء کہتے ہیں کہ یہ سن کر محمد ابن حنفیہ سخت مضطرب ہو گئے اور انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"تم نے اس چیز کو نشانہ بنایا ہے جو اسلامی شریعت میں اصل کے درجہ میں ہے اور تمہارے دین کی نشانیوں میں سے ایک ہے تم یہ خیال قائم کر کے بیٹھ گئے کہ اتنی اہم چیز محض ایک انصاری شخص کے خواب کی بنیاد پر جاری ہوئی ہے جس خواب کے متعلق سچ یا جھوٹ دونوں کے ہونے کا احتمال ہے اور جو اکثر اضغاث احلام یعنی بدخوابی بھی ہو سکتا ہے!"

ابن علاء کہتے ہیں کہ اس پر میں نے ان سے کہا۔

"مگر عبداللہ ابن زید کی یہ حدیث لوگوں میں بے حد مشہور اور عام ہو چکی ہے!"

ابن حنفیہ نے کہا

"خدا کی قسم یہ حدیث باطل ہے۔" پھر انہوں نے کہا
"مجھ سے میرے والد نے حدیث بیان کی ہے کہ اسراء معراج کی رات میں جبرئیل علیہ السلام نے بیت المقدس میں اذان دی تھی اور تکبیر کہی تھی۔ پھر جب جبرئیل علیہ السلام آپ کو لے کر بیت المقدس سے آسمانوں کی طرف بلند ہوئے تو انہوں نے دوبارہ اذان کہی۔ یہی اذان کے کلمات عبد اللہ ابن زید اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے سنے تھے!"

ان ہی سے ایک روایت میں یوں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ آسمانوں میں ایک خاص جگہ پہنچ کر ٹھہر گئے وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا اور اس سے کہا گیا کہ آپ کو اذان سکھلائے فرشتے نے کہا اللہ اکبر۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے سچ کہا میں اللہ ہوں سب سے بڑا۔ یہاں تک کہ فرشتے نے قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہا۔ اس بارے میں جو اشکال ہے وہ گزر چکا ہے کہ یہ تکبیر ہے اذان نہیں ہے۔

اس روایت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ کلمات جبرئیل علیہ السلام کی زبانی آنحضرت ﷺ تک پہنچ چکے تھے تو پھر آپ کو اس بارے میں صحابہ سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ معراج اس سے بہت پہلے مکہ میں ہوئی تھی۔ للذا بظاہر محمد بن حنفیہ نے آنے والی اس روایت کو اپنی دلیل بنایا ہے جس میں کہ آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ ابن زید کا خواب سنکر فرمایا تھا کہ اس بارے میں تم سے پہلے ہی وحی آچکی ہے۔

ابن حنفیہ کی روایت میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ براق پر ہی اس آخری حجاب اور پردے تک پہنچے تھے۔ یہ بات اسی قول کی بنیاد پر ہے کہ آپ براق پر ہی بلند ہوئے تھے۔ اس بارے میں جو اشکال ہے وہ گزر چکا ہے مگر اس میں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ عروج یا معراج دوسرے کسی موقعہ پر ہوا ہو۔ اس صورت میں یہ بات کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو لے کر ارت کا سفر کیا تو انہوں نے اذان کہی۔ معراج کے گزشتہ واقعہ کے مخالف نہیں رہتی۔ اس میں بھی جو شبہ ہے وہ گزر چکا ہے۔

اسی طرح جبرئیل علیہ السلام کے متعلق حضرت علیؓ کی جو روایت ہے کہ وہ آسمان والوں کے مؤذن ہیں گزشتہ روایت اس روایت کے مخالف بھی نہیں ہوتی کیونکہ (اگرچہ آسمان میں کسی دوسرے فرشتے نے اذان کہی مگر) حضرت جبرئیل کے مؤذن ہونے سے مراد یہ ہے کہ اکثر وہاں کے مؤذن وہی ہیں۔

چنانچہ اس تفصیل کے بعد اب یہ بات اس روایت کے خلاف بھی نہیں رہتی جس میں ہے کہ آسمان والوں کے مؤذن اسرافیل علیہ السلام ہیں اور بیت المعمور میں اُن کے امام میکائیل علیہ السلام ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میکائیل علیہ السلام بیت المعمور میں فرشتوں کی امامت کرتے ہیں۔ مگر حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آسمان والوں کے امام ہیں۔ مگر گزشتہ تفصیل کی بنیاد پر اس روایت سے بھی کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آسمان والوں کا مؤذن بارہ مرتبہ دن بھر میں اور بارہ مرتبہ رات بھر میں اذان دیتا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب نور میں ہے کہ اگر آپ نے معراج کی رات میں اذان ہوتے دیکھی اور سنی تھی تو آپ کو کسی ایسی چیز کی ضرورت ہی نہ تھی جس سے مسلمانوں کو نماز کے لئے جمع کیا جائے۔
اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ ابن زید کے اس خواب سے پہلے آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ

آسمانوں میں آپ نے نماز کے لئے جمع ہونے کا جو طریقہ دیکھا وہ زمین میں بھی ان پانچ نمازوں کے لئے جاری ہو گا جو اسی رات میں فرض ہوئی تھیں۔ لہٰذا اس خواب کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہی طریقہ زمین والوں کے لئے بھی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ بیت المقدس میں جبرئیل علیہ السلام کی اذان سے یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ اذان تو ہجرت کے بعد سامنے آئی ہے کیونکہ ان پانچ نمازوں کے لئے اس کے فرض ہونے سے پہلے ہی بیت المقدس میں اذان کے ہونے سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ مگر یہ سب اشکال اور ان کے جواب اسی صورت میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ یہ مانا جائے کہ معراج میں آپ نے جو کلمے سنے تھے وہ حقیقت میں اذان ہی کے لئے تھے تکبیر اقامت کے لئے نہیں تھے۔ اور اس میں جو اشکال ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے: علامہ قرطبی کے اس قول میں شبہ ہے کہ اگر آپ نے شب معراج میں اذان سنی تھی تو اس سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ آپ کے لئے زمین پر بھی ضروری ہوگی۔ کیونکہ اس سلسلے کی حدیث کے شروع ہی میں صاف طور پر یہ لفظ ہیں کہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اذان سکھلانے کا ارادہ فرمایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی اذان سکھلانے کا ارادہ تھا جو زمین پر پانچ نمازوں کے لئے ضروری ہوگی۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس اذان سے جو شب معراج میں آپ کو سنائی گئی تکبیر اقامت مراد ہے۔

ادھر حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حقیقت میں یہی روایات سرے سے بالکل غلط ہیں کہ آپ نے معراج کی رات میں اذان یا تکبیر سنی تھی۔ اسی وجہ سے اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ بیہقی کے قول کے مطابق یہ صحیح نہیں ہے بلکہ منکر ہے اور صرف زیاد ابن منذر ابوالجارود نے اس کو پیش کیا ہے جس کی طرف جارودی فرقہ کی نسبت کی جاتی ہے اور یہ شخص حدیث کی روایت کرنے کے سلسلے میں متہم ہے اب اسی سے وہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے جو خصائص صغریٰ میں ہے کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آدم علیہ السلام کے عہد میں اور ملکوت اعلیٰ یعنی بلند ترین آسمانوں میں آپ کے نام کو اذان میں ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم

واہی سند کے ساتھ ایک روایت ہے کہ نماز کے لئے سب سے پہلے اذان دینے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جنہوں نے آسمان دنیا میں اذان دی اور اس کو حضرت عمرؓ اور حضرت بلالؓ نے سن لیا اس کے بعد حضرت بلالؓ سے پہلے حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کو اس کی اطلاع دیدی اس کے بعد حضرت بلال پہنچے اور انہوں نے بتلایا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے عمر اس کی اطلاع دے چکے ہیں۔ مگر اس روایت سے کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ممکن ہے اگر یہ روایت صحیح ہے تو) یہ بات حضرت عبداللہ کے خواب کے بعد پیش آئی ہو۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ خواب بیس دن پہلے دیکھا تھا مگر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر نہیں کیا پھر حضرت عبداللہ کے خواب کے بعد جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے پوچھا کہ تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ چونکہ عبداللہ ابن زید نے مجھ

سے پہلے یہ بات خود ذکر کر دی تھی اس لئے مجھے اب یہ بتلاتے ہوئے شرم آئی۔

اذان کا قرآن پاک سے ثبوت...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس میں شبہ ہے وہ ظاہر ہے اس لئے یہ بات قابل غور ہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن زیدؓ سے فرمایا تھا کہ یہ انشاء اللہ سچا خواب ہے۔ لہٰذا ممکن ہے عبداللہ ابن زید کے آنے سے پہلے ہی اس بارے میں آپ کے پاس وحی آچکی ہو چنانچہ اسی وجہ سے اس موقعہ پر جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے آپ نے عبداللہ سے یہ فرمایا تھا کہ اس بارے میں تم سے پہلے ہی وحی آچکی ہے۔ لہٰذا اب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اذان وحی کے ذریعہ ثابت ہوئی ہے صرف عبداللہ ابن زید کے خواب پر ثابت نہیں ہوئی ہے۔

قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ الآیہ پ۶ سورۂ مائدہ ع ۹

ترجمہ: اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کی ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب اذان کے لئے اعلان ہوتا اور مسلمان نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہودی مذاق اڑانے کے لئے کہتے کہ۔ لو یہ کھڑے ہو گئے خدا کرے انہیں کبھی کھڑے ہونا نصیب نہ ہو۔ لو یہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ خدا کرے کبھی انہیں نماز پڑھنا نصیب نہ ہو۔ یہ جملے وہ لوگ ہنس ہنس کر اور مذاق بنانے کے لئے کہتے تھے۔ اس پر ان علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اذان قرآن پاک کی نص سے ثابت ہو رہی ہے صرف خواب ہی کی بنیاد پر نہیں ہے۔ یہاں تک ان علماء کا حوالہ ہے۔

ابو حیان نے اس بات کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ آیت میں لفظ اذا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اذان پہلے ہی شریعت بن چکی تھی اس آیت کے ذریعہ فرض نہیں ہوئی۔ یہاں تک ابو حیان کا حوالہ ہے۔

(ی) مگر یہ نکتہ آفریں تفسیر اسی صورت میں ہے جبکہ یہ مان لیا جائے کہ نماز کے لئے اعلان کے الفاظ سے وہی خاص الفاظ مراد ہیں جو خواب میں بتلائے گئے تھے۔

اذان فجر میں اضافہ

اب پانچوں وقت کی نمازوں کے لئے حضرت بلال اذان دیتے اور ان پانچ نمازوں کے سوا اگر کسی اور اتفاقی حادثہ کے موقعہ پر لوگوں کو جمع کرنا ہوتا مثلاً سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقعہ پر پڑھی جانے والی نماز یا بارش طلب کرنے کے لئے پڑھی جانے والی نماز کے موقعہ پر تو وہ الصّلاۃ جَامِعَۃ کہہ کر اعلان کرتے تھے۔

ایک قول ہے کہ جب حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے تو وہ اشهدان لا اله الا الله کے بعد حیّ علی الصّلاۃ کہا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن ان کے اشهد ان لا اله الا الله کہنے کے بعد فوراً ان کو لقمہ دیتے ہوئے کہا اشهد انّ محمد الرسول الله آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"جس طرح عمر کہہ رہے ہیں تم بھی اسی طرح کہو۔!"

یہ روایت ابن عمرؓ کی ہے جس میں ایک راوی ضعیف ہے۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ حضرت بلالؓ یوں ہی کہا کرتے تھے یعنی اشہد ان محمد الرسول اللہ نہیں کہا کرتے تھے۔ اب ان الفاظ کی وجہ سے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت بلال اس دن اشھد انّ محمد الرسول اللّٰہ کہنا بھول گئے ہوں (بلکہ ان الفاظ کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ یہ کلمہ کہا ہی نہیں کرتے تھے) جب کہ پیچھے گزرا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زید نے ان کو جب اذان سکھلائی تو اس میں یہ کلمہ بھی تھا۔

حافظ ابن حجر نے اس سلسلے میں صاف لکھا ہے کہ اذان کے فرض ہونے کی ابتداء کے متعلق جو حدیث ہے وہ ثابت اور صحیح ہے اور وہ اس حدیث کی قطعاً تردید کرتی ہے۔ (لہٰذا اس حدیث کو اس کے مقابلہ میں قبول نہیں کیا جاسکتا) یہاں تک ابن حجر کا حوالہ ہے۔

ایک قول ہے کہ فجر کی اذان میں حیعلات کے بعد دو مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کا اضافہ حضرت بلالؓ نے کیا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا اور درست قرار دیا۔

اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت بلالؓ جب نماز کے لئے آنحضرت ﷺ کو آپ کے حجرہ مبارک میں سے بلاتے تو وہ باہر سے ہی بلند آواز کے ساتھ الصلوٰۃ کہہ دیا کرتے تھے۔ ایک صبح کو انہوں نے اسی طرح آنحضرت ﷺ کو فجر کی نماز کے لئے بلانے کے لئے پکارا تو ان کو بتلایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سو رہے ہیں۔ اس پر حضرت بلالؓ نے کافی بلند آواز سے پکار کر یہ کلمہ دو مرتبہ کہا۔ اَلصَّلٰوۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم یعنی نماز کے لئے جو بیداری حاصل ہوگی وہ سونے میں حاصل ہونے والی راحت سے بہتر ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس کلمے کو تثویب کہتے ہیں جو ثواب کے لفظ سے نکلا ہے۔ ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو محذورہ کو اذان میں یہ کلمہ بھی سکھلایا تھا اور آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر فجر کی نماز کا وقت ہو تو اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم بھی کہنا مگر اس روایت سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا (یعنی یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ یہ کلمہ خود آنحضرت ﷺ نے شروع کیا تھا) کیونکہ ابو محذورہ کو جو اذان کی تعلیم دی گئی وہ آنحضرت ﷺ کے غزوہ حنین سے واپسی کے بعد کی بات ہے جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کلمہ یعنی اس کا استعمال سنت ہے۔ اس سے بھی کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ شاید یہ بات آپ نے اس کے بعد فرمائی ہے جبکہ آپ حضرت بلالؓ کے اس کلمہ درست قرار دے چکے تھے۔ (یعنی اصل میں یہ کلمہ حضرت بلالؓ کا ہی کیا ہوا اضافہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ں کو درست قرار دیا اور اس کے بعد اس کو ایک سنت قرار دیا۔ لہٰذا اس حدیث سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا) البتہ ی کوئی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ حضرت ابن اُم مکتومؓ بھی اپنی صبح کی اذان میں اس کلمہ کو کہتے تھے جبکہ ان سے پہلے حضرت بلال جو اذان دیتے تھے اس میں وہ یہ کلمہ کہہ دیا کرتے تھے۔ اب اس سے اس قول ، تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ اگر یہ کلمہ یعنی الصلوٰۃ خیر من النوم صبح کی پہلی اذان میں کہہ دیا جائے تو دوسری ان میں اس کو نہیں کہا جاتا۔ واضح رہے کہ حضرت ابن اُم مکتوم اکثر حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اذان دیا کرتے تھے۔

بہت سی حدیثوں میں ایک بات بیان ہوئی ہے اور یہ بات غالباً ان ہی سے لی گئی ہے۔ ان حدیثوں میں

ہے کہ حضرت بلالؓ رات کو اذان دیا کرتے تھے اور جو لوگ روزہ رکھنے والے ہوتے اس آواز پر وہ کھاتے رہتے یہاں تک کہ ابن امّ مکتوم اذان دیتے (جو گویا طلوع فجر کا اعلان ہوتی تھی اور اس پر روزے کا ارادہ کرنے والے کھانے سے رک جاتے تھے) جب کہ بعض دوسری روایتوں کے مطابق یہ ہے کہ رات کو پہلے ابن امّ مکتوم یہ پکارا کرتے تھے کہ اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب تک کہ بلال اذان دیں کیونکہ ابن امّ مکتوم اندھا ہے (یعنی میں نابینا ہونے کی وجہ سے فجر کے طلوع ہونے کے وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا) چنانچہ جب ابن اُمّ مکتوم اذان دیتے تو لوگ کھاتے رہتے اور جب حضرت بلالؓ اذان کہتے تو لوگ کھانے پینے سے رک جاتے (اور روزے کی نیت کر لیتے تھے)۔

اب اس سلسلے میں راجح یعنی ترجیحی بات یہی ہے کہ دونوں اذانوں میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہتے تھے۔ مگر مؤطا کی روایت میں ایک دوسری ہی بات ہے کہ (حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں) مؤذن نے آکر اذان دی تو حضرت عمرؓ کو سوتے ہوئے پایا۔ یہ دیکھ کر اس نے الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ حضرت عمرؓ کو یہ کلمہ اتنا پسند آیا کہ انہوں نے مؤذن کو حکم دیا کہ صبح کی اذان میں اس کلمے کو مستقل کہا جائے۔

کلمۂ تثویب صرف اذان فجر میں...... ترمذی میں ہے کہ بلال حبشیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بھی نماز میں یعنی کسی بھی نماز کی اذان میں سوائے فجر کی اذان کے تثویب یعنی اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا کلمہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ ایک مسجد میں اذان کی آواز سنی اور وہیں نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اسی وقت انہوں نے سنا کہ مؤذن تثویب یعنی یہی کلمہ کہہ رہا ہے حالانکہ وہ فجر کی اذان نہیں تھی۔ یہ سن کر حضرت ابن عمر نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"اس بدعتی شخص کے پاس سے واپس چلو۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔"

بدعات...... مگر اس روایت میں تثویب سے مراد اذان کا یہ کلمہ نہیں ہے۔ بلکہ (ی) حضرت ابن عمرؓ نے مؤذن کو اذان اور تکبیر اقامت کے درمیانی عرصہ میں مسجد کے دروازے پر الصلاۃ الصلاۃ یعنی نماز تیار ہے۔ نماز تیار ہے کہتے سنا تھا۔ یہاں تثویب سے یہی مراد ہے جس کو حضرت ابن عمر نے سنا تھا جیسا کہ بعض علماء نے اس کی تفصیل میں یہی لکھا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس قسم کی نئی باتیں بدعت ہیں جیسے مثلاً اذان اور تکبیر اقامت کے درمیانی وقفے میں مؤذن مسجد کے دروازے پر آکر یوں کہے حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ یعنی نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔

ایک قول ہے کہ یہ بدعت سب سے پہلے جس شخص نے شروع کی وہ امیر معاویہ کا مؤذن تھا۔ وہ اذان دینے کے بعد تکبیر سے پہلے امیر معاویہ کے دروازے پر آکر یہ کلمے کہا کرتا تھا حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ حَیَّ عَلَی الصَّلاۃ حَیَّ عَلَی الفلاح۔ حَیَّ عَلَی الفَلَاحِ یعنی راستی اور نیکی کی طرف آؤ۔ یَرْحَمُكَ اللّٰہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے۔

جہاں تک اذان اور تکبیر کے درمیان مؤذن کے الصلاۃ الصلاۃ کہنے کا تعلق ہے تو یہ بدعت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ خود حضرت بلالؓ بھی اذان کے بعد آنحضرت ﷺ کو بلانے کے لئے کہا کرتے تھے (جیسا کہ بیان ہوا) البتہ جہاں تک اس وقفہ میں حیَّ علَی الصَّلاۃ وغیرہ کہنے کا تعلق ہے تو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایسا کبھی

نہیں ہوا۔

پھر میں نے کتاب درراء الحوادث فی احکام البدع والحوادث دیکھی۔ اس میں اس بارے میں فقہاء کا اختلاف بیان کیا گیا ہے کہ آیا مسلمانوں کے امیر کو اذان اور تکبیر کے درمیان نماز کے لئے اس طرح بلانا جائز ہے کہ مؤذن اس امیر کے دروازے پر آئے اور یہ کہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلاۃ حیَّ علی الفلاح ایھا الامیر! انہوں نے ان کلموں کو تثویب سے تفسیر کیا ہے۔

جن لوگوں نے اس کو جائز یعنی سنت قرار دیا ہے وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب حضرت بلالؓ اذان دے چکتے تو آنحضرت ﷺ کے حجرہ کے قریب آتے اور کہتے حیَّ علَی الصَّلاۃ حیَّ علَی الفلاح یرحمك اللّٰہ (ی) یعنی جیسے امیر معاویہ کے مؤذن کہا کرتے تھے لہٰذا یہ کوئی نئی بات یا بدعت نہیں ہے۔

ایک مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مرض وفات میں آپ کے پاس بلال حبشی حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا۔

"السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاہ الصَّلاۃ یرحمك اللّٰہ۔ یعنی نماز تیار ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں!"

(گویا اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد اس طرح یا ان کلموں کے ساتھ امیر کو بلانا جائز ہے) مگر جو علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب مکہ پہنچے تو ان کے پاس ابو محذورہ آئے (یعنی اذان کے بعد) اور ان سے کہا۔

"امیر المومنین! حیَّ علی الصَّلاۃ حی علی الفلاح!"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

تمہارا برا ہو۔ کیا تم پاگل ہو۔ کیا جس اذان کے ذریعہ تم نے لوگوں کو نماز کی دعوت دی ہے وہ تمہیں کافی نہیں معلوم ہوئی تھی کہ تم اب ہمارے پاس پھر یہ لفظ دہراتے آئے ہو!"

اس روایت کی بنیاد پر یہ علماء کہتے ہیں کہ اگر یہ بات سنت ہوتی تو حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کیوں کرتے (ی) اور یہ بات بھی قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرت بلالؓ کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو عمل تھا وہ حضرت عمرؓ کو معلوم نہ رہا ہو۔ مگر امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر مؤذن مسلمانوں کے امیر کو یوں کہے کہ حیَّ علی الصَّلاۃ حیَّ علَی الفلاح یا امیر المومنین۔ الصلاۃ۔ یرحمک اللہ۔ تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ امیر ہر وقت مسلمانوں کے کاموں میں مشغول رہتا ہے (اس لئے اس طرح اس کو کاموں سے چونکایا جا سکتا ہے چنانچہ اسی لئے عمر ابن عبدالعزیز کا مؤذن ایسا کیا کرتا تھا۔

<u>رافضیوں کا طریقہ</u>...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ بنی بویہ کی حکومت میں رافضی اور شیعہ لوگ اذان میں حیَّ علی الصَّلاۃ حی علی الفلاح کے بجائے یہ کلمہ بھی کہا کرتے تھے۔ حَیَّ عَلَیٰ خَیْرِ الْعَمَلِ یعنی بہترین عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ پھر جب سلجوقی خاندان کی حکومت ہوئی تو انہوں نے مؤذنوں کو اس سے روک دیا تھا بلکہ انہوں نے صبح کی اذان میں مؤذنوں کو اس کے بجائے دو مرتبہ الصلاۃ خیر من النوم کہنے کا حکم دیا۔ یہ 448ھ کا

واقعہ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علی ابن حسینؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنی اذان میں حیّ علی الفلاح کے بعد حیّ علی خیر العمل کہا کرتے تھے۔

(اذان میں اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمدؐ لرسول اللہ کو شہادتیں کہا جاتا ہے) ایک حدیث میں آتا ہے کہ شہادتین میں ترجیع کرنی چاہئے۔ ترجیع اس کو کہتے ہیں کہ شہادتین میں ایک بار آواز ہلکی رکھے اور دوسری بار بلند آواز سے کہے۔ چنانچہ مسلم میں ابو محذورہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے اذان کا طریقہ سکھلائیے۔ آپ نے میرے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا۔

"پہلے ہلکی آواز میں کہو اشهد ان لا اله الا الله . اشهدانّ لا اله الا الله اشهدانّ محمداً رسول الله اشهد انّ محمداً رسول الله !

کلمات اذان میں تکرار...... حضرت ابو محذورہ اذان کی طرح تکبیر کے کلمے بھی دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے اور ان کو دہرا دہرا کر اس طرح کہا کرتے تھے الله اکبر الله اکبر الله اکبر اشهد انّ محمداً رسول الله. حيّ علَى الصّلاة حيّ علَى الصّلاة حيّ علَى الفلاح حيّ علَى الفلاح قد قامت الصّلوٰة قد قامت الصّلوٰة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله آنحضرت ﷺ نے انکو یہ اسی طرح سکھلائے تھے۔ یہ وہی دوسری روایت ہے جو حضرت عبداللہ ابن زیدؓ سے پیچھے گزری ہے۔

امام ابو العباس ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ نقل اور روایت ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو محذورہؓ کو جو اذان سکھلائی تھی اس میں ترجیع تھی اور تکبیر میں بھی اذان کی طرح دو دو مرتبہ کلموں کو دہرایا کرتے تھے اور تکبیر میں ہر کلمہ ایک ایک بار کہا کرتے تھے۔ (ی) اور یہ کہ اذان میں ترجیع نہیں کیا کرتے تھے۔

چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان میں ہر کلمے کو دو دو بار کہیں۔ (ی) مگر اذان کے کلموں کو دہرانے میں بھی شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس میں اللہ اکبر کے کلمے کو دو ہی مرتبہ بتلایا گیا ہو۔ اگرچہ جیسا کہ آگے بیان آئے گا مدینہ والوں کا عمل یہی تھا۔ ہاں البتہ اذان کے کلموں کو دہرانے کے باوجود آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ ہی کہا جائے گا اس کو دو مرتبہ نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اذان کے اکثر کلموں کو دو مرتبہ کہا جاتا ہے اور تکبیر کو ایک مرتبہ کہا جاتا ہے سوائے کلمہ تکبیر یعنی قد قامت الصّلوٰۃ کے کہ اس کو دو ہی مرتبہ کہا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ایسی کوئی صحیح روایت نہیں ہے جس میں اس کلمۂ تکبیر کو ایک ایک بار بتلایا گیا ہو۔ اگرچہ جیسا کہ آگے بیان ہوگا مدینہ والوں کا عمل یہی تھا۔

البتہ ایسی صحیح روایت موجود ہے جس کے مطابق تکبیر میں اللہ اکبر کا کلمہ شروع اور آخر دونوں مرتبہ میں صرف دو دو مرتبہ ہی بتلایا گیا ہے۔ لہٰذا اب یوں کہنا چاہئے کہ تکبیر اقامت میں ہر کلمے کو ایک ایک مرتبہ کہنے سے مراد اکثر حصے کو ایک ایک مرتبہ کہنا ہے۔ چنانچہ تکبیر اقامت ایسے کہا کرتے تھے۔ الله اكبر الله اكبر. اشهد ان لا اله الا الله . اشهد انّ محمداً رسول الله . حيّ علَى الصّلوٰة حيّ علَى الفلاح. قد قامت الصّلوٰة. قد قامت الصّلوٰة. الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله

اس بارے میں فقہاء کے مسلک...... پھر یہ کہ ان کی اذان میں ترجیع نہیں ہوتی تھی۔ ترجیع سے مراد وہی ہے کہ شہادتیں کو دو دو مرتبہ ہلکی آواز میں کہا جائے اور پھر دو مرتبہ بلند آواز سے کہا جائے جیسا کہ بیان ہوا۔ اب

گویا یوں کہنا چاہئے کہ تکبیر اقامت میں کلموں کو ایک ایک بار کہنے کی روایت بھی بلا شبہ درست ہے اور دو دو بار کی نقل بھی بلا شبہ درست ہے اور جیسا کہ معلوم ہوا دونوں ہی روایتیں حضرت عبد اللہ ابن زید سے نقل ہیں۔

امام ابن تیمیہ اور امام احمد وغیرہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت بلال کی اذان اور ان ہی کی تکبیر اقامت اختیار کی ہے۔ (ی) لہٰذا ان کے نزدیک اذان میں ترجیع مستحب نہیں ہے اور تکبیر اقامت میں قد قامت الصلاۃ کے کلمے کو ایک مرتبہ کہنا مستحب خیال کرتے ہیں۔

امام شافعی نے اذان تو حضرت ابو محذورہ کی اختیار کی ہے اور تکبیر اقامت حضرت بلالؓ کی اختیار کی ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک اذان میں ترجیع مستحب ہے اور تکبیر میں ہر کلمہ ایک ایک مرتبہ کہنا مستحب ہے سوائے کلمہ اقامت یعنی قد قامت الصّلوٰۃ کے کہ اس کو دہرانا مستحب قرار دیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اذان تو حضرت بلالؓ کی اختیار کی ہے اور تکبیر اقامت حضرت ابو محذورہ کی لی ہے لہٰذا ان کے نزدیک اذان میں ترجیع مستحب نہیں ہے اور تکبیر اقامت کے الفاظ کو دہرانا مستحب ہے۔

کتاب ھُدیٰ میں ہے کہ امام مالک نے مدینہ والوں کے عمل کو اختیار کیا ہے جو یہ ہے کہ اذان کہتے ہیں۔ (ی) یہ مسلک غالباً اسی عمل کے مطابق ہے جو مدینہ میں ہے۔ ورنہ ابو داؤد میں روایت ہے کہ ابو محذورہ کی اولاد میں جو لوگ ہیں اور جو مکہ میں اذان دیتے ہیں وہ بھی تکبیر اقامت کے اکثر الفاظ کو ایک ایک مرتبہ کہتے ہیں اور اس کو وہ اپنے جد امجد یعنی حضرت ابو محذورہؓ سے نقل کرتے ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ تکبیر اقامت میں اکثر و بیشتر وہ کلموں کو دہراتے تھے (مگر ایک ایک مرتبہ کہنے کا عمل بھی رہا ہے) اب گویا ابو محذورہ کا تکبیر اقامت کے کلموں کو ایک ایک بار کہنا اور ان کا اور ان کی اولاد کا اس پر عمل باقی رہنا آنحضرت ﷺ کے حکم پر راہ ہوگا۔ جو آپ نے ابو محذورہ کو دیا ہوگا جبکہ اس سے پہلے آپ نے ان کو دو دو مرتبہ کا ہی حکم فرمایا تھا۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کا حکم تکبیر اقامت کے کلموں کو دو دو مرتبہ کہنے کے لئے تھا مگر پھر آپ کا آخری حکم یہی تھا کہ ان کلموں کو ایک ایک مرتبہ کہا جائے۔

ابو محذورہ کو اذان کی تعلیم ...... جیسا کہ بیان ہوا امام احمد نے حضرت بلالؓ کی اذان کو اختیار کیا ہے۔ ایک مرتبہ ان سے کہا گیا۔

"کیا ابو محذورہ کی اذان بلال کی اذان سے بعد کی نہیں ہے۔"

(یعنی ابو محذورہ جس طرح اذان دیتے تھے وہ زیادہ صحیح ہونی چاہئے) کیونکہ ان کو آنحضرت ﷺ نے غزوۂ حنین سے واپسی کے وقت اذان سکھلائی تھی جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

چنانچہ اسی کو امام شافعی نے ابو محذورہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو محذورہ کہتے ہیں کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ روانہ ہوا اس وقت ہم حنین کے راستے میں تھے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ حنین سے واپس ہوئے حنین کے راستے میں آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ وہاں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے نماز کے لئے اذان دی ہم اس وقت راستے سے ایک طرف ہٹے ہوئے تھے ہم نے مؤذن کی آواز سنی تو ہم بلند آواز سے اس کی نقلیں اتارنے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے ہماری آواز سن لی۔ آپ نے فوراً ہمیں بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ آخر ہم رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ آپ نے پوچھا۔

"تم میں سے وہ کون ہے جس کی آواز اتنی بلند ہوئی کہ میں نے یہاں سن لی۔"

اس پر سب لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا جس پر آنحضرت ﷺ نے مجھے روک لیا اور باقی سب لوگوں کو جانے کی اجازت دیدی۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر اذان دو۔ مجھے اس وقت آنحضرت ﷺ کی ہر بات اور ہر حکم ناپسند تھا مگر میں آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا تو آپ نے خود بہ نفس نفیس مجھے اذان سکھلائی۔

جب میں اذان کے الفاظ کہہ چکا تو آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنے قریب بلا کر ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا اور ہاتھ کو پیشانی پر سے پھیرتے ہوئے میرے چہرے پر لائے۔ پھر اسی طرح پھیرتے ہوئے اسے میرے سینے پر لائے اس کے بعد جگر تک اور آخر آپ کا ہاتھ میری ناف یعنی سنڈی تک پہنچ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے کاموں میں برکت عطا فرمائے!"

میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے مکہ میں اذان دینے کا حکم فرما دیجئے۔

آپ نے فرمایا میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ان کے دل میں آنحضرت ﷺ کے خلاف جو جذبہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور اس کے بجائے آپ کے لئے محبت و عشق پیدا ہو چکا تھا۔

غرض امام احمد سے لوگوں نے یہ سوال کیا کہ آپ نے بلال کی اذان کو کیوں اختیار کیا جب کہ ابو محذورہ جس طرح اذان دیتے تھے اس کو اختیار کرنا چاہئے تھا کیونکہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بعد میں سکھلائی تھی۔ پھر ان لوگوں نے کہا۔

اس بناء پر بات وہ قبول اور اختیار کرنی چاہئے جو بعد کی ہو کیونکہ (اگر وہ پہلی بات سے مختلف ہو تو) تازہ ترین اور صحیح ترین وہی کہلائے گی۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں مؤذنوں کو اذان سکھلائی۔ ان میں چونکہ ابو محذورہ کو بعد میں سکھلائی اس لئے وہی تازہ ترین اور صحیح ترین کہلائے گی کیونکہ بعد کی بات پہلی بات کو منسوخ کر دیتی ہے۔

اس پر امام احمد نے جواب دیا

"مگر جب آنحضرت ﷺ ابو محذورہ کو اذان سکھلانے کے بعد مدینہ آئے تھے تو یہاں جس طرح حضرت بلالؓ اذان دیتے آرہے تھے اسکو سن کر آپ نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی تھی اور اس طرح اسے درست قرار دیا تھا!"

امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ اذان کے کلموں کو دو دو مرتبہ کہنا اور تکبیر کے کلموں کو ایک بار کہنا بڑے شہروں میں رہنے والے اکثر علماء کا مسلک ہے اور اسی پر حرمین شریفین پورے حجاز، شام و یمن کے شہروں، مصر کے علاقوں اور مغرب کے نواع میں عمل جاری ہے۔ یعنی سوائے مصر کی ان مسجدوں کے جہاں زیادہ تر بحر متوسط کے علاقوں کے لوگ آباد ہیں کیونکہ ان مسجدوں میں تکبیر اقامت کے کلموں کو بھی اسی طرح دو دو مرتبہ کہا جاتا ہے جس طرح اذان کے کلموں کو دہرایا جاتا ہے۔

ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں امام مالک اور رشید کی موجودگی میں امام ابو یوسف نے اس مسئلہ میں امام شافعی سے مناظرہ اور بحث کی۔ امام شافعی نے حضرت بلالؓ اور آنحضرت ﷺ کے دوسرے

تمام مؤذنوں کی اولادوں کو وہاں بلوایا اور ان سے کہا۔

"آپ لوگوں نے اپنے باپ دادا سے کس طرح اذان اور تکبیر اقامت سنی۔"

انہوں نے کہا

"اذان کے کلموں کو وہ دو دو مرتبہ کہتے تھے اور تکبیر اقامت کے کلموں کو ایک ایک مرتبہ کہتے تھے۔ ہم نے اسی طرح اپنے باپ دادا سے سنا اور انہوں نے اپنے باپ دادا سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تھے۔"

• ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نماز کے لئے تکبیر اقامت کہہ رہے تھے جب انہوں نے قد قامت الصلوٰۃ کہا تو آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس نماز کو قائم ودائم رکھے!"

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے اس کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرنا مجھ پر واجب ہو جائے گا۔"

وہ دعا یہ ہے

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَ الصَّلَاۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَاً الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَاً الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ

ترجمہ: اے اللہ! تو پروردگار ہے اس مکمل دعوت یعنی دین کا اور نماز کا۔ تو حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ بنادے اور آپ کو اس بلند تر مقام میں پہنچادے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

مسجد نبوی کے مؤذن...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں صرف دو مؤذن تھے۔ ایک حضرت بلالؓ اور دوسرے ابن اُمّ مکتومؓ۔ پھر جب حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے چار مؤذن کر دیئے اور ان کے بعد پھر لوگوں نے یہ تعداد اور بڑھادی۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بلالؓ کی دل گرفتگی...... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے اذان کہنی چھوڑ دی اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے جہاں وہ ایک مدت تک رہے۔ وہیں ایک روز انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے ان سے فرمایا۔

"یہ کیسی سنگدلی اور کٹھور پن ہے بلال! کیا اب تک ہم سے ملنے کا وقت نہیں آیا!"

حضرت بلالؓ کو اس خواب سے تنبیہ ہوئی اور وہ فوراً مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

ایک عرصہ بعد مدینہ میں پھر اذان بلالؓ کی گونج...... مدینہ پہنچے تو لوگ بیتابانہ ان سے ملے حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور بے تحاشہ رونے اور بے قراری سے سکنے لگے۔ اس کے بعد وہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے پاس پہنچے اور ان کو چومنے اور سینے سے لگانے لگے۔ انہوں نے اور دیگر لوگوں نے حضرت بلالؓ پر بہت زیادہ اصرار کیا کہ ایک بار پھر اذان دیں۔ آخر حضرت بلالؓ راضی ہو گئے۔ جب وہ اذان دینے کے لئے اوپر چڑھے تو مدینہ کے سب لوگ مرد عورت وہاں جمع ہو گئے یہاں تک کہ کنواری دوشیزائیں گھروں سے نکل کر آگئیں تاکہ مؤذن رسول اللہ ﷺ کی اذان ایک مدت بعد پھر سن سکیں۔

حضرت بلالؓ نے اذان شروع کی اور جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو مدینہ شہر لرز اٹھا اور لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ جب انہوں نے اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ کہا تو فرط خوف سے لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اور

پھر جب انہوں نے اشھد انَّ محمداً رسول اللہ کہا تو کوئی جاندار ایسا نہیں تھا جو رسول خدا ﷺ کی یاد میں بلک بلک کر نہ رونے لگا ہو۔ اس دن ایسا لگ رہا تھا جیسے آنحضرت ﷺ کی وفات آج ہی ہوئی ہے۔

اس کے بعد حضرت بلالؓ پھر واپس ملک شام چلے گئے۔ اس کے بعد سے وہ ہر سال ایک مرتبہ مدینہ میں ضرور حاضر ہوتے اور یہاں آکر ایک دفعہ ضرور اذان کہتے۔ یہاں تک کہ اسی دستور اور اسی عادت کے ساتھ آخر ان کی وفات ہوگئی۔ رضی اللہ عنہ۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بعض علماء نے لکھا ہے کہ قباء میں آنحضرت ﷺ کے مؤذن حضرت سعد قرظ تھے پھر آنحضرت ﷺ کی وفات اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت بلالؓ مدینہ چھوڑ کر ملک شام کو چلے گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد قرظ کو بلا کر مسجد نبوی کا مؤذن بنایا۔

صدیق اکبرؓ سے بلالؓ کی درخواست ...... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اے خلیفہ رسول! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مومن کا سب سے بڑا اور افضل عمل اللہ کے راستہ میں جہاد ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو اللہ کے راستے میں وقف کر دوں اور دشمن کی سرحد پر مستقل رہوں یہاں تک کہ اسی حال میں مجھے موت آجائے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

بلال! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔ تمہیں میری حرمت اور میرے حق کا واسطہ کہ تم مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔"

اس پر حضرت بلالؓ نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا بلکہ اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہے جب تک حضرت ابو بکرؓ کی وفات نہ ہو گئی۔ اس عرصہ میں وہی مسجد نبوی میں اذان دیتے رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو پھر حضرت بلالؓ ان کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی بات کہی جو صدیق اکبرؓ نے کہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی ان کو وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ نے دیا تھا مگر حضرت بلالؓ نے اس وقت اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور جہاد کی غرض سے ملک شام کو روانہ ہوگئے۔

بیت المقدس میں بلالؓ کی اذان ...... کتاب انس جلیل میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کیا تو نماز کا وقت آگیا امیر المومنین نے حضرت بلالؓ سے فرمایا۔

"اے بلال! آج تم ہی ہمارے لئے اذان دو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے۔"

حضرت بلال نے عرض کیا۔

امیر المومنین! خدا کی قسم میں نے ارادہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کبھی کسی اور کے لئے اذان نہیں دوں گا مگر چونکہ آپ نے مجھے حکم دیا ہے اس لئے صرف ایک نماز کی اذان دے کر آپ کا حکم بجا لاؤں گا۔"

آنحضرت ﷺ کی یاد میں صحابہ کی بے قراری ...... اس کے بعد جب حضرت بلال نے اذان دی اور صحابہ نے ان کی آواز سنی تو ان کی نگاہوں میں رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک کا نقشہ گھوم گیا اور وہ سب آپ کو یاد کر کے زار و قطار رونے لگے۔ اس روز جو سب سے زیادہ بلک بلک کر روئے وہ حضرت عبیدہ اور حضرت معاذ ابن

جبل تھے۔ یہاں تک کہ آخر حضرت عمرؓ کو انہیں سمجھانا پڑا کہ بس کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ لہٰذا کتاب انس جلیل کے مطابق حضرت بلال نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کبھی اذان نہیں دی سوائے اس موقعہ کے جب کہ حضرت عمرؓ نے ان کو اذان دینے کا حکم دیا تھا۔ یعنی بیت المقدس میں جو اس اذان کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔

مگر یہ بات گزشتہ روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بلالؓ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے پورے زمانے میں اذان دیتے رہے۔ یا اسی طرح وہ روایت جو بیان ہوئی ہے کہ جب وہ ملک شام سے مدینہ آئے تھے اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے اذان دینے کے لئے ان سے اصرار کیا تھا اور انہوں نے اذان کہی تھی۔

اس اختلاف کے دور کرنے کے سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انس جلیل میں جو عبارت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ سے باہر انہوں نے آپ کی وفات کے بعد صرف بیت المقدس میں ہی اذان دی تھی۔ لہٰذا اب حضرت حسن و حسینؓ کے اصرار کا واقعہ اس کے خلاف نہیں رہتا۔ نیز یہ کہ شاید یہ حضرت حسن و حسینؓ کا واقعہ بیت المقدس کی فتح کے بعد کا ہی نہیں بلکہ چاروں خلفائے راشدین کی وفات کے بعد کا ہے۔

ادھر علامہ زین عراقی نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے چاروں خلفائے راشدین میں سے کسی کے لئے بھی اذان نہیں دی سوائے حضرت عمرؓ کے جب کہ وہ شام کی فتح کے وقت وہاں گئے تھے تو حضرت بلالؓ نے اذان دی تھی۔ یہاں تک علامہ زین عراقی کا کلام ہے جو گزشتہ روایت کی روشنی میں قابل غور ہے۔

مؤذنوں کا مرتبہ...... کتاب انس جلیل ہی میں جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا۔

"یا رسول اللہ! مخلوق میں کون سے لوگ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔"

آپ نے فرمایا۔ "انبیاء۔" اس نے پوچھا پھر کون سے لوگ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا "شہید"

اس نے پوچھا ان کے بعد کون۔ آپ نے فرمایا۔ بیت المقدس کے مؤذن!

اس نے کہا ان کے بعد کون۔ آپ نے فرمایا۔ بیت اللہ کے مؤذن!

اس نے کہا ان کے بعد!۔ آپ نے فرمایا میری اس مسجد کے مؤذن!

اس نے کہا پھر ان کے بعد۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تمام مؤذن جنت میں داخل ہوں گے!

علامہ امیری کی شرح منہاج کے ایک نسخہ میں حضرت جابرؓ کی یہی روایت ہے مگر اس میں مسجد حرام کے مؤذن کا ذکر بیت المقدس کے مؤذن سے پہلے ہے۔ بعض دوسری روایتوں میں بھی یہی ہے کہ بیت اللہ کا مؤذن بیت المقدس کے مؤذن سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ ان روایتوں میں سے ایک میں ہے کہ

"میرے بعد سب سے پہلے جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ ابو بکر ہوں گے۔ پھر مسکین اور غریب لوگ ہوں گے پھر مسجد حرام کے مؤذن پھر بیت المقدس کے مؤذن۔ پھر میری مسجد کے مؤذن اور اس کے بعد دوسرے تمام مؤذن اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے جنت میں داخل ہوں گے۔"

کتاب بدور السافرہ میں حضرت جابرؓ سے ہی روایت ہے کہ اس میں بھی آپ نے یہی ترتیب بتلائی جس میں بیت اللہ، بیت المقدس اور مسجد نبوی کے اور پھر باقی مؤذن اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے ذکر ہیں۔

جنت کی پوشاک پہننے والے پہلے شخص...... اسی کتاب بدور السافرہ میں جابرؓ سے ہی روایت ہے کہ سب سے پہلے جس شخص کو جنت کی خلعت و پوشاک پہنائی جائے گی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر حضرت محمدؐ کو پھر باقی نبیوں اور رسولوں کو اور ان کے بعد مؤذنوں کو یہ اعزاز حاصل ہوگا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ اپنے بعد ہمیں اذان کے متعلق جھگڑتا ہوا چھوڑ رہے ہیں!"

آپ نے فرمایا۔

"تمہارے بعد جو لوگ آنے والے ہیں ان میں ان کے پست ترین اور نچلے درجہ کے لوگ مؤذن ہوا کریں گے اور ایسا اسی صورت میں ہوگا۔"

مؤذن کے سر پر اللہ کا ہاتھ...... اس روایت کے بارے میں ایک قول ہے کہ اس روایت کا اگلا حصہ (جہاں نچلے درجہ کا ذکر ہے) منکر ہے۔ علامہ دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ اضافہ محفوظ نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب مؤذن اذان دینے لگتا ہے تو حق تعالیٰ اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیتے ہیں اور جب تک وہ اذان سے فارغ نہیں ہو جاتا رکھے رکھتے ہیں۔ اور اس کی اذان میں بلند آوازی اس کے لئے مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ جب مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میرے بندے نے سچ کہا۔ تو نے حق اور سچائی کی شہادت دی اس لئے تجھے بشارت اور خوش خبری ہو! واللہ اعلم۔

مؤذن کے لئے یہودی کی دریدہ دہنی اور بھیانک انجام...... (قال) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی شخص تھا جو بنی نجار میں سے تھا۔ سدی کی روایت کے مطابق وہ شخص مدینہ کے انصاریوں میں سے تھا۔ ایک دن اس نے مؤذن کو جب یہ کہتے سنا کہ اشھد انّ محمداً رسول اللّٰہ تو اس نے اس پر کہا۔

اللہ اس جھوٹے کو رسوا کرے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اللہ اس جھوٹے کو آگ میں جلا دے۔

اس کے کچھ ہی وقت بعد جبکہ خود وہ یہودی اور اس کے گھر والے سو رہے تھے ان کی نوکرانی چولہا جلانے کے لئے آگ لے کر آئی۔ اچانک آگ میں سے ایک چنگاری اڑ کر گر گئی جس سے گھر میں آگ لگ گئی اور وہ شخص اور اس کے سب گھر والے وہیں جل کر مر گئے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تشریف لے جا رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا لوگوں نے اذان دینے کے لئے حضرت بلالؓ کو بلانے کو کہا مگر چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے کچھ دیر بعد روانہ ہوئے تھے اس لئے وہ نہیں مل سکے لہٰذا حضرت زیاد ابن حرث صدائی نے اذان دی کیونکہ آخر کار آنحضرت ﷺ نے ان کو ہی بلا کر یہ حکم دیا کہ تم اذان دو۔ یہ صداء ملک یمن کا ایک خاندان تھا۔

مومن کے لئے امارت میں کوئی خیر نہیں...... ان ہی زیاد ابن حرث سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے میری قوم پر امیر بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ مومن کے لئے امیر بننے میں کوئی خیر نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بس مجھے یہی بات کافی ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے روانہ ہو گئے اور میں آپ کے ساتھ ساتھ چلا۔ سفر کے دوران آپ کے صحابہ آپ سے پیچھے کچھ فاصلے پر رہ گئے۔ اسی وقت فجر کا وقت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے صدائی بھائی اذان دو چنانچہ میں نے اذان دی۔ اس کے بعد جب نماز کھڑی

ہونے لگی (تو اس وقت تک دوسرے صحابہ اور حضرت بلالؓ آپ کے پاس پہنچ چکے تھے) حضرت بلال نے چاہا کہ نماز کے لئے تکبیر کہیں مگر آپ نے ان سے فرمایا کہ تکبیر وہی کہے گا جس نے اذان دی ہے۔

کیا آنحضرت ﷺ نے خود بھی کبھی اذان دی ہے...... اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ نے خود بھی کبھی بہ نفس نفیس اذان دی ہے۔ ایک قول ہے کہ ہاں ایک مرتبہ آپ نے خود بھی اذان دی ہے۔ اس قول کی تائید میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جو صحیح حدیث ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت ﷺ نے اذان دی اور نماز پڑھی۔ اس موقع پر صحابہ نے بھی اپنی سواریوں پر نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی سواری کو آگے بڑھا کر نماز پڑھائی جس میں آپ اشاروں سے رکوع اور سجدہ فرماتے تھے سجدہ کے لئے آپ رکوع کے مقابلے میں زیادہ جھک جاتے تھے۔

مگر ایک قول یہ ہے کہ آپ نے خود کبھی اذان نہیں دی بلکہ آپ نے حضرت بلالؓ کو ہی اذان دینے کا حکم فرمایا جیسا کہ یہ بات اسی حدیث میں ہے جو بعض دوسری سندوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ کتاب ھُدیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بارش اور کیچڑ کی وجہ سے اس روز سواریوں پر ہی نماز پڑھی تھی۔

امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ سفر کے دوران ایک بہت تنگ گھاٹی میں پہنچ گئے آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے اوپر سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے پانی بھرا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں نماز کا وقت آگیا آپ نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا اس نے اذان اور تکبیر کہی جس کے بعد آنحضرت آگے بڑھے اور آپ نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد گویا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مفصّل حدیث کی روشنی میں ہی مجمل اور مختصر حدیث کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا (یعنی پہلی حدیث مختصر ہے جس میں پوری تفصیلات نہیں ہیں اسی لئے اس میں مؤذن کا نام بھی نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں تفصیل ہے اور مؤذن کا نام بھی ہے لہٰذا اس مفصّل حدیث کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ اذان دینے والے حضرت بلالؓ ہی تھے خود آنحضرت ﷺ نہیں تھے۔ یہ بات اور دلیل ان لوگوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خود کبھی اذان نہیں دی ہے۔ جو اس قول کے دعویدار ہیں ان کی دلیل کی تردید بھی اس سے ہو جاتی ہے) اب جس روایت میں صرف یہ لفظ ہیں کہ آپ نے اذان دی وہ دراصل مختصر جملہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے اذان کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم جس مختصر حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ وہی ہے جو پیچھے گزری کہ آپ نے اپنی سواری پر اذان دی اور تکبیر کہی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلالؓ کلمہ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ میں ش کو س بولا کرتے تھے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اس پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلال کا س بھی ہے۔ مگر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس روایت میں کوئی اصلیت نہیں ہے کہ بلال کا س جنت میں ش ہے۔ مگر اس روایت کی کوئی اصلیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ روایت اسی طرح ہوگی۔

تہجّد اور فجر کی اذانیں...... مسجد نبوی کے دونوں مؤذن حضرت بلالؓ اور حضرت ابن اُمّ مکتوم باری باری یعنی اپنی اپنی نوبت پر اذان دیا کرتے تھے چنانچہ ان میں سے ایک آدھی رات گزرنے کے بعد اس وقت اذان دیا کرتا تھا جبکہ رات ابھی باقی ہوتی تھی اور دوسرا اس وقت اذان دیتا جبکہ فجر طلوع ہو جاتی تھی۔ شیخین نے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت بلالؓ رات میں اذان دیتے تھے جس کے بعد روزہ رکھنے والے لوگ کھاتے پیتے رہتے تھے یہاں تک کہ ابن امّ مکتوم اذان دیتے تو لوگ کھانے پینے سے رک جاتے۔

مسلم میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلال کی اذان پر تم میں سے کوئی شخص اپنی سحری کھانے سے نہ رکے۔ ان کی اذان اس لئے ہوتی ہے کہ تم میں سے جو لوگ نماز میں مشغول ہیں وہ اب آرام کی نیند سو جائیں۔ اور جو سوتے والے ہیں وہ جاگ جائیں۔ وہ ابتدائی آدھی رات گزر جانے کے بعد اذان دیتے ہیں تاکہ نماز تہجد پڑھنے والا اپنے ٹھکانے میں پہنچ کر آرام کی نیند سو جائے اور صبح کو چاق و چوبند ہو کر اٹھے۔ اور جو سو رہے ہیں وہ صبح کی تیاری کے لئے بیدار ہو جائیں۔

کتاب ہُدیٰ میں یہ ہے کہ بعض راویوں نے اس روایت کو الٹا بیان کر دیا ہے اور اس طرح بیان کیا کہ ابن اُمّ مکتوم رات میں اذان دیتے ہیں اس لئے ان کی اذان سنکر روزہ رکھنے والے کھاتے پیتے رہیں۔ یہاں تک کہ بلال کی اذان سنیں۔

مگر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ روایت راوی کی غلطی سے الٹی نہیں ہو گئی ہے بلکہ حقیقت میں یہ دونوں مؤذن اذانیں دیا کرتے تھے جس میں کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت بلال تورات کے وقت اذان دیتے اور حضرت ابن اُمّ مکتوم فجر ثانی کے وقت اذان دیتے اور کبھی اس کا الٹا ہوتا تھا۔ لہٰذا دونوں حدیثوں کے راویوں نے اس وقت کی ترتیب کے لحاظ سے روایت بیان کی جو انہوں نے دیکھی۔ ان دونوں کی اذانوں کے دوران یہ رہتا کہ ایک اذان کے بعد نیچے اتر کر آتا تو دوسرا اوپر پہنچ جاتا۔ یعنی پہلا موذن اذان کہنے کے بعد جب نیچے اترتا تو فوراً ہی دوسرا اوپر پہنچ جاتا تھا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے لہٰذا جو مؤذن پہلے اذان دیتا وہ اس کے بعد دعا وغیرہ کے لئے اوپر ہی ٹھہرا رہتا اور فجر کا انتظار کرتا۔ جیسے ہی طلوع فجر قریب ہوتی وہ نیچے اتر کر اپنے دوسرے ساتھی مؤذن کو اطلاع کر دیتا جس پر وہ دوسرا مؤذن اوپر جاتا اور وہ فجر طلوع ہونے کے ساتھ ساتھ یا اس کے فوراً بعد بغیر وقفہ کے اذان دیتا۔ چنانچہ یہی مراد اس قول سے ہے جس میں ہے کہ ابن اُمّ مکتوم اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک کہ ان سے پکار کر یہ نہ کہا جاتا کہ صبح ہو گئی۔ صبح ہو گئی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابن اُمّ مکتوم فجر کی اذان میں کچھ تاخیر کرتے تھے مگر اس میں غلطی نہیں کرتے تھے۔ ابوداؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت بلالؓ نے فجر کے طلوع ہونے سے پہلے اذان کہہ دی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ واپس جا کر یہ اعلان کریں کہ یہ بندہ وقت سے غافل ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ واپس گئے اور انہوں نے یہی اعلان کیا کہ اس بندے سے وقت کے سلسلے میں غفلت ہو گئی۔ اس بندے سے وقت کے سلسلے میں غفلت ہو گئی، یا یہ کہ ابھی وقت نہیں ہوا جاؤ سو جاؤ۔

غالباً یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے جب کہ حضرت ابن اُمّ مکتوم کو دوسرا مؤذن متعین کیا گیا تھا یا پھر یہ کہ اس موقعہ پر حضرت بلالؓ نے ابن اُمّ مکتوم کے بعد اذان دی ہو گی۔ جیسا کہ اس کی بنیاد اور وجہ بیان ہو چکی ہے لہٰذا اس روایت سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے۔

جمعہ کی اذان...... جمعہ کے سلسلے میں ایک ہی اذان ثابت ہے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے اس وقت دی جاتی تھی جب کہ آپ منبر پر پہنچ جاتے تھے۔ ہمارے فقہاء یعنی شافعی فقہاء نے اسی طرح بیان کیا ہے اور وہ اس بارے میں بخاری کی ایک حدیث سے دلیل لیتے ہیں جو سائب ابن یزید نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں جمعہ کے دن جب امام منبر پر جا کر بیٹھ جاتا اس وت سو قت اذان ہوا کرتی تھی۔ مگر اس روایت میں یہ بات ذکر نہیں ہے کہ یہ اذان امام کے سامنے کھڑے ہو کر ہوا کرتی تھی۔

پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے اور ایک قول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اور ایک قول کے مطابق امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ جمعہ کے لئے منارہ پر اذان دی جایا کرے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ 24ھ میں حضرت عثمان غنیؓ نے جمعہ کیلئے مینار پر اذان دینے کا اضافہ کیا تاکہ لوگ سن لیا کریں اور مسجد میں پہنچ جایا کریں۔ مکہ معظمہ میں جس نے سب سے پہلے جمعہ کی اذان کا سلسلہ شروع کیا وہ حجاج ابن یوسف ہے۔

<u>اذانوں کے بعد زور سے درود پڑھنے کی رسم</u>...... جہاں تک پہلی اذان سے پہلے ذکر کرنے کا تعلق ہے تو یہ وہ تسبیح ہے جو 700ھ کے بعد خلیفہ ناصر محمد ابن قلادون کے زمانے میں جاری ہوئی۔ ادھر اذان دینے کے بعد مینار پر کھڑے ہوتے ہوئے ہی آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا وہ طریقہ شروع کیا گیا جو آج تک (یعنی مؤلف کے زمانے تک) جاری ہے۔ یہ درود و سلام مغرب کے علاوہ دوسری اذانوں میں جاری ہے اور اس کو سب سے پہلے سلطان منصور حاجی ابن اشرف شعبان ابن حسن ابن محمد ابن قلادون کے ذریعہ خلیفہ محتسب نجم الدین طبندی کے حکم پر شروع کیا گیا۔ یہ طریقہ 800ھ کے آخری دور میں شروع کیا گیا جو آج تک جاری ہے لیکن یہ درود و سلام کا طریقہ صبح کی دوسری اذان اور جمعہ کی اول اذان کے سوا دوسری اذانوں میں رائج ہے۔ جہاں تک صبح کی دوسری اذان اور جمعہ کی مذکورہ اذان کا تعلق ہے تو ان دونوں اذانوں میں اذان سے پہلے آنحضرت ﷺ پر درود پڑھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ صلاح الدین ایوب کے دور میں جاری ہوا۔

غالباً اس طریقہ کو جاری کرنے میں یہ حکمت یا سبب رہا ہو گا کہ جہاں تک فجر کی پہلی اذان کا تعلق ہے تو اس میں پہلے درود و سلام پڑھنا اس لئے شروع کیا گیا تاکہ لوگ جاگ جائیں اور جمعہ کی اول وقت کی اذان سے پہلے اس لئے تاکہ جمعہ کی نماز کے لئے لوگ متوجہ ہو جائیں اور جلد از جلد مسجد میں پہنچ جائیں کیونکہ جمعہ کے دن یہی بات مطلوب ہے۔

واضح رہے کہ جہاں تک مسنون طریقہ کا تعلق ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اذان سے فارغ ہونے کے بعد آہستہ سے درود پڑھا جائے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جب تم مؤذن کی آواز سنو تو تم بھی اذان کے کلمے دہراؤ اور اس کے بعد مجھ پر درود پڑھو۔ چنانچہ اسی پر تکبیر اقامت کو بھی قیاس کیا گیا اور اس طرح اذان اور تکبیر کے بعد کے وہ موقعے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے جس کی بنیاد حق تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے کہ وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ یعنی ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ اس ارشاد کی تفصیل کرتے ہوئے ایک قول میں کہا گیا ہے کہ جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے آپ کا ذکر میرے ساتھ ہوتا ہے۔

مگر یہ ذکر اذان اور تکبیر کے فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے اس کے شروع ہونے کے وقت نہیں جیسا کہ بعض بستیوں میں ہوتا ہے کہ نماز کے لئے تکبیر کہنے والا تکبیر کے شروع میں یوں کہتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہ اکبر اس طرح کہنا بدعت ہے۔

<u>اذان میں تصنع کے ساتھ سُر نکالنا بدعت ہے</u>...... اسی طرح اذان میں گانوں کے سے سُر اور طرز نکالنا بھی بدعت ہے امام شافعی نے لکھا ہے کہ اذان میں الفاظ کو کھینچ کھینچ کر کہنا اور حلق سے پورے زور کی آواز نکالنا غلط ہے بلکہ اذان سیدھے سادے انداز میں ہونی چاہئے۔

اسی طرح نماز کے دوران مقتدیوں تک امام کی تکبیریں پہنچانے کے لئے مؤذن کا بلند آواز سے تکبیرات کہنا بھی بدعت ہے۔ مگر بعض فقہاء نے کہا ہے کہ چونکہ اس میں نفع اور فائدہ ہے اس لئے اس میں

کوئی حرج نہیں ہے نفع یہ ہے کہ اگر مقتدیوں تک امام کی آواز نہیں پہنچ رہی ہے تو تکبیر کہنے والے کی تکبیرات سے مقتدیوں تک آواز پہنچ جائے گی۔ لیکن اگر مقتدیوں تک آواز پہنچ رہی ہے تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس طرح بلند آواز سے بکر کا نماز میں تکبیرات کہنا چاروں اماموں کے نزدیک متفقہ طور پر ایک ناپسندیدہ بدعت ہے اگر اس کے بغیر بھی امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچ رہی ہو۔ یہاں منکر یا ناپسندیدہ سے مراد مکروہ ہے۔

جہاں تک سحر کے وقت میں تسبیحات جاری ہونے کا تعلق ہے تو یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس وقت ہوئی جبکہ وہ میدان تیہ میں تھے۔ پھر یہ اس وقت تک جاری رہی جبکہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر فرمائی۔ اس میں انہوں نے ایک جماعت مرتب کی بیت المقدس میں ایک تہائی رات تک اور پھر تہائی رات سے فجر کے وقت تک وہ جماعت آلات کے ذریعہ یہ اعلان کرتی تھی۔

ہماری امت میں اس طریقہ کی ابتداء مصر سے ہوئی۔ اس کا حکم یعنی ان تسبیحات کو سحر کے وقت میں کر دیئے جانے کا حکم مصر کے امیر مسلمہ ابن مخلد نے دیا تھا جو حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے امیر مقرر کئے گئے تھے جب وہ مصر کی جامع عمرو میں اعتکاف کے لئے بیٹھے تو انہوں نے ناقوس کی بلند آوازیں سنیں۔ انہوں نے اس کی شکایت شرجیل ابن عامر سے کی جو وہاں کے مؤذنوں کے ناظم تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس طریقہ کو آدھی رات سے صبح کے قریب تک کر دیا۔

یہ مسلمہ امیر معاویہ کی طرف سے عتبہ ابن سفیان کے بعد مصر کے گورنر بنے تھے جو امیر معاویہ کے بھائی تھے خود یہ عتبہ مصر کے گورنر حضرت عمرو ابن عاص کے انتقال کے بعد بنے تھے۔ اسی قول سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عمرو ابن عاص مصر میں ہی دفن ہیں۔ یہ عتبہ ابن سفیان نہایت فصیح اور عمدہ خطیب اور مقرر تھے۔

مشہور ادیب اصمعی کا قول ہے کہ بنی امیہ میں دو ہی خطیب سب سے زبردست ہیں ایک عتبہ ابن ابوسفیان اور دوسرے عبدالملک ابن مروان۔ ایک دن عتبہ نے مصریوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے کہا۔

"اے مصر کے لوگو! تمہاری زبانوں پر حق اور سچائی کی تعریف بہت کم ہو گئی ہے جبکہ باطل چیزوں کی برائی تم ضرور کرتے ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گدھا بڑی بڑی کتابوں کا بوجھ لاد کر چلتا ہے اور اس بوجھ کو وہ محسوس بھی کرتا ہے مگر ان کتابوں میں جو علم پوشیدہ ہے اس سے گدھا بے خبر ہی رہتا ہے۔ اب میں تمہاری بیماریوں کا علاج تلوار ہی سے کروں گا۔ لیکن جہاں کوڑے سے کام چل جائے گا وہاں تلوار استعمال نہیں کروں گا اور جہاں تم ہنٹر سے سیدھے ہو جاؤ وہاں کوڑا استعمال نہیں کروں گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تم پر جو لازم کر دیا ہے اس کو اپنے اوپر لازم کر لو اور جو تمہارے لئے اللہ نے ہم پر فرض کر دیا ہے اس کے مستحق بن جاؤ آج کا دن وہ ہے کہ نہ اس میں عتاب وسزا ہے اور نہ اس کے بعد ہے۔"

حضرت عتبہ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کانوں میں بے شمار باتیں پڑ جائیں تو وہ سمجھ اور عقل کو گمراہ کر دیتی ہیں۔

ایک روز انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ نعمتوں کو صحیح استعمال کر کے ان کے مستحق بنو اور ان پر شکر کر کے زیادہ مانگنے کے حق دار بنو۔

جہاں تک مسلمہ کا تعلق ہے تو یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مسجدوں میں اذان دینے کے لئے منبر بنائے۔ ان کے بعد جب احمد ابن طولون مصر کا گورنر بنا تو اس نے مسجدوں میں کچھ جماعتیں متعین کیں جو ہر وقت ذکر و تسبیح اور اللہ کی حمد بیان کرتی رہتی تھیں۔ پھر جب سلطان صلاح الدین یوسف ابن ایوب کا دور آیا تو انھوں نے لوگوں کو اشعری مسلک کی طرف متوجہ کیا اور ان سے فاطمیوں کے عقیدے چھڑائے۔ پھر انہوں نے موذنوں کو حکم دیا کہ وہ تسبیح کے وقت ان کے صحیح عقیدے کا بھی اعلان کیا کریں۔

میں نے ان عقائد کا مجموعہ دیکھا ہے جو صرف تین ورقوں کا ہے۔ مگر مجھے اس مضمون کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہے۔ چنانچہ اس شاہی فرمان کے بعد مؤذن ہمیشہ اس ہدایت پر عمل کرتے رہے۔

یہود مدینہ حسد کی آگ میں

قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا الْاٰيَۃ پ ۵ سورۂ نساء ع ۹

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق ایک قول ہے کہ یہودیوں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہا تھا کہ جب سے انہوں نے مدینہ میں قدم رکھا ہے یہاں کے پھل کم بھی ہو گئے اور ان کے بھاؤ بھی چڑھ گئے۔

اس پر حق تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہوتی ہے وہی رزق کو پھیلاتا ہے اور وہی اس کو تنگ کر دیتا ہے۔

جب مدینہ میں اسلام کی قوت و شوکت بڑھی تو یہودیوں کے بہت سے عالم آنحضرت ﷺ کی دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے۔ اس پر حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ الْاٰيَۃ پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۲

ترجمہ: واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ایک دوسرے موقعہ پر حق تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا الْاٰيَۃ پ 4 سورۂ آل عمران ع ۲

ترجمہ: اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لئے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔

ام المومنین کے باپ اور چچا کی نفرت...... حضرت اُمّ المومنین صفیہ بنت حیی سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کی سب سے چہیتی اولاد تھی اور یہ یہی حال میرے ساتھ میرے چچا ابی یاسر کا تھا۔ یہ دونوں یہودیوں کے بہت بڑے عالم اور سربر آوردہ لوگوں میں سے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدنے تشریف لائے تو یہ دونوں کے دونوں آپ کے پاس گئے شام کو جب دونوں واپس آئے تو میں نے اپنے چچا کی آواز سنی جو میرے والد سے کہہ رہے تھے۔

"کیا یہ وہی ہیں۔"

میرے والد نے کہا۔ "ہاں خدا کی قسم وہی ہیں۔"

میرے چچا نے کہا کہ کیا تم ان کو پہچان گئے اور ان پر یقین کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔"

پھر ابوامامہ نے کہا کہ پھر ان کے لئے تمہارے دل میں کیا جذبہ ہے۔

تو میرے والد نے کہا۔

"خدا کی قسم جب تک دم میں دم ہے ان کی دشمنی اور عداوت کا ہی جذبہ ہے!"

کینہ و حسد کی انتہا...... ایک روایت میں حضرت صفیہ ہی بیان کرتی ہیں کہ میرے چچا ابویاسر آنحضرت ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر آپ کے پاس گئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کلام سنا اور آپ سے باتیں کیں۔ اس کے بعد جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو یہودیوں سے بولے۔

"اے میری قوم کے لوگو! میری بات مانو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس اس نبی کو بھیج دیا ہے جس کا تم انتظار کیا کرتے تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ ان کی پیروی و اطاعت کرو ان کی مخالفت ہر گز مت کرو۔"

اس کے بعد میرے باپ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کی باتیں سنیں اور اس کے بعد اپنی قوم میں واپس آئے اور ان سے کہنے لگے۔

"میں ابھی اسی شخص کے پاس سے آرہا ہوں خدا کی قسم میں ہمیشہ اس کا دشمن رہوں گا!"

اس پر ان کے بھائی ابویاسر نے ان سے کہا۔

"میرے ماں جائے! کم از کم اس معاملے میں تم میری بات مان لو۔ اس کے علاوہ اور ہر معاملہ میں تم میری مخالفت کر لینا۔ اس طرح تم ہلاکت اور تباہی کے غار میں گرنے سے بچ جاؤ گے۔"

یہود کی دریدہ دہنیوں پر آیات قرآنی کا نزول...... مگر میرے والد نے کہا خدا کی قسم ہم ہر گز تمہاری بات نہیں مانیں گے (ی) نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ابویاسر بھی بھائی کے تیور دیکھ کر اس کے ساتھ ہو گیا اور اس کے بعد یہ دونوں کے دونوں یہودیوں میں آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے دشمن بنے اور جہاں تک ان سے بن پڑتا تھا یہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام سے بچانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان دونوں اور ان کے دوسرے ہمنواؤں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ الآیۃ ۱۰۹

پ۱ سورۂ بقرہ ع ۱۳

ترجمہ: ان اہل کتاب یعنی یہود میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں ہی سے جوش مارتا ہے حق واضح ہوئے پیچھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ الآیۃ پ ۲۷ سورۂ حدید ع ۲

ترجمہ: کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر خدائے تعالیٰ اس پر دیئے ہوئے ثواب کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جاوے اور اس کے لئے جو پسندیدہ ہے۔

حق تعالیٰ کی شان میں بدزبانی...... تواسی حیی ابن اخطب نے کہا کہ ہم سے ہمارا رب بھی قرض مانگ رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ فقیر ہی مالدار سے قرض مانگا کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ الآیۃ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۹

ترجمہ: اے بشک اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے ان لوگوں کا قول جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مال دار ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب میں ایک قول یہ ہے کہ ایک روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدراس گئے اور انہوں نے فنحاص سے کہا۔

"اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم تم دل سے اس بات کو جانتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ کے رسول ہیں!"

اس نے کہا

"اے ابو بکر۔ خدا کی قسم ہم اللہ کے محتاج اور فقیر نہیں بلکہ اللہ ہی ہمارا محتاج اور فقیر ہے!"

حضرت ابو بکرؓ کا غصہ...... حضرت ابو بکرؓ اس گستاخ کی یہ بکواس سنکر اس قدر غضب ناک ہوئے کہ انہوں نے فنحاص کے منہ پر پوری قوت سے طمانچہ مارا اور کہا۔

"خدا کی قسم اگر تمہارے یعنی یہودیوں کے اور ہمارے درمیان امن و صلح کا وہ معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔"

فنحاص نے اس معاملے کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔ اس پر حضرت ابو بکر نے اس گستاخ کی بدزبانی کا حال آپ کو بتلایا۔ مگر اس وقت فنحاص اپنی کہی ہوئی بات سے انکاری ہو گیا کہ میں نے اسی بات نہیں کہی تھی۔ اس پر حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو پیچھے بیان ہوئی۔

اسی آیت کے نازل ہونے کے سبب میں ایک قول اور بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو فنحاص ابن عازوراء کے پاس ایک خط دے کر بھیجا تھا۔ یہ شخص بنی قینقاع کے یہودیوں میں اپنے علم اور مرتبہ میں ایک ہی ایک تھا۔ اس کی یہ حیثیت حضرت عبداللہ ابن سلام کے مسلمان ہونے کے بعد بنی تھی کیونکہ جب تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تو یہودیوں میں سب سے بڑے عالم اور مرتبہ والے وہی تھے اس خط یا تحریر میں آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے نمازیں قائم کرنے زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دینے کی دعوت دی تھی۔ فنحاص نے جب یہ خط پڑھا تو کہنے لگا۔

"کیا تمہارا رب اس قدر محتاج ہو گیا ہے کہ اب ہم اس کی مدد کریں گے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "اے ابو بکر! تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارا رب ہم سے ہمارا مال قرض کے طور پر لے گا۔ قرض تو فقیر اور مفلس آدمی مالدار سے لیا کرتا ہے۔ اس لئے جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو س کا مطلب ہے کہ اللہ عزّ و جل فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں!"

اس پر حضرت ابو بکر نے فنحاص کے منہ پر پوری قوت سے تھپّڑ مارا۔ اسی کے متعلق حضرت ابو بکر نے پھر فرمایا۔

"میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دوں مگر صرف اس خیال سے رک گیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے وہ خط دیا تو یہ فرمایا تھا کہ میرے پاس واپسی تک تم کوئی بات اپنی طرف سے مت کرنا۔"

آنحضرت ﷺ سے شکایت...... غرض اس کے بعد فِنحاص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور حضرت ابو بکرؓ کی شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی شکایت سن کر صدیق اکبر سے فرمایا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا۔"

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! اس نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے غصہ آگیا تھا!"

فِنحاص یہ سن کر فوراً اپنی بات سے مُکر گیا اور کہنے لگا میں نے یہ بات نہیں کہی تھی۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی بات کی تصدیق میں وہ آیت نازل ہوئی تھی۔

ایک یہودی نے علماء سے اس سلسلے میں یہ کہا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے قرض مانگا تھا اس لئے ہم نے یہ بات کہی تھی۔ اس پر ان علماء نے جواب دیا۔

"اگر اللہ تعالیٰ تمہارے سے اپنے لئے قرض مانگتا ہے تو وہ فقیر ہے لیکن اگر وہ تم سے تمہارے ہی فقیروں اور مفلسوں کے لئے مانگتا ہے اور پھر اس دیئے ہوئے کو پورا کر دیتا ہے تو بے شک وہ مالدار اور زبردست تعریفوں والا ہے۔"

یہود کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر سحر...... یہودیوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ اور اسلام کے لئے جو زبردست نفرت اور دشمنی تھی اس کی ایک مثال یہ ہے کہ لبید ابن اعصم یہودی نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ان بالوں پر سحر کر دیا تھا جو کنگھی کرتے ہوئے نکل آتے ہیں۔ ایک قول ہے کہ خود کنگھی کے دانتوں پر سحر کیا تھا۔ یہ بال ایک یہودی غلام نے ان یہودیوں کو لے جا کر دیئے تھے۔ یہ غلام آنحضرت ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

اس شخص لبید ابن اعصم نے آنحضرت ﷺ کی شکل کا ایک پتلا بنایا تھا جو موم کا بنا ہوا تھا۔ ایک قول ہے کہ آٹے کا پتلا بنایا تھا پھر اس نے اس پتلے میں سوئیاں چبھائیں جن میں تانت پروئی گئی تھی۔ اس کے بعد اس نے اس تانت میں گیارہ گرہیں لگائیں۔ ایک قول ہے کہ گرہوں میں سوئیاں چبھائی تھیں پھر اس نے یہ پتلا ایک پہاڑ کے پاس ذی اردان کے کنوئیں میں دفن کر دیا۔

کنوئیں میں جادو کا پُتلا...... حق تعالیٰ نے اس کنوئیں کے پانی کو بدذائقہ اور خراب کر دیا تھا اس کی شکل ہی اتنی بگڑ گئی تھی کہ یہ گھلا ہوا چوڑا معلوم ہوتا تھا۔ غرض اس شخص کے جادو کا اثر یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے جو کام نہیں کیا اس کے متعلق آپ کو یہ خیال ہوتا کہ پ نے وہ کام کیا ہے۔ آپ پر یہ کیفیت ایک سال تک رہی۔ ایک قول ہے کہ چھ مہینے تک رہی۔ اور ایک قول ہے کہ چالیس دن تک رہی۔

آنحضرت ﷺ پر سحر کا اثر اور اس کی مدّت...... اس اختلاف کے سلسلے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ ممکن ہے اس کیفیت کی کل مدّت ایک سال رہی ہو لیکن اس میں شدّت اور زیادتی چالیس دن رہی ہو۔ مگر ایک قول ہے کہ شدّت تین دن تک رہی۔ اس بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ اس چالیس دن کی شدّت میں تین دن

سب سے زیادہ شدید گزرے۔ لہٰذا اس سے بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی سال بھر یا چھ مہینے میں بہت زیادہ شدید کیفیت چالیس دن رہی اور چالیس دن میں سب سے زیادہ شدّت تین دن رہی اس کے بعد آپ پر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا۔

"ایک یہودی شخص نے آپ پر سحر کیا ہے اور اس سحر میں اس نے کچھ گرہیں لگا کر اس پشتارے کو فلاں جگہ دفن کیا ہے۔"

انکشاف اور پتلے کی بر آمدگی...... اس اطلاع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو وہاں بھیجا جو اس کو وہاں سے نکال کر لائے چنانچہ جوں جوں وہ ان گرہوں کو کھولتے جاتے تھے آنحضرت ﷺ کو اپنی اس کیفیت میں کمی محسوس ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آخرکار آپ نے ایسا محسوس کیا جیسے کسی بندھن سے آزاد ہوگئے ہوں۔

سحر کرنے کے لئے آسمانی علاج کا نزول...... ایک روایت میں ہے کہ اس یہودی نے وہ جادو کا پشتارہ ایک قبر میں دفن کیا تھا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ فلق اور سورۃ الناس نازل فرمائی جن میں کُل ملا کر گیارہ آیتیں ہیں یعنی سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ میں پانچ آیتیں اور سورۃ قُل اَعُوْذ بِرَبِّ النَّاسْ میں چھ آیتیں ہیں۔ آپ ان میں سے جوں ہی ایک آیت پڑھتے ایک گرہ کھل جاتی یہاں تک کہ اس کی تمام گرہیں کھل گئیں۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب اس پتلے کو نکال کر لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس میں ایک تانت ہے جس میں گیارہ گرہیں پڑی ہوئی ہیں مگر کوئی شخص بھی ان گرہوں کو نہ کھول سکا۔ اس پر معوذتین یعنی وہی دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ حضرت جبرئیل جوں ہی ان کی آیتیں پڑھتے جاتے ایک ایک گرہ کھلتی جاتی۔ ساتھ ہی آنحضرت کو ہر گرہ کے کھلنے پر سکون اور کمی ہوتی جاتی۔ یہاں تک کہ جب آخری گرہ کھل گئی تو آپ نے ایسا محسوس کیا جیسے آپ کسی بندش سے آزاد ہوگئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی شفایابی...... اس عمل کے دوران حضرت جبرئیلؑ یہ الفاظ کہتے جاتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُّؤْذِيْكَ

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ پر دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر اس بیماری سے شفا دینے والا ہے جو آپ کو ستاتی ہے۔

غالباً حضرت جبرئیل یہ دعا ہر گرہ کے کھلنے پر پڑھتے جاتے تھے جبکہ وہ آیت پڑھ چکتے تھے۔ یہ واقعہ معاہدۂ حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیانی عرصہ میں پیش آیا تھا۔

واقعۂ سحر کی تفصیل...... ایک قول ہے کہ غزوۂ خیبر کے بعد جن یہودیوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا اور مدینہ میں رہ گئے تھے وہ سب سردار ایک دن اسی لبید ابن اعصم کے پاس آئے جو یہودیوں میں سب سے بڑا ساحر اور جادوگر تھا۔ ان لوگوں نے لبید سے کہا۔

"اے ابو اعصم! ہمارے کچھ لوگوں نے محمد ﷺ پر سحر کیا تھا مگر اس سے کچھ بھی نہ بنا۔ یعنی اس سحر کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب تم دیکھ ہی رہے ہو کہ ان کا معاملہ ہمارے لئے کتنا سخت ہو گیا ہے وہ کس قدر ہمارے دین کی مخالفت کر رہے ہیں اور ہم لوگ کو کس طرح قتل اور جلاوطن کر رہے ہیں۔ اب ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ تم ان پر سحر کرو جس کے بدلے میں ہم تمہیں تین دینار دیں گے!"

چنانچہ اس پر لبید نے آنحضرت ﷺ پر سحر آزمایا۔ پھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے پاس دو

شخص آئے (ی) یہ دونوں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے جیسا کہ بعض دوسری سندوں کے ساتھ اس حدیث میں ذکر ہے۔ ان دونوں میں سے ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پائنتی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ایک نے کہا۔

"ان صاحب کو کیا شکایت ہے۔"

دوسرے نے کہا کہ ان پر سحر کر دیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا سحر کس نے کیا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ لبید ابن اعصم نے۔ اس نے کہا کس چیز کے ذریعہ سحر کیا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ بالوں اور کنگھی کے ذریعہ۔

ایک روایت میں مشاقہ کا لفظ ہے۔ جس کے معنی بھی کنگھی کے ہیں۔ ایک قول ہے کہ اسی کی چھال یا جڑ کو کہتے ہیں یعنی نر کھجور کے درخت کی چھال۔

پھر اس نے کہا کہ سحر کا وہ پشتارہ کہاں ہے۔ دوسرے نے کہا کہ وہ ذی ذروان کے کنویں میں دفن ہے! یہ ذردان مردان کے وزن پر ہے۔ ایک قول ہے کہ ذی اردان کے کنویں میں ہے۔ ایک روایت میں صرف ذردان مروان کے وزن پر ہے۔ ایک قول ہے کہ ذی اردان کے کنویں میں ہے۔ ایک روایت میں صرف ذروان کا کنواں کہا گیا ہے جو صرف امتاع کی روایت ہے۔

غرض اس نے کہا کہ وہ پشتارہ ذی ذروان کے کنویں میں پانی میں ایک پتھر کے نیچے چھپایا ہوا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اس سحر کی دوا کیا ہے۔ تو دوسرے نے کہا۔

"کنویں کا پانی نکالو اور پھر اس پتھر کو پلٹ کر دیکھو اس کے نیچے ایک پتھر کا پیالہ ہے اس پر ایک پتلا رکھا ہوا ہے جس میں گیارہ گرہیں پڑی ہوئی ہیں اس پتلے کو جلادو تو اللہ کے حکم سے اس سحر کا اثر دور ہو جائے گا!"

ساحر کا اقبال جرم ...... غرض پھر لبید کو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اس کے بعد جب لبید نے اپنے اس جرم کا سبب دیناروں کا لالچ بتلا کر معافی مانگی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو معاف فرمادیا۔ اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ نے لبید کو قتل کیوں نہیں کرادیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

"مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے بچالیا اس کے پیچھے اس سے زیادہ سخت بات اللہ کے عذاب کی صورت میں ہے۔"

اب گزشتہ ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے جن میں سے ایک میں ہے کہ آپ جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتلایا تھا کہ آپ پر فلاں یہودی نے سحر کیا ہے۔ اور دوسری میں ہے کہ آپ کے پاس دو شخص یعنی دو فرشتے آئے۔

ادھر آنحضرت ﷺ کا اس ساحر اور جادوگر کو قتل نہ کرانا غالباً اس قول کے خلاف ہے جس کے مطابق ساحر کو قتل کرنا ضروری ہے۔ مگر ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے نزدیک اس کا قتل ضروری نہیں۔ یعنی ساحر کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس کے سحر میں پھنسا ہوا شخص مر نہ گیا ہو۔ لبید نے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ اس کے سحر سے اکثر موت ہو جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لبید پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے انکار کیا ہے۔ جہم ابن صفوان نے بھی اسی طرح صفات باری کی نفی کی ہے اور اس نے اپنے اس عقیدہ کو شہرت دی۔ اسی وجہ سے اس کے ماننے والوں کے فرقہ کو فرقہ جہمیہ کہا جاتا ہے۔

السلام نے آکر بتایا تھا کہ آپ ﷺ پر فلاں یہودی نے سحر کیا ہے۔ اور دوسری میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس دو شخص یعنی دو فرشتے آئے۔

ادھر آنحضرت ﷺ کا اس ساحر اور جادوگر کو قتل نہ کرانا غالباً اس قول کے خلاف ہے جس کے مطابق ساحر کو قتل کرنا ضروری ہے، مگر ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے نزدیک اس کا قتل ضروری نہیں، یعنی ساحر کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس کے سحر میں پھنسا ہوا شخص مر نہ گیا ہو، لبید نے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ اس کے سحر سے اکثر موت ہو جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لبید پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے انکار کیا ہے، جہم ابن صفوان نے بھی اسی طرح صفات باری کی نفی کی ہے اور اس نے اپنے اس عقیدہ کو شہرت دی، اسی وجہ سے اس کے ماننے والوں کے فرقہ کو فرقہ جہمیہ کہا جاتا ہے۔

غرض جب ان دونوں شخصوں نے آکر آنحضرت ﷺ کے سامنے وہ گفتگو کی اور اس سحر کے پشتارے کی جگہ بتلائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت عمار ابن یاسرؓ کو اس کنویں پر بھیجا اور وہ اس سحر کو وہاں سے نکال لائے۔ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر جس نے سحر کا وہ پشتارہ نکالا وہ قیس ابن محصن تھے۔

مگر صحیح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کا پانی ایسا خراب ہو گیا تھا جیسے مہندی میں گھلا ہوا چوڑا ہوتا ہے غرض پھر آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی جماعت نے اس کنویں میں سے سحر کا وہ پتلا نکالا۔

اب اس بارے میں کئی روایتیں جمع ہو گئی ہیں ایک یہ کہ آپ ﷺ نے وہ پتلا نکالنے کے لئے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ نے علی اور عمار ابن یاسر کو بھیجا۔ تیسری یہ کہ آپ ﷺ نے قیس ابن محصن کو اس کے نکالنے کا حکم دیا۔ اور چوتھی یہ کہ آپ ﷺ خود صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کو نکالنے کے لئے تشریف لے گئے، ان مختلف روایتوں میں موافقت کی ضرورت ہے۔

غرض آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس پتلے میں ایک تانت ہے جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی ہیں اور ہر گرہ میں ایک سوئی پروئی ہوئی ہے، پھر آپ ﷺ پر معوذتین نازل ہوئیں چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہیں کھلتی جاتیں یہاں تک کہ تمام گرہیں کھل گئیں اور ساتھ ہی آپ ﷺ پر جو اثر تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

گزشتہ روایت میں تھا کہ یہ آیتیں جبرئیل علیہ السلام پڑھتے جاتے تھے مگر اس سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے دونوں پڑھ رہے ہوں اور یا یہ کہ جبرئیل علیہ السلام کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیتیں پڑھی ہوں۔

کتاب امتاع میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے اس سحر کے پتلے کو کنویں میں سے نکالا نہیں تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"نہیں، جہاں تک میرا تعلق تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سحر سے نجات عطا فرمادی تھی اس لئے میں نے اسے پسند نہیں کیا کہ لوگوں میں برائی پھیلے!"

اس سوال سے حضرت عائشہؓ کی مراد یہ تھی کہ آپ ﷺ نے بالوں اور کنگھی کے سحر کو نکال کر دیکھا

نہیں تھا، اس پر آپ ﷺ نے یہ جواب دیا کہ میں نے لوگوں میں برائی کو پھیلانا پسند نہیں کیا۔

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن بطال کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ اس سحر کو باہر نکالیں اور پھر دیکھنے والوں میں سے کوئی اس سحر کو دیکھ لے، یہ وہ برائی تھی جس کو پھیلانا آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے شر اور برائی سے مراد اس کے سوا کوئی اور بات ہو، مثلاً اگر اس پشتارہ کو نکال کر لوگوں میں شہرت دی گئی تو ممکن ہے مسلمانوں کی کوئی جماعت غصہ میں آکر اس شخص کو قتل کردے جو اس سحر کا ذمہ دار تھا، جس کے جواب میں اس یہودی کے خاندان والے بگڑ اٹھیں اور نتیجہ کے طور پر کوئی فتنہ و فساد پھیل جائے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے جھاڑ پھونک وغیرہ کا استعمال نہیں فرمایا؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سوال میں جھاڑ پھونک اور منتر کے استعمال میں کراہت نہ ہونے کی دلیل موجود ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے اس سوال پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا، لیکن اکثر علماء نے منتر اور افسوں کے استعمال کو مکروہ کہا ہے، اس کی دلیل میں وہ ابوداؤد کی مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جس میں ہے کہ افسوں اور منتر شیطانی کام ہیں، اس روایت کو اس افسوں اور منتر پر بھی محمول کیا گیا ہے جس میں ایسے نام بھی شامل ہوتے ہیں جو ناقابل فہم ہوتے ہیں!

غرض آنحضرت ﷺ نے جب اس کنویں کے پانی کا یہ حال دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو پاٹ دینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ کنواں پاٹ کر دوسرا کنواں کھود دیا گیا، جہاں یہ کنواں پاٹا گیا اسی کے قریب جو دوسرا کنواں کھودا گیا اس کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ نے خود بھی حصہ لیا، یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے جو گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں قابل غور ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سحر کرنے والا لبید نہیں تھا بلکہ لبید کی بہنیں یعنی اعصم کی بیٹیاں تھیں ان میں سے ایک لڑکی ایک روز حضرت عائشہؓ کے پاس گئی جہاں اس نے حضرت عائشہؓ کو یہ کہتے سنا کہ آنحضرت ﷺ کی بینائی میں کچھ شکایت ہو گئی، اس کے بعد وہ وہاں سے اپنی بہنوں کے پاس واپس آئی اور ان کو آنحضرت ﷺ کی یہ کیفیت بتلائی، اس پر ان میں سے ایک نے کہا۔

"اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ہمارے اس سحر کی خبر مل جائے گی اور اگر کچھ اور ہیں تو یہ سحر بہت جلد ان کے حواس خبط کر دے گا جس سے عقل جاتی رہے گی۔"

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس سحر کی اطلاع دیدی اور اس جگہ کی بھی نشان دہی فرمادی، اب ان دونوں روایتوں میں شبہ ہوتا ہے کہ آیا سحر کرنے والا لبید تھا یا اس کی بہنیں تھیں۔

ان دونوں باتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ اصل میں سحر کرنے والیاں تو لبید کی بہنیں ہی تھیں مگر اس سحر کی نسبت لبید کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ حدیث کے مطابق وہی اس سحر کے پشتارہ کو لے کر گیا تھا اور اسی نے اس کو کنویں کی تہہ میں دفن کیا تھا۔ (ی) یا قبر میں دفن کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ خود کنویں اور قبر کی روایتوں میں بھی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ لبید نے پہلے اس پتلے کو کچھ عرصہ تک کسی خاص تاثیر کے لئے کسی قبر میں رکھا، اور پھر وہاں سے نکال کر اس کنویں کی تہہ میں دفن کیا۔ روایتوں میں کنویں کے

پتھر کے نیچے اس پتلے کو چھپانے کا ذکر ہے، یہ پتھریا تو کنویں کے منہ پر رکھا جاتا ہے جس پر پانی پینے والے لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی کنویں کی تہہ میں رکھا جاتا ہے جس پر کھڑے ہو کر کنویں کی صفائی کرنے والا صفائی کرتا ہے، ان میں اور کبھی کنویں کی تہہ میں رکھا جاتا ہے جس پر کھڑے ہو کر کنویں کی صفائی کرنے اولا صفائی کرتا ہے۔ ان روایتوں میں جو تذکرہ ہے اس کے مطابق یہ دوسرا پتھر ہی مراد ہے جس کے نیچے اس سحر کو دفن کیا گیا تھا۔

سحر کی حقیقت :۔..... کتاب نہر میں ابو حیان کا قول ہے کہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر اور جادو ایک تخیلی اور نظر بندی کی قسم کی چیز ہوتا ہے جو حقیقت اور کسی چیز کے اصل وجود کو تبدیل نہیں کر سکتا (صرف تخیل پر اثر ڈالتا ہے جس سے آدمی کو حقیقت بدلی ہوئی شکل میں نظر آتی ہے ورنہ حقیقت میں وہ بدلتی نہیں ہے) اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جادو اور سحر کا وجود تھا۔

جہاں تک ہمارے موجودہ زمانے (یعنی مؤلف کے زمانے) کا تعلق ہے تو سحر اور جادو کی کتابوں وغیرہ سے ہمیں اس کے بارے میں جس حد تک پتہ چلا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ محض جھوٹ اور بے بنیاد لغو چیز ہے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور اسی لئے اس کی کوئی بات بھی ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔

کیا انبیاء پر سحر ممکن ہے :۔..... معتزلہ اور بعض بدعتی حضرات نے اس پر طعن کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سحر کا اثر کیسے ہو گیا (یعنی وہ چونکہ خود اس کو نہیں مانتے اس لئے جو آنحضرت ﷺ پر سحر کے اثر کو مانتے ہیں ان پر اعتراض کرتے ہیں) ان کا کہنا ہے کہ انبیاء پر سحر کا اثر ہونا ممکن نہیں ہے، اگر ان پر سحر کا اثر ممکن ہوتا تو ان کا مجنوں ہونا بھی ممکن ہوتا حالانکہ انسانوں میں یہ حضرات جنون اور دیوانگی کے اثرات سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ (مقصد یہ ہے کہ سحر کے ذریعہ انسان کی عقل اور ہوش و حواس کو بھی متاثر کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر سحر کو پیغمبروں کے لئے ممکن مان لیا جائے تو دیوانگی کو ماننا بھی ضروری ہو جاتا ہے، جبکہ جنون کے بارے میں یہ بات متفقہ اور معلوم ہے کہ پیغمبر اس سے محفوظ ہوتے ہیں)۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس سحر کے واقعہ کے سلسلہ میں جو حدیث ہے وہ صحیح حدیث ہے (اس لئے اس کو ماننا ضروری ہے) اب جہاں تک پیغمبر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہونے کا تعلق ہے تو وہ حفاظت ان کی عقل اور دین کے لئے ہے (کہ وہ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں کیونکہ ان کی حفاظت حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے) جہاں تک انبیاء کے جسموں اور بدنوں کا تعلق ہے تو وہ بیماری سے یقیناً متاثر ہوتے ہیں، اس سحر کا اثر آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے بعض حصوں پر ہوا چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت پیچھے بیان ہوئی ہے کہ وہ اس سحر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی بینائی متاثر ہونے کا ذکر کر رہی تھیں۔

مگر اس جواب میں بھی ایک شبہ ہے پیچھے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس سحر کے دوران بعض باتوں کے متعلق یہ خیال فرماتے کہ وہ آپ ﷺ نے کی ہے حالانکہ وہ نہیں کی ہوتی تھی، اس بات کا تعلق ظاہر ہے جسم سے نہیں ہے بلکہ عقل سے ہی ہے۔

اس بارے میں علامہ ابو بکر ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ سحر کے سلسلے میں جو روایتیں ہیں ان کے سب راویوں نے یہ نہیں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کا تخیل اس طرح متاثر ہو گیا تھا، لہٰذا یہ الفاظ دراصل حدیث میں

اضافہ کئے گئے ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

پھر علامہ ابو بکر ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ اس قسم کی روایتیں دہریوں اور ملحدوں کی گھڑی ہوئی ہیں اس طرح وہ کھیل بناتے ہیں اور ان کا اصل مقصد معجزات کو باطل کرنا اور ان پر اعتراض کرنا مقصود ہوتا ہے کہ معجزات اور سحر و جادو گری میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ کہ (نعوذ باللہ) یہ سب چیزیں ایک ہی جنس اور قبیل کی ہوتی ہیں، یہاں تک علامہ کا حوالہ ہے۔

ابن اخطب اور اس کی شرارتیں :۔...... حیی ابن اخطب کی طرح ایک اور شخص شاس ابن قیس تھا، وہ بھی لوگوں کو اسلام کے خلاف اکسانے میں سب سے پیش پیش رہتا تھا، یہ بھی مسلمانوں کا بہت زبردست دشمن تھا اور ان سے بہت بری طرح جلتا تھا۔

ایک روز اس کا گزر اوس و خزرج کے مسلمانوں کے پاس ہوا، وہ مسلمان اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے چونکہ اوس و خزرج کے درمیان ہمیشہ سے دشمنی اور زبردست جنگیں ہوتی آرہی تھیں (جن سے یہودی فائدہ اٹھاتے اور ان کی دشمنی کو ہوا دیتے رہتے تھے) اس لئے اس وقت شاس کو ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کا اکٹھا بیٹھنا اور محبت سے ملنا بہت بری طرح کھل گیا۔ اس نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا۔

"اگر یہ بنی قیلہ کے لوگ اس طرح ایک ہوگئے اور ان میں آپس میں میل ملاپ ہو گیا تو خدا کی قسم ہمارا ٹھکانہ کہیں بھی نہ رہے گا!"

اوس و خزرج کے مسلمانوں میں فتنہ انگیزی کی سازش :۔...... اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک نوجوان یہودی کو اشارہ کیا اور اس سے کہا۔

"ان لوگوں کے درمیان جا کر بیٹھو اور پھر جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دینا۔" یعنی اس مشہور جنگ کا جو اوس و خزرج والوں کے درمیان ہوئی تھی، اس جنگ کے واقعات کرید کرید کر چھیڑنا اور ساتھ ہی وہ شعر بھی پڑھتے جانا جو اس جنگ کے دوران دونوں قبیلوں نے ایک دوسرے کے خلاف لکھے تھے!"

سازش میں کامیابی :۔...... چنانچہ یہ نوجوان ان مسلمانوں کی مجلس میں پہنچ گیا اور اس نے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا، اس پر بے خیالی میں ان انصاریوں نے بھی اسی جنگ کے واقعات کا ذکر شروع کر دیا، ایک قبیلہ والے نے کہا کہ اس وقت ہمارے شاعروں نے یہ شعر کہے تھے، دوسرے نے کہا کہ ہمارے شاعروں نے یہ شعر کہے تھے آخر جذبات بھڑک اٹھے اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے یہاں تک کہ لڑنے اور خوں ریزی کرنے پر آمادہ ہوگئے، انہوں نے اپنے اپنے قبیلہ والوں کو پکارنا شروع کر دیا کہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، انہوں نے کہا اے اوس والو میدان میں آجاؤ، تو خزرج والوں نے آواز لگائی، اے خزرج والو تلواریں سنبھال لو۔

آنحضرت ﷺ کی بروقت تشریف آوری :۔...... چنانچہ اس فریاد اور پکار پر دونوں قبیلوں کے لوگ تلواریں سونت کر اور ہتھیار لے لے کر نکل آئے اور لڑنے کے لئے آمنے سامنے آگئے، اسی وقت آنحضرت ﷺ کو اس حادثہ اور ہنگامے کی خبر ہوئی، آپ ﷺ فوراً ہی اٹھے اور جو مہاجر مسلمان آپ ﷺ کے ساتھ تھے ان کو لے کر اس رزم گاہ میں تشریف لائے، یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو مخاطب کیا اور انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا۔

اے مسلمانو! اللہ۔ اللہ یعنی اللہ سے ڈرو، کیا یہ اے اوس اور اے خزرج کہہ کر تم نے پھر وہی جاہلیت کا

دعویٰ شروع کر دیا ہے جب کہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دے کر تمہارے درمیان محبت والفت پیدا فرمادی اور اسلام کے ذریعہ تمہارے درمیان سے جاہلیت کی نفرتیں مٹادی ہیں! اسلام ہی کے ذریعہ اللہ نے تمہیں کفر کے اندھیاروں سے نکالا اور تمہارے درمیان محبت و بھائی چارہ پیدا فرمادیا

صلح صفائی :۔...... آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ پر لوگوں کو ایک دم ہوش آگیا کہ ہم شیطان کے فریب میں پھنس گئے ہیں اور یہ کہ یہ سب ان کے دشمنوں کا پھیلایا ہوا جال تھا، چنانچہ وہ سب فوراً رو پڑے اور پھر اوس کے لوگوں نے خزرج والوں اور خزرجیوں نے اوس والوں کو گلے لگا کر اپنے دل صاف کئے، اس کے بعد یہ سب آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی وہاں سے واپس آگئے۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے شاس ابن قیس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ (سورۂ آل عمران، پ ۴، ع ۱ آیت ۹۹)

ترجمہ: آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ کی راہ سے ایسے شخص کو جو ایمان لا چکا اس طور پر کہ کجی ڈھونڈتے ہو اس راہ کے لئے حالانکہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو۔

جاہلیت کی نداؤں کی ممانعت :۔...... جاہلیت کے زمانے میں جب دو خاندان یا دو قبیلوں میں لڑائی ہو جایا کرتی تھی تو دونوں فریق اپنے اپنے آدمیوں کو یا فلاں اور یا فلاں کہہ کر پکارا کرتے تھے جس پر دونوں طرف کے لوگ ہتھیار اٹھا اٹھا کر دوڑ پڑتے اور خوں ریزی شروع ہو جاتی اس "یا فلاں" کے کلمہ کو اسلام نے آکر مٹایا، آنحضرت ﷺ نے اس کلمے سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر تم کسی شخص کو جاہلیت کے کلموں کے ساتھ فریاد کرتے ہوئے سنو تو اسے باپ دادا کے نام سے فریاد کرنے سے منع کرو اور خود بھی اسی کی طرح باپ دادا کا نام پکار کر انہیں برامت کہو۔"

یعنی اس سے یوں کہو کہ اپنے باپ کا ذکر کر تم جواب میں اس کے باپ کا نام لے کر اس کو برا نہ کہو بلکہ اس نے جو اس طرح فریاد کر کے غلطی کی ہے اس سے اس کو منع کرو اور تنبیہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی تھی :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ

(آیت ۱۰۰ سورۂ آل عمران، پ ۴، ع ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے کافر بنادیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے ان آیتوں کو اس وقت پڑھ کر سنایا جبکہ آپ ﷺ اوس و خزرج کی صفوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے جوں ہی بلند آواز سے یہ آیتیں پڑھیں انصاریوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور رو پڑے جیسا کہ بیان ہوا۔

خود را فضیحت دیگراں نصیحت :۔...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودی قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے لوگوں پر آنحضرت ﷺ کا ذکر کر کے ان کو دھمکایا کرتے تھے، یعنی یہ کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی ظاہر ہوں گے جو ایسے ایسے ہوں گے اور ہم اس نبی کے

ساتھ ملکر تمہیں عاد اور ارم کی قوموں کی طرح تہس نہس کر کے رکھ دیں گے، جیسا کہ یہ بات پیچھے بھی بیعت عقبہ کے بیان میں گزر چکی ہے۔

چنانچہ اب جبکہ آنحضرت ﷺ کا ظہور ہو گیا اور آپ مدینہ تشریف لے آئے (تو یہی یہودی آنحضرت ﷺ کے مخالف ہو گئے اور اوس و خزرج کے لوگ اسلام کے دامن میں آگئے لہٰذا اب حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت بشر ابن براءؓ نے یہودیوں سے کہا۔

"اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو، جب ہم مشرک و کافر تھے تو تم لوگ ہمیں آنحضرت ﷺ کا نام لے کر دھمکایا اور ڈرایا کرتے تھے، ہم سے کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ ظاہر ہو چکے ہیں اور یہاں تک کہ تم حضور ﷺ کا حلیہ تک ہمیں بتلایا کرتے تھے۔"

اس پر سلام ابن مشکم نے جو بنی نضیر کے یہودیوں میں ایک سر بر آوردہ آدمی تھا، کہا

ان میں یعنی محمد ﷺ میں وہ نشانیاں موجود نہیں ہیں جو ہم تمہارے سامنے بیان کیا کرتے تھے!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (سورۂ بقرہ، پ۱، ع۱۱ آیت ۸۹)

ترجمہ: اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی یعنی قرآن جو منجانب اللہ ہے اور اس کی بھی تصدیق کرنے والی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے یعنی توریت حالانکہ اس کے قبل وہ خود بیان کیا کرتے تھے کفار سے پھر جب وہ چیز آپہنچی جس کو وہ خوب جانتے پہچانتے ہیں تو اس کا صاف انکار کر بیٹھے سو بس خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر۔

ایک یہودی عالم کا احمقانہ غصہ :-...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ

(آیت ۹۲ سورۂ انعام، پ ۷، ع ۱۱)

ترجمہ: جبکہ یوں کہہ دیا اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب سے متعلق ایک قول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مالک ابن صیف سے فرمایا جو یہودیوں کا ایک بڑا سردار اور عابد تھا۔

"میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی کہ کیا تورات میں یہ بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ۔ سنڈے مسٹنڈے حبر یعنی یہودی راہب سے نفرت فرماتا ہے، کیونکہ تم بھی ایسے ہی مسٹنڈے عابد ہو، تم اپنا دہ مال کھا کھا کر موٹے ہوئے جو تمہیں یہودی لالا کر دیتے ہیں!"

یہ بات سن کر وہاں موجود لوگ ہنسنے لگے مگر خود مالک ابن صیف بگڑ گیا اور حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

"اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔"

یعنی اس طرح غصہ اور جھلاہٹ میں اسنے خود اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی

کتاب تورات کا بھی انکار کردیا، جب یہ بات یہودیوں نے سنی تو وہ اپنے اس عابد یعنی مالک ابن صیف پر بگڑ گئے اور انہوں نے اس سے کہا،

"یہ تمہارے متعلق ہم کیا بات سن رہے ہیں۔"

مالک نے کہا کہ محمد ﷺ نے مجھے غصہ دلادیا تھا (اس لئے میں نے جھنجلاہٹ میں یہ بات کہہ دی تھی) مگر یہودیوں نے اس کی اس حرکت کو معاف نہیں کیا بلکہ اس کو اس سرداری اور بزرگی کے عہدے سے ہٹادیا اور اس کی جگہ کعب ابن اشرف کو مقرر کردیا، کیونکہ مالک نے یہ بات کہہ کر خود تورات کی سچائی پر بھی حملہ کیا تھا۔

باہمی جنگوں میں آنحضرت ﷺ کا واسطہ دے کر یہود کی دعائیں :۔۔۔۔۔ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں سے بنی قریظہ اور بنی نضیر وغیرہ کے یہودی جب عرب کے مشرک قبیلوں یعنی بنی اسد بنی غطفان بنی جہینہ اور بنی عذرہ سے لڑتے تو کہا کرتے تھے۔

"اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے اس اُمّی نبی کے واسطے سے مدد اور فتح مانگتے ہیں جس کے متعلق تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس نبی کو آخر زمانے میں ظاہر فرمائے گا، تو ہمیں اس نبی کے واسطہ سے فتح و نصرت عطا فرما۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ، "اے اللہ! ہمیں اس نبی کے نام پر فتح و نصرت عطا فرما جو اخیر زمانے میں ظاہر ہونے والا ہے اور جس کی تعریفیں اور حلیہ توریت میں ذکر ہے،" چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا فرمادیتا تھا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اے اللہ! اس نبی کو جلد ظاہر فرمادے جس کا ذکر ہم تورات میں پاتے ہیں اور جو ان دشمنوں کو عذاب دے گا اور ان کو قتل کرے گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ خیبر کے یہودیوں کی اکثر قبیلہ غطفان سے جنگیں ہوتی رہتی تھیں مگر ہمیشہ یہودی ہی شکست کھاتے تھے، آخر ایک دن یہودیوں نے یہ دعا مانگی جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی، اس کے بعد جب بھی ان یہودیوں کی غطفان والوں سے جنگ ہوتی تو وہ ہمیشہ یہی دعا مانگتے اور اس کی برکت سے قبیلہ غطفان کو شکست ہوتی۔

آنحضرت ﷺ سے یہود کے شرارت آمیز سوالات :۔۔۔۔۔غرض اسی طرح مدینہ میں یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر ایسے سوالات پوچھنے شروع کئے جن سے حق اور باطل گڈمڈ ہوجائیں اور بات صاف نہ ہوسکے (مقصد رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرنا تھا) چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے روح کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کھیتوں میں سے گزر رہا تھا، آنحضرت ﷺ کھجور کی ایک ٹہنی کو عصا کے طور پر لئے ہوئے تھے، اسی وقت ہم یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے وہ لوگ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگے۔

"ان سے ایسی کوئی بات نہ پوچھا کرو جس کے جواب میں کوئی ناگوار بات سننی پڑے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تاکہ یہ تمہیں کوئی ایسی بات نہ سنا سکیں جو ہمارے لئے ناپسندیدہ ہو

روح کے متعلق سوال :۔...... یعنی آنحضرت ﷺ انہیں ایسا جواب نہ دیدیں جو اس بات کی دلیل ہو کہ آپ ﷺ ہی وہ امّی نبی ہیں، جبکہ ہم آپ ﷺ کی نبوت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، اس کے بعد یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اے محمد ﷺ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ۔ اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے ؟"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہمیں روح کے متعلق بتلائیے !

اس پر آنحضرت ﷺ خاموش رہے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (سورۂ بنی اسرائیل، پ ۱۵، ع ۱۰ آیت ۸۵)

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ ﷺ سے روح کو امتحاناً پوچھتے ہیں آپ ﷺ فرمادیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

یعنی یہ لوگ اس روح کے بارے میں سوال کر رہے ہیں جس سے ایک حیوان یعنی جاندار کو زندگی ملتی ہے لہٰذا ان سے کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے بنی ہے، اس پر ان لوگوں نے کہا کہ اس کے متعلق یہی جواب ہم اپنی کتاب یعنی تورات میں بھی پاتے ہیں، اس سلسلے میں تفصیلی بحث فترت وحی یعنی وحی کے رہنے کے وقفہ کے بیان میں گزر چکی ہے۔

کتاب افصاح کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال اس لئے کیا تھا تاکہ آپ ﷺ کو جواب دینے سے عاجز کردیں اور آپ ﷺ سے ایسا جواب حاصل کرسکیں جو غلط ہو یعنی آپ ﷺ کو اس کے ذریعہ جھٹلایا جاسکے، کیونکہ جہاں تک لفظ روح کا تعلق ہے یہ ایک مشترک نام ہے جو انسانی روح کے لئے بھی بولا جاتا ہے قرآن پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں اور فرشتوں کی دوسری صنفوں مثلاً روح کے لئے استعمال ہوتا ہے، اب یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ان میں سے جس روح کے متعلق بھی جواب دیں گے اس کے متعلق وہ کہہ دیں گے کہ روح یہ نہیں ہے، مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک گول مول اور اجمالی جواب دیا جو حقیقت میں ان کے سوال اور ان کے فریب کا بھی جواب بن گیا، کیونکہ (اس جواب میں روح کو اللہ کا حکم اور امر قرار دیا گیا ہے اور) جن جن چیزوں کے لئے روح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ سب ہی اللہ کے امر اور حکم کے مامور اور محکوم ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی کہ

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (سورۂ بنی اسرائیل، پ ۱۵، ع ۱۰ آیت ۸۵)

ترجمہ: اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

یہود کا ہمہ دانی کا دعویٰ :۔...... تو یہودیوں نے اس ارشاد کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ ہمیں بہت زیادہ علم دیا گیا ہے، ہمیں تورات دی گئی ہے اور جس کو تورات دی گئی ہو اس کو حقیقت میں زبردست خیر اور بھلائی دی گئی ہے، اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (سورۂ کہف، پ ۱۶، ع ۱۲) آیت ۱۰۹

ترجمہ: آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر کا پانی روشنائی کی جگہ ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اور باتیں احاطہ میں نہ آئیں اگرچہ اس سمندر کی مثل دوسرا سمندر اس کی مدد کے لئے ہم لے آئیں۔

کتاب کشاف میں ہے کہ وَمَا اُوْتِیْتُمْ کے ذریعہ یہودیوں کے بارے میں جو یہ بات کہی گئی کہ تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے، اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"کیا یہ بات صرف ہمارے ہی لئے کہی گئی ہے یا آپ ﷺ بھی اس بات میں ہمارے ساتھ شریک ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"ہمیں اور تمہیں دونوں ہی کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔"

اس پر انہوں نے کہا۔

علم کے دریائے بیکنار میں انسانی حصہ:۔۔۔۔۔ "آپ ﷺ کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں ایک وقت آپ ﷺ یوں کہتے ہیں کہ جس کو حکمت اور دانائی دیدی گئی اس کو خیر کثیر اور زبردست بھلائی حاصل ہو گئی، دوسرے وقت آپ ﷺ کہتے ہیں (کہ ہمیں اور تمہیں دونوں ہی کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَوْاَنَّ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (آیت ۲۷ سورۂ لقمان، پ ۲۱، ع ۳)

ترجمہ: اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اور ہو جائیں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں، بیشک خدا تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

یہاں تک تفسیر کشاف کا حوالہ ہے

قیامت کے متعلق سوال:۔۔۔۔۔ پھر اسی طرح یہودیوں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اگر آپ ﷺ نبی ہیں تو یہ بتلایئے کہ قیامت کب قائم ہو گی اس پر یہ آیت ان کے جواب میں نازل ہوئی۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَآ اِلَّا ھُوَ (سورۂ اعراف آیت، پ ۹، ع ۲۳)

ترجمہ: یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا، آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت اس کو ماسوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیوں کے متعلق سوال:۔۔۔۔۔ اسی طرح ایک مرتبہ دو یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے ان آیتوں کے بارے میں سوال کیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَھُمْ فَقَالَ لَہٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا (آیت ۱۰۱ سورۂ بنی اسرائیل، پ ۱۵، ع ۱۲)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰؑ کو کھلے ہوئے نو معجزے دیئے جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو

آپ ﷺ بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کرادیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا (یعنی بتلایا کہ وہ نو نشانیاں یہ ہیں)۔

"اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، زنا مت کرو، سوائے حق کے کسی شخص کی جان نہ لو جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے، چوری مت کرو، سحر اور جادو ٹونے کر کے کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ، کسی بادشاہ اور صاحب اقتدار کے پاس کسی کی چغل خوری نہ کرو، سود کا مال نہ کھاؤ، گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں پر بہتان نہ باندھو، اور اے یہودیو! تم پر خاص طور سے یہ بات لازم ہے کہ تم سنیچر کے دن جو یہودیوں کا متبرک دن ہے) کوئی ظلم وزیادتی نہ کرو۔"

تصدیق حق مگر اعتراف حق سے انکار :-...... اس پر ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اور پیر چومے اور بولے۔

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں!"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟"

انہوں نے کہا

"ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہودی ہمیں قتل کر ڈالیں گے!"

یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے آسمانوں کی تخلیق کے متعلق بھی سوال کیا، یعنی اس کے زمانے کے میں اور اس طرح زمین کی تخلیق کے متعلق نیز اسی طرح زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے اس کی تخلیق کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا۔

اجزائے کائنات کی تخلیق کے دن :-...... "زمین کو اتوار اور پیر کے دنوں میں تخلیق کیا گیا، پھر پہاڑوں اور ان کے اندر جو کچھ ہے اس کو منگل کے دن پیدا کیا گیا۔ (ی) چنانچہ اسی لئے منگل کے دن کو ثقیل یعنی بھاری دن بھی کہا جاتا ہے، پھر سمندروں، پانیوں، شہروں، بستیوں اور ویرانوں کو بدھ کے دن تک تخلیق فرمایا، پھر آسمانوں کو جمعرات کے دن پیدا فرمایا، پھر سورج، چاند، ستاروں اور فرشتوں کو جمعہ کے دن پیدا فرمایا۔"

پھر انہوں نے کہا کہ اس کے بعد کیا ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا۔

"پھر حق تعالیٰ کی تجلی عرش پر جلوہ فرما ہوئی!"

یہودیوں نے کہا۔

"اگر آپ ﷺ اس کے بجائے یہ فرماتے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا تو بات ٹھیک ہو جاتی۔"

کیونکہ یہودی یہی کہتے ہیں کہ پھر سنیچر کے روز حق تعالیٰ نے آرام فرمایا تھا، اسی وجہ سے یہ لوگ سنیچر کے دن کو "یوم الرحۃ" بھی کہتے ہیں، اسی سلسلے میں حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

(آیت ۳۸ سورۂ ق، پ ۲۶، ع ۳)

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا کیا

اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کے دن زمین بنائی، منگل کے دن پہاڑ بنائے بدھ کے دن نہریں اور درخت پیدا فرمائے جمعرات کے دن چرند، پرند، وحشی جانور اور درندے اور آفتیں و مصیبتیں پیدا فرمائیں جمعہ کے دن انسان کو پیدا فرمایا اور سنیچر کے دن اللہ تعالیٰ تخلیق سے فارغ ہوا۔

مگر اس روایت کے ماننے میں گذشتہ روایت کی وجہ سے مشکل پیدا ہوتی ہے کہ تخلیق کی ابتدا سنیچر کے روز ہو تو ہفتے کا آخری دن جمعہ ہوگا اور یہی بات گذشتہ اقوال کی بنیاد پر زیادہ درست ہے۔

شام کے دو یہودی عالموں کا قبول اسلام: ...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

(سورۂ آل عمران، پ ۳، ع ۲ آیت ۱۹)

ترجمہ: گواہی دی ہے اللہ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں، بلاشبہ دین حق اور مقبول اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دو یہودی عالموں کو جو ملک شام کے علاقہ کے تھے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی خبر نہیں ہوئی تھی، وہ دونوں ایک دفعہ مدینہ آئے تو ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے کہا۔

"یہ شہر اس نبی کے مدینہ یعنی شہر سے کتنا مشابہ ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے ہیں!"

اس کے بعد ان لوگوں کو پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے اور آپ ﷺ اس شہر میں ہجرت کر کے آ بھی چکے ہیں، اب جبکہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ ہی محمد ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! انہوں نے کہا۔

"ہم آپ ﷺ سے ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں اگر آپ ﷺ نے اس کا ٹھیک جواب دیا تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا پوچھو، تو انہوں نے کہا

"ہمیں اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی گواہی اور شہادت کے متعلق بتلائیے؟"

اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اس کو ان دونوں کے سامنے تلاوت فرمایا جس پر وہ ایمان لے آئے۔

ایک بیہودہ سوال: ...... (قال) حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی، انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

"اے محمد (ﷺ!) یہ جنات اور انسان جس نے پیدا کئے ہیں، اور ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور کے پردوں سے پیدا فرمایا، آدم علیہ السلام کو گندے قطرے سے پیدا کیا، ابلیس کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا، آسمان کو دھویں سے پیدا کیا، اور زمین کو پانی کے جھاگ سے پیدا کیا، اب ہمیں

آپ ﷺ اپنے پروردگار کے بارے میں بتلایئے کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا"۔

سورۂ اخلاص کا نزول :۔......اس بیہودہ بات پر آنحضرت ﷺ کو اس قدر غصہ آیا کہ آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اسی وقت آپ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کہا۔

"اپنے آپ ﷺ کو قابو میں رکھئے!"

پھر انہوں نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (سورۂ اخلاص، پ ۳۰)

ترجمہ: آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ اپنے کمال ذات و صفات میں ایک ہے، اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں، اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

یعنی حق تعالیٰ اپنے جلال اور کمال کی صفات میں یکتا ہے اور جسم وغیرہ سے پاک ہے اپنی ذات بابرکات کے لئے واجب الوجود ہے یعنی اس کی ذات ہی اس کے وجود کا تقاضہ کرتی ہے، وہ ہر ماسوا یعنی اپنے علاوہ ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز ہے، اور یہ کہ اس کے سوا جو چیز بھی ہے وہ اس کی محتاج ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس موقعہ پر جبرئیل علیہ السلام کا نازل ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان یہودیوں کے سوال پر آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے تھے اور آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ ان کو کیا جواب دیں، جیسا کہ اس قسم کی صورت اس وقت بھی پیدا ہو گئی تھی جبکہ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ آپ ﷺ اپنے رب کی کچھ صفات بتلایئے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مگر شیخین وغیرہ کی جو روایات ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس سورت کے نازل ہونے کا سبب کچھ اور بیان کیا ہے اور وہ شاید وہی ہے جو آگے حضرت عبداللہ ابن سلام کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ میں آئے گا، اس بات میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے کہ یہ سورت ایک سے زائد مرتبہ مختلف اسباب کے تحت نازل ہوئی ہو۔

کتاب اتقان میں تو صاف یہی لکھا ہے کہ سورۃ اخلاص ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئی ہے، ایک مرتبہ تو یہ سورت مشرکین مکہ کی بات کے جواب میں نازل ہوئی اور دوسری مرتبہ مدینہ کے اہل کتاب کی بات کے جواب میں نازل ہوئی، ادھر اس سے پہلے اسی کتاب میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔

اس بارے میں ایک شبہ بھی کیا جاتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے پہلی مرتبہ مکہ کے مشرک یہی سوال کر چکے تھے اور اس پر یہ سورت نازل ہو چکی تھی تو پھر دوسری مرتبہ جب آپ ﷺ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ ﷺ اس وقت بھی کیوں خاموش رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ جواب دینے کے سلسلے میں اس سورت کے دوبارہ نازل ہونے کے محتاج رہے، یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کہ آپ ﷺ اس سورت کو بھول گئے ہوں گے۔

اس سلسلے میں کتاب برہان میں یہ ہے کہ اکثر ایک وحی اپنے بلند مرتبے کی وجہ سے نازل کی جاتی ہے اور اس کا سبب اور موقعہ پیدا ہونے پر دوبارہ اس لئے بھی نازل کی جاتی ہے کہ مبادا وہ ذہن سے نکل نہ جائے، مگر واضح رہے کہ کسی وحی کے دو مرتبہ نازل ہونے کا یہ سبب ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ کا اس موقعہ پر جواب

دینے سے پہلے جواب کا انتظار کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (لہٰذا یہ بات قابل غور ہے)۔

ایک یہودی عالم آغوش اسلام میں :۔...... یہودیوں کے بہت بڑے عالموں میں ایک عبداللہ ابن سلام تھے، مسلمان ہونے سے پہلے ان کا نام حصین ابن سلام تھا، جب یہ مسلمان ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ان کی تعریف فرمائی ہے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ (سورۂ احقاف، پ ۲۶، ع ۱ آیت ۱۰)

ترجمہ: اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی میں رہو۔

یہ حضرت عبداللہ ابن سلام قبیلہ بنی قینقاع کے یہودیوں میں سے تھے جیسا کہ بیان ہوا، جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ کر ابوایوب انصاریؓ کے گھر پر اترے تھے اسی دن یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کا کلام سنا، غالباً انہوں نے آنحضرت ﷺ کا جو کلام اس وقت سنا وہ یہ تھا۔

"لوگو! اسلام کو زیادہ سے زیادہ عام کرو، رشتے داروں کے حقوق ادا کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ یعنی اپنا دستر خوان وسیع رکھو، اور راتوں کو اس وقت اللہ کا نام لو اور عبادت کرو جبکہ لوگ سو رہے ہوں اور ان اعمال کے نتیجہ میں سلامتی کے ساتھ جنت کے حقدار بن جاؤ۔"

چہرۂ انور دیکھ کر بے اختیار تصدیق :۔...... خود حضرت عبداللہؓ سے ہی روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کی زیارت کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پاس پہنچنے لگے، چنانچہ میں بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا، اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ قبا میں جاکر آپ ﷺ سے ملے تھے، اس بارے میں گفتگو آگے آئے گی۔

غرض عبداللہ ابن سلامؓ کہتے ہیں کہ جوں ہی میں نے آنحضرت ﷺ کے چہرے پر نظر ڈالی میں سمجھ گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا، اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے سنا (جو پیچھے بیان ہوا)۔

اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ جملہ یا نصیحت قبا میں ارشاد فرمائی تھی یا مدینہ میں، کیونکہ اگر آپ ﷺ نے یہ نصیحت دونوں موقعوں پر فرمائی ہو تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے، غرض حضرت عبداللہؓ نے جیسے ہی آنحضرت ﷺ کا یہ کلام سنا تو فوراً پکار اٹھے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ سچے ہیں اور سچائی لے کر آئے ہیں!"

ابن سلام کے گھر والوں کا اسلام :۔...... یہ کہتے ہیں کہ پھر میں اپنے گھر واپس آیا اور میں نے گھر والوں کو بھی اسلام لانے کا حکم دیا چنانچہ وہ بھی مسلمان ہوگئے مگر میں نے اپنے اور گھر والوں کے اسلام کو یہودیوں پر ظاہر نہیں کیا بلکہ ان سے چھپائے رکھا، اس کے بعد میں حضرت ابوایوبؓ کے مکان میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے عرض کیا۔

یہود کو راہ راست پر لانے کی ایک تدبیر :۔...... "آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میں یہودیوں کا سردار ابن سردار ہوں اور اس مذہب کا خود بھی سب سے بڑا عالم ہوں اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں، میں چاہتا ہوں یارسول اللہ ﷺ کہ میں یہاں ایک طرف پوشیدہ ہو کر بیٹھوں اور پھر یہودی آپ ﷺ کے پاس آئیں، آپ ﷺ ان کو اسلام کی دعوت دیجئے، اور اس سے پہلے کہ انہیں میرے اسلام لانے کی خبر ہو آپ ﷺ ان سے میرے

بارے میں ان کی رائے پوچھئے کیونکہ یہود ایسی قوم ہیں کہ ان کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور زبان پر کچھ ہوتا ہے، یہ لوگ پرلے درجے کے جھوٹے اور مکار ہیں، اگر ان کو معلوم ہو گیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں تو یہ مجھ میں ایسے ایسے عیب نکال دیں گے جن سے مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں (جبکہ اس اطلاع سے پہلے وہ میرے متعلق اچھی ہی اچھی باتیں کہیں گے) لہٰذا ان کی رائے معلوم کرنے کے بعد ان سے عہد لیجئے کہ اگر میں آپ کی ﷺ پیروی کر لوں اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن مجید پر ایمان لے آؤں تو وہ بھی آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لے آئیں گے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو بلا بھیجا، جب وہ لوگ حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے گروہ یہود! تم پر افسوس ہے اللہ سے ڈرو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم جانتے ہو کہ میں حقیقت میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہارے پاس حق اور سچائی لے کر آیا ہوں، اس لئے اسلام قبول کر لو!"

<u>ابن سلام بحیثیت یہودی یہود کی نظر میں</u> :-......اس پر یہودیوں نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کے متعلق کچھ نہیں جانتے، آنحضرت ﷺ نے یہی بات تین مرتبہ ان سے کہی اور ہر مرتبہ انہوں نے یہی جواب دیا، آخر آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تو یہ بتلاؤ ابن سلامؓ تم میں کس قسم کا آدمی ہے ؟"

یہودیوں نے کہا۔

"وہ ہمارے سردار ہیں اور سردار کے بیٹے ہیں، ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ وہ ہم میں بہترین آدمی ہیں اور بہترین آدمی کے بیٹے ہیں، یعنی اللہ کی کتاب تورات کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ہمارے سردار ہیں ہمارے بزرگ ہیں اور ہم میں سب سے افضل انسان ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تو اگر وہ اس بات کی گواہی دیدیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی کتاب پر ایمان لے آئیں تو کیا اس کے بعد تم لوگ بھی مجھ پر ایمان لے آؤ گے ؟"

یہودیوں نے کہا "ہاں!" چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابن سلامؓ کو پکار کر فرمایا کہ باہر آجاؤ، جب وہ سامنے آگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے ابن سلامؓ! کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی کتاب پر ایمان لے آئیں تو کیا اس کے بعد تم لوگ بھی مجھ پر ایمان لے آؤ گے ؟"

یہودیوں نے کہا۔ "ہاں"! چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابن اسلام کو پکار کر فرمایا کہ باہر آجاؤ جب وہ سامنے آگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے ابن سلام! کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں! تم نے میرے متعلق تورات میں خبریں پڑھی ہوں گی جہاں اللہ تعالیٰ نے تم یہودیوں سے عہد لیا ہے کہ تم میں سے جو بھی میرا زمانہ پائے وہ

مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کرے۔"

ابن سلام بحیثیت مسلمان یہود کی نظر میں :۔ ......ابن سلام نے کہا

ہاں اے گروہ یہود! تم پر افسوس ہے، اللہ سے ڈرو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تم یقیناً جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق اور سچائی لے کر آئے ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ اضافہ بھی ہے کہ تم اپنی کتاب تورات میں آنحضرت ﷺ کا نام اور حلیہ بھی لکھا ہوا پاتے ہو۔"

یہودی یہ بات سن کر اپنی بات سے پھر گئے اور انہوں نے بگڑ کر ابن سلام سے کہا۔

"تو جھوٹ بولتا ہے، تو ہم میں خود بھی بدترین ہے اور بدترین شخص کا بیٹا ہے!"

اس روایت میں یہودیوں نے اَنتَ اشرُنا وابن اشرنا کہا ہے جو تیسرے درجہ کا اور بازاری قسم کا لفظ ہے کیونکہ فصیح جملہ شرنا وابن شرنا ہوگا۔ (تو گویا یہودی اس قدر آپے سے باہر ہوگئے کہ انہوں نے انتہائی عامیانہ انداز میں حضرت ابن سلامؓ کو برا بھلا کہا) بخاری کی روایت میں اشرنا کا لفظ ہی ہے۔

غرض یہ سن کر حضرت ابن سلامؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میں اسی بات سے ڈرتا تھا، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا تاکہ یہ لوگ بڑے جھوٹے۔ انتہائی دغاباز اور کمینہ خصلت ہیں۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو واپس کر دیا، ادھر عبداللہؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ اَرَاَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ (سورۂ احقاف، پ ۲۶، ع ۱ آیت ۱۰)

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے۔

یعنی تم مجھ کو یہ بتلاؤ کہ اگر یہ آسمانی کتاب یارسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور اس کا انکار تم کر رہے ہو اس وقت کوئی ایسا گواہ آجائے جو خود بنی اسرائیل یعنی تمہاری ہی قوم میں سے ہو، مراد ہیں حضرت عبداللہ ابن سلامؓ، جو ایمان لائے تو تم پھر بھی تکبر ہی میں رہو گے تو اللہ تعالیٰ ایسے ظالم اور سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر کتاب خصائص کبریٰ میں جو بیان کیا گیا ہے وہ اس تفصیل کے مطابق نہیں ہے۔ خصائص میں ابن عساکر کی کتاب تاریخ شام کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ عبداللہ ابن سلامؓ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے آپ ﷺ کے پاس مکہ ہی میں پہنچ گئے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا۔

"تم وہی ابن سلام ہو جو یثرب والوں کے بڑے عالم ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا، ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا۔

"میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کہ کیا تم نے میرا حلیہ اور حالات اللہ کی کتاب یعنی تورات میں پڑھے ہیں؟"

انہوں نے کہا

"اے محمد ﷺ! اپنے رب کا نسب بیان کیجئے؟"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش رہ گئے یعنی آپ ﷺ اس بات کا جواب نہ دے سکے، اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے اور انہوں نے آپ ﷺ کو سورۂ اخلاص پڑھ کر سنائی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن سلامؓ کے جواب میں ان کو یہی سورت پڑھ کر سنائی، جس پر ابن سلام نے کہا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب فرمائے گا، بے شک میں نے آپ ﷺ کا حلیہ اور حالات اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پڑھے ہیں جو یہ ہیں کہ۔

اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کو گواہ اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، آپ ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔"

جیسا کہ اس سے پہلے تورات کے حوالے سے یہ بیان ہو چکا ہے۔

غرض اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سلام مکہ ہی میں مسلمان ہو چکے تھے مگر انہوں نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا، لیکن اگر یہ بات صحیح ہے تو مدینہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے وقت ابن سلامؓ نے یہ کیوں کہا کہ جیسے ہی میں نے آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک دیکھا میں سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح وہ یہ نہ کہتے کہ میں آنحضرت کا حلیہ اور نام جانتا تھا، اسی طرح وہ یہاں مدینہ میں آنحضرت ﷺ سے وہ باتیں اور سوالات نہ پوچھتے جو آگے ذکر ہوں گے اور نہ ہی ان کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کی ضرورت تھی۔

اب اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ علامہ ابن عساکر نے جو کچھ لکھا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابن سلامؓ نے مدینہ میں جو کچھ کہا اور کیا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہودیوں پر حجت اور دلیل قائم کر سکیں۔

<u>ابن سلام کے مختلف واقعات</u> :۔...... ان ہی حضرت ابن سلامؓ کا یہ واقعہ ہے کہ ربذہ کے مقام پر حضرت علیؓ سے ان کی ملاقات ہوئی، یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد کا ہے جبکہ حضرت علیؓ کو خلافت کے لئے بیعت دی جاچکی تھی، وہ مدینہ سے بصرہ جارہے تھے کیونکہ ان کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بصرہ جارہے ہیں، جنگ جمل کا سبب یہی واقعہ ہوا تھا۔

غرض ربذہ سے گزرتے ہوئے حضرت علیؓ کی ملاقات حضرت عبداللہ ابن سلامؓ سے ہوئی، ابن سلامؓ نے جیسے ہی حضرت علیؓ کو دیکھا انہوں نے فوراً ان کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور کہا۔

"امیر المؤمنین! آپ ﷺ مدینہ سے نہ جایئے، خدا کی قسم اگر آپ ﷺ یہاں سے چلے گئے تو مدینہ میں مسلمانوں کی شوکت اور سلطنت پھر کبھی واپس نہ آئے گی۔"

اس پر بعض لوگوں نے ابن اسلامؓ کو برا بھلا کہا اور یہ کہا کہ اے یہودی کی اولاد تجھے اس معاملے سے کیا سروکار ہے، اس پر حضرت علیؓ نے کہا۔

"ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو یعنی کہنے دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں یہ بہت اچھے لوگوں میں سے ہیں۔"

<u>قبولیت دعا کی گھڑی</u> :۔......حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ ابن سلامؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔

"مجھے بتلائیے کہ جمعہ کے دن دعا قبول ہونے کی گھڑی کون سی ہے ؟"

انہوں نے کہا کہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی، میں نے کہا

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ گھڑی مسلمان کو دعا کے لئے جب میسر آتی ہے تو اس وقت وہ نماز میں مشغول ہوتا ہے جبکہ آپ ﷺ جو گھڑی بتلارہے ہیں اس میں کوئی نماز نہیں ہے!"

اس پر ابن سلامؓ نے کہا

"کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے وہ انتظار کی حالت بھی اس کے لئے نماز ہی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ نماز شروع کر دیتا ہے۔"

مگر ابن سلامؓ کے اس جواب پر بھی شبہ باقی رہتا ہے کیونکہ صحیحین کی جو روایت ہے (اس کے بعد یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ آنحضرت ﷺ کی مراد نماز سے نماز کے انتظار کی حالت ہے کیونکہ)اس میں صاف طور پر قائم کا لفظ بھی ہے کہ جمعہ کے دن وہ گھڑی آتی ہے اور جب وہ گھڑی آتی ہے تو اس وقت مسلمان کھڑا ہوا نماز پڑھتا ہوا ہوتا ہے اگر اس گھڑی میں وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو یقیناً اس کو حاصل ہو گا۔ ابن ماجہ کے حوالہ سے ایک قول یہ نظر سے گزرا کہ ابن سلامؓ کا جو یہ جواب تھا، یہ دراصل آنحضرت ﷺ کے ہی الفاظ تھے جو انہوں نے نقل کئے ،ابن ماجہ میں عبداللہ ابن سلامؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"ہماری کتاب یعنی تورات میں ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں ایک مومن بندہ اگر کوئی بھی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے اور اس کی آرزو پوری کرتا ہے۔"

عبداللہ ابن سلام کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ،یا ایک گھڑی کا کچھ حصہ ہوتا ہے ،میں نے عرض کیا۔

"آپ نے سچ فرمایا،یارسول اللہ کہ یا تو وہ ایک گھڑی ہے یا اس کا کچھ حصہ ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ وہ گھڑی کون سی ہے ؟"

آپ ﷺ نے فرمایا،دن کی گھڑیوں میں سے آخری گھڑی۔

میں نے عرض کیا کہ وہ نماز پڑھنے کی گھڑی نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔

"بے شک! حقیقت میں بندۂ مؤمن ایک نماز کے بعد جب بیٹھتا ہے تو اس کو نماز ہی روکتی ہے، للذا وہ نماز ہی کی حالت میں رہتا ہے!"

اب گویا صحیحین کی روایت میں قائم کا جو لفظ ہے اس سے نماز کے لئے قیام کرنے یعنی کھڑا ہونے کا ارادہ کرنے والا مراد ہے (قائم سے مراد قائم نہیں ہے)اور نماز سے مراد عصر کی نماز ہے (یعنی عصر کی نماز قائم کرنے کا ارادہ کرنے والا شخص مراد ہے)

ایک قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ گھڑی اللہ تعالیٰ نے اٹھالی (یعنی اس گھڑی کی یہ تاثیر ختم فرمادی) مگر ایک قول یہ ہے کہ وہ گھڑی اب بھی باقی ہے اور یہی قول صحیح ہے اور اسی کی بنیاد پر اس بارے

میں ایک قول ہے کہ اس گھڑی کا کوئی زمانہ متعین نہیں تھا۔

ایک قول ہے کہ اس کا زمانہ متعین ہے اور اس قول کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ اس بارے میں گیارہ قول ہیں ایک روایت کے مطابق اس بارے میں چالیس قول ہیں۔

میمونؓ ابن یامین اور سرکش یہود :۔...... جس قسم کا واقعہ حضرت ابن سلامؓ کو یہودیوں کے ساتھ پیش آیا اسی طرح کا واقعہ میمون ابن یامین کو اپنی قوم کے ساتھ پیش آیا، یہ ابن یامین بھی یہودیوں کے بہت بڑے سردار تھے، ایک روز یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ یہودیوں کو بلوا کر (ان سے بات کیجئے اور) مجھے حکم بنا دیجئے کیونکہ وہ لوگ اپنے سب معاملات میں میرا فیصلہ ہی مانتے ہیں۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اندر کے حصے میں پوشیدہ کر دیا اور پھر یہودیوں کو بلا بھیجا۔ جب وہ لوگ آگئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"تم لوگ اپنے اور میرے درمیان کسی شخص کو حکم بنالو!"

(یعنی میرے متعلق تمہارے لئے وہ شخص جو بھی فیصلہ کر دے تم اس کو قبول کرو گے) یہودیوں نے کہا۔

"ہم لوگ اس بارے میں میمون ابن یامین کے فیصلے پر راضی ہو جائیں گے!"

(یعنی ابن یامین کا جو بھی فیصلہ ہو گا وہ ہمارے لئے قابل قبول ہو گا، آپ ﷺ نے اسی وقت ابن یامین کو پکارا کہ باہر آجاؤ، ابن یامین فوراً باہر نکل آئے اور انہوں نے پکار کر اعلان کیا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ یعنی آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں!"

یہ سنتے ہی یہودی اپنے وعدہ سے پھر گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق ابن یامین کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کی نبوت کو اچھی طرح جاننے اور پہچاننے کے باوجود یہودیوں نے جس طرح اس کا انکار کیا اس کی طرف قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

عَرَفُوہُ وَاَنکَرُوہُ فظلما
کتمتہ الشَّہادۃ الشُہَدَاء
اونورٌ الاَّ لہ تطفِنہ الا
فَواہُ وَھُوَالَذِیْ بِہٖ یَسْتَضَاء
کَیفَ یَھْدِیْ الالٰہ مِنْھُمْ قلوبًا
حَشْوُھا حَبِیْبِہٖ البغضاء

مطلب : وہ لوگ اس بات کو جانتے پہچانتے تھے کہ آپ ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کے لئے زمانہ انتظار کر رہا تھا مگر ظاہری طور پر انہوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا، ان کے اسی ظلم کی وجہ سے جو جاننے پہچاننے والے لوگ تھے انہوں نے بھی اس بات کی شہادت اور گواہی کو چھپالیا، اللہ کے اس نور یعنی نبوت کو وہ لوگ اپنی زبانوں سے مٹا دینا چاہتے ہیں مگر یہ ممکن نہیں ہے اور کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اسی نور سے ظاہر اور باطن میں روشنی ہے، اللہ تعالیٰ کیسے ان کے دلوں کو ہدایت عطا فرما سکتا ہے جبکہ ان سرکشوں نے اپنے دلوں کو اس کے حبیب کی

دشمنی سے بھر رکھا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: سورۂ اخلاص کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا اور انہوں نے تثلیث یعنی تین معبودوں کی بات کی تو مسلمانوں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے ؟ انہوں نے کہا اللہ نے! اس پر مسلمانوں نے کہا۔

"تو پھر تم اس کے سوا دوسروں کی پرستش کیوں کرتے ہو اور تم نے اللہ کے ساتھ دو اور خدا کیوں بنا لئے ؟"

اس پر انہوں نے کہا کہ نہیں خدا تو ایک ہی ہے مگر جب مسیح علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو خدا نے ان میں حلول کر لیا تھا، اس پر مسلمانوں نے کہا

"کیا مسیح علیہ السلام کھایا پیا بھی کرتے تھے ؟"

انہوں نے کہا ہاں وہ کھایا پیا بھی کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص نازل فرمائی اور آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کی ذات سب سے بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔

اس سے عیسائیوں کے اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ یعنی وہ بے نیاز ہے، صمد اس کو کہتے ہیں جس کے پیٹ نہ ہو یعنی جس کو کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو، لہٰذا اس سے یہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کھانے پینے کی محتاج نہیں ہے۔

اس سورت کے نازل ہونے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ بات آپ ﷺ سے قریش نے کہی تھی کہ اے محمد ﷺ ہمیں اپنے رب کا نسب بتلائیے، مگر اس بارے میں جو شبہ ہے وہ گزر چکا۔ واللہ اعلم

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ
(آیت ۴۰ سورۂ بقرہ، پ ۱، ع ۵)

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہدوں کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

یہود کی ہٹ دھرمی :۔ ...... اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ یہودی عالموں اور مذہبی پیشواؤں سے فرماتا ہے کہ تم لوگ میرے اس عہد کو پورا کرو جو میں نے تم سے اپنے نبی کی تصدیق اور ان کی پیروی کرنے کے سلسلے میں لیا تھا، پھر میں اس طرح تمہارے ساتھ کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کروں گا کہ تمہارے لئے احکام کی اس سختی اور شدّت کو منسوخ کر دوں گا لہٰذا تم لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کر کے اولین کافر نہ بنو (یعنی جس طرح مشرکوں میں قریش مکہ سب سے پہلے کافر کہلائے اسی طرح اہل کتاب میں تم لوگ پہلے کافر نہ بنو) جبکہ تمہارے پاس نبی ﷺ کے متعلق ایسا مکمل علم اور خبریں ہیں جو تمہارے علاوہ دوسروں کے پاس نہیں ہیں، تم لوگ حق اور سچائی کو چھپا رہے ہو حالانکہ تم اس کو جانتے ہو، (ی) یعنی میرے پیغمبر اور ان کے پیغام کے متعلق تمہارے پاس جو علم اور خبریں ہیں ان کو مت چھپاؤ، کیونکہ تمہارے پاس جو قدیم صحیفے ہیں ان کی رو سے تم آنحضرت ﷺ کو جانتے ہو اور ان کتابوں میں ان کا تذکرہ پاتے ہو۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہودی عالموں میں سے اونچے درجے کے لوگوں میں صرف حضرت عبداللہ ابن سلامؓ ہی مسلمان ہوئے۔ علامہ سہیلیؒ نے ان کے ساتھ عبداللہ ابن صوریا کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ بھی مسلمان ہوئے مگر حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ کسی صحیح سند کے ساتھ مجھے عبداللہ ابن صوریا کے اسلام کا حال نہیں معلوم ہو سکا بلکہ یہ بات تفسیر نقاش کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ (ی) نیز عبداللہ ابن سلامؓ کے ساتھ ان میمون ابن یامین کو بھی شامل کیا جاتا ہے جن کا ذکر پیچھے گزرا ہے۔

ابن سلام کا واقعۂ اسلام :۔...... حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کے اسلام قبول کرنے یا گزشتہ تفصیل کی بنیاد پر حضرت عبداللہؓ کے اپنے اسلام کا اعلان کرنے کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کو آنحضرت ﷺ کے ہجرت کر کے مدینہ آنے کی خبر ہوئی تو وہ قبا ہی میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، خود ابن سلامؓ سے ہی روایت ہے کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے آنے کی خبر دی، میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میری پھوپھی درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں، میں نے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی خبر کو بہت اہمیت اور اشتیاق کے ساتھ سنا، اس پر میری پھوپھی نے کہا۔

"اگر تم موسیٰ ابن عمران کے متعلق کچھ سنتے تو شاید اس کو بھی اتنی اہمیت نہ دیتے۔"

میں نے اپنی پھوپی سے کہا۔

"یقیناً ایسا ہی ہے کیونکہ آخر یہ موسیٰ ابن عمران کے ہی بھائی تو ہیں اور ان ہی کے دین پر ہیں وہی پیغام یہ لے کر آئے ہیں جو وہ لائے تھے۔"

اس پر انہوں نے کہا۔

"بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق ہمیں بتلایا جاتا رہتا تھا کہ وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے؟"

میں نے کہا، "ہاں! یہ وہی نبی ہیں!"

آنحضرت ﷺ اور قربِ قیامت :۔...... اس سلسلے میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں قیامت کے قریب تلوار دے کر ظاہر کیا گیا ہوں تاکہ میرے ذریعہ اس اللہ کی عبادت ہو جو اکیلا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے، میری مخالفت کرنے والوں پر ذلّت اور پستی طاری کر دی گئی ہے۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ کی شہادت اور بیچ کی انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح یعنی ساتھ ساتھ ہیں، یعنی ہم دونوں بالکل قریب قریب ہیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ میں عین قیامت کے وقت ظاہر کیا گیا ہوں، فرق یہ ہے کہ میں قیامت سے اسی طرح پہلے آگیا ہوں جیسے یہ انگلی اس انگلی سے پہلے ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جتنی یہ انگلی اس انگلی سے پہلے ہے اتنا ہی میں قیامت سے پہلے ہوں۔

علامہ طبریؒ نے کہا ہے کہ بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے اتنی ہی زائد ہوتی ہے جتنا انگوٹھوں کو چھوڑ

کر ساتویں یعنی کن انگلی کا آدھا حصہ ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے آدھا دن سات دنوں کے مقابلے میں ایک بٹا سات کا آدھا ہوتا ہے۔

ادھر یہ بات حضرت عباسؓ کی روایت میں گزر چکی ہے کہ دنیا کی عمر سات دن ہے جن میں سے ہر دن ایک ہزار سال کا ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور ان میں سے آخری دن میں ہوا ہے۔

ادھر ایک اور حدیث پیچھے گزری ہے جس کو ابوداؤد نے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے عاجز نہیں ہے کہ اس امت کی عمر آدھے دن یعنی پانچ سو سال اور بڑھادے۔

اس بارے میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ قیامت کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کب آئے گی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں سوال کرنے والے سے زیادہ میں خود بھی نہیں جانتا، گویا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خود بھی قیامت کے متعلق معلوم نہیں تھا جبکہ گزشتہ روایت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے بارے میں جانتے تھے۔

اس شبہ کے جواب میں قرآن کا ارشاد پیش کیا جاتا ہے یعنی خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کا علم صرف حق تعالیٰ کو ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کچھ نہیں جانتا، اب جہاں تک آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ میں اور قیامت اس طرح پیدا کئے گئے ہیں جیسے یہ انگلیاں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے جو کوئی دوسری شریعت لے کر آئے جس کے نتیجہ میں میری شریعت مٹ جائے لہٰذا آنحضرت ﷺ قیامت کی شرطوں اور نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہیں اس لئے کہ آپ نبی آخر الزماں ہیں، چنانچہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ قیامت کے وقت کے بارے میں صحیح علم رکھتے تھے، غرض حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کا حلیہ اور آپ ﷺ کا نام پہلے سے جانتا تھا کیونکہ میں آپ کے متعلق خبریں تورات میں پڑھ چکا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے متعلق یہ سب باتیں جانتے ہوئے میں ان کو چھپاتا تھا اور اس بارے میں بالکل خاموش تھا، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ سے مل کر میں نے عرض کیا۔

آنحضرت ﷺ سے ابن سلامؓ کے تین سوال :۔...... اے محمد ﷺ میں آپ ﷺ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق پوچھتا ہوں جن کے متعلق نبی کے سوا اور دوسرا کوئی نہیں جان سکتا، قیامت کی نشانیوں میں اولین نشانی کیا ہے؟ جنت کے لوگ سب سے پہلے کھانا کیا کھائیں گے؟ اور تیسرے یہ کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے یہ سوالات سن کر فرمایا کہ ان کے جوابات مجھے ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتلائے ہیں، عبداللہ ابن سلامؓ نے کہا۔

"یہ یعنی جبرئیل علیہ السلام فرشتوں میں یہودیوں کے دشمن ہیں۔"

ایک قول ہے کہ یہ جملہ عبداللہ ابن صوریا کا ہے، مگر ہو سکتا ہے دونوں ہی نے یہ بات کہی ہو۔

ابن صوریا سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"آپ ﷺ پر وحی لے کر کون آتا ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا، جبرئیل علیہ السلام! اس پر ابن صوریا نے کہا۔

"وہ تو ہمارے دشمن ہیں، کاش ان کے سوا کوئی دوسرا فرشتہ آپ ﷺ پر وحی لایا کرتا۔ ایک روایت میں

یہ لفظ ہیں کہ، اگر میکائیل علیہ السلام آپ ﷺ پر وحی لایا کرتے تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آتے، کیونکہ جبرئیل تباہی بربادی اور ہلاکت لے کر اترتے ہیں جبکہ میکائیلؑ زرخیزی اور سلامتی لے کر نازل ہوتے ہیں۔

جبرئیلؑ سے یہود کی دشمنی :۔...... جبرئیل علیہ السلام سے یہودیوں کی دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ ان کے خیال میں جبرئیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آخری نبی جن کا دنیا کو انتظار ہے وہ ان میں یعنی بنی اسرائیل میں سے بنائیں جو اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، مگر جبرئیل علیہ السلام نے یہ نبی اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنادیا۔

دشمنی کے اسباب :۔...... جبرئیل علیہ السلام سے ان کی دشمنی کا سبب ایک اور بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے نبی پر یہ وحی بھیجی گئی تھی کہ شاہ بخت نصر بیت المقدس کو تباہ و تاراج کرنے والا ہے اس پر بنی اسرائیل نے اپنی قوم کے سب سے زیادہ بہادر اور طاقت ور شخص کو بخت نصر کے قتل کرنے کے لئے بھیجا، مگر جب اس شخص نے وہاں پہنچ کر بادشاہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے اس کو ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا۔

"اگر تمہارے پروردگار نے بخت نصر کو تم لوگوں کے ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ تمہیں اس بادشاہ پر مسلط نہیں ہونے دے گا۔"

اس شخص نے جبرئیل علیہ العلام کی اس بات کو مان لیا اور وہاں سے واپس آگیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سرکشی اختیار کی اور حضرت شعیاءؑ کو قتل کردیا تو فارس کے بادشاہ بخت نصر نے حملہ کیا اور بیت المقدس کا محاصرہ کر کے زبردستی اس کو فتح کرلیا پھر اس نے تورات کے نسخے جلادیئے اور بیت المقدس کو تباہ و تاراج کیا۔

اسی طرح جبرئیل علیہ السلام سے یہودیوں کی دشمنی کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے راز بتلادیا کرتے تھے، بہر حال یہ تمام ہی باتیں ان کی دشمنی اور عداوت کا سبب ہوسکتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا جواب :۔...... غرض رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کے تین سوالوں میں سے پہلے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"جہاں تک قیامت کی اولین شرط کا تعلق ہے تو وہ ایک آگ ہوگی جو مشرق سے مغرب تک بھڑک اٹھے گی، اور جہاں تک جنتیوں کی پہلی غذا کا تعلق ہے تو وہ مچھلی کے جگر کا فاضل حصہ ہوگی۔"

یہ بھی گوشت کا ایک علیحدہ لوتھڑا ہوتا ہے جو جگر کے اوپر لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ سب سے زیادہ لذیذ چیز ہوتی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ بہترین اور طاقت بخش چیز ہوتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک بیل ہوگا جو اپنا سینگ مار کر مچھلی کو شکار کرے گا جب وہ مر جائے گی تو اس میں سے وہ حصہ جنت والے کھا جائیں گے اس کے بعد پھر وہ مچھلی زندہ ہوگی اور وہ اپنی دم سے اس بیل کو ذبح کرے گی پھر اس کو بھی جنت والے کھائیں گے اور پھر اسی طرح یہ بیل زندہ ہو جائے گا۔

غرض پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو اگر ماں کے رحم میں عورت کے پانی یعنی مادّہ منویہ سے پہلے مرد کا مادّہ پہنچ جاتا ہے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور اگر باپ سے پہلے ماں کا مادّہ رحم میں پہنچ جائے تو بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے۔"

مگر کتاب فتح الباری میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے کہ اگر مرد کا مادّہ عورت کے مادّہ پر غالب آجاتا ہے تو بچہ اپنی دادھیال پر جاتا ہے اور اگر عورت کا مادّہ مرد کے مادّہ پر غالب آجاتا ہے تو بچہ اپنی ننہال پر جاتا ہے، یہاں بھی غالب آنے سے مراد مادّہ کا پہلے پہنچنا ہی ہے۔

ثوبان سے یہ روایت ہے کہ اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آجائے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آجائے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے، یہ غالب ہونا رحم کے منہ پر ہوتا ہے، یہاں تک ثوبان کا کلام ہے۔ (ی) اور اگر دونوں کی منی برابر ہو جائے تو بچہ خنثٰی پیدا ہوتا ہے یعنی نہ وہ عورت ہوتا ہے اور نہ مرد ہوتا ہے۔

قیامت کے دن کے انقلابات کے متعلق سوال:۔...... یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بھی پوچھا کہ اس وقت لوگ کہاں ہوں گے جب کہ قیامت کے دن زمین و آسمان کی شکلیں بدل جائیں گی، اور سب سے پہلے جنت میں داخلہ کی کن لوگوں کو اجازت ملے گی، اور لوگ جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کا سب سے پہلا تحفہ کیا ہوگا، اس کے بعد ان کو کیا کھانا ملے گا اور کھانے کے بعد پینے کو کیا ملے گا۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ اس وقت لوگ پُل صراط کے قریب اندھیرے میں ہوں گے۔ مگر مسلم کی روایت اس طرح ہے کہ اس وقت لوگ کہاں ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا پُل صراط پر۔ علامہ بیہقیؒ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ پُل صراط پر ہونا مجازی طور پر کہا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس وقت پُل صراط کے بالکل قریب ہوں گے۔

پہلا انقلاب:۔...... علامہ قرطبیؒ نے انصاح کے مصنف کے حوالے سے لکھا ہے کہ زمین و آسمان میں دو مرتبہ تبدیلی واقع ہوگی، پہلی مرتبہ میں صرف ان کی صورت بدلے گی اور یہ صورت موت کے دھماکے یعنی صور کی گرج سے پہلے ہوگی، اس وقت اچانک ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگیں گے، سورج اور چاند ہو جائیں گے، آسمان کسی ہلکی پھلکی چیز کی طرح ٹوٹ کو بکھر جائیں گے، زمین پھٹ جائے گی اور پہاڑ اڑ جائیں گے۔

دوسرا انقلاب:۔...... پھر دوسری مرتبہ میں جو تبدیلی اور انقلاب ہوگا اس میں زمین و آسمان کی اصلیت اور ذات ہی بدل جائے گی، یہ اس وقت ہوگا جب لوگ میدان حشر میں جمع ہوں گے اور اپنے حساب کتاب کا انتظار کر رہے ہوں گے، اس وقت زمین میں جو انقلاب اور تبدیلی ہوگی وہ یہ کہ زمین چاندی کی طرح ایسی صاف ہو جائے گی جس پر کبھی کوئی گناہ نہ ہوا ہو، اسی کو ساہرہ کہتے ہیں جس کے معنی زمین یا سطح زمین کے ہیں، اسی طرح آسمان سونے کا ہو جائے گا جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جنتیوں کے لئے قیامت کے دن زمین ایک روٹی کی شکل کی ہو جائے گی جسے باورچی اسی طرح پلٹ دیتا ہے جیسے تم ناشتہ دان میں پلٹ دیتے ہو، چنانچہ مؤمن اپنے پیروں کے نیچے سے روٹی کھائیں گے اور حوض کوثر میں سے پانی پئیں گے (یعنی یہ صورت جنت میں داخل ہونے سے پہلے میدان حشر میں ان لوگوں کے لئے ہوگی جو جنت میں داخل ہونے والے ہوں گے)۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں قیام کے پورے عرصہ میں مؤمنوں کو بھوک کا عذاب نہیں دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے زمین کے طبق کو ایک روٹی میں تبدیل فرمادے گا تاکہ مؤمنین اللہ کے حکم سے اپنے پیروں کے نیچے سے بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے اپنا پیٹ بھرتے رہیں۔

(قال) اس حدیث کا یہ مطلب ہونے کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے، اس میں بھی یہی بات دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی ہے کہ روئے زمین تبدیل ہو کر ایک سفید روٹی کی طرح بن جائے گی اور اہل اسلام اس وقت تک اس میں سے کھا کر اپنا پیٹ بھرتے رہیں گے جب تک وہ حساب و کتاب سے فارغ نہیں ہو جائیں گی یہاں تک ابن حجرؒ کا حوالہ ہے۔

اب یہ بات گزشتہ روایت کی روشنی میں قابل غور ہے۔ جس میں گزرا ہے کہ یہ زمین چاندی کی زمین میں بدل جائے گی، اور یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روٹی کی صورت میں جو زمین کو بدلا جائے گا، وہ میدان حشر میں ہوگا، اسی طرح، پیچھے جو قول گزرا ہے کہ اس وقت پل صراط پر ہوں گے، یا یہ بات پلُ صراط سے گزرنے کے بعد ہو گی، اس روایت کی روشنی میں علامہ ابن حجرؒ کا قول قابل غور ہے۔

غرض پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

سب سے پہلے جن لوگوں کو حساب کتاب یا جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی وہ مہاجروں میں کے غریب و نادار لوگ ہوں گے اور جنتیوں کو جنت میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو تحفہ دیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا لٹکنے والا حصہ ہوگا، جنتیوں کی خوراک کے لئے ان کے واسطے جنت کا وہ بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے کناروں میں چر کر پلا ہے، اور جنتیوں کو جو مشروب ملے گا وہ اس چشمے کا ہوگا جس کا نام سلسبیل ہے۔

نبی کی پہچان:۔...... اسی طرح ایک مرتبہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"ہمیں نبی کی علامت اور پہچان بتلائیے؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔

"نبی کی پہچان یہ ہے کہ اس کی آنکھیں سوتی ہیں تو اس وقت بھی اس کا دل بیدار رہتا ہے۔"

ایک مرتبہ یہودیوں نے آپ ﷺ سے کہا۔

"وہ کون سا کھانا ہے جس کو تورات نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل نے اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

یعقوب علیہ السلام کی محبوب غذا کے متعلق سوال:۔...... "میں تمہیں اس ذات باری کی قسم دے کر کہتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، کیا تم جانتے ہو کہ ایک دفعہ حضرت یعقوب اسرائیل اللہ بہت سخت بیمار پڑ گئے تھے، جب بیماری نے بہت طول کھینچا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے منّت مانی کہ اگر اس نے انہیں اس بیماری سے شفا عطا فرمادی تو وہ اپنا سب سے پسندیدہ کھانا اور سب سے پسندیدہ مشروب اپنے اوپر حرام کر لیں گے، اور یعقوب علیہ السلام کا محبوب ترین کھانا اونٹ کا گوشت اور محبوب ترین مشروب اونٹ کا دودھ تھا۔"

یہودیوں نے کہا کہ ہاں بے شک یہ بات درست ہے، یعنی یعقوب علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو نفس کے مارنے اور خواہشات کو فنا کرنے کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔ ایک قول ہے کہ چونکہ یعقوب

علیہ السلام کو عرق النساء یعنی جوڑوں کے ورم اور درد) کی تکلیف تھی اس لئے وہ جب بھی یہ چیزیں استعمال کرتے تھے تکلیف بڑھ جاتی تھی۔

کیا اونٹ کا گوشت پچھلی امتوں پر حرام تھا :۔...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰةُ

(آیت ۹۳ سورۂ آل عمران، پ ۴، ع ۱)

ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں نزول تورات کے قبل باستثناء اس کے جس کو یعقوبؑ نے اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا،

"آپ ﷺ یہ بات کیسے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین پر ہیں حالانکہ آپ ﷺ اونٹ کا گوشت کھاتے اور اس کا دودھ پیتے ہیں جبکہ یہ دونوں چیزیں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہا السلام پر حرام تھیں اور حرام رہیں یہاں تک کہ اس کا علم تورات کے ذریعہ ہم تک پہنچا، لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کا پیرو ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد آپ ﷺ اور دوسروں کے مقابلے میں ہم زیادہ حق دار ہیں۔"

اس پر ان کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو پیچھے ذکر ہوئی کہ یعقوب علیہ السلام نے اس کو اپنے اوپر خود حرام کر لیا تھا چنانچہ اسی لئے یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ۔

حیض والی عورتوں کے متعلق سوال :۔...... یہودیوں کا دستور تھا کہ ان کی عورتوں کو جب ماہواری کا خون آتا تو اس کو گھر سے باہر کر دیتے اور خون آنے کے عرصہ میں نہ اس کے ساتھ کھاتے نہ پیتے، علامہ واحدیؒ نے مفسروں کا قول نقل کیا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا دستور تھا کہ عورت کو ماہواری کا خون آتا تو اس کا کھانا پینا سب علیٰحدہ کر دیتے اور مجوسیوں یعنی آتش پرستوں کی طرح اس کو گھر میں اپنے ساتھ بھی نہ رکھتے، یہاں تک علامہ واحدیؒ کا کلام ہے۔

ایک مرتبہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بھی سوال کیا گیا بعض دیہاتیوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! سردی بہت سخت ہے اور ہمارے پاس اوڑھنے کے لئے کپڑے تھوڑے ہیں، اب اگر ہم حیض والی عورتوں کو وہ کپڑے دے کر علیٰحدہ کر دیں تو باقی گھر والے سردی سے اکڑ کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر کپڑے اپنے لئے رکھ کر حیض والی عورت کو علیٰحدہ کر دیں تو وہ اکڑ کر مر جائے گی۔"

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ

(آیت ۲۲۲ سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۱۲)

ترجمہ: اور لوگ آپ ﷺ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ ﷺ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیٰحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاویں۔

اس بارے میں اسلامی حکم :۔...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"حیض کے زمانے میں تم عورتوں کے ساتھ سوائے ہم بستری کے اور سب کچھ کر سکتے ہو!"
یعنی ہم بستری اور اس کے معنی میں جو کچھ آسکتا ہے وہ مت کیا کرو، اس سے مراد یہ ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک عورت کے بدن کا جو حصہ ہے اس میں تصرف مت کیا کرو۔ (ی) کیونکہ آیت سے صرف اسی بات کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے کہ حیض کے زمانے میں ہم بستری کے مقصد سے عورتوں کے پاس نہیں جانا چاہئے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ تمہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب عورتوں کو ماہواری آئے تو ان سے ہم بستری چھوڑ دو، یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ انہیں گھروں سے باہر نکل دو، جب یہودیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا۔

"ان کا یعنی آنحضرت ﷺ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ جو کچھ ہم کہتے یا کرتے ہیں اس کی مخالفت کی جائے!"

اس پر حضرت اسید ابن حضیر اور حضرت عباد ابن بشر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہودی ایسا کہہ رہے ہیں اس لئے کیوں نہ ہم حیض کی حالت میں اپنی عورتوں کے ساتھ ہم بستری بھی کر لیا کریں۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، صحابہ نے کہا ہم نے محسوس کیا کہ آنحضرت ﷺ ان دونوں سے ناراض ہو گئے ہیں، جب وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تو کسی نے ہدیہ کے طور پر آنحضرت ﷺ کو دودھ لا کر پیش کیا، آپ ﷺ نے فوراً ہی آدمی بھیج کر ان دونوں کو بلوایا اور وہ دودھ انہیں پلا دیا، اس سے ہم نے سمجھا کہ آنحضرت ﷺ سے ناراض نہیں ہوئے تھے۔

بعض مفسروں نے لکھا ہے کہ ماہواری والی عورت کے ساتھ ہم بستری کو روک کر مسلمانوں کو افراط و تفریط سے روکا گیا ہے، یہودی اس کو اتنی غیر معمولی بات سمجھتے تھے کہ حیض والی عورت کو گھر سے ہی علیحدہ کر دیتے تھے اور عیسائیوں کے یہاں یہ بات اتنی معمولی تھی کہ وہ حیض والی عورتوں کے ساتھ ہم بستری تک کرتے تھے۔

غیر اسلامی شعائر کے متعلق سوال :۔...... کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ اور دوسرے ایسے لوگ جو اصلاً یہودی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی سنیچر کے دن کی عظمت پہلے کی طرح ہی کرتے رہے اور اسی لئے نہ وہ اونٹ کا گوشت استعمال کرتے، اور نہ اس کا دودھ پیتے تھے مسلمانوں کو ان کی یہ بات ناگوار ہوئی اور انہوں نے ان سے اس کا اظہار کیا تو ابن سلامؓ وغیرہ نے کہا۔

"تورات بھی تو اللہ تعالیٰ کی ہی کتاب ہے اس لئے کیا حرج ہے اگر ہم اس پر بھی عمل کرتے رہیں۔!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (آیت ۲۰۸ (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۵)

ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور فاسد خیالات میں پڑ کر شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

چاند سورج کے متعلق سوال :۔......ایک مرتبہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا،

"چاند میں جو سیاہ دھبہ ہے یہ کیا ہے؟"
آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے یہ دونوں بہت روشن تھے اور ایک رات کا سورج تھا تو دوسرا دن کا سورج تھا جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
فَمَحَوْنَا اٰیَةَ اللَّیْلِ وَ جَعَلْنَا اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً (سورۂ بنی اسرائیل، پ ۱۵، ع ۲ آیت ۱۲)
ترجمہ: سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا۔
لہٰذا چاند میں جو سیاہی ہے یہ اسی دھندلاہٹ کا اثر ہے (گویا حق تعالیٰ نے ان دونوں میں پہلے ذاتی روشنی رکھی تھی یا سورج کی روشنی کا جو عکس چاند پر پڑتا ہے وہ پہلے بہت تیز تھا جس کی وجہ سے چاند بھی بہت زیادہ روشن اور چمک دار رہتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس عکس کو ہلکا کر دیا جس کے نتیجہ میں چاند کی روشنی دھندلی اور ٹھنڈی ہو گئی جبکہ سورج جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ذاتی روشنی رکھی ہے اسی طرح روشن اور چمک دار ہے)
رات اور دن :۔...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
وَاٰیَةٌ لَّهُمُ اللَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَاهُمْ مُّظْلِمُوْنَ (سورۂ یٰسٓ، پ ۲۳، ع ۳ آیت ۳۷)
ترجمہ: اور ایک نشانی ان لوگوں کیلئے رات ہے کہ ہم اس رات پر سے دن کو اتار لیتے ہیں سو یکایک وہ اندھیروں میں رہ جاتے ہیں۔
بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دن اور رات میں رات نر کے درجے میں ہے اور دن مادہ کے درجہ میں ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ رات آدم ہے تو دن اس کے لئے حوا ہے۔
اسی طرح کہا گیا ہے کہ رات جنت سے آئی ہے اور دن جہنم سے آیا ہے، اسی وجہ سے رات کے وقت سکون زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

ایک یہودی عالم سے گفتگو

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی عالموں میں سے ایک شخص سے فرمایا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟اس نے کہا نہیں

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم توریت کو مانتے ہو؟اس نے کہاہاں۔

آپ ﷺ نے پوچھااور انجیل کو؟اس نے کہاہاں۔

تب آپ ﷺ نے قسم دے کر اس سے پوچھا کہ کیا تم میرا ذکر توریت اور انجیل میں پاتے ہو۔

اس پر اس یہودی عالم نے کہا،

"ہم آپ ہی جیسے شخص کا تذکرہ بھی اس میں پاتے ہیں۔ اس کا وطن بھی وہی ہے جو آپ ﷺ کا ہے اور اس کا حلیہ بھی وہی ہے جو آپ ﷺ کا ہے۔ پھر جب آپ ﷺ ظاہر ہوگئے تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ نبی آپ ﷺ ہی تو نہیں ہیں۔ مگر جب ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ ﷺ وہ نبی نہیں ہیں۔"

آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے ایسا سمجھنے کی وجہ کیا تھی؟اس نے کہا،

"اس لئے کہ اس آنے والے نبی کے ساتھ اس کی امت کے ستّر ہزار آدمی وہ ہوں گے جن کا نہ کوئی حساب کتاب ہوگا اور نہ ان پر کوئی عذاب ہوگا۔ جب آپ ﷺ کو ہم نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ تو بہت ہی تھوڑے سے آدمی ہیں۔"

آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا،

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ وہ ہی میں ہی ہوں اور جہاں تک میرے صحابہ کی بات ہے تو وہ ستّر ستّر ہزار سے بھی کہیں زیادہ ہیں (جن کا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا)۔"

بادلوں کی کڑک چمک......اسی طرح ایک دفعہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے بادلوں کی گرج اور کڑک چمک کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہ اس فرشتے کی آواز ہے جو بادلوں کا نگراں ہے اس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہوا اس طرف لے جاتا ہے جہاں پہنچنے کے لئے حق تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔"

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ چمکنے والی بجلی آگ کے کوڑے ہوتے ہیں جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں وہ ان سے بادلوں کو ہنکاتے اور دھمکاتے ہیں۔ یہاں جس لفظ کا ترجمہ کوڑا کیا گیا ہے وہ مخراق ہے۔ مخراق ایک رومال یا دھجّی کو کہتے ہیں جس کو اینٹھ کر اس سے کوڑے کی طرح مارا جاتا ہے۔

اب حضرت علیؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ حدیث میں ذکر ہونے والے نگراں فرشتہ سے مراد ایک فرشتہ نہیں بلکہ فرشتہ کہہ کر جنس مراد لی گئی ہے۔ ایک روایت ہے کہ بادلوں کو اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اور پھر یہ بادل بہترین انداز میں بولتے ہیں اور بہترین انداز میں ہنستے ہیں۔ ان کا بولنا ان کی گرج ہے اور ان کا ہنسنا ان کی چمک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جن کو حیات کہا جاتا ہے۔ وہ جب اپنے پَروں کو حرکت دیتے ہیں تو اس سے بجلی چمکتی ہے۔ (ی) یعنی شاید وہ اپنے پروں کو کڑاکے کے وقت حرکت دیتے ہیں کیونکہ بجلی کا جھماکہ گرج کے وقت (یعنی گرج سے پہلے) ہوتا ہے (کیونکہ اصل میں جس ٹکراؤ کے نتیجہ میں بجلی چمکتی ہے اسی کے نتیجہ میں گرج بھی ہوتی ہے یعنی چمک اور گرج ایک ساتھ ہوتی ہے لیکن اکثر بجلی پہلے چمکتی ہے اور گرج بعد میں سنائی دیتی ہے یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ بادل بہت زیادہ بلندی پر ہوں۔ اس صورت میں روشنی پہلے نظر آجاتی ہے کیونکہ روشنی کی رفتار بہت زیادہ تیز ہوتی ہے لہٰذا جیسے ہی ٹکراؤ کے بعد جھماکہ ہوتا ہے وہ فوراً نیچے نظر آجاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں گرج آواز ہے اور آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ کم اور سُست ہوتی ہے اس لئے بجلی چمکنے کے کچھ دیر بعد گرج کی آواز زمین تک پہنچتی ہے)۔

کسی کا ایک قول ہے کہ برق یعنی آسمانی بجلی ایک فرشتہ ہے جس کے چار چہرے ہیں۔ ایک انسانی چہرہ دوسرا بیل کے جیسا منہ۔ تیسرا کرگس کے جیسا منہ اور چوتھا شیر کے جیسا منہ۔ جب وہ فرشتہ دم کو حرکت دیتا ہے تو وہ ہی برق ہوتی ہے۔ (ی) یعنی شاید وہ حرکت گرج کے وقت ہوتی ہے۔

حوادث کی شرعی تشریحات اور سائنسی تشریحات..... (تشریح: یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ دنیا میں پیش آنے اور ظاہر ہونے والے واقعات کے اسباب جہاں ایک طرف مادّی ہوتے ہیں وہاں ان کے کچھ اسباب غیر مادّی اور روحانی بھی ہوتے ہیں۔ ہر واقعہ کا اصل سبب جس پر اس واقعہ کے ظہور کی بنیاد ہوتی ہے وہ غیر مادّی اور روحانی سبب ہی ہوتا ہے جو محسوسات اور معقولات کے دائرہ سے علیٰحدہ ہوتا ہے مگر چونکہ یہ عالم مادّی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اس میں ایک کار خانۂ اسباب بھی رکھا ہے۔ وہ اسباب مادّی اور محسوسات کے دائرہ میں ہوتے ہیں جن کو انسان مادّی علم کے ذریعہ معلوم کرتا ہے مگر در حقیقت یہ مادّی اسباب ان غیر مادّی اسباب ہی کے تابع ہوتے ہیں جو مادّی علم کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ جو لوگ صرف مادّیات اور عقلی اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں وہ ان اسباب پر ہی قناعت کر لیتے ہیں اور ان ہی کو کسی واقعہ کے ظہور کا اصل محرک باور کرتے ہیں۔ چونکہ روحانیت کا علم ان کی دسترس اور پہنچ سے باہر ہوتا ہے اس لئے نہ وہ ان روحانی اسباب کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان پر غور کرتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک روحانیات کا علم اور دوسرا مادّیات کا علم۔ روحانیت کا علم شریعت کا موضوع ہے اور شریعت کے ذریعہ ہی اس کے اسرار اس حد تک کھول دیئے جاتے ہیں جس حد تک حق تعالیٰ کی مشیّت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مادّی عالم میں ظاہر ہونے والے مختلف واقعات کے جتنے مثالی اور غیر مادّی اسباب انسان کو بتلانے مناسب سمجھے گئے وہ شریعت نے بتلا دیئے جبکہ ان گنت وہ اسباب ہیں جن کو سمجھنے اور جاننے کی طاقت انسانی دماغ میں نہیں ہے ان کو حق تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا۔ ان کے لئے مادّیات کے علم کا شعبہ رکھ دیا گیا ہے تاکہ جو لوگ تحقیق و جستجو کے رسیا ہوں وہ ہر واقعہ کا مادّی سبب معلوم کر کے اس کو سمجھ لیں۔ لیکن کسی واقعہ کا مادّی سبب جان لینا علم کی وہ آخری حد نہیں کہلا سکتی جہاں انسان اس پر مطمئن ہو کر یہ سمجھ سکے کہ اس کے متعلق اس کا علم مکمل ہو گیا کیونکہ اس سبب کے پیچھے جو اصل سبب یا محرک کار فرما ہے وہ غیر مادّی اور آسمانی ہے اور اس تک جس حد تک بھی رسائی ممکن ہے وہ شرعیات اور قرآن و حدیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور وہ ان مادّی اسباب سے قطعی مختلف ہیں۔ تشریح ختم۔ مرتّب)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آسمانی بجلی ایک فرشتہ ہے جو یکا یک برق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بادلوں کی گرج ایک فرشتہ ہے جو اس طرح بادلوں کو ان کی منزل کی طرف ہانکتا ہے اور بجلی کا جھماکہ اس فرشتے کی نگاہ ہے۔(ی) جس سے اکثر وہ گرج کے وقت دیکھتا ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ بادلوں کا نگراں ایک فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہوتا ہے جب وہ اس کوڑے کو اٹھاتا ہے تو بجلی کا جھماکہ ہوتا ہے، جب وہ اس کو لہراتا ہے تو گرج ہوتی ہے اور جب وہ اس سے مارتا ہے تو کڑاکا ہوتا ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ گرج ایک فرشتہ ہے اور بجلی اس کے پُر ہیں جن سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے لہٰذا جو آواز سنائی دیتی ہے وہ خود اس فرشتے کی یا اس کے ہانکنے کی آواز ہوتی ہے۔ بہر حال ان تمام روایات میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو قابل غور ہے۔

فلسفیوں کا نظریہ یہ ہے کہ گرج جو ہوتی ہے وہ دراصل بادلوں کے آپس میں ٹکرانے اور رگڑ کھانے کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے اور بجلی کا جو جھماکہ ہوتا ہے وہ بھی اسی رگڑ اور ٹکراؤ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، لہٰذا فلسفیوں کا کہنا ہے کہ جب بہت سے بادل ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے اور رگڑ کھاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں ایک لطیف مگر نہایت شدید آگ پیدا ہوتی ہے۔ وہ آگ اتنی شدید ہوتی ہے کہ جس چیز کے قریب سے بھی گزرتی ہے اس کو جھلسا دیتی ہے مگر وہ اپنی انتہائی شدّت کے ساتھ ہی بہت جلد ختم ہو جانے والی بھی ہے۔

یہود کی الزام تراشیاں...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (سورۂ بقرہ پ ۱، ع ۱۳ آیت ۱۰۷)

ترجمہ: ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق ایک قول ہے کہ یہودیوں نے آیتوں کے منسوخ ہونے کو ناپسند کیا۔ انہوں نے کہا،

"تم محمد ﷺ کو نہیں دیکھتے کہ اپنے صحابہ کو ایک وقت میں ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے روک کر اس کے خلاف دوسرا حکم دے دیتے ہیں، آج وہ ایک بات کہتے ہیں اور اگلے دن اس سے پھر جاتے ہیں۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو پچھلی سطروں میں تحریر ہوئی۔

بچہ کی تخلیق کے متعلق سوال...... اسی طرح ایک دفعہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ بچہ کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا،

"بچہ مرد اور عورت کے نطفے یعنی منی سے پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک مرد کے نطفے کا تعلق ہے تو وہ سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور جہاں تک عورت کے نطفے کا تعلق ہے تو وہ پتلا مادّہ ہوتا ہے یعنی زردی مائل ہوتا ہے اور اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔"

اس پر یہودیوں نے کہا،

"آپ ﷺ سے پہلے جو تھے وہ بھی اسی طرح کہا کرتے تھے۔ مراد ہیں آپ ﷺ سے پہلے نبی۔"

گذشتہ قسطوں میں سطیح کے جو واقعات گذرے ہیں ان میں حضرت عیسیٰ کا ایک قول بھی اس بارے میں گزرا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے خلاف اپنے غیظ اور کینہ کی بناء پر وہ کہا کرتے تھی کہ اس شخص میں ہم سوائے عورتوں اور ان کے ساتھ نکاح کرنے کے، کسی بات کی ہمت نہیں دیکھتے۔ اگر یہ نبی ہوتے تو نبوت کی ذمہ داریوں میں ان کو عورتوں کا خیال بھی نہ آتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً (سورہ رعد، پ ۱۳، ع ۶ آیت ۳۸)

ترجمہ: "اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے"

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ سلیمانؑ کی سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں۔

زانی کو سنگسار کرنے سے گریز...... اسی طرح ایک مرتبہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود ایک عورت کے ساتھ زنا کیا تھا۔ یہ شخص خیبر کے یہودیوں میں سے تھا اور ایک معزز آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اس نے جس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا وہ بھی معزز عورت کہلاتی تھی اور وہ بھی شادی شدہ تھی۔ چونکہ یہ دونوں اونچے درجے کے لوگ تھے اس لئے یہودیوں نے ان کو زنا کی سزا میں سنگسار کرنا پسند نہیں کیا بلکہ اپنا ایک وفد مدینہ میں بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھیں۔ انہوں نے اپنے وفد کے لوگوں سے کہا،

"مدینہ میں جو صاحب یعنی آنحضرت ﷺ ہیں ان کی کتاب یعنی قرآن میں سنگسار کی سزا نہیں ہے بلکہ ان کے یہاں صرف مارنے پیٹنے کی سزا ہے اس لئے اس بارے میں ان سے جا کر پوچھو کہ کیا کہتے ہیں۔"

زانی کے متعلق توریت کا حکم چھپانے کی کوشش...... چنانچہ ان لوگوں نے مدینہ آکر آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے سنگساری کی سزا کا ہی حکم دیا۔ مگر یہودیوں نے اس کو نہیں مانا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی علماء کی ایک جماعت سے فرمایا،

"میں تمہیں اس ذات باری کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰؑ پر توریت نازل فرمائی کیا تم نے توریت میں اس شخص کے لئے سنگساری کی سزا نہیں پائی جس نے شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کیا ہو؟"

مگر یہودی عالموں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن سلام نے ان سے کہا،

"تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ توریت میں سنگساری کی آیت موجود ہے۔"

اس کے بعد وہاں توریت منگوائی گئی تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے اس سنگساری کی آیت پر اس طرح اپنا ہاتھ رکھ لیا کہ وہ ایک دم نظر نہ آسکے۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن سلام نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ چنانچہ اس نے ہاتھ اٹھایا تو دیکھا کہ وہیں پر سنگساری کی آیت لکھی ہوئی تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ واقعہ ۴ھ کا ہے جو ایک دوسری روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ بعض یہودی عالم جن میں کعب ابن اشرف، سعید ابن عمرو، مالک ابن صیف اور کنانہ ابن ابوالحقیق وغیرہ شامل تھے۔ مدراس یعنی توریت کی تلاوت خانے میں اسی دوران میں جمع ہوئے جبکہ آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے۔ اس مجلس میں یہ لوگ ایک شادی شدہ یہودی شخص اور ایک شادی شدہ یہودی عورت کے معاملے پر غور کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے تھے جنہوں نے زنا کیا تھا۔ (یہودیوں کے یہاں بھی شادی شدہ آدمی کے لئے زنا کی شرعی سزا سنگسار کرنا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا تھا۔ مگر یہودی شرعی احکام میں بھی اپنی مرضی

کے مطابق تبدیلیاں کر لیتے تھے اور سنگسار کرنے کے بجائے صرف کوڑے مار کر بات ختم کر دیتے تھے۔) اس موقعہ پر بھی ایک معزز آدمی کو جس نے زنا کیا تھا یہ لوگ سنگساری سے بچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی رائے لینے کا فیصلہ کیا اور آپس میں کہنے لگے،

"اگر انہوں نے یعنی آنحضرت ﷺ نے بھی صرف کوڑے مارنے کا فتویٰ دے دیا تو ہم فوراً اس فتویٰ کو مان لیں گے اور اللہ کے لئے بھی ہمارے پاس دلیل ہو گی۔ ہم اللہ سے کہہ دیں گے کہ تیرے ہی نبیوں میں سے ایک نبی نے ہمیں اس بات کا فتویٰ دیا تھا۔ لیکن اگر انہوں نے یعنی آنحضرت ﷺ نے سنگسار کرنے کا ہی فتویٰ دیا تو اس کو نہیں مانیں گے بلکہ اس کی مخالفت کریں گے۔ کیونکہ جہاں تک مخالفت کی بات ہے تو جب ہم توریت کی مخالفت کر سکتے ہیں تو محمد ﷺ کی مخالفت کرنے میں ہمارے لئے کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔"

صحیح مسلم و بخاری میں ابن عمرؓ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ یہودی عالم آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایک یہودی مرد و عورت نے جو دونوں شادی شدہ ہیں زنا کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا،

"سنگساری کے بارے میں تم توریت میں کیا پاتے ہو؟"

انہوں نے کہا،

"یہی کہ ان جیسے لوگوں کا خوب فضیحتہ کیا جائے۔ (ی) یعنی ان دونوں کا منہ کالا کر کے انہیں دو گدھوں پر الٹا سوار کریں اور شہر میں گھما کر ان کی رسوائی کریں۔"

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ "ان دونوں کو ایک گدھے پر اس طرح بٹھا دیں کہ ان دونوں کی پیٹھ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہو۔ پھر انہیں شہر میں گھما کر ان کے کوڑے مارے جائیں۔ یعنی کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی ایسی رسّی کے کوڑے مارے جائیں جو ایک خاص قسم کے سیاہ روغن میں بھیگی ہوئی ہو۔"

اس پر حضرت عبداللہ ابن سلام نے کہا کہ تم جھوٹے ہو توریت میں سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے۔ اس پر وہ توریت لے کر آئے مگر اسے کھول کر انہوں نے چالاکی سے سنگساری کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ جس پر ابن سلام نے کہہ کر اس کا ہاتھ ہٹوایا اور وہ آیت دکھلائی۔ اس پر یہودیوں نے کہا،

"محمد! آپ سچ کہتے ہیں اس میں سنگساری کا حکم موجود ہے"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے سامنے خطبہ دیا اور کہا،

"اے بنی اسرائیل! اگر کوئی شخص چوری کرے گا تو ہم اس کا ہاتھ کاٹیں گے، اگر کوئی شخص جھوٹ بہتان باندھے گا تو اس کو اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اگر کوئی ایسا شخص زنا کرے گا جس کے بیوی نہ ہو تو اس کے سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر کوئی ایسا شخص زنا کرے گا جس کے بیوی موجود ہے تو اس کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے گا۔" واللہ اعلم

(قال) جب یہودی اس زناکار شخص کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو کہنے لگے،

"اے ابوالقاسم! ایک ایسے شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں جنہوں نے زنا کیا ہو؟"

آپ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں توریت میں کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا،

"آپ ﷺ توریت کی بات چھوڑیئے۔ آپ ﷺ تو یہ بتلائیے کہ آپ ﷺ کے یہاں اس بارے میں کیا حکم ہے؟"

اس پر آپ ﷺ نے سنگساری کا فتویٰ دیا مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ آپ ان کے مدراس یعنی توریت پڑھنے کی جگہ یعنی تلاوت خانے میں تشریف لائے۔ یہاں دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا؟

"اے گروہ یہود! میرے پاس اپنے سب سے بڑے عالم کو لے کر آؤ!"

یہ سن کر وہ لوگ عبداللہ ابن صوریا، ابویاسر ابن اخطب اور وہب ابن یہود کو آپ کے پاس لے کر آئے اور کہنے لگے کہ یہ ہمارے سب سے بڑے عالم ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو قسم دے کر وہی بات پوچھی کہ ایسے شخص کے متعلق توریت میں کیا سزا ہے؟"

انہوں نے کہا ہم ایسے شخص کو ذلیل و رسوا کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس پر حضرت ابن سلام نے انہیں جھٹلایا جیسا کہ بیان ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر جب آپ ﷺ نے ان سے یہ سوال کیا تو ان سب نے وہی غلط جواب دیا مگر ان میں سے ایک نوجوان خاموش رہا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو بار بار قسم دے کر صحیح بات کہنے کا اصرار فرمایا آخر اس نے کہا،

ایک نوجوان یہودی کی طرف سے حق بات...... "بے شک جب آپ ﷺ نے قسم دی ہے تو سچی بات کہوں گا حقیقت میں توریت میں سنگساری کا حکم موجود ہے مگر ہم نے اپنی رائے سے اونچے درجے کے لوگوں کو تو صرف کوڑوں کی سزا دینی شروع کر دی اور نیچ لوگوں کو سنگسار کرنے لگے۔ اس کے بعد ہم نے مل جل کر سب لوگوں کو ایک ہی سزا دینی طے کر لی جو آپ ﷺ کو معلوم ہے (یعنی سب ہی کو صرف رسوا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے)۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"اب میں توریت کے حکم کے مطابق فیصلہ دیتا ہوں۔"

غالباً یہ نوجوان ابن صوریا تھے۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو سنگسار کر دیا جائے۔ تو انہوں نے آپ ﷺ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس وقت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ سے کہا،

"اپنے اور ان لوگوں کے درمیان ابن صوریا کو حَکَم بنا لیجئے۔"

ساتھ ہی جبرئیلؑ نے آپ کو ابن صوریا کا حلیہ بتلایا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا،

"کیا تم لوگ اس نوجوان، کمسن، گورے رنگ کے بھینگے لڑکے کو جانتے ہو جو فدک میں رہتا ہے اور جس کا نام ابن صوریا ہے"

یہودیوں نے کہا۔

ہاں جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے توریت کے ذریعے موسیٰؑ پر جو علوم نازل فرمائے ان کا وہ اس روئے

زمین پر سب سے بڑا عالم ہے۔!"

بحیثیت حَکَم ابن صوریا کا فیصلہ ...... اس طرح وہ ابن صوریا کو حَکَم بنانے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کی موجودگی میں ابن صوریا سے فرمایا،

"میں تمہیں اس ذات باری کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، جس نے موسیٰ پر توریت نازل فرمائی، دریا میں راستہ کھول دیا اور طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کھڑا کیا، جس نے فرعون کو دریا میں غرق کیا اور تمہارے اوپر بادلوں کو سایہ فگن کیا، جس نے تمہارے اوپر من و سلویٰ اتارا، اپنی کتاب نازل فرمائی اور حلال و حرام کے احکام نازل فرمائے۔ اس ذات کی قسم دے کر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اپنی کتاب توریت میں ایسے شخص کے لئے جس نے شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کیا ہو، سنگ ساری کی سزا نہیں پاتے؟"

یہ زبردست قسم سن کر ابن صوریا نے کہا کہ ہاں بے شک پاتے ہیں۔ اس پر یہودی اوباش ابن صوریا پر جھپٹ پڑے۔ (اور ان کو برا بھلا کہنے لگے) ابن صوریا نے جواب دیا،

"مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے ان سے جھوٹ بولا تو ہم پر عذاب نازل ہو گا۔"

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوال کے جواب میں ابن صوریا نے کہا،

ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کا آپ ﷺ نے ذکر کیا یہ بات صحیح ہے۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے کی صورت میں توریت مجھے جلا کر بھسم کر دے گی تو میں ہرگز آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا اقرار نہ کرتا۔ مگر اے محمد ﷺ یہ بتائیے کہ یہ مسئلہ آپ ﷺ کی کتاب یعنی قرآن میں کس طرح ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"اگر چار سچے اور عادل آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ مرد نے عورت کے ساتھ اس طرح زنا کیا ہے جیسے سرمہ دانی میں سلائی تو اس زناکار شخص کو سنگسار یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا واجب ہے۔"

یہ سن کر ابن صوریا نے کہا،

قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ پر توریت نازل فرمائی، اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر بھی توریت میں یہی حکم نازل فرمایا تھا۔"

زناکاروں پر شرعی سزا کا اجراء ...... اب اگر ان سب مختلف روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں موافقت قابل غور ہے۔

غرض پھر ابن صوریا نے آنحضرت ﷺ سے آپ ﷺ کی نبوت کی بعض ایسی نشانیاں پوچھیں جن کو وہ جانتے تھے۔ اس کے بعد ابن صوریا نے کلمہ شہادت پڑھا اور نبی امی ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ یہ بات ان میں سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صوریا مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر پیچھے گزرا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس قول کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

غرض یہودیوں پر اس طرح حجت تمام ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اب چار گواہ لاؤ جو اس شخص کی زناکاری کے شاہد ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ چار گواہ لے کر آئے جنہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے اس شخص کے عضو تناسل کو اس عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔

اس گواہی پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ مسجد نبوی کے دروازے کے پاس ان دونوں کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس سنگساری کے وقت اس زناکار شخص کو دیکھا کہ وہ عورت کے اوپر جھک کر اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کرتا جاتا تھا۔

غرض یہ واقعہ ہی آیت کے نازل ہونے کا سبب بنا۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا (سورۂ مائدہ، پ ۶، ع ۷ آیت ۴۴)

ترجمہ:- ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح (روشنی) تھی، انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اسی کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے۔

اسی طرح اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بھی یہی تھا۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (سورۂ مائدہ، پ ۶، ع ۷ آیت ۴۴)

ترجمہ:- اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔

اس میں ایک آیت میں ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہے اور ایک میں ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہے۔

جانوروں میں سنگساری کا عجیب واقعہ...... عمرو ابن میمون سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں ایک دفعہ میں نے سنگساری کی یہ سزا انسانوں کے علاوہ جانوروں میں بھی دیکھی ہے۔ میں اس وقت یمن میں تھا اور اپنی بکریاں چرا رہا تھا، یکایک میں نے دیکھا کہ ایک بندر اور بندریا آئے اور ایک جگہ بیٹھ گئے۔ بندریا نے اپنا ہاتھ زمین پر پھیلا دیا اور بندر اس ہاتھ پر سر رکھ کر سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ایک اور بندر آگیا جو پہلے بندر سے ذرا چھوٹا تھا۔ اس نئے بندر نے آکر اس بندریا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی بندریا بھی اس پر مہربان ہو گئی اور اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ بندر کے سر کے نیچے سے نکالا اور اس دوسرے بندر کے ساتھ ایک طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد بندریا واپس آگئی۔ اسی وقت گھبرا کر بندر جاگ گیا اور اس نے اپنی بندریا کو سونگھا جس کے بعد یکایک اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ اس کی اس چیخ و پکار اور فریاد پر وہاں بہت سے بندر اکٹھے ہو گئے۔ اب اس بندر نے دوسرے بندروں کے سامنے چیخ چیخ کر فریاد کرنا شروع کیا۔ ساتھ ہی وہ ہاتھ سے اپنی بندریا کی طرف اشارہ بھی کرتا جاتا تھا۔ اسی وقت تمام بندر دائیں اور بائیں مختلف سمتوں میں وہاں سے چلے گئے اور کچھ دیر بعد اس نوجوان بندر کو پکڑ کر لائے اس کے بعد ان سب نے ان دونوں مجرموں کے لئے ایک گڑھا کھودا اور انہیں اس میں ڈال کر دونوں کو سنگسار کر دیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں میں نے ایک بندریا کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا اور پھر بندروں نے مل کر اس بندریا کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا۔ ان کے ساتھ میں نے بھی سنگساری میں شرکت کی۔

کتاب استیعاب میں ہے کہ یہ بات اہل علم کی جماعت کے نزدیک منکر ہے کہ غیر مکلّف جانداروں کی طرف بھی زنا کی نسبت کی جائے اور جانوروں میں بھی شرعی سزاؤں کے قائم ہونے کا حکم لگایا جائے۔ لہٰذا اگر یہ روایت صحیح ہے تو وہ بندر جنّات میں سے رہے ہوں گے۔ کیونکہ جہاں تک عبادات کا تعلق ہے تو وہ انسانوں اور جنّات تک ہی محدود ہیں۔ یہاں تک کتاب استیعاب کا حوالہ ہے۔ بہر حال یہ روایت قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

یہودی توریت میں درج آپ ﷺ کا حلیہ چھپاتے تھے...... بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کے اس حلیہ اور آپ ﷺ کی ان صفات کو بدل دیا تھا جو توریت میں ذکر تھیں، اسکی وجہ ان

یہودی علماء کا یہ خوف تھا کہ کہیں آنحضرت ﷺ کی وجہ سے انکی روزی نہ ماری جائے۔ کیونکہ جہاں تک یہودی علماء کی روزی کا تعلق تھا تو اس کے ذمّے دار ان کے عوام تھے مگر اسی وقت تک جب تک وہ عوام توریت کے احکام پر عمل پیرا ہوں یعنی یہودی مذہب کے پابند ہوں للذا ان کو یہی ڈر تھا کہ اگر ان کے عوام مسلمان ہو گئے تو ان سے ان کی آمدنی اور روزی کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ (ی) چنانچہ وہ ان لوگوں سے جو مسلمان ہو جاتے تھے کہا کرتے تھے۔

"اپنا روپیہ ان لوگوں یعنی مہاجروں پر مت خرچ کرو ہمیں ڈر ہے کہ تم بالکل قلاش اور کنگال نہ ہو جاؤ۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ۔ (سورۂ نساء، پ ۵، ع ۶ آیت ۳۷)

ترجمہ:- جو کہ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے۔

یعنی آنحضرت ﷺ کی صفات جو ان کی کتاب توریت میں موجود تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ مثلاً اس میں آپ ﷺ کے متعلق یہ حلیہ تھا کہ آپ ﷺ سرمگیں آنکھوں اور میانہ قد والے ہوں گے اور گھونگریالے بالوں والے اور خوبصورت ہوں گے۔ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر اس حلیہ کو مٹادیا اور اس کی جگہ یہ کہا کہ ہم اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کا جو حلیہ پاتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کا قد لمبا ہوگا، آنکھیں نیلی ہوں گی اور بال سیدھے ہوں گے۔ پھر انہوں نے توریت کے حوالے سے یہی حلیہ اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کیا اور کہا،

"یہ ہے اس نبی کا حلیہ جو آخری زمانے میں ظاہر ہوں گے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۱ آیت ۱۷۴)

ترجمہ:- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کے مضامین کا اخفا کرتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں دنیا کا متاع قلیل وصول کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہود کی نئی شرارت...... یہودی جب آنحضرت ﷺ سے بات کرتے تو کہتے،

"رَاعِنَا سَمْعَكَ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ یعنی ہماری رعایت فرمائیے۔ ہم آپ کی سنیں آپ ہماری سنئے۔"

یہ کہہ کر وہ لوگ آپس میں ہنستے اور دل لگی کرتے۔ یہ یہودیوں کی ایک نئی شرارت تھی۔ رَاعِنَا کا لفظ عربی زبان میں بھی ہے اور یہودیوں کی عبرانی زبان میں بھی ہے۔ عربی زبان میں تو اس کے معنٰی وہی ہیں جو اوپر بیان کئے گئے لیکن عبرانی زبان میں اس کے معنی بُرے ہیں۔ گویا عربی میں یہ کلمہ اچھے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے اور عبرانی زبان میں بُرے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہودی جب یہ لفظ آپ ﷺ سے کہتے تو عبرانی زبان کے معنی مراد لیتے جبکہ مسلمان اس لفظ کے وہی عربی معنے سمجھتے۔ اس شرارت پر یہودی ہنستے اور آپس میں مذاق اڑاتے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں بھی ہے کہ یہودیوں کی عبرانی زبان میں یہ لفظ بہت بُری گالی ہے۔ مگر مسلمان اس کو نہیں سمجھتے تھے للذا جب مسلمانوں نے یہ لفظ سنا تو وہ یہ سمجھے کہ یہ کوئی بُرا لفظ ہے جس کو

یہودی اپنے نبیوں کے احترام کے طور پر استعمال کرتے ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ لفظ کہنا شروع کر دیا، جس پر یہودی خوب ہنستے اور بغلیں بجاتے۔

ایک روز یہودی اسی بات پر ہنس رہے تھے کہ حضرت سعد ابن معاذؓ اس شرارت کو سمجھ گئے ان کو غصہ آ گیا اور انہوں نے یہودیوں سے کہا،

اے خدا کے دشمنو! اگر آج کے بعد میں نے تم میں سے کسی بھی شخص کے منہ سے یہ لفظ دوبارہ سنا تو میں سچ سچ اس کی گردن مار دوں گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (سورۂ بقرہ، پ ۱، ع ۱۳ آیت ۱۰۴)

ترجمہ :۔"اے ایمان والو تم لفظ راعنا مت کہا کرو اور انظرنا کہہ دیا کرو اور اس کو بھی اچھی طرح سن لو اور ان کافروں کو تو سزائے دردناک ہو گی ہی"

ایک روایت میں یوں ہے کہ یہودیوں نے صحابہ کو سنا کہ جب آنحضرت ﷺ ان کو کوئی بات بتلا دیتے تو وہ کہتے، یارسول اللہ! راعنا یعنی ذرا ٹھہریئے تاکہ ہم بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ کلمہ عبرانی زبان کا بھی تھا جس کو یہودی گالی کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کے لئے یہ عربی لفظ راعنا استعمال کرتے سنا تو انہوں نے اپنی عبرانی زبان کے لفظ راعنا سے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرنا شروع کر دیا جس سے وہ گالی مراد لیتے۔ اسی لئے جب حضرت سعد ابن معاذؓ نے ان کے منہ سے یہ لفظ سنا تو ان سے کہا،

"اے خدا کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر اب میں نے تم میں سے کسی کو آنحضرت ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے سنا تو میں تلوار سے اس کی گردن کاٹ ڈالوں گا۔"

یہودیوں نے کہا،

"کیا تم لوگ خود بھی ان کو یہی لفظ نہیں کہتے ؟"

اس پر وہ آیت نازل ہوئی جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی۔

یہود کا اپنی معصومیت کے متعلق دعویٰ...... ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت اپنے بچوں کو لے کر آئی اور انہوں نے آپ ﷺ سے کہا،

"اے محمد ﷺ! کیا ہماری اولاد کے ذمہ بھی کوئی گناہ ہے ؟"

آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں۔! تو انہوں نے کہا،

"تو قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم آپ ﷺ لیتے ہیں کہ ہم بھی ان ہی کی طرح ہیں۔ جو کوئی گناہ ہم رات کے وقت میں کرتے ہیں اس کا اگلے دن میں ہم سے کفّارہ کرایا جاتا ہے اور جو کوئی گناہ ہم دن میں کرتے ہیں اس کا کفّارہ ہم سے رات میں کرایا جاتا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ فَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا (سورۂ نساء، پ ۵، ع ۷ آیت ۴۹)

ترجمہ :۔"کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں

مقدس بنادیں اور ان پر دھاگہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔"

یہود کا حکم بننے سے آنحضرت ﷺ کا انکار...... ایک روایت میں ہے کہ گذشتہ روایت کی بنیاد پر ابن صوریا کے مسلمان ہونے سے پہلے ایک روز یہودی عالم جمع ہوئے جن میں خود ابن صوریا کے علاوہ شاس ابن قیس اور کعب ابن اُسید بھی تھے۔ انہوں نے کہا آؤ محمد ﷺ کے پاس چلیں ممکن ہے ہم ان کو ان کے دین سے پھیرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے،

"اے محمد! آپ ﷺ کو معلوم ہے ہم یہودی عالم اور معزز لوگ ہیں۔ اگر ہم آپ کی پیروی اختیار کرلیں تو سارے یہودی آپ کی پیروی قبول کرلیں گے۔ اب ہمارے اور قوم کے درمیان ایک جھگڑا ہے۔ اگر آپ ﷺ حکم بن کر اس جھگڑے کا فیصلہ ہمارے حق میں کردیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔!"

مگر آپ ﷺ نے ان کا حکم بننے سے انکار فرمادیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

(سورۂ مائدہ، پ ۶، ع ۷)

ترجمہ:- "اور ہم مکرر حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل در آمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے نہ بچلادیں"۔

مُنافقین

مدینہ میں جب اسلام کو سربلندی اور فروغ حاصل ہوا اور اس کے مقابلے میں یہودی اقتدار پس کر رہ گیا تو حالات کے دباؤ اور اپنی جانوں کے خوف سے بہت سے یہودی مسلمان ہوگئے مگر ان کا یہ اسلام قہر درویش بر جان درویش کے مصداق تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان ہوجانے کے باوجود ان کی ہمدردیاں اور محبتیں یہودیوں کے ساتھ ہی ہیں۔ یعنی ظاہری طور پر وہ مسلمان ہوگئے اور قلبی طور پر یہودی رہے۔ ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منافقین کا لقب دیا۔

حضرت عُمیر اور جلاّس کا واقعہ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں ایسے منافق مسلمانوں کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی تھی۔ ان ہی میں ایک شخص جُلاّس ابن سُوید ابن صامِت بھی تھا۔ ایک روز اس شخص نے کہا،

"اگر یہ شخص یعنی آنحضرت ﷺ سچے ہیں تو ہم لوگ تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔"

جُلاّس کی یہ بات حضرت عُمیر ابن سعد نے سن لی جو جلاّس کی بیوی کے بیٹے یعنی جُلاّس کے سوتیلے بیٹے تھے کیونکہ جب حضرت عُمیر کے باپ کا انتقال ہوگیا تو عُمیر بہت چھوٹے تھے اور ان کی ماں نے جلاّس سے شادی کرلی اس طرح حضرت عُمیر اس کی پرورش و پرداخت میں آگئے تھے۔ حضرت عُمیر کے پاس پیسہ بھی نہیں تھا لہٰذا ان کے اخراجات کا ذمہ دار اور کفیل بھی جُلاّس ہی بنا تھا اور وہ ان کے ساتھ بہت اچھا معاملہ کرتا تھا۔

ایک روز جُلاّس رات میں گھر واپس آیا اور بستر پر لیٹے ہوئے اس نے یہ بات کہی تھی کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمیر نے اس سے کہا،

جُلاّس! تم میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور اچھے آدمی ہو۔ اس وقت تم نے ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اس کو تم پر الٹ دوں تو تمہارا فضیحہ ہوگا اور اگر خاموش رہوں تو میرا ایمان خراب ہوگا۔ مگر ان میں سے ایک بات دوسرے کے مقابلے میں میرے لئے آسان ہے۔"

اس کے بعد حضرت عمیر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے جلاّس کی بات نقل کی۔ آپ ﷺ نے فوراً جلاّس کو بلوایا اور اس سے پوچھا تو اس نے حلف اٹھا کر اس بات سے انکار کیا اور کہا کہ عمیر نے مجھ پر جھوٹ الزام لگایا ہے۔ میں نے وہ بات نہیں کہی جو عُمیر کہہ رہے ہیں۔

اس پر حضرت عمیر نے کہا،

"بے شک تم نے یہ بات خدا کی قسم کہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن پاک اس بارے میں نازل ہو اور تمہارے ساتھ میں بھی پکڑ میں آجاؤں۔"

وحی کے ذریعہ جلاّس کے جھوٹ کا پول...... ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منبر کے پاس جلاّس سے حلف اٹھانے کے لئے فرمایا۔ تو اس نے حلف اٹھالیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا۔ پھر آپ ﷺ نے اس بات کو بیان کرنے والے یعنی حضرت عمیر سے حلف اٹھانے کے لئے فرمایا تو انہوں نے حلف اٹھا کر کہا کہ جلاّس نے ایسا کہا ہے پھر حضرت عمیر نے یہ دعا مانگی،

"اے اللہ! اپنے نبی پر وحی نازل فرما جس سے جھوٹے کا جھوٹ اور سچے کا سچ ظاہر ہو جائے۔"

آنحضرت ﷺ نے اس دعا پر آمین فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ وحی نازل فرمائی،

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ پ (سورۂ توبہ، پ۱۰، ع۱۰)

ترجمہ:- وہ لوگ قسمیں کھاجاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی اور وہ بات کہہ کر اپنے اسلام ظاہری کے بعد ظاہر میں بھی کافر ہوگئے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی اور یہ کہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا تھا۔ سو اگر اس کے بعد بھی توبہ کریں تو ان کے لئے دونوں جہان میں بہتر ہوگا"۔

اس پر جُلاّس نے اپنی بات کا اقرار کرلیا اور پھر توبہ کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی توبہ قبول فرمائی اور پھر اس نے اپنی اس توبہ کا خیال رکھا۔ اس کے بعد جلاّس نے حضرت عمیر کے ساتھ بھی اپنا طرز عمل نہیں بدلا بلکہ برابر ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہا۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ خیال کیا گیا کہ اس نے دل سے توبہ کرلی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عمیر سے فرمایا کہ تم نے اپنے کانوں کو بچالیا۔

منافق کی شکل میں شیطان...... ان ہی منافق مسلمانوں میں سے ایک شخص نَبتَل ابن حرث تھا، اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہے وہ نَبتَل ابن حرث کو دیکھ لے۔"

"یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی مجلسوں میں آکر بیٹھتا اور آپ ﷺ کی باتیں منافقوں کو جاکر بتلاتا۔ اسی نے منافقوں سے کہا تھا،

"محمد ﷺ کانوں کے بہت کچے ہیں، جو کوئی کچھ کہتا ہے اسی کو مان لیتے ہیں۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

وَمِنهُم الَّذِیْن یؤذُونَ النَّبیَّ وَیقُولُونَ هُوَ اُذُنٌ (سورۂ توبہ، پ۱۰، ع ۸)

ترجمہ :- "ان منافقین میں سے بعض ایسے ہیں کہ نبی کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں"۔

اسی نبتل کے متعلق جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہا۔

"آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آکر بیٹھتا ہے جس کا حلیہ یہ ہے اور اس نے یہ بات کہی ہے۔ یعنی جو بات اس نے آنحضرت ﷺ کے متعلق کہی تھی وہ بتلائی اور پھر کہا، اس کی فطرت گدھے کی فطرت سے بھی زیادہ خراب ہے۔ وہ آپ ﷺ کی باتیں منافقوں سے جاکر بیان کرتا ہے اس لئے اس سے پرہیز کیجئے۔"

سردار منافقین...... ان ہی منافقوں میں عبداللہ ابن ابیٔ ابن سلول تھا جو منافقوں کا سردار تھا۔ نفاق کے سلسلے میں اس کی شہرت اتنی زیادہ ہوئی کہ اس کو صحابہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ یہ شخص مدینہ کے معزز لوگوں میں سب سے زیادہ سر کردہ آدمی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ والوں نے اس کے لئے لڑیوں کا ایک تاج تیار کیا تھا تاکہ اس کی باقاعدہ تاج پوشی کر کے اسے اپنا بادشاہ بنالیں جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

ابن ابیٔ کی آنحضرت ﷺ سے دشمنی کی وجہ...... اس کو بادشاہ بنانے کی وجہ یہ تھی کہ انصاری لوگ قحطان کی اولاد میں سے تھے اور عربوں میں قحطان کے سوا کسی نے تاج نہیں پہنا اور اس تاج کی لڑیوں میں سے صرف ایک لڑی باقی رہ گئی تھی جو شمعون یہودی کے پاس تھی مگر جب مدینہ والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی عنایت فرمادیا تو ابن ابیٔ کی قوم کے لوگ اس سے برگشتہ ہو کر اسلام کے دامن میں شامل ہوگئے۔ اسی محرومی کے نتیجہ میں ابن ابیٔ کے دل میں آنحضرت ﷺ کے خلاف عداوت بیٹھ گئی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی سلطنت چھین لی ہے۔

اب جب ابن ابیٔ نے دیکھا کہ اس کی قوم کے لوگ اسلام کے سوا کسی بات پر راضی ہی نہیں ہیں یعنی ہر قیمت پر اسلام ہی کے دامن میں رہنا چاہتے ہیں تو خود ابن ابیٔ بھی بادل ناخواستہ مسلمان ہو گیا مگر منافق کی حیثیت سے اسلام میں داخل ہوا۔

ابن ابیٔ کی حرام خوری...... یہ ابن ابیٔ حرام خور بھی تھا اس کے پاس بہت سی کنیزیں اور لڑکیاں تھیں جن سے یہ زبردستی پیشہ کراتا تھا اور ان کی حرام کمائی خود لے کر عیش و عشرت کے ساتھ رہتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُم عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّناً لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورۂ نور پ۱۸، ع ۴ آیت ۳۳)

ترجمہ :- "اور اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو اور بالخصوص جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ یعنی مال تم کو حاصل ہو جائے"۔

حق تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے،

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
(آیت ۷۶ سورۂ بقرہ، پ ا، ع ۹)

ترجمہ :- "اور جب ملتے ہیں منافقین یہود، مسلمانوں سے تو ان سے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے دوسرے بعض یہودیوں کے پاس تو ان سے کہتے ہیں کہ تم کیا مسلمانوں کو وہ باتیں بتلادیتے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر منکشف کردی ہیں"۔

ابن اُبی کی خوشامدی طبیعت ...... اس آیت کا نازل ہونے کا سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک روز عبداللہ ابن اُبی اور اس کے ساتھی کہیں جارہے تھے راہ میں ان کو مسلمانوں کی ایک جماعت ملی جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنھم بھی تھے۔ ان حضرات کو دیکھ کر عبداللہ ابن اُبی اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا، ..

"دیکھو میں ان بے وقوفوں کا رخ کس طرح تمہاری طرف سے پھیرے دیتا ہوں"

اس کے بعد اس نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا،

"مرحبا ہو صدیق اکبر کو، جو بنی تمیم کے سردار ہیں، شیخ الاسلام ہیں، غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں اور اپنی جان و مال رسول اللہ ﷺ کی محبت میں خرچ کرنے والے ہیں۔"

پھر اس نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا،

مرحبا ہو رسول اللہ کے چچا کے بیٹے کو اور آپ ﷺ کے داماد کو جو آنحضرت ﷺ کے بعد بنی ہاشم کے سب سے بڑے سردار ہیں۔

پھر اس نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا،

"بنی عدی کے فاروق اعظم کو مرحبا ہو، جو اللہ کے دین کے لئے نہایت طاقتور اور جری ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی جان و مال خرچ کرنے والے ہیں۔"

حضرت علیؓ نے ابن اُبی سے کہا،

"اے عبداللہ! اللہ سے ڈرو۔ اور منافقت نہ کرو۔ منافقین اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں"

ابن اُبی نے کہا،

"ابوالحسن ذرا ٹھنڈے رہو! کیا یہ بات تم مجھے کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم ہمارا ایمان تمہارے ایمان جیسا ہے اور ہماری تصدیق تمہاری جیسی تصدیق ہے۔"

پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم لوگ میرے اور میرے اسلام کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ ان لوگوں نے جواب میں ابن اُبی کی خوب تعریفیں کیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال اس بکری کے جیسی ہے جو گیابھن ہونے کے لئے دو گلّوں میں گھومتی ہے۔ کبھی وہ اس گلّے میں جاتی ہے اور کبھی دوسرے گلّے میں جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی ...... ہجرت کے پہلے سال میں ہی رسول اللہ ﷺ کے یہاں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی جیسا کہ کتاب عیون الاثر میں ہے۔ مگر کتاب مواہب میں یہ ہے کہ رخصتی ہجرت کے دوسرے سال شوال کے مہینے میں یعنی آنحضرت ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے اٹھارہ مہینے بعد ہوئی تھی۔ ایک قول سات مہینے

اور ایک قول آٹھ مہینے بعد کا بھی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حالانکہ میری رخصتی شوال میں ہوئی اور اسی وقت خلوت ہوئی مگر آپ ﷺ کی ازواج میں آپ ﷺ کے نزدیک مجھ سے زیادہ کون خوش قسمت تھی۔(ی) یعنی یہاں کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کہ دو عیدوں کے درمیانی مہینوں میں شادی کرنا منحوس اور مبارک ہوتا ہے جس سے میاں بیوی میں اکثر مفارقت اور علیحدگی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کے وہموں اور شگونوں کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ اعتبار ہے (اس دور میں عربوں میں شادی کیلئے یہ مہینے منحوس سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اسی وہم کی تردید فرمائی ہے)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رخصتی کے دن رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے پاس انصاری مرد اور عورتیں آکر جمع ہو گئے۔ میں اس وقت ایک جھولے میں جھول رہی تھی جو دو کھجوروں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔ میری والدہ نے آکر مجھے جھولے سے اتارا۔ میں چونکہ مدینہ آکر بیمار ہو گئی تھی اس لئے میرے بال الجھے ہوئے تھے۔

چنانچہ حضرت براء سے روایت ہے کہ ایک روز میں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ان کے یہاں گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ لیٹی ہوئی تھیں اور ان کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ پھر ان کے والد حضرت ابو بکرؓ نے بیٹی کے رخسار پر پیار کیا اور کہا کہ بیٹی گھبراؤمت۔

غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں،

"اس بیماری کی وجہ سے میرے بال الجھے ہوئے تھے جنہیں میری والدہ نے درست کیا اور مانگ چوٹی کی، پھر انہوں نے میرا منہ دھلایا، اس کے بعد وہ مجھے پکڑ کر چلیں اور دروازے کے پاس آکر ٹھہر گئیں کیونکہ میرا کچھ سانس پھول گیا تھا۔ جب میرا سانس درست ہو گیا تو وہ مجھے لے کر اندر داخل ہوئیں جہاں میں نے دیکھا کہ ہمارے گھر یعنی حجرے میں تخت پر رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے پاس بہت سے انصاری مرد و عورت جمع ہیں۔ میری والدہ نے مجھے آنحضرت ﷺ کی بغل میں بٹھادیا اور کہا،

"یہ تمہارے گھر والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان میں خوش رکھے اور ان کو تمہارے ساتھ خوش رکھے۔"

اسی وقت سب لوگ وہاں سے اٹھ کر باہر چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مکان ہی میں میرے ساتھ خلوت فرمائی۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دن کے وقت میں عروسی منائی۔

عروسی منانے کے لئے اس حدیث میں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں کہ۔ بنٰی بِیَ رَسُوْلُ اللّٰہ۔ مگر صحاح میں یہ ہے کہ عوام اگرچہ اسی طرح بنٰی باھلہ کہتے ہیں مگر عربی کے لحاظ سے یہ جملہ غلط ہے صحیح جملہ بنٰی علیٰ اَھلہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ فصیح لوگ اگر کثرت سے بھی غلط لفظ استعمال کرنے لگیں تو وہ غلط ہی رہتا ہے یعنی جیسا کہ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے استعمال کیا ہے۔

کتاب استیعاب میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ ﷺ! آپ اپنی اہلیہ کی رخصتی کیوں نہیں کرا لیتے ؟"

آپ ﷺ نے فرمایا مہر کی رقم کی وجہ سے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کو ساڑھے بارہ اوقیہ دیا۔ آپ ﷺ نے یہ مال ہمارے یہاں بھجوادیا اور پھر میرے ساتھ ہمارے اسی مکان میں عروسی فرمائی جس میں میں ہوں۔ پھر اسی مکان میں آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اور اسی میں آپ ﷺ کو دفن کیا گیا۔

یہاں گذشتہ روایت کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے مکان میں ہی عروسی منائی جو سنخ کے مقام پر تھا۔ بعض دوسرے علماء نے بھی صاف طور پر یہی بات کہی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ سخ کے مقام پر صدیق اکبرؓ کے مکان میں ان کے وقت عروسی فرمائی تھی۔ مگر آج کل جو رواج ہے یہ بات اس کے خلاف ہے (کہ لڑکی کے مکان پر اس کے ساتھ عروسی منائی جائے)۔ یہاں تک ان علماء کا حوالہ ہے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رخصتی کے دن میں اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ ایک جھولے میں کھیل رہی تھی کہ میری والدہ آئیں اور انہوں نے زور سے مجھے پکارا مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اس حجرے کے دروازے پر لائیں اور رک گئیں۔ میرا سانس درست ہو گیا تو میرا سر اور منہ دھلایا اور پھر حجرے میں داخل ہوئیں جہاں انصاری عورتیں جمع تھیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر خیر و برکت اور نیک فالی کی دعائیں دیں۔ پھر میری والدہ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا جنہوں نے میرا سنگار کیا پھر چاشت کے وقت مجھے رسول اللہ نے ہی دیکھا۔ میری والدہ نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا اور اس وقت میری عمر نو سال کی تھی۔

<u>حضرت عائشہؓ کے کھیل</u>...... ایک قول ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کی آنحضرت ﷺ کے یہاں رخصتی ہوئی تو ان کے کھیل کھلونے بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ خود حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آکر بھی وہ اپنی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ ان کے پاس ان کی ہم عمر بچیاں آیا کرتیں اور سب مل کر گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ اکثر خود آنحضرت ﷺ بچیوں کو بلوا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیتے تاکہ ان کے ساتھ کھیل سکیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک یا غزوۂ حنین سے واپس تشریف لائے تو اس وقت ہوا بہت زور سے چل رہی تھی یکایک ہوا کے جھونکے سے مکان میں ایک طرف رکھی ہوئی میری گڑیوں کے اوپر سے کپڑا سرک گیا جس سے ان گڑیوں کا حلیہ نظر آنے لگا۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو پوچھا کہ عائشہ یہ کیا ہیں؟ میں نے کہا، میری گڑیاں ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان گڑیوں کے بیچ میں ایک گھوڑا کھڑا ہوا تھا جس پر کپڑے کے دو پَر بھی لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

"اور یہ ان گڑیوں کے بیچ میں کیا چیز ہے؟"

میں نے عرض کیا کہ یہ گھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس کے یہ پَر یعنی پنکھ کیسے ہیں؟ میں نے کہا،

"کیا آپ ﷺ نے سنا نہیں کہ سلیمانؑ کا جو گھوڑا تھا اس کے دو پنکھ تھے"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو یہ گڑیاں وغیرہ ہٹانے یا ان کی شکل بگاڑ دینے

کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جاندار کی تصویر کے ناجائز ہونے کا جو حکم ہے یہ بات اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کا سلیمانؑ کے گھوڑے کا ذکر کرنا اور آنحضرت ﷺ کا اس سے انکار نہ کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سلیمانؑ کے پاس ایسے گھوڑے کا وجود رہا ہوگا۔ چنانچہ بعض دوسرے مؤرخوں نے بھی حضرت سلیمانؑ کے ایسے ہی گھوڑے کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب یعنی سیرت حلبیہ کے شروع میں جہاں اسماعیلؑ کا ذکر آیا ہے وہاں حضرت سلیمانؑ کے اس گھوڑے کے متعلق بھی کچھ تفصیل پیش کی گئی ہے جو قسط اول میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ ان کی رخصتی کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے یہاں نہ تو اونٹ ذبح کئے گئے اور نہ بکری۔ شام کو حضرت سعد ابن عبادہؓ کے یہاں سے روزانہ معمول کے مطابق کھانا آیا جو آنحضرت ﷺ نے میرے پاس بھجوادیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ عروسی کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے کوئی ولیمہ نہیں فرمایا البتہ حضرت سعد ابن عبادہؓ کے یہاں سے ہدیہ میں ایک دودھ کا پیالہ آیا جس میں سے تھوڑا سا آنحضرت ﷺ نے پیا اور باقی حضرت عائشہؓ نے نوش فرمایا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ممکن ہے حضرت سعد ابن عبادہؓ نے کھانے کا تھال اور دودھ کا پیالہ دونوں چیزیں ہدیہ میں بھیجی ہوں مگر راویوں نے اپنی اپنی روایتوں میں ایک ایک چیز کا ذکر ہی کیا۔

ادھر رخصتی کے روز حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر میں اپنی والدہ کی جو مصروفیات بیان کی ہیں اس سلسلے میں دو روایتیں گزری ہیں جن میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس سلسلے میں ممکن ہے پہلی روایت کے واقعات بعد کے ہوں اور دوسری روایت کے واقعات پہلے کے ہوں۔ یعنی دوسری روایت کے مطابق جب عورتوں نے ان کا بناؤ سنگار کر دیا اور ان کی والدہ نے ان کا منہ ہاتھ دھلادیا تو وہ دوبارہ جھولے میں کھیلنے کے لئے چلی گئی ہوں۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ پہلی روایت میں پوری تفصیلات ذکر نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب سی و ہفتم (۳۷)

آنحضرت ﷺ کے غزوات

غزوات کی تعداد اور نام...... ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے غزوات کی تعداد یعنی جن میں آپ ﷺ نے خود بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہے۔ ستائیس ہے۔ ان غزوات کے نام یہ ہیں غزوۂ بواط، غزوۂ عشیرہ، غزوۂ سفوان، غزوۂ بدر کبریٰ، غزوۂ بنی سلیم، غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ سُویق، غزوۂ قر یرۃ الکدر، غزوۂ غطفان جس کو غزوۂ ذی امر بھی کہا جاتا ہے، غزوۂ نجران یا حجاز، غزوۂ احد، غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ ذات الرقاع جس کو غزوۂ محارب اور بنی تغلبہ بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ بدر آلاخرۃ جس کو غزوۂ بدر الموعد بھی کہتے ہیں) غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ بنی مصطلق جس کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں، غزوۂ خندق، غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ بنی لحیان، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ ذی قرد اس کو قرَدَ کہتے ہیں جس کے معنی گھٹیا اون کے ہیں غزوۂ حنین، غزوۂ وادی القریٰ، غزوۂ عمرۃ القضاء، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین وطائف اور غزوۂ تبوک۔ (ان غزوات کی ترتیب بھی یہی ہے)۔

جن غزوات میں جنگ ہوئی...... ان میں سے وہ غزوے جن میں قتل و قتال ہوا ہے نو ہیں یعنی جن میں آپ ﷺ کے صحابہ نے جانبازی و سر فروشی کی ہے۔ چنانچہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں یہی بات یوں کہی گئی ہے کہ وہ غزوات جن میں آنحضرت ﷺ نے قتل و قتال فرمایا ان کی تعداد نو ہے۔

ان غزووں کے نام یہ ہیں۔ غزوۂ بدر کبریٰ، غزوۂ احد، غزوۂ مریسیع یعنی غزوۂ بنی مصطلق، غزوۂ خندق، غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ خیبر، غزوۂ فتح مکہ اور غزوۂ حنین و طائف۔

بعض علماء نے ان میں سے فتح مکہ کو نکال دیا ہے یعنی فتح مکہ کو ان غزوات میں شامل نہیں کیا جن میں خونریزی ہوئی ہے۔ اس بارے میں امام نووی کا قول یہ ہے کہ مکہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی اور ان کے کچھ ماننے والوں کا بھی یہی قول ہے۔ لہٰذا مکہ کے مکانات کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز ہے اس کی دلیل امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مکہ جنگ کے ذریعہ فتح ہوا ہوتا تو اس کے مکانات اور جائیدادوں کو غازیوں میں

تقسیم کر دیا جاتا۔

ان دونوں روایتوں میں موافقت کا بیان آگے آئے گا کہ مکہ کا زیریں حصہ تو جنگ کے ذریعہ فتح ہوا تھا کیونکہ یہاں خالد ابن ولید نے مشرکوں کے ساتھ حملہ کر کے مسلمانوں سے جنگ کی تھی، اور بالائی حصہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا کیونکہ وہاں خوں ریزی نہیں ہوئی۔

کتاب ہدیٰ میں یہ ہے کہ جو شخص صحیح حدیثوں پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ سب حدیثیں جمہور کے اس قول کو ہی ثابت کرتی ہیں کہ مکہ طاقت کے ذریعہ ہی فتح ہوا ہے کیونکہ وہاں جنگ ہوئی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ والوں سے مکہ شہر کے متعلق کوئی صلح نامہ نہیں فرمایا تھا ورنہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کو دلیل نہ بنایا جاتا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو کر پناہ حاصل کرے گا اس کو امان ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ نے مکہ کی فتح کے مال غنیمت کی کوئی تقسیم نہیں فرمائی کیونکہ وہ ارکان حج کا گھر ہے اور اس شہر میں ہر مسلمان کا برابر حق ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ظاہر ہے یہ حکم مکہ کے گھروں کے علاوہ جگہوں کے لئے ہے (کہ ان پر ہر مسلمان کا حق ہے مکانات ذاتی ملک ہیں اس لئے کہ یہ حکم نہیں) اگرچہ کتاب مواہب میں یہ قول ہے کہ ان میں سے نو غزوات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود بھی جنگ میں عملی حصہ لیا مگر ہماری تحقیق کے مطابق ان تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ نے سوائے غزوۂ احد کے کسی غزوہ میں بھی خود عملی طور پر حصہ نہیں لیا جیسا کہ آگے بیان ہو گا لہٰذا پیچھے جو بعض علماء کا یہ قول گزرا ہے کہ آپ ﷺ نے نو غزوں میں خود بھی قتل و قتال فرمایا، کتاب مواہب کے مصنف کو اسی سے دھوکہ ہوا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے خود شریک ہونے کا جو مطلب ہے وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

طاقت کے استعمال پر پابندی...... واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کئی سال تک بغیر جنگ اور قتل و قتال کے اسلام کی طرف تبلیغ فرماتے رہے حالانکہ مکہ میں عرب اور مدینہ میں یہودی آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو شدید ترین تکلیفیں پہنچاتے رہے مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ نے لوگوں کو صرف ڈرانے اور تبلیغ کرنے کا حکم دیا تھا (تلوار اٹھانے کا نہیں) اس لئے آپ ﷺ ان تکلیفوں پر صبر فرماتے رہے اور ان کو ڈراتے رہے جس کی بنیاد حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "وَاَعرِض عَنھُم" "ان سے مت الجھو اور یہ کہ "وَاصْبِرْ" "یعنی صبر کرو۔ اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فتح اور کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے تو اکثر آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے پاس اس حالت میں آتے کہ کفّار کے ہاتھوں پٹ کر اور زخم کھائے ہوئے ہوتے تو آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر فرماتے،

"صبر کرو، کیونکہ مجھے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔"

جنگ کی مشروط اجازت...... اس کی وجہ یہ تھی کہ مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور دو ایک چھوٹی سی جماعت تھے۔ پھر جب ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھ گئی اور وہ ایک طاقتور فرقہ بن گئے۔ نیز ساتھ ہی مسلمانوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی محبت اپنے باپ دادا، اپنی اولاد اور اپنی بیویوں سے بھی زیادہ رچ بس گئی اور دوسری طرف مشرکین اپنے کفر اور آنحضرت ﷺ کے جھٹلانے پر تلے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو مشرکوں سے جنگ کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ یہ حکم ۲ھ ماہ

صفر میں ملا۔ مگر صرف ان لوگوں سے لڑنے کے لئے جو خود مسلمانوں پر حملہ کریں اور جنگ میں پہل کریں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے،

"فَاِنْ قَاتَلُوْ كُمْ فَاقْتُلُوْ هُمْ"

بعض علماء نے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق لکھا ہے،

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (سورۂ حج، پ ۱۷، ع ۵ آیت ۳۹)

ترجمہ :-"اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے۔

جہاد آسمانی عذابوں کا بدل ہے...... لہٰذا یہ جنگ گویا اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کے عوض اور بدلے میں تھی جو پچھلی امتوں پر اسی وجہ سے نازل کئے گئے تھے کہ انہوں نے اپنے نبیوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے کے بجائے ان کو جھٹلایا تھا (لہٰذا جب اللہ کا عذاب آیا تو پوری پوری قوموں اور علاقوں کو تہس نہس کر گیا مگر اس امت پر اللہ تعالیٰ نے وہ آسمانی عذاب اور بربادیاں نہیں بھیجیں بلکہ ان کی جگہ مشرکوں اور جھٹلانے والوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ (سورۂ نساء، پ ۵، ع ۱۰ آیت ۷۷)

ترجمہ :- "کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت تھی جس میں عبدالرحمٰن ابن عوف، مقدار ابن اسود، قدامہ ابن مظعون اور سعد بن ابی وقاص تھے۔ ان سب کو مکہ میں مشرکین بڑی زبردست تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔ آخر ایک دن انہوں نے وہیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو بڑے معزز اور محترم لوگ تھے اور اب جبکہ ہم ایمان لے آئے تو انتہائی ذلیل ہو گئے اس لئے آپ ﷺ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان مشرکوں سے جنگ کریں۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان مسلمانوں سے فرمایا،

"تم ان سے اپنے ہاتھ روکے رکھو کیونکہ مجھے ان سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔"

اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ آگئے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے جنگ کرنے کا حکم فرمایا تو بعض لوگوں کو یہ کچھ ناگوار محسوس ہوا اور آپ ﷺ کو اس پر گرانی ہوئی۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

کیا آنحضرت ﷺ نے خود بھی قتال فرمایا ہے...... پیچھے ایک قول گزرا ہے کہ ان تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ نے خود جنگ اور قتال فرمایا ہے۔ اس کی تائید بظاہر بعض صحابہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ہم جب بھی کسی مشرک دستے سے دوچار ہوتے یا کوئی دستہ ہمارے مقابلہ پر آجاتا تو سب سے پہلے ضرب لگانے والے آنحضرت ﷺ ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے...... مگر اس روایت کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس میں

ضرب لگانے سے مراد لڑنا نہیں ہے بلکہ آگے بڑھنا اور مسافت طے کرنا ہے (کیونکہ عربی میں مسافت طے کرنے اور چلنے کے لئے بھی ضرب کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے) لہٰذا اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر سب سے پہلے پیش قدمی فرمانے والے یا سفر فرمانے والے آنحضرت ﷺ ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر ہم مشرکوں سے حفاظت کے لئے آنحضرت ﷺ کو آگے کر لیا کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر اور دلیر انسان تھے۔ اس موقعہ پر ہم میں دشمنوں کے سب سے زیادہ قریب آنحضرت ﷺ ہی ہوا کرتے تھے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب جنگ پورے زوروں پر آجاتی اور لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے تو ہم آنحضرت ﷺ کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ (ی) یعنی آپ ﷺ مجاہدوں کیلئے بہترین ڈھال بن جاتے تھے۔

اس بارے میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کبھی کسی بھی جنگ میں اور کسی بھی موقعہ پر خود آنحضرت ﷺ اپنی جگہ سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹ آئے ہوں۔ بلکہ صحیح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر موقعہ پر آنحضرت ﷺ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے ہیں اور آگے بڑھے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے خود جنگ کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں آگے بدر کے بیان میں سیرت شامی کے حوالے سے ایک روایت آرہی ہے جو غیر اہم ہے جس سے گذشتہ قول میں شبہ ہوتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے زبردست قتال فرمایا اور شدید جنگ کی۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے بھی شدید جنگ کی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات عریش یعنی اپنے چھپر میں تھے اور مسلسل دعا کے ذریعہ جہاد فرما رہے تھے۔ تو گویا دونوں نے اپنے بدنوں سے بھی جہاد کیا اور دعا کے ذریعہ بھی جہاد کیا۔

اسی طرح آگے غزوۂ خیبر کے بیان میں بھی روایت آئے گی کہ آنحضرت ﷺ نے خود بہ نفس نفیس جنگ اور قتال فرمایا تھا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں جو اشکال ہے وہ بھی آگے ذکر ہوگا کہ ایسی روایت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سوائے غزوۂ احد کے کسی غزوۂ میں خود قتال نہیں فرمایا جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی نیز یہ کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد اور ایک قول کے مطابق غزوۂ احد کے سوا کسی غزوۂ میں آپ ﷺ کے ہمراہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ اس روایت میں جو اشکال ہے وہ بھی آگے آئے گا۔

اسی طرح سوائے ان مذکورہ تین غزوات کے کسی اور غزوۂ میں آپ ﷺ نے دشمن کے منہ پر کنکریاں نہیں پھینکیں مگر ان میں کے بھی تیسرے یعنی غزوۂ احد کے متعلق اختلاف ہے۔

اسی طرح سوائے غزوۂ احد کے کسی اور غزوے میں آنحضرت ﷺ کے زخم نہیں آئے۔ اسی طرح سوائے غزوۂ طائف کے کسی اور غزوے میں منجنیق نصب نہیں کیا گیا (منجنیق قدیم زمانے کی ایک جنگی ایجاد تھی جس کے ذریعہ بڑے بڑے پتھر دور تک دشمن پر پھینکے جاسکتے تھے مگر عرب میں اس مشین کا رواج نہیں تھا) اس روایت پر اشکال ہوتا ہے کیونکہ ایک روایت کے مطابق آپ نے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر خیبر کی بعض حویلیوں پر منجنیق نصب کرائے تھے۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ ایسے ہی آپ ﷺ نے

سوائے غزوۂ احزاب کے کسی غزوہ میں خندق کے ذریعہ دفاع نہیں فرمایا۔

اذن جہاد کا اعلان...... جہاد کے سلسلے میں جو آیت پیچھے گزری ہے یعنی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ الخ اس کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ جہاد کی اجازت کے سلسلے میں یہ پہلی آیت ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور جب یہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی اطلاع ان الفاظ میں دی،

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب بھی وہ یہ کلمے کہہ دیں گے تو اس کے حق کو چھوڑ کر ہر طرح وہ اپنے خون اور اپنے مال کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے۔ وہ ان کا حساب اللہ کے ذمے ہوگا۔"

اس پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس کلمے کا حق یعنی حق تلفی کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہ کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کرے یا کسی شخص کی جان لے لے"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس تفصیل کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے لئے اسی مذکورہ جنگ کا حکم ہے۔ مگر اس بارے میں تامل ہے۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو جنگ کا حکم اس آیت کے بغیر یعنی اس سے پہلے ہی مل چکا ہو۔ کیونکہ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں جہاد کے صرف جائز ہونے کو ظاہر کیا گیا ہے جبکہ جائز ہونے یا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

اب جہاں تک اس دوسری آیت کا تعلق ہے فَاِنْ قَاتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ تو یہ بھی صرف جائز ہونے کے لئے ہے کیونکہ اس میں جو امر یا حکم کا صیغہ ہے وہ صرف جائز ہونے کے لئے آرہا ہے چاہے اس میں اصل واجب ہونا ہی ہو۔ ادھر آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ حکم اس آیت کے بغیر مانا جائے تو آنحضرت ﷺ کے اس لفظ حکم سے بھی جواز مراد لیا جائے گا کیونکہ حکم میں امر اور جواز دونوں ہی چیزیں مشترک ہوتی ہے۔ لہٰذا اب یہ بات اس گذشتہ قول کے خلاف نہیں رہتی جس میں کہا گیا ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں پر قتال کرنا واجب نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

غرض جب سارے ہی عربوں نے مسلمانوں کو نشانہ پر رکھ لیا اور ہر طرف سے ان کو جنگ کے لئے مجبور کرنے لگے تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ رات کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے اور صبح کو ہتھیار لگائے ہوئے اٹھتے اور وہ یہ کہتے،

"کیا کبھی ایسا وقت بھی آئے گا جب ہم امن کے ساتھ رات گزار سکیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہمیں کسی کا خوف نہ ہو۔"

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (سورۂ نور، پ ۱۸، ع ۷ آیت ۵۵)

ترجمہ:- "اے مجموعہ امت تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو اس اتباع کی برکت سے زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے اہل ہدایت لوگوں کو

حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام اس کو ان کے نفع آخرت کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بہ امن کر دے گا۔"

حرام مہینوں کے سوا جہاد کا اذن عام...... اس کے بعد جنگ کی اجازت مل گئی۔ یعنی ایسے شخص کے ساتھ خود سے جنگ کرنے کی اجازت بھی ہو گئی جس نے جنگ نہ چھیڑی ہو۔ مگر یہ اجازت حرام مہینوں کے سوا باقی مہینوں میں تھی۔ اشہر حرم یعنی حرام مہینوں سے مراد یہ مہینے ہیں۔ رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم حق تعالیٰ نے ان مہینوں کو جنگ کی اجازت سے مستثنیٰ فرمادیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

فاذانسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (سورۂ توبہ، پ۱۰، ع۱ آیت ۵)

ترجمہ:۔ سوجب اشہر حرم گذر جائیں تو اس وقت ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو۔

پھر ۲ھ کے بعد جہاد واجب ہو گیا۔ یہ وجوب مطلق یعنی بلا کسی قید کے تھا۔ یعنی اس میں کوئی شرط نہیں تھی اور کسی خاص زمانے یا مہینے کی قید نہیں تھی۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی،

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (سورۂ توبہ، پ۱۰، ع۵ آیت ۳۶)

ترجمہ:۔ اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔

بلاشرط اذان عام...... مراد یہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں ان سے جنگ کرو۔ اب اس سے معلوم ہوا کہ جہاد ہجرت کے پہلے کے پورے زمانے میں اور ہجرت کے بعد صفر ۲ھ تک حرام تھا۔ کیونکہ اس پورے عرصہ میں آپ کو صرف تبلیغ اور بغیر جنگ کئے ڈرانے کا حکم تھا جیسا کہ آپ ﷺ کو ستّر کے قریب آیتوں میں اس سے روکا گیا ہے اس کے بعد آپ ﷺ کو جہاد کی اجازت حاصل ہو گئی یعنی ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت مل گئی جو مسلمانوں سے جنگ کریں۔ پھر اس کے بعد ایسے شخص سے بھی جنگ کرنے کی اجازت مل گئی جس نے خود سے ابتداء نہ کی ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ حرام مہینوں میں سے کوئی مہینہ نہ ہو اور پھر مطلقاً بلا کسی قید کے جہاد کرنے کا حکم ہو گیا (یعنی اس میں نہ یہ قید تھی کہ اسی شخص کے ساتھ جنگ کی جائے جس نے خود سے پہل کی ہو اور نہ اشہر حرم کی قید تھی) یعنی اس کے ساتھ بھی جس نے خود سے پہل کی ہو اور اس کے ساتھ بھی جس نے پہل نہ کی ہو اور ہر زمانے میں چاہے وہ حرام مہینے ہوں یا نہ ہوں۔

(اب گویا جہاد کے حکم کی دو حالتیں ہو گئیں۔ ایک پہلی حالت جس میں جہاد کی اجازت قید کے ساتھ تھی اور ایک دوسری حالت میں جو بلا قید تھی) امام اسنوی کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری حالت میں آپ ﷺ کے لئے جہاد کا حکم اور امر تھا یعنی آپ ﷺ جہاد کرنے کے لئے مامور تھے جہاد صرف جائز اور مباح نہیں تھا جیسا کہ پہلی حالت میں صرف مباح تھا (کہ چاہے کیا جائے چاہے نہ کیا جائے) اس بارے میں علامہ اسنوی کے الفاظ یہ ہیں،

جب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا تو آپ ﷺ کو بغیر جنگ کئے تبلیغ کرنے اور ڈرانے کا حکم ہوا تھا۔ آپ ﷺ کو حکم ہوا تھا کہ ان مشرکوں سے (الجھئے مت بلکہ) دامن بچائے رکھئے۔ نیز آپ ﷺ سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ صبر کیجئے پھر ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو اس طرح جنگ کرنے کا حکم دیا گیا کہ اگر وہ مشرک لڑائی کی ابتداء کریں تو آپ ﷺ ان سے قتال کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ فَاِنْ قَاتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ۔ یعنی اگر مشرکین آپ ﷺ سے قتل کریں تو آپ بھی ان کے ساتھ قتال کیجئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا

کہ مشرکین کی طرف سے ابتدا ہوئے بغیر بھی آپ ﷺ ان سے جنگ کر سکتے ہیں مگر حرام مہینوں کے سوا دوسرے مہینوں میں جنگ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حکم اس آیت کے ذریعہ دیا گیا فَاِذَا انْسَلَخَ الخ (جو پیچھے ذکر ہو چکی ہے)۔ پھر اس کے بعد آپ کو بلا قید کے جنگ کرنے کا مطلق حکم دے دیا گیا اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً ''یہاں تک امام اسنوی کا کلام ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہنا چاہئے کہ علامہ اردی ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ امر کا صیغہ کام کو واجب کرنے کے لئے ہی ہوتا ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں جو امر یا حکم ہے وہ دوسری حالت میں ہے (جو بلا قید ہے)۔ مگر اکثر کا قول ہے کہ امر کا صیغہ کام کو واجب کرنے اور صرف جائز کرنے دونوں مقصدوں کے لئے استعمال ہوتا ہے (یعنی اس سے وجوب اور اباحت یعنی جواز دونوں فائدے حاصل ہو سکتے ہیں) اور یہ کہ دوسری حالت میں امر یعنی حکمیہ صیغہ استعمال کر کے قتال کو واجب نہیں کیا گیا بلکہ مباح یعنی جائز کیا گیا ہے۔

مسلمانوں سے متقابل کفّار کی پہلی قسم ...... پھر سورۂ برأت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ کے مقابل جو لوگ تھے وہ تین قسم کے تھے۔

پہلی قسم ان کفّار کی تھی جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہر وقت برسر پیکار رہتے تھے اور آپ کو ایذائیں پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، یہ جنگ باز اگر اپنے وطنوں میں ہوں تو ہر سال ایک مرتبہ اس طرح ان سے جنگ کرنا ضروری ہے کہ کچھ لوگ جنگ میں شریک ہو جائیں تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ یعنی اس صورت میں صرف چند آدمی جنگ کر کے حکم پورا کر دیں تو کافی ہے جیسے کعبہ کی تعمیر اور اس کو ہر وقت آباد رکھنے کا حکم ہے کہ کچھ لوگ بھی کر لیں تو سب کی طرف سے فرض پورا ہو جائے گا (اسی کو فرض کفایہ کہتے ہیں جیسے نماز جنازہ ہے) اس بات کی دلیل حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے نکلتی ہے،

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ (سورۂ توبہ، پ ۱۱، ع ۱۵ آیت ۱۲۲)

ترجمہ :- سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت جہاد میں جایا کرے۔

ایک قول یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان تین صحابہ کا واقعہ پیش آیا تھا جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں تھے (یعنی ان سے باز پرس کی گئی) یہ بات جواب کی محتاج ہے۔ ایک قول ہے کہ اس وقت جہاد انصاریوں کیلئے فرض کفایہ تھا اور مہاجرین کے حق میں فرض عین تھا۔

دوسری قسم ...... دوسری قسم میں وہ لوگ آتے ہیں جن سے بغیر جزیہ کے مسلمانوں کا معاہدہ تھا یعنی ان کو امن دینے کے معاوضہ میں ان سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا یعنی ان لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے مصالحت فرمائی اور ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ عہد لیا کہ ہم آپ ﷺ کے خلاف نہ جنگ کریں گے اور نہ آپ ﷺ کے مقابلے پر آپ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کریں گے۔ یہ لوگ اپنے اس عہد کے باوجود کفر پر ہی تھے مگر انہوں نے اپنی جان و مال کے لئے امان حاصل کر لیا تھا۔

تیسری قسم ...... تیسری قسم میں ذمی لوگ آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی جانوں کے بدلے جزیہ دینا طے کر لیا تھا۔ پھر ان کے ساتھ ہی ایک قسم اور بھی بن جاتی ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں کے خوف سے دکھاوے کے لئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ منافق تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

منافقوں سے متعلق آنحضرت ﷺ کا طرز عمل...... ان منافقوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرتے ہوئے ان کو مسلمان ہی شمار کریں اور ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ (یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ لوگ مسلمان نہیں منافق ہیں) ان سے چشم پوشی فرماتے تھے (اور ان کی حرکتوں کو ٹالتے رہتے تھے، البتہ اسلام کے جو ظاہری شعار اور نشانیاں تھیں ان میں آپ ﷺ چشم پوشی سے کام نہیں لیتے تھے جیسے مثلاً نماز کا معاملہ ہے کہ اس بارے میں آپ ﷺ منافقوں کی بھی غفلت برداشت نہیں فرماتے تھے۔

اب یہ بات شیخین کی اس روایت کے خلاف نہیں رہتی جس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی دوسرے کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا حکم دوں تاکہ نماز جاری رہے اور کوئی امام امامت کرتا رہے۔ پھر میں اس طرح نکلوں کہ میرے ساتھ ایسے لوگ ہوں جو لکڑیوں کے گٹھر لئے ہوئے ہوں اور میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں نہیں آتے (مراد ہیں منافقین) اور وہاں میں ان کے سامنے ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔"

ہمارے یعنی شافعی علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث منافقوں کے بارے میں ہے جو جماعت سے بچتے پھرتے تھے اور نماز نہیں پڑھتے۔ یعنی گذشتہ حدیث کی رو سے قطعاً نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کیونکہ جو حدیث بیان ہوئی اس کا شروع کا حصہ اس طرح ہے۔

"منافقوں کے لئے سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے۔ یعنی ان دونوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنا۔ کاش اگر وہ ان دونوں نمازوں کا رتبہ اور اجر جانتے تو لازمی طور پر وہ ان نمازوں کو جماعت سے پڑھنے کے لئے آیا کرتے چاہے انہیں سر کے بل گھسٹتے ہوئے ہی آنا پڑتا۔ میں نے ارادہ کیا ہے......

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جہاد شافعی علماء کے نزدیک فرض عین اور فرض کفایہ میں سے فرض عین تھا اور جب کسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے جائیں تو ہر مسلمان کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے نکلنا حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق واجب تھا۔

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (سورۂ توبہ، پ۱۱، ع۱۵ آیت ۱۲۰)

ترجمہ:- مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گردو پیش رہتے ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیں۔

چنانچہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہیں دیا ان کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوا وہ ظاہر ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی)۔

اسلام کا اولین غزوہ...... اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جہاد کا جو حکم ہے اس سلسلے میں فقہ کی کتابوں میں کفار کے دو حال لکھے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ کو جہاد کی اجازت ملی تو آپ ۱۲ ربیع الاول ۲ھ میں پہلی بار جہاد کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (ی) یعنی آپ مکہ سے ہجرت کر کے ربیع الاول ہی کے مہینے میں مدینہ تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ ان بقیہ مہینوں میں مدینہ میں قیام فرمارہے اور پھر ۲ھ کے صفر کے مہینے تک رہے اور بارہ صفر کو غزوہ کے لئے مدینہ سے نکلے اور ودان کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک بڑی بستی تھی اور ابواء کے مقام سے چھ یا آٹھ

میل کے فاصلے پر تھی۔ اور خود ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں تھا جیسا کہ بیان ہوا اور اس کا نام ابواء اس لئے پڑا کہ یہاں اس علاقہ میں سیلاب بہت زیادہ آتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اس بستی میں کوئی وبا اور بیماری پھیلی ہوئی رہتی تھی اس لئے اس کا نام ابواء پڑا۔ یعنی اس صورت میں وباء کے لفظ کو الٹ کر ابواء کر دیا گیا اور یا اس لئے یہ صورت کی گئی ہو گی کہ یہاں وبائیں بہت کم ہوں گی۔

غرض اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابن خفاف نے اس غزوہ کو غزوۂ ودان کیوں کہا اور امام بخاری نے اس کو غزوۂ ابواء کیوں کہا۔ یعنی چونکہ دونوں بستیاں قریب قریب تھیں اس لئے کسی نے ایک بستی کے نام پر اس غزوہ کا نام متعین کیا اور کسی نے دوسری بستی کی نسبت سے نام متعین کیا۔ کتاب امتاع میں یہ ہے کہ ودان مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس اختلاف سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ گاؤں اس پہاڑ کے نزدیک ہو لہٰذا اسی کے نام پر بستی کا نام بھی رکھ دیا اور اس کو بھی ودان کہنے لگے۔ واللہ اعلم۔

اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف مہاجر مسلمان تھے جن میں کوئی انصاری نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ قریش کے ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے اور بنی ضمرہ کی سرکوبی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ (ی) آنحضرت ﷺ اصل میں بنی ضمرہ کے ارادے سے نکلے تھے مگر آپ کا یہ خروج دونوں مقصدوں کے لئے ہو گیا جیسا کہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر کی عبارت سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ ادھر کچھ دوسرے اقوال سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ستر صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کا رخ قریش اور بنی ضمرہ کی طرف تھا۔

<u>بنی ضمرہ کے ساتھ معاہدہ</u>...... کتاب سیرت شامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی روانگی اصل میں تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لئے تھی مگر اتفاق سے بنی ضمرہ کا معاملہ بھی پیش آگیا۔ اسی قول کی تائید حافظ دمیاطی نے بھی کی ہے کہ آنحضرت ﷺ قریش کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تھے مگر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور اسی غزوہ میں بنی ضمرہ کے ساتھ صلح معاہدہ ہو گیا (یعنی بنی ضمرہ نے مسلمانوں سے لڑنے کے بجائے صلح کر لی اور پُرامن رہنے کا عہد کیا) یہاں تک حافظ دمیاطی کا کلام ہے یعنی بنی ضمرہ کے سردار نے اس موقعہ پر صلح کر لی۔ اس سردار کا نام مجدی ابن عمرو تھا۔

بعض حضرات نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ابواء کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ کو بنی ضمرہ کا سردار مجدی ابن عمرو ضمری ملا اور اس نے آپ ﷺ سے صلح کر لی جس پر آنحضرت ﷺ سے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

بنی ضمرہ سے جن شرطوں پر صلح ہوئی وہ یہ تھیں کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے نہ ہی آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں حملہ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے۔ (قال) دونوں فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ لکھا گیا جو اس طرح شروع ہوا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عہد نامہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنی ضمرہ کے لئے ہے کہ ان کو، ان کے مال اور ان کی جانوں کو امان دی جاتی ہے اور ان کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی جائے گی۔

جب تک دریائے صوفہ میں تری باقی ہے اس عہد نامہ پر عمل کیا جائے گا (یعنی ہمیشہ کے لئے اس عہد کی پابندی کی جائے گی) مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے مقابلے پر نہ آئیں اور یہ کہ جب بھی آنحضرت ﷺ ان کو مدد کے لئے بلائیں ان کو مدد کے لئے آنا ضروری ہوگا۔ اس عہد نامہ کی ذمے داری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ہے۔ یعنی یہ امان اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دی گئی ہے۔"

اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ کے لئے روانگی کے وقت آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سعد ابن عبادہؓ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔

غرض اس معاہدہ کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس طرح یہ آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا غزوہ ہے جس کے لئے آپ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ کو پندرہ دن لگے۔ واللہ اعلم۔

باب سی و ہشتم (۳۸)

غزوۂ بواط

پھر اسی سال یعنی ۲ھ میں آپ ﷺ دوسرے غزوہ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ غزوہ ۳ ربیع الاول کے مہینہ میں اور ایک قول کے مطابق ربیع الثانی کے مہینہ میں پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی آپ ﷺ قریش کے ایک تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے جس میں امیہ ابن خلف سردار تھا اور اس کے ساتھ قریش کے سو دوسرے آدمی تھے۔ اس قافلے میں دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے (جن پر تجارتی سامان لدا ہوا تھا)۔

جنگی پرچم...... اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے جن میں مہاجرین ہی شامل تھے۔ اس معرکہ کا جھنڈا بھی سفید تھا جس کو حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اٹھائے ہوئے تھے اس جھنڈے کو عربی میں لواء کہتے ہیں جو جنگی جھنڈا ہوتا ہے اور اس جھنڈے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ لشکر کا امیر کس جگہ پر ہے۔ کبھی جنگی جھنڈا خود امیر لشکر کے ہاتھ میں ہی رہتا ہے اور کبھی جھنڈا لشکر کے آگے رکھا جاتا ہے۔

سب سے پہلے جس شخص نے جنگی جھنڈا بنایا وہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ ان کو خبر ملی کہ ایک قوم نے حضرت لوطؑ پر حملہ کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک جھنڈا تیار کیا اور اپنے غلاموں اور خادموں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لواء اور رایت دونوں ہی جنگی جھنڈے کے لئے استعمال ہوتے ہیں للذا دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر ابن اسحاق اور ابن سعد کی روایت یہ ہے کہ لفظ رایت غزوۂ خیبر کے بعد جاری ہوا ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ جب غزوۂ بواط کے لئے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سعد ابن معاذؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول یہ ہے کہ عثمان ابن مظعون کے بھائی سائب ابن مظعون کو اور ایک قول کے مطابق سائب ابن عثمان کو قائم مقام بنایا۔ مدینہ سے روانہ ہو کر آپ ﷺ بواط کے مقام پر پہنچے۔ یہ بواط ینبع

کے پہاڑ کا نام ہے اسی کی نسبت سے اس غزوہ کا نام غزوۂ بواط پڑ گیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اسی پہاڑ سے سنگ موسیٰ حاصل کیا جاتا ہے اور رضوی پہاڑ کی جانب سے یہ پہاڑی بنی جہینہ کا پہاڑ ہے۔ یہ رضوی پہاڑ ان پہاڑوں میں سے ایک ہے جن کے پتھروں سے کعبہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

مگر یہاں اس بارے میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ پیچھے مشہور اقوال کی بنیاد پر ان پانچ پہاڑوں کا ذکر ہوا ہے جن سے کعبہ کی بنیاد رکھی گئی ہے مگر ان میں رضوی پہاڑ کا ذکر نہیں آیا ہے۔ حدیث میں اس پہاڑ کے حق میں فرمایا گیا ہے کہ رضوی پہاڑ سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے غلام کیسان کے ساتھیوں کا ایک فرقہ ہے جو فرقہ کیسانیہ کہلاتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ محمد ابن حنفیہ اسی پہاڑ پر زندہ موجود ہیں اور ان کو رزق فراہم ہو رہا ہے۔ کیسانیوں کے نزدیک محمد ابن حنفیہ آئندہ زمانے میں ظاہر ہونے والے امام ہیں۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کی شیعوں کے نزدیک آئندہ ظاہر ہونے والا امام محمد قاسم ابن حسن عسکری ہے اسی کو صاحب سرداب یعنی تہہ خانے والا کہا جاتا ہے۔ شیعوں کے اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ ایک روز جبکہ محمد قاسم کی عمر نو سال کی تھی وہ اپنی ماں کے سامنے اپنے باپ کے تہہ خانہ میں گھسا تھا اور اس کے بعد پھر کبھی باہر نہیں آیا اور یہ کہ وہ اب اسی تہہ خانے میں عیسیٰؑ کی طرح مسلسل زندہ ہے اور عنقریب وہ وہاں سے نکل کر ظاہر ہوگا تو ساری دنیا اسی طرح عدل و انصاف سے بھر جائے گی جیسے اس سے پہلے ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ اب وہ اپنے دشمنوں کے خوف سے وہاں چھپا ہوا ہے۔

(قال) مگر یہ ایک قطعاً باطل عقیدہ ہے جس کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہے۔

غرض بواط پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ کا دشمنوں سے سامنا نہیں ہوا اس لئے آپ ﷺ اس دفعہ بھی بغیر جنگ کے ہی واپس مدینہ تشریف لے آئے (کیونکہ قریشی قافلہ آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے گزر چکا تھا)۔

یہاں آنحضرت ﷺ کے بغیر جنگ کئے واپس آنے کا جو ذکر ہوا ہے اس سلسلے میں عربی عبارت میں جنگ کے لئے کید کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کید مکر اور حیلہ و فریب کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے جنگ کو بھی کید یعنی مکر کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

باب سی و نہم (۳۹)

غزوۂ عُشیرہ

(ی) امام بخاری نے اپنے غزوات کے باب کو اسی غزوۂ سے شروع کیا ہے۔ (یعنی اس طرح انہوں نے غزوۂ عشیرہ کو پہلا غزوۂ قرار دیا ہے) اس بات کی تائید حضرت زید ابن اسلم کی ایک روایت سے ہوتی ہے، ان سے پوچھا گیا،

"وہ غزوۂ کون سا ہے جس میں آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے؟"

انہوں نے کہا کہ پہلا غزوۂ عشیرہ ہے۔"

(اس طرح دونوں باتوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ علامہ حلبی نے پہلا غزوۂ ابواء کو قرار دیا ہے۔ اس روایت کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس سوال سے مراد یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کا وہ پہلا غزوۂ کون سا ہے جس میں آپ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔

غرض غزوۂ بُواط کے بعد آنحضرت ﷺ کا تیسرا غزوۂ غزوۂ عشیرہ ہے جو آپ ﷺ کو جمادی الاول کے مہینے میں پیش آیا۔ سیرت دمیاطی میں ہے کہ یہ غزوۂ عشیرہ جمادی الثانی میں پیش آیا۔ یہی بات کتاب امتاع میں بھی ہے مگر اس طرح کہ جمادی الثانی میں یہ غزوۂ پیش آیا لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جمادی الاولیٰ میں پیش آیا۔

قریشی قافلے کا تعاقب...... اس دفعہ بھی آنحضرت ﷺ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے لئے تشریف لے گئے تھے جو ملک شام کو جا رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قریش نے اس تجارتی قافلے میں اپنا تمام مال و دولت شامل کیا تھا۔ مکہ میں کوئی قریشی مرد و عورت ایسا باقی نہیں تھی جس کا تھوڑا یا بہت مال اس قافلے کے ساتھ نہ ہو۔ ہاں صرف حُویطب ابن عبد العزیٰ ایک ایسا شخص تھا جس کا کوئی مال اس قافلے میں نہیں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس قافلے کے ساتھ پچاس ہزار دینار تھے (ی) اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ اس قافلے کا

امیر ابوسفیان تھا۔ اس کے ساتھ ستائیس آدمی تھے۔ ایک قول ہے کہ انتالیس آدمی تھے جن میں مخرمہ ابن نوفل اور عمرو ابن عاص بھی شامل تھے۔ یہی وہ قافلہ ہے جس کا راستہ روکنے کے لئے آپ ﷺ روانہ ہوئے جب کہ یہ قافلہ ملک شام سے واپس آرہا تھا اور یہی واقعہ غزوۂ بدر کا سبب بھی بنا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے لئے ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ایک قول ہے کہ دو سو صحابہ ساتھ میں تھے جن میں صرف مہاجرین ہی شامل تھے۔ غرض آپ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے اور عشیرہ کے مقام پر پہنچے۔

لفظ عُشیرہ کا تلفظ اسی طرح ہے اس بارے میں غزوات کے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے، مگر امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس لفظ کے آخر میں ہمزہ ہے (یعنی عشیراء) اور بخاری میں عُسیرہ سین سے بھی ہے اور اس کے آخر میں ہاء ہے اور تصغیر کے وزن سے ہے۔ اور بغیر تصغیر کے جو ہے وہ غزوۂ تبوک کے لئے بولا جاتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ تصغیر کے ساتھ اس کا جو تلفّظ ہے وہی ایک جگہ کا نام بھی ہے جو ینبع کے قریب ہے۔ (ی) اور وہی مصری حاجیوں کی منزل ہے اور بنی مدلج کا علاقہ ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے لئے مدینے سے روانہ ہوئے تو آپ نے ابو سلمہ ابن عبدالاسد کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس غزوے میں بھی آپ کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا جو آپ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔

ناکام واپسی...... یہ اسلامی لشکر بیس اونٹوں پر روانہ ہوا (اس طرح کہ باری باری سب سوار ہوتے تھے) آنحضرت ﷺ اس قریشی قافلے کے تعاقب میں روانہ ہوئے تھے مگر عشیرہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ تجارتی قافلہ چند دن پہلے گزر کر ملک شام کی طرف جا چکا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ پھر بغیر جنگ کے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ البتہ اس موقع پر یہاں بنی مدلج کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے امن اور سلامتی کا معاہدہ فرمالیا۔

کتاب عیوان الاثر میں ہے کہ یہ معاہدہ بنی مدلج اور بنی ضمرہ میں جو ان کے معاہدہ بردار تھے، ان کے ساتھ کیا گیا۔ کتاب مواہب میں اس موقعہ پر معاہدہ کی تحریر کی نقل کی ہے جو بالکل وہی ہے جو غزوۂ ودان میں آنحضرت ﷺ اور بنی ضمرہ کے درمیان لکھی گئی تھی جیسا کہ بیان ہوا لہٰذا اس بناء پر یہ بات قابل غور ہے۔

حضرت علیؓ کو ابوتراب کا لقب...... اس سفر میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ابوتراب کا لقب عطا فرمایا اس کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ یہاں آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر حضرت علی اور عمار ابن یاسرؓ کو زمین پر اس طرح سوتے ہوئے پایا کہ ان کے اوپر مٹی لگ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے اوپر مٹی لگی ہوئی دیکھی جو ہوا سے اڑ کر گرد کی صورت میں پڑ گئی تھی تو آپ ﷺ نے انہیں اپنے پاؤں سے حرکت دے کر اٹھاتے ہوئے فرمایا،

"اٹھو اے ابوتراب! یعنی مٹی والے"

جب حضرت علیؓ اٹھ کر کھڑے ہوگئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا،

"میں تمہیں بتلاؤں کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بد بخت اور شقی آدمی کون ہے؟ ایک تو حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو ذبح کرنے والا اور دوسرا وہ جو تمہارے اس سر پر وار کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے سر کے ایک جانب ہاتھ رکھا اور پھر ان کی داڑھی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اور جو اس کو خون سے رنگین کر

دے گا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ بد بخت انسان وہ تھا جس نے صالحؑ کی اونٹنی کو ذبح کر دیا تھا اور بعد کے لوگوں میں سب سے زیادہ بد بخت وہ شخص ہوگا جو تمہیں قتل کرے گا۔"

حضرت علی کی شہادت کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی...... ایک روایت میں ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ بد بخت شخص کون تھا؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ جس نے (صالحؑ کی) اونٹنی کو ذبح کیا تھا یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ بعد کے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی کون شخص ہوگا؟

انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے سر کے بیچ میں ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ وہ جو اس جگہ وار کرے گا۔

حضرت علیؓ کی فکر آخرت...... چنانچہ اس کے بعد جیسے آنحضرت نے فرمایا تھا اسی طرح یہ واقعہ پیش آیا اور اس طرح آپ ﷺ کا یہ ارشاد آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان ۴۰ھ میں حضرت علیؓ نے اپنا دستور یہ بنایا کہ ایک شام وہ حضرت حسنؓ کے گھر پر روزہ افطار کرتے، ایک شام حضرت حسینؓ کے گھر اور ایک شام حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کے گھر روزہ کھولتے۔ مگر کبھی بھی تین لقموں سے زیادہ کھانا نہ کھاتے اور یہ فرماتے،

"میری آرزو ہے کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملوں کہ میں خالی پیٹ اور بھوکا ہوں"

پیشین گوئی کی تکمیل...... آخر جب وہ رات آئی جس کی صبح میں ان کو قتل کیا گیا تو اس رات حضرت علیؓ بار بار گھر سے باہر آتے اور آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ پھر یہ کہتے،

"خدا کی قسم یہی وہ رات ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔"

یہاں تک کہ سحر کا وقت ہو گیا اور اس کے بعد موذن نے صبح کے اذان دی۔ حضرت علیؓ مسجد کی طرف روانہ ہونے کے لئے گھر سے نکلے تو ان کے مکان میں جو بطخیں پلی ہوئی تھیں وہ ان کے منہ کی طرف چونچیں ہلا ہلا کر چیخنے لگیں۔ حضرت علیؓ کے گھر کی عورتوں میں سے ایک نے بطخوں کو روکنا اور ہٹانا چاہا تو حضرت علیؓ نے فرمایا،

"انہیں چیخنے دو کیونکہ یہ ماتم سرائی کر رہی ہیں"

جب حضرت علی مسجد میں پہنچے تو آپؓ نے الصّلاۃ الصّلاۃ یعنی نماز تیار ہے نماز تیار ہے پکارا۔ اسی وقت عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی لعنہ اللہ نے چند دوسرے خارجیوں کے ساتھ اچانک آپؓ پر حملہ کیا اور ان کے سر پر اسی جگہ وار کیا جس کے لئے آنحضرت ﷺ اڑتیس سال پہلے خبر دے چکے تھے۔ اسی وقت چاروں طرف سے لوگ عبدالرحمٰن پر چڑھ دوڑے اور ایک شخص نے حملہ آور پر قابو پانے کیلئے اس پر ایک چادر اچھالی جس میں الجھ کر وہ گرا اور لوگوں نے فوراً ہی اس سے تلوار چھین کر اس کو باندھ دیا۔ پھر لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا،

"امیر المومنین! آپ ﷺ ہمیں قبیلہ مراد (یعنی حملہ آور کے قبیلے) سے انتقام لینے کے لئے آزاد چھوڑ دیجئے"

مگر حضرت علیؓ نے فرمایا،

"ہر گز نہیں۔ مگر تم اس حملہ آور کو گرفتار کر لو! اگر میں مر جاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر میں زندہ بچ گیا تو زخم کا بدلہ زخم ہے۔"

شہادت اور تدفین ...... چنانچہ حملہ آور کو گرفتار کر کے قید میں رکھا گیا۔ مگر حضرت علیؓ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے اور ان کی وفات ہو گئی۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ نے ان کو غسل دیا اور محمد ابن حنفیہ پانی ڈال رہے تھے۔ ان کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیص یا کفن اور عمامہ نہیں تھا۔ حضرت حسن نے نماز جنازہ پڑھائی (مجمع بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے سات آدمیوں نے تکبیریں کہیں) رات میں آپ کو دفن کیا گیا۔ ایک قول ہے کہ کوفہ کے ایوان ریاست میں دفن کیا گیا اور ایک قول ہے کہ دفن کی جگہ ایوان ریاست نہیں تھی۔ آپ کی قبر کو پوشیدہ رکھا گیا تا کہ خارجی فرقہ کے لوگ قبر نہ کھود ڈالیں۔

ایک شیعہ فرقہ کا باطل عقیدہ ...... ایک قول جو شیعوں کا ہے کہ حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ کے قریب مدینہ میں دفن کرنے کا ارادہ کیا گیا چنانچہ لاش کو ایک اونٹ پر رکھ کر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک رات وہ اونٹ جس پر حضرت علیؓ کی میّت تھی اچانک کہیں غائب ہو گیا اور کبھی نہ مل سکا۔ چنانچہ لوگوں کا (یعنی شیعوں کا) عقیدہ ہے کہ ان کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے اور اب وہ بادلوں میں رہتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی بیٹوں کو آخری وصیّت ...... جب حضرت علیؓ اس حملے میں زخمی ہوئے تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا،

"میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا اور دنیا میں سرکشی مت کرنا، کسی چیز سے محرومی پر آنسو مت بہانا، ہمیشہ حق بات کہنا اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے محمد ابن حنفیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا؟

"میں نے جو نصیحتیں تمہارے دونوں بھائیوں کو کی ہیں کیا تم نے ان کو ذہن نشین کر لیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا، ہاں!۔ تب حضرت علیؓ نے فرمایا،

تمہیں بھی میں وہی نصیحت کرتا ہوں۔ نیز تمہیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بڑے بھائیوں کی ہمیشہ عزت و توقیر کرنا کیونکہ ان دونوں کا تم پر یہ حق ہے، کسی معاملے میں ان دونوں کے خلاف مت کرنا۔"

اس کے بعد انہوں نے پھر حسنؓ و حسینؓ سے فرمایا،

"میں تم دونوں کو بھی اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا بھائی اور تمہارے باپ کی اولاد ہے اور تمہیں یہ معلوم ہے کہ تمہارا باپ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے۔"

قاتل کا انجام ...... اس کے بعد حضرت علیؓ خاموش ہو گئے اور انہوں نے صرف یہ کلمہ کہا لا الہ الا اللّٰہ اس کے بعد انہوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت حسنؓ نے حملہ آور ابن ملجم کو قید خانے سے نکالا اور اس کی گردن مار دی۔

قاتل کی خونی تلوار اور خوفناک عہد ...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ بعض علماء نے مبرد سے روایت بیان کی ہے کہ گرفتار ہونے پر حضرت علیؓ کے قاتل ابن ملجم نے حضرت علیؓ سے کہا تھا،

"میں نے یہ تلوار ایک ہزار میں خریدی ہے اور میں نے اس کو ایک ہزار مرتبہ ہی زہر میں بجھایا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میں اس تلوار سے اللہ کے سب سے بُرے بندے کو قتل کروں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا،

"تیری دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی ہے!"

اور ساتھ ہی انہوں نے حضرت حسنؓ سے فرمایا،

"اے حسن! جب میں مر جاؤں تو اس کو یعنی ابن ملجم کو اسی کی تلوار سے قتل کر دینا۔"

عہد کی عبرتناک تکمیل...... یعنی اس طرح ابن ملجم کی دعا اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پورا ہو گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے سر پر وار کرنے والا آدمی سب سے بدبخت اور شقی انسان ہو گا (چنانچہ ابن ملجم اللہ کی مخلوق میں بدترین شخص کی حیثیت سے قتل ہو کر اپنی تلوار کا حق پورا کر گیا)

چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد ابن ملجم کی لاش کو جلا دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پیر وغیرہ کاٹ کر ایک ٹوکرے میں بھرے گئے اور پھر اس کو آگ میں جلا دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ نے ابن ملجم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ شخص میرا قاتل ہو گا۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ پھر آپ اس کو قتل کیوں نہیں کر دیتے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ پھر مجھے کون قتل کرے گا؟

کتاب عیوان الاثر کے مصنف نے بھی اپنے شیخ علامہ دمیاطی کی پیروی کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے علیؓ کو ابوتراب کا لقب اسی غزوۂ عشیرہ میں عطا فرمایا تھا۔ مگر کتاب ھدیٰ میں اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے علیؓ کو یہ خطاب ان کے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے بعد دیا تھا اس کتاب میں ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور ان سے پوچھا کہ تمہارے چچا کے بیٹے یعنی تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ ناراض ہو کر گھر سے نکلے ہیں آنحضرت ﷺ وہاں سے مسجد میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرش پر لیٹے ہوئے پایا اور ان کے بدن پر مٹی اور گرد و غبار لگا ہوا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کے بدن سے مٹی یعنی تراب جھٹکتے ہوئے فرمایا۔

"بیٹھ جاؤ ابوتراب! یعنی مٹی والے"

ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ابوتراب کا لقب اس لئے دیا تھا کہ حضرت علیؓ جب کسی بات پر حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہوتے تو نہ تو ان سے بات کرتے اور نہ ان کو کوئی ایسی بات کہتے جو ان کے لئے ناگواری کا باعث ہو بلکہ وہ مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے لگا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ جب بھی ان کے سر پر مٹی دیکھتے تو سمجھ جاتے کہ وہ حضرت فاطمہؓ سے غصے ہو گئے ہیں۔

کتاب نور میں ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس لقب سے دونوں موقعوں پر پکارا ہو اور اس لقب کا سبب ان کے چہرے پر مٹی لگ جانا بھی ہو اور ان کا خود اپنے سر پر مٹی ڈالنا بھی ہو۔ واللہ اعلم۔

باب چہل دہم (۴۰)

غزوۂ سفوان

اسی غزوۂ کو غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ غزوۂ عشیرہ سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ مدینہ میں چند راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ اس قیام کی مدّت دس رات بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کو پھر ایک مہم پیش آئی اور آپ کو کرز ابن جابر فہری کی سرکوبی کے لئے نکلنا پڑا۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے مدینہ کی چراگاہوں اور مویشیوں پر حملہ کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کی تلاش میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک وادی میں پہنچے جس کا نام سفوان تھا۔ یہ وادی بدر کی طرف اس کے قریب ہے۔ اسی وجہ سے اس غزوۂ کو بدر اولیٰ بھی کہا جاتا تھا۔ اس دفعہ بھی آنحضرت ﷺ کرز کو نہ پا سکے کیونکہ وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔

اس غزوۂ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے مدینہ میں زید ابن حارثہ کو اپنا جانشین بنایا تھا اور اسلامی جھنڈا جو سفید رنگ کا تھا حضرت علیؓ ابن ابو طالب کے ہاتھوں میں تھا۔

کتاب عیون الاثر میں بھی علامہ دمیاطی کی تقلید میں غزوۂ سفوان کو غزوۂ عشیرہ کے بعد ہی ذکر کیا گیا ہے۔ مگر یہ بات سیرت شامی کے برخلاف ہے جس کی ترتیب سیرت دمیاطی کے مطابق ہے اور وہی ترتیب کتاب امتاع میں بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

باب چہل و یکم (۴۱)

تبدیلیٔ قبلہ

اسی سال یعنی ۲ھ کے درمیان رجب کے مہینے میں قبلہ تبدیل ہوا۔ ایک قول ہے کہ شعبان کے وسط میں تبدیل ہوا۔ بعض علماء نے اسی دوسرے قول کے متعلق کہا ہے کہ عام جمہور کا قول یہی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ تبدیلی جمادی الثانی میں عمل میں آئی۔ چنانچہ ایک قول ہے کہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے سولہ مہینے اور ایک قول کے مطابق سترہ مہینے اور ایک قول کے مطابق چودہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں، ایک قول اس کے علاوہ بھی ہے۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ مسجد نبوی کے تعمیر ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس میں پانچ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں۔ اکثر حضرت کا قول یہ ہے کہ قبلہ کی تبدیلی ظہر کی نماز میں ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ عصر کی نماز میں تبدیلی کا حکم آیا۔ چنانچہ حضرت براء سے صحیحین میں روایت ہے کہ سب سے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف رخ کر کے آنحضرت ﷺ نے پڑھی عصر کی نماز ہے۔ (یہ گویا اس بات کی دلیل ہے کہ تبدیلی قبلہ کا حکم عصر کی نماز میں آیا تھا)۔

<u>کعبہ کے رخ پر پڑھی جانے والی پہلی نماز</u>...... اس طرح یہ دو مختلف قول ہو گئے مگر کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ شاید اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ عصر کی نماز وہ پہلی مکمل نماز ہے جو آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی کیونکہ ظہر کی نماز جس میں تبدیلی کا حکم نازل ہوا آپ ﷺ نے اس کا پہلا آدھا حصہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھا تھا اور بقیہ آدھا حصہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھا تھا۔

پھر میں نے علامہ ابن حجر کا قول دیکھا کہ انہوں نے بھی یہی تشریح کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ عصر کی نماز ہی وہ پہلی نماز ہے جو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں پڑھی یا یہ کہ عصر کی نماز میں تبدیلی انصاریوں کے کسی اور محلّہ میں ہوئی۔ (ی) یعنی بنی حارثہ کے محلّہ میں۔

ایک قول ہے کہ تبدیلی کا حکم صبح کی نماز میں آیا تھا۔ مگر اس کا مطلب قباء میں تبدیلی قبلہ کا وقت ہے۔ کیونکہ اس تبدیلی کی اطلاع قباء میں عصر کی نماز سے پہلے نہیں پہنچی جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی آرزو اور تبدیلی قبلہ کا سبب...... قبلہ کی تبدیلی اس لئے ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی یہ آرزو تھی کہ آپ ﷺ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو۔ خاص طور پر جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہودی یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ ہماری مخالفت بھی کرتے ہیں اور ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ کے مطابق یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا،

"اگر ہم سیدھے راستے پر نہ ہوتے تو تم ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نمازیں نہ پڑھا کرتے۔ اس بارے میں تم ہماری ہی پیروی کرتے ہو۔"

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں کعبہ کا سامنا حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی پیروی اور محبت میں کرنا چاہتے تھے اور اس بارے میں یہودیوں کی موافقت پسند نہیں فرماتے تھے۔ ادھر یہ کہ قریشی کفار مسلمانوں پر طعن کر کے کہتے تھے،

"تم یہ کیوں کہتے ہو کہ ہم ابراہیمؑ کے طریقہ پر ہیں جبکہ تم نے ان کا قبلہ چھوڑ کر یہودیوں کا قبلہ اختیار کر رکھا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کی جبرئیلؑ سے درخواست...... اسی طرح آنحضرت ﷺ کی اس آرزو کی ایک وجہ اور بھی تھی (کہ مکہ میں رہتے ہوئے تو آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ کی طرف آپ ﷺ کی پیٹھ نہ ہو مگر ، جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو جب آپ ﷺ بیت المقدس کے صخرہ کی طرف رخ کرتے تو خود بخود آپ ﷺ کی پشت کعبہ کی طرف ہو جاتی۔ یہ بات آپ ﷺ پر بہت شاق گزرتی چنانچہ آپ نے جبرئیلؑ سے فرمایا،

"میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہودیوں کے قبلے کی طرف سے پھیر دے۔"

جبرئیلؑ نے عرض کیا۔

"میں تو ایک غلام ہوں، اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ آپ ﷺ کو کوئی چیز دے سکوں سوائے اس کے جس کے لئے اللہ تعالیٰ مجھے حکم فرماتا ہے اس لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے!"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور جب آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو بار بار آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے پاس سے اس بارے میں حکم آجائے۔ (ی) آسمان کی طرف دیکھنے کی وجہ یہ تھی کہ دعا کا قبلہ آسمان ہی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جبرئیل سے فرمایا،

"میری خواہش ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ میرا رخ کعبہ کی طرف پھیر دے۔"

جبرئیلؑ نے عرض کیا،

"مجھ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ خود سے کوئی بات حق تعالیٰ سے عرض کر سکوں لیکن اگر حق تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا تو میں اس کی جناب میں عرض کر دوں گا۔"

تبدیلیٔ قبلہ کا حکم...... ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت بشر ابن براء ابن معرور کی والدہ سے ملنے کے

لئے بنی سلمہ کے محلّہ میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا اسی وقت نماز ظہر کا وقت آگیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ اسی محلّے کی مسجد میں نماز شروع کی۔ آپ ﷺ نے ابھی دو رکعتیں ہی پڑھی تھیں کہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو اشارہ کیا کہ آپ ﷺ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اور میزاب کا سامان کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ گھوم کر کعبہ کی سمت میں آگئے۔

(ی) اسی طرح جب مقتدیوں نے اپنی جگہ بدلی تو جس جگہ اب تک عورتیں کھڑی ہوئی تھیں یعنی پچھلے حصہ میں وہاں مرد آگئے اور جہاں مرد کھڑے ہوئے تھے یعنی اگلے حصہ میں وہاں عورتیں آگئیں۔ یعنی آنحضرت ﷺ گھوم کر مسجد کے اگلے حصہ سے پچھلے حصہ میں آگئے کیونکہ مدینہ میں جب کوئی کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوگا تو لازم ہے کہ اس کی پشت بیت المقدس کی طرف ہو جیسے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونے والے کے لئے لازم ہے کہ اس کی پیٹھ کعبہ کی طرف ہوگی۔ ادھر آنحضرت ﷺ جس جگہ امام کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے اگر وہیں کھڑے کھڑے گھوم جاتے تو آپ ﷺ کے پیچھے مقتدیوں کی صفوں کے لئے جگہ نہ رہتی۔

ایک قول یہ ہے کہ تبدیلیٔ قبلہ کا حکم جس وقت آیا اس وقت آپ ﷺ رکوع میں تھے۔

ادھر یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ نماز میں تبدیلیٔ قبلہ کے حکم پر آنحضرت ﷺ ایک جگہ سے دوسری جگہ گھوم کر گئے تو یہ ایک کافی لمبی حرکت تھی جس کو فقہاء کی اصطلاح میں عمل کثیر کہتے ہیں اور عمل کثیر اگر مسلسل ہو تو نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ تبدیلیٔ قبلہ کا حکم عمل کثیر کی حرمت سے پہلے نازل ہوا ہو اور یا یہ کہ یہ عمل کثیر مسلسل اور پیہم نہ ہوا ہو۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: پیچھے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ اُمّ بشر کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح آپ ربیع بنت معوذ، ابن عفراء، اُمّ حرام، بنت ملحان اور ان کی بہن اُمّ سلیم کے پاس بھی تشریف لے جاتے تھے اور اگر یہ تنہا ہوتیں تو بھی وہاں تشریف رکھا کرتے تھے۔ ان میں اُمّ حرام آنحضرت ﷺ کا سر بھی کُریلا کرتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کبھی وہاں سو بھی جایا کرتے تھے۔ ان چیزوں کی وجہ سے واضح رہے کہ اجنبی عورت کو دیکھ لینے یا اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنے کی اجازت آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تھی کیونکہ اس صورت میں کسی فتنہ کا کوئی اندیشہ نہیں تھا (جبکہ امت کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے) آگے اس کا بیان آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس مسجد کا نام جس میں تبدیلیٔ قبلہ کا حکم آیا مسجد قبلتیں یعنی دو قبلوں والی مسجد پڑ گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ نماز یعنی ظہر کی نماز جس میں تبدیلیٔ قبلہ کا حکم آیا مسجد نبوی میں ہو رہی تھی۔

تبدیلیٔ قبلہ کا اعلان...... غرض تبدیلیٔ قبلہ کے بعد حضرت عباد ابن بشرؓ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ نماز پڑھی تھی مسجد سے نکل کر چلے۔ ایک جگہ دو انصاریوں کے پاس سے گزرے جو عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اور رکوع میں تھے، انہیں دیکھ کر عباد نے کہا،

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ابھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔"

اس کے بعد قباوالوں تک یہ خبر اس وقت پہنچی جبکہ وہ اگلے دن صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ لوگ اس وقت دوسری رکعت کے رکوع میں تھے۔ اسی وقت منادی کرنے والے نے پکار کر اعلان کیا،

"لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف تبدیل ہو گیا ہے۔"

نماز پڑھنے والے یہ سن کر کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ بخاری میں یوں ہے کہ جب لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے وہاں ایک شخص آیا اور اس نے کہا،

"رسول اللہ ﷺ پر رات وحی نازل ہوئی ہے اور آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں لہٰذا تم بھی بیت اللہ یعنی کعبہ کی طرف اپنے رخ کر لو۔"

چنانچہ لوگ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ مسلم میں روایت کے جو لفظ ہیں ان میں صبح کی نماز کے بجائے چاشت کی نماز کا لفظ ہے۔ اس بارے میں علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ لفظ بھی صبح کی نماز کے ناموں میں سے ایک ہے، مگر بعض لوگوں نے صبح کی نماز کے اس نام کو مکروہ لکھا ہے۔

(قباء والوں کو صبح کی نماز میں تبدیلی قبلہ کی اطلاع ملی جبکہ یہ تبدیلی گزشتہ دن عصر کی نماز میں ہو چکی تھی) مگر ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ قباوالوں کو عصر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے لوٹانے کا حکم دیا گیا تھا نہ ہی یہ کہ صبح کی نماز کی پہلی رکعت کے جو وہ پڑھ چکے تھے لوٹانے کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ناسخ کی روایت یعنی گزشتہ حکم کو منسوخ کرنے والی روایت کا حکم اسی وقت سے جاری ہوتا ہے جب اس ناسخ کا علم ہو اس سے پہلے نہیں، چاہے وہ ناسخ حکم کچھ عرصہ پہلے ہی نازل ہو چکا ہو۔

ادھر یہ کہ پہلا حکم جو قطعی تھا یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کرنا اس کو صرف ایسے حکم یا اطلاع پر چھوڑ دینا جو محض ظنی ہو یعنی خبر واحد ہو کہاں تک درست ہے (خبر واحد کی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے)۔

اس شبہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس تبدیلی قبلہ کی خبر کے ساتھ ایسے قرائن موجود تھے کہ لوگوں کو یقین تھا کہ خبر دینے والا سچ کہہ رہا ہے۔ لہٰذا اسی لئے انہوں نے اگر کسی قطعی حکم کو چھوڑا تو قطعی حکم کے بدلے میں ہی چھوڑا (غیر قطعی حکم کے بدلے میں نہیں چھوڑا) کیونکہ منسوخی کا اثر جس پر پڑتا ہے وہ حکم ہوتا ہے اور اس پر خبر متواتر کی دلالت ظنی ہی ہوتی ہے جیسا کہ اس موضوع پر جن کتابوں میں بحثیں ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ قباوالوں کو بھی یہ خبر پہنچانے والے حضرت عباد ابن بشرؓ ہی تھے۔ اب یوں کہنا چاہئے کہ عباد پہلے تو بنی حارثہ کے محلّے میں پہنچے جبکہ وہاں عصر کی نماز ہو رہی تھی اور اس کے بعد قبا کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو صبح کی نماز کے وقت انہوں نے اس تبدیلی کی اطلاع دی۔ اس سلسلے میں جو آیت نازل ہوئی تھی وہ یہ ہے،

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(آیت ۱۴۴ سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۱۶)

ترجمہ:- ہم آپ کے منہ کا یہ بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے۔ لو پھر اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کعبہ کی طرف کیا کیجئے۔

(ی) اسی واقعہ کی طرف ایک شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے،

کَم لِلنّبیّ المصطفیٰ مِن اٰیۃ
غراء حار الکفر فی معناھا

ترجمہ :- آنحضرت ﷺ کی صادقانہ نبوت کے لئے کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں جو نہایت روشن ہیں اور جن کی حقیقت پانے کے لئے انسانی فکر حیران ہو جاتی ہے۔

لمارای الباری تقلب وجھہ
ولاہ ایمن قلبۃ یرضاھا

ترجمہ :- جب حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو بار بار آسمان کی جانب اٹھتے دیکھا تو اس نے آپ ﷺ کی آرزو کے مطابق ایک مبارک و مسعود قبلہ عنایت فرمایا۔

حضرت عمارہ ابن اوس انصاری سے روایت ہے کہ ہم سہ پہر کی دو نمازوں میں سے ایک نماز یعنی ظہر اور عصر کی نمازوں میں سے ایک نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص مسجد کے دروازے پر آکر کھڑا ہوا جبکہ ہم نماز میں مشغول تھے اور اس نے پکار کر کہا کہ نماز کعبہ کی طرف تبدیل ہو گئی ہے۔ یہ سن کر ہمارے امام نے رخ بدلا اور گھوم کر کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔

حق تعالیٰ نے اپنے ارشاد قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِكَ فِی السَّمَاءِ میں فرمایا ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ ﷺ وحی کی امید میں بار بار آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور پُر شوق انداز میں اس کی تمنا کر رہے ہیں کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آجائے۔ چنانچہ ہم آپ ﷺ کا رخ اسی قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو آپ ﷺ کی تمناو آرزو ہے۔ تو لیجئے اپنا منہ مسجد حرام یعنی کعبہ کی طرف پھیر لیجئے۔

اس کے بعد حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۱۶ آیت ۱۴۴)

ترجمہ :- اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حکم بالکل ٹھیک ہے اور ان کے پروردگار ہی کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں کی طرف سے کچھ بے خبر نہیں ہیں۔

اہل کتاب اس بات کو اس لئے یقیناً جانتے ہیں کہ ان کی قدیم کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر اور آپ ﷺ کا حلیہ وغیرہ بھی درج ہے اور یہ بھی درج ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پہلا قبلہ بیت المقدس ہو گا اور پھر ان کا قبلہ بدل کر کعبہ ہو جائے گا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں : پچھلی سطروں میں جو روایت عمارہ ابن اوس انصاری سے بیان ہوئی ہے غالباً اسی کو رافع ابن خدیج نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس ایک شخص آیا جب کہ ہم بنی عبدالاشہل کے محلّہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے آکر اعلان کیا کہ آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا ہے کہ نماز میں کعبہ کی طرف رخ کیا کریں۔ یہ سن کر ہمارے امام نے اپنا رخ پھیر لیا اور اس کے ساتھ ہم نے بھی رخ پھیر لیا۔ واللہ اعلم۔

یہودیوں کے اعتراضات...... ادھر اس واقعہ پر یہودیوں کے تمام معزز لوگ جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ،

"اے محمد ﷺ ! آپ نے کس وجہ سے اپنا وہ قبلہ چھوڑ دیا جس کی طرف آپ اب تک رخ کرتے آرہے تھے حالانکہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ابراہیمؑ کے طریقہ اور دین پر چلتے ہیں"

یعنی ابراہیمؑ کا قبلہ بیت اللہ نہیں تھا۔ یہ بات یہود کے اس دعویٰ کے مطابق ہے کہ تمام نبیوں کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا ہے جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا۔ نیز اس بارے میں جو اشکال ہوگا وہ بھی آگے ذکر ہوگا۔

غرض اس کے بعد یہودیوں نے پھر آپ ﷺ سے کہا،

"آپ ﷺ اگر پھر اپنے اسی قبلہ کی طرف لوٹ جائیں جس پر اب تک تھے تو ہم آپ ﷺ کی پیروی کرلیں گے اور آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے"

فتنہ انگیزی کی کوشش...... حقیقت میں اس ساری گفتگو سے یہودیوں کا منشاء (آنحضرت ﷺ کی تصدیق یا پیروی کرنا ہرگز نہیں تھا بلکہ) فتنہ پیدا کرنا تھا کیونکہ اگر آنحضرت ﷺ ان کی بات مان جائیں تو لوگ سمجھ لیں گے کہ آپ ﷺ اپنے دین کے معاملے میں حیران ہیں (یعنی کبھی ایک راستہ اختیار فرمالیتے ہیں اور کبھی دوسرا راستہ) نیز ان کی اپنی مذہبی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی تفصیلات کے ساتھ چونکہ یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ بیت المقدس کا رخ چھوڑ کر بیت اللہ کا رخ اختیار فرمائیں گے۔ لہٰذا اگر آنحضرت ﷺ نے ان کی بات مان کر دوبارہ بیت المقدس کا قبلہ اختیار فرمالیا تو وہ مسلمانوں کے سامنے اپنی مذہبی کتابوں کا حوالہ دے کر آنحضرت ﷺ کو جھٹلائیں گے کہ نبی آخر الزماں کی نشانی یہ ہے کہ وہ بیت اللہ کا قبلہ اختیار کریں گے جبکہ انہوں نے بیت اللہ کا قبلہ اختیار کر کے ہمارے کہنے سے پھر بیت المقدس کو اختیار کرلیا ہے۔

کیا انبیاء کا قبلہ بیت المقدس رہا ہے؟...... ایک روایت میں ہے کہ تبدیلی قبلہ کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا،

"تم نے آخر کس وجہ سے موسیٰؑ ویعقوبؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کا قبلہ چھوڑ دیا ہے"

اس بات کی تائید علامہ زہری کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ آدمؑ کے زمین پر اتارنے کے وقت سے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کا قبلہ بیت المقدس کا صخرہ یعنی پتھر نہ رہا ہو۔ اسی طرح علامہ سبکی کے ظاہری قول سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے قصیدہ تائیہ میں کہا ہے،

وَصَلَّيتَ نَحوَ القِبلَتَينِ تَفَرُّدًا
وَكُلُّ نَبِيٍّ مَالَهُ غَيرُ قِبلَةٍ

ترجمہ :- آپ ﷺ تنہا وہ پیغمبر ہیں جس نے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی جب کہ دوسرے تمام نبیوں کا ایک کے سوا دوسرا قبلہ نہیں رہا۔

اس قصیدہ کے شارح نے اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاعر کہتا ہے کہ ہر نبی کا قبلہ صرف بیت المقدس تھا جبکہ آنحضرت ﷺ اس قبلہ یعنی بیت المقدس میں تو سب نبیوں کے شریک ہیں ہی لیکن کعبہ کے آپ ﷺ کا قبلہ ہونے میں آپ ﷺ تمام نبیوں میں ممتاز ہیں اور یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیت ہے چنانچہ اسی لئے توریت میں آنحضرت ﷺ کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں آپ ﷺ کو صاحب قبلتین بھی فرمایا گیا ہے۔

بیت اللہ کے انبیاء کا قبلہ ہونے کے ثبوت...... مگر اس قول پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ ایک روایت کے مطابق تمام انبیاء کا قبلہ بیت اللہ یعنی کعبہ ہی تھا۔ چنانچہ ابو عالیہ سے روایت ہے کہ کعبہ تمام نبیوں کا قبلہ تھا اور موسیٰؑ بیت المقدس کے صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے جو موسیٰؑ اور کعبہ کے درمیان پڑتا تھا

(جس کا مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ کا رخ کعبہ ہی کی طرف ہوتا تھا کیونکہ جب وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے تو اسی سمت میں بیت المقدس کے بعد کعبہ پڑتا تھا لہذا دونوں قبلوں کا سامنا ہو جاتا تھا) اور ظاہر ہے ایسی بات توقیفی طور پر یعنی شارع سے سن کر ہی کہی جا سکتی ہے۔ لہذا اب گزشتہ سطروں میں یہودیوں اور علامہ زہری کا جو قول گزرا ہے اگر اس کو درست مانا جائے کہ بیت المقدس کا صخرہ تمام گزشتہ نبیوں کا قبلہ رہا ہے۔

تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور بیت المقدس کو اپنے اور کعبہ کے درمیان میں کر لیتے تھے (لہذا بیک وقت دونوں کی طرف رخ ہو جاتا تھا) اور اس طرح گزشتہ روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

یہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس صورت کے مقابلے میں افضل نہیں جو اس کے برعکس ہوتی کہ رخ کعبہ کی طرف اس طرح ہو کہ کعبہ ان کے اور بیت المقدس کے درمیان میں آجائے۔ (جیسا کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ کا عمل تھا۔ یعنی اگر یہ صورت ہو تو اس کا مطلب ہو گا کہ اصل مقصود کعبہ کا سامنا کرنا ہے اور بیت المقدس ضمنی طور پر سامنے آجاتا ہے جو کعبہ کے بعد پڑتا ہے)۔

اس شبہ کے جواب میں کتاب اصل یعنی عیون الاثر کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ کتاب اصل نے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے،

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۱۶ آیت)

ترجمہ:- اور بعض ان میں سے امر واقعی کو باوجود یہ کہ خوب جانتے ہیں مگر اخفا کرتے ہیں حالانکہ یہ امر واقعی منجانب اللہ ثابت ہو چکا ہے۔ سو ہر گز شک و شبہ لانے والوں میں شمار نہ ہونا۔

اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ یہودی سچائی کو چھپاتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ کعبہ ہی پچھلے تمام نبیوں کا قبلہ رہا ہے یعنی ان کے نزدیک اصل مقصود کعبہ کا سامنا کرنا ہی ہوتا تھا صرف اس طرح ضمنی طور پر نہیں کہ اصل میں وہ بیت المقدس کے صخرہ کا سامنا کرتے ہوں اور اس کے نتیجہ اور ضمن میں خود بخود کعبہ کا سامنا ہو جاتا ہو (کیونکہ کعبہ بھی اسی کی سمت میں پڑتا تھا)۔

<u>بیت المقدس میں اصل سمت قبلہ کے متعلق ایک قول</u>...... مگر بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہودی اپنی کتاب توریت میں کہیں یہ نہیں پا سکے کہ قبلہ جو تھا وہ بیت المقدس کا صخرہ تھا بلکہ اصل میں اس صخرہ یا چٹان پر تابوت سکینہ رکھا ہوا تھا (جس کی طرف رخ کر کے وہ نمازیں پڑھا کرتے تھے) مگر جب اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے ناراض ہوا تو اس نے تابوت سکینہ کو اٹھا لیا لہذا اب یہودیوں نے آپس میں مشورہ کے بعد اس چٹان کو ہی قبلہ قرار دے لیا اور اس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کرنے لگے کہ اصل میں وہ چٹان ہی گزشتہ نبیوں کا قبلہ تھی۔ اس بارے میں گزشتہ سطروں میں علامہ زہری کا قول بھی گزرا ہے اور اس پر جو شبہ تھا وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

غرض اس کے بعد ان یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا،

"خدا کی قسم تم بہت ہی گمراہ لوگ ہو۔"

اس پر حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی،

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۤءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۤءُ اِلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (آیت ۱۴۲ سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۱۶)

ترجمہ :- اب تو یہ بے وقوف لوگ ضرور کہیں گے ہی کہ ان مسلمانوں کو ان کے سابق سمت قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس بات نے بدل دیا۔ آپ فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ جس کو خدا چاہیں سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں۔

یعنی یہ تمام سمتیں چاہے مشرق کی ہوں یا مغرب کی۔ اللہ ہی کی ہیں لہٰذا وہ جس طرف چاہے پھیر دے اس پر کسی کو بولنے یا اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ غرض اس طرح پہلا حکم جو منسوخ ہوا وہ قبلہ کا حکم ہے (یعنی پہلے ایک حکم تھا جس کو حق تعالیٰ نے منسوخ فرما کر بعد میں دوسرا حکم فرمایا) چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا حکم جو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمایا وہ قبلہ کے بارے میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ چنانچہ پہلے آنحضرت ﷺ مکہ اور مدینہ دونوں جگہوں میں بیت المقدس کا رخ فرمایا کرتے تھے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا۔

ادھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے،

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (آیت ۱۱۵ سورۂ بقرہ، پ ۱، ع ۱۴)

ترجمہ :- کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہان کو محیط ہیں۔

(اس ارشاد میں فرمایا گیا ہے کہ تم جس طرف بھی رخ کرو اللہ کے سامنے ہی رہو گے) تو یہ در حقیقت سفر کی صورت میں ایک رخصت ہے جبکہ سفر کے دوران قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو اور مسافر نماز پڑھے تو اس کے لئے ارشاد ہے کہ تم ہر طرف حق تعالیٰ کو پاؤ گے۔

بعض صحابہ نے اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق بیان کیا ہے کہ ہم ایک دفعہ ایک اندھیری رات میں سفر میں جا رہے تھے ہمیں قبلہ کا رخ معلوم نہیں تھا لہٰذا ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے رخ پر نماز پڑھ لی۔ صبح کو ہم نے آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مگر اس روایت کے قبول کرنے میں اشکال ہے کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے یا پھر یہ حدیث اس پر محمول ہے جبکہ اجتہاد اور اندازہ سے نماز پڑھی جاتی ہے۔

تبدیلیٔ قبلہ پر مشرکین مکہ کی یاوہ گوئی...... (ی) تبدیلیٔ قبلہ کے حکم کے بعد جب آنحضرت ﷺ کعبہ کی طرف رخ کرنے لگے تو مکہ کے مشرکوں نے کہا،

"محمد ﷺ نے اپنا قبلہ اب تمہاری طرف کر لیا ہے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ تم محمد کے مقابلے میں زیادہ ہدایت اور سچائی پر ہو اور اب عنقریب ہی وہ تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے"

مشرکین مکہ کی اس بے سر و پا بات پر بعض لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ وہ مرتد ہو کر پھر اپنی پچھلی گمراہی میں جا پڑنے اور کہنے لگے کہ کبھی ادھر اور کبھی ادھر کی یہ بات ہم نہیں مانتے۔

مرحوم صحابہ کے متعلق سوال...... جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو اس کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد قبا میں تشریف لائے اور مسجد کی دیوار کو آگے بڑھا کر اس جگہ بنا دیا جہاں وہ اب ہے۔ اسی قبلہ کی تبدیلی کے واقعہ پر بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! ہم میں سے کچھ صحابہ تبدیلیٔ قبلہ سے پہلے ہی رخصت ہو چکے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ ان کی

اور ہماری نمازیں قبول فرمائے گا؟"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُم اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِيمٌ (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۱۷ آیت ۱۴۳)

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع اور ناقص کر دیں اور واقعی اللہ تعالیٰ تو ایسے لوگوں پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائے گا (بلکہ ان کا پورا پورا اجر دے گا) کتاب عیون الاثر میں یہ ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا کہ بیت اللہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی سے پہلے بہت سے حضرت مر چکے ہیں اور بہت سے قتل ہو چکے ہیں۔

(ی) ان صحابہ کی تعداد بیس تھی جو اس تبدیلی سے پہلے قتل یا فوت ہو چکے تھے۔ ان میں اٹھارہ صحابہ تو مکہ کے تھے اور دو انصاری تھے۔ انصاریوں میں حضرت براء ابن معرور اور حضرت اسعد ابن زُراء تھے۔ غرض صحابہ نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ ان مرنے والوں کے بارے میں کیا کہیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گزشتہ سطروں میں ذکر ہوئی۔

ان گزر جانے والے صحابہ کے متعلق موت اور قتل کے الفاظ گزرے ہیں۔ ان میں سے قتل کا لفظ بخاری میں آیا ہے مگر علامہ ابن حجر نے اس لفظ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے سوائے زبیر کی روایت کے کسی میں قتل کا لفظ نہیں دیکھا باقی روایتوں میں صرف موت کا لفظ ہے۔ نہ ہی میں نے کسی بھی حدیث میں یہ دیکھا کہ تبدیلیٔ قبلہ سے پہلے مسلمانوں میں سے کوئی قتل ہوا تھا۔ مگر یہ بھی ہے کہ روایت میں قتل کا لفظ نہ ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ تبدیلی قبلہ سے پہلے کوئی مسلمان قتل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اگر یہ لفظ قتل روایت میں موجود ہے تو اس کا مطلب ہے کچھ مسلمان جن کی شہرت نہیں ہوئی اس عرصہ میں قتل ہوئے تھے اگرچہ جہاد میں قتل نہیں ہوئے (بلکہ ممکن ہے کفار کے ظلم و ستم یا انفرادی لڑائی میں قتل ہوئے ہوں)۔

چنانچہ پھر کہا ہے کہ بعض علماء نے مجھ سے بتایا کہ ممکن ہے اس لفظ سے وہ کمزور اور بے سہارا مسلمان مراد ہوں جو مکہ میں مشرکوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جیسے حضرت عمارؓ کے ماں باپ تھے۔ میں نے اس پر یہ کہا کہ پھر ثابت ہونا ضروری ہے کہ وہ لوگ واقعۂ معراج یعنی نماز کی فرضیت کے بعد قتل ہوئے ہیں، کیونکہ نماز کی فرضیت سے پہلے جو لوگ قتل ہوئے صحابہ نے ان کے بارے میں یہ سوال نہیں کیا تھا۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔

مگر یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے (کہ قتل ہونے والوں کا قتل معراج یا پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے ضروری نہیں ہے کیوں) کہ معراج سے پہلے صبح اور شام کی جو دو دو رکعت نمازیں پڑھی جاتی تھیں وہ بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی جاتی تھیں (لہٰذا صحابہ نے آپ ﷺ سے جو سوال کیا اس کے تحت ایسے قتل ہونے والے بھی آجاتے ہیں جو پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے قتل ہو گئے تھے) کیونکہ یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ معراج سے پہلے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ ان کے رخ بیت المقدس کی طرف ہو جائیں چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ رکن یمانی اور حجر اسود کے گوشے کے درمیان کھڑے ہوا کرتے تھے جس سے بیت المقدس کا بھی سامنا ہوتا تھا اور بیت اللہ بھی سامنے

رہتا تھا۔

مگر پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو لازم نہیں کر رکھا تھا بلکہ کبھی آپ ﷺ کعبہ ہی کی طرف رخ کر کے کسی بھی سمت میں کھڑے ہوتے اور نماز ادا فرماتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے اور کعبہ کی طرف پیٹھ کرتے تھے یہاں تک کہ تبدیلی قبلہ کا حکم آگیا۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے جب آپ ﷺ دونوں قبلوں کو سامنے رکھتے یعنی اس طرح کھڑے ہوتے کہ کعبہ آپ ﷺ کے اور بیت المقدس کے درمیان آجائے تو لوگوں کے نزدیک آپ ﷺ کا رخ کعبہ ہی کی طرف ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ مکہ سے رخصت ہو کر مدینہ آگئے اور وہاں کے محل وقوع کے اعتبار سے آپ ﷺ بیت المقدس کا رخ فرماتے تو کعبہ کی طرف لامحالہ آپ ﷺ کی پشت ہو جاتی تھی۔

سمت قبلہ کے متعلق منسوخی حکم ایک بار ہوئی ہے...... حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے جہاں یہودی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ بھی بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھا کریں۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ پہلے کی طرح اب بھی بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھا کریں۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ پہلے کی طرح اب بھی بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے کھڑے ہوا کریں (یہ مطلب نہیں ہے کہ مکہ میں آپ ﷺ بیت اللہ کا رخ کر کے کھڑے ہوتے تھے لیکن اب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوا کریں)۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا ایک دوسرا قول ہے اس سے بھی یہی مراد ہے۔ اس قول کو بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ پہلے کی طرح آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ہی کھڑے ہوا کریں اور کعبہ کی طرف پشت کر لیا کریں۔ پھر آپ ﷺ کو حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہوں اور بیت اللہ کی طرف رخ کیا کریں۔ لہٰذا اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ منسوخی حکم صرف ایک بار ہوئی دو مرتبہ نہیں۔ جیسا کہ روایت کی ظاہری تفصیل سے شبہ ہوتا ہے۔

ابن جریر کا قول یہ ہے کہ پہلی نماز مکہ میں آنحضرت ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی تھی پھر مکہ میں رہتے ہوئے ہی آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا اور تین حج یعنی تین سال تک آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد بھی بیت المقدس کی طرف ہی نمازیں پڑھیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ یہاں تک ابن جریر کا کلام ہے۔

بیت المقدس کے سمت قبلہ رہنے کی ایک حکمت...... "اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے اس قول کو

ضعیف بتلایا ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے منسوخی حکم دو مرتبہ ہوئی ہے۔ ایک قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بیت المقدس کو ہی قبلہ باقی رکھنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ مدینہ کے اہل کتاب کے دلوں کو مانوس کیا جاسکے کیونکہ اس وقت ابتدائی معاملہ تھا اور ایسے میں ضروری تھا کہ اہل کتاب کی دلداری جتنی ہوسکے کی جائے خاص طور سے ان معاملات میں جن سے ابھی تک روکا نہیں گیا ہے۔ لہٰذا اب یہ بات اس گزشتہ قول کے خلاف نہیں رہی جس میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کعبہ کی طرف رخ کرنا اس لئے چاہتے تھے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے میں یہودیوں کے طریقہ کی موافقت ہوتی تھی جو آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔

اسی طرح ایک اور قول ہے کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ سے پہلے ان باتوں میں یہودیوں کے طریقہ کی موافقت کرنا پسند کرتے تھے جن سے حق تعالیٰ کی طرف سے روکا نہیں گیا تھا لیکن فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ یہودیوں کے طریقہ کے خلاف چلنا پسند فرماتے تھے۔ مگر اس قول سے بھی گزشتہ قول پر کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے اکثر معاملات میں آپ ﷺ ایسا ہی کرتے ہوں۔

اس بارے میں ایک شبہ اور کیا جاتا ہے کہ گزشتہ ایک روایت کی روشنی میں جب پچھلے تمام نبیوں کا قبلہ بیت اللہ شریف اور کعبہ ہی تھا تو مکہ میں رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنا کیوں پسند فرمایا؟

اس شبہ کا جواب بھی اسی بات سے نکل آتا ہے جو پیچھے گزری کہ بیت المقدس کو قبلہ برقرار رکھنے کی وجہ اہل کتاب کی دلداری تھی کیونکہ مکہ میں رہتے ہوئے آپ ﷺ کا بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا خود آپ ﷺ کا اجتہاد تھا (حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم نہیں فرمایا گیا تھا اور آپ ﷺ نے یہ اجتہاد اہل کتاب کی دلداری کے لئے تھا) تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بیت المقدس کے قبلہ بنانے کا اگر حکم دیا گیا تو بھی اور آپ ﷺ نے خود یہ فیصلہ فرمایا تو بھی اس لئے کہ آپ ﷺ کو عنقریب ایک ایسی قوم کے درمیان جا کر رہنا تھا جن کا قبلہ بیت المقدس تھا لہٰذا آپ ﷺ کا بھی وہی قبلہ ہونے میں اس قوم کی دلداری ہو جاتی تھی۔

یہی بات اصل کتاب یعنی عیون الاثر میں محمد ابن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبیوں میں سے کسی نے بھی قبلہ کے بارے میں ایک دوسرے کے طریقہ کے خلاف نہیں کیا سوائے آنحضرت ﷺ کے کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ فرمایا۔ (ی) لہٰذا آپ ﷺ اس بارے میں دوسرے نبیوں سے مختلف تھے یہ بات ابو عالیہ کی اس گزشتہ روایت کے مطابق ہے جس میں گزرا ہے کہ کعبہ ہی تمام نبیوں کا قبلہ رہا ہے۔

روزوں اور صدقۂ فطر کی فرضیت

پھر اسی سال یعنی ۲ھ میں رمضان کے روزے اور صدقۂ فطر کا حکم نازل ہوا۔ (ی) نیز استحباباً قربانی کا حکم ہوا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رمضان کے روزے قبلہ کی بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیلی کے ایک مہینہ بعد شعبان کے مہینے میں فرض ہوئے۔ (ی) یعنی گزشتہ بیان کی بنیاد پر۔ ادھر آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے ہر مہینے تین دن روزے رکھا کرتے تھے۔ یہ تین دن وہ ہوتے تھے جن کو عربی میں ایام بیض کہتے ہیں یعنی مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور

پندرہویں تاریخیں۔ایک قول یہ ہے کہ یہ روزے واجب تھے۔
چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایام بیض کے دوران آنحضرت ﷺ چاہے سفر میں ہوتے چاہے حضر میں ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور دوسروں کو ان روزوں کے رکھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

رمضان کی فرضیت سے پہلے کا روزہ...... ایک قول یہ ہے کہ رمضان کے روزوں سے پہلے آنحضرت ﷺ پر یوم عاشوراء کا روزہ واجب تھا۔ پھر رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد یہ روزہ منسوخ ہو گیا۔ عاشوراء، اللہ کے محترم مہینے محرم کی دسویں تاریخ کہلاتی ہے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر جب رمضان فرض ہو گیا تو آپ ﷺ نے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔

مگر ہم شوافع کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ رمضان کے روزوں سے پہلے اس امت پر کوئی روزہ فرض نہیں تھا۔اب جہاں تک حضرت ابن عباسؓ کی گزشتہ حدیث کا تعلق ہے تو اس سے یہ بات ہرگز نہیں معلوم ہوتی کہ وہ روزے فرض تھے کیونکہ ممکن ہے یہ آنحضرت ﷺ کی عادت رہی ہو کہ آپ ﷺ ان دنوں میں روزے رکھتے ہوں۔ اسی بنیاد پر جو پیچھے ذکر ہوئی اور یہاں تک کہ ممکن ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ وہ روزے رکھتے رہے ہوں۔

اسی طرح جہاں تک بخاری کی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں بھی ایسی کوئی بات نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ روزہ فرض تھا کیونکہ ممکن ہے آپ ﷺ نے رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد یوم عاشوراء کا روزہ کبھی کبھی صرف اس لئے چھوڑ دیا ہو کہ کہیں لوگ اس روزے کو رمضان کے روزوں کی طرح فرض نہ سمجھنے لگیں۔

عاشوراء کا روزہ...... ترمذی میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے۔جس کا جواب شافعی علماء اس طرح دیتے ہیں وہ حدیث حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عاشوراء کے دن قریش کے لوگ جاہلیت کے زمانے میں روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی ان ہی کی موافقت میں اس دن کا روزہ رکھتے تھے مگر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا۔ مگر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے خود بھی عاشوراء کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس روزے کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو فریضہ کے طور پر رمضان نے اس کی جگہ لے لی اور عاشوراء کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔اس کے بعد جس کا دل چاہتا وہ یہ روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا چھوڑ دیتا۔ (ی) یعنی آنحضرت ﷺ نے یہ روزہ اسی بناء پر چھوڑا کہ کہیں اس کو بھی فرض ہی نہ تصور کر لیا جائے۔

یہود کا روزہ...... حضرت عائشہؓ کا یہ جو قول ہے کہ مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے خود بھی وہ روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کے رکھنے کا حکم دیا۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اپنے آنے کے ابتدائی دنوں میں جو ربیع الاول کے دن تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی اس دن روزہ رکھتے ہیں اور اس دن کا بہت احترام کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں ان لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا،

"یہ بہت عظیم دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا جس پر موسیٰؑ نے اس دن شکرانے کا روزہ رکھا تھا لہٰذا ہم بھی اس دن روزہ رکھتے

ہیں۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰؑ کے حقدار تم سے زیادہ ہم ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

حافظ ناصر الدین نے ابن عباسؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے دن مدینہ پہنچے تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰؑ کو نجات عطا فرمائی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰؑ پر میرا حق زیادہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن کے روزہ کا حکم دیا۔ یہ صحیح حدیث ہے جس کو بخاری اور مسلم نے پیش کیا ہے۔

جہاں تک اس روایت میں مدینہ پہنچنے کا ذکر ہے تو اس کا بھی احتمال ہے کہ مدینہ سے مراد قبا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مدینہ سے خود اندرون شہر مراد ہو۔

پھر حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے عاشوراء کے روزے کے متعلق صحابہ سے فرمایا،

"جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے"

آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس لئے فرمادی تھی کہ کہیں لوگ اس روزے کو بھی رمضان کے روزوں کی طرح فرض نہ سمجھنے لگیں۔ اس روایت میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو اس دن روزے سے پایا۔ اس بارے میں اشکال ہے۔ کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا عاشوراء اللہ کے محترم مہینے محرم کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں۔ یا پھر یہ اس مہینے کا نواں دن ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں پھر یہ ربیع الاول کا مہینہ کیسے ہوگا؟

اس کا جواب یہودیوں کا سال قمری نہیں بلکہ شمسی سال ہے جو سورج کے اعتبار سے ہے (جیسے انگریزی مہینے ہوتے ہیں) لہٰذا عاشوراء کا دن جو محرم کی دسویں تاریخ میں تھا اور جس میں فرعون کی غرقابی کا واقعہ پیش آیا ہمیشہ دسویں محرم کو ہی نہیں ہوگا (کیونکہ یہودیوں کے سنہ کے اعتبار سے اس دن جو تاریخ تھی وہ شمسی مہینے کی تاریخ تھی جو ہر سال دسویں محرم کو ہی نہیں آسکتی) بلکہ اتفاق سے اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچے تو یہی دن تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا (یعنی یہودی سال کے اعتبار سے وہی دن تھا جس میں فرعون کی غرقابی ہوئی تھی) لیکن عاشوراء کا دن نہیں تھا ورنہ ظاہر ہے آنحضرت ﷺ یہودیوں سے نہ پوچھتے۔

اس بات کی تائید طبرانی کی کتاب معجم کبیر کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو خارجہ ابن زید نے بیان کی ہے کہ عاشوراء وہ دن نہیں ہے جس کو لوگ کہتے ہیں کہ اس دن کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا اور جس میں حبشی بچے آنحضرت ﷺ کے پاس کھیلتے کودتے تھے بلکہ یہ دن پورے قمری سال میں گھومتا تھا۔ لوگ فلاں یہودی کے پاس جاکر اس سے پوچھا کرتے تھے جب وہ مر گیا تو وہ زید ابن ثابت سے آکر اس دن کے بارے میں پوچھنے لگے۔ اس دن آنحضرت ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا ہے اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ یہاں تک کہ اس دن آپ ﷺ نے اسلم ابن حارثہ کو ان کی قوم بنی اسلم کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اپنی قوم کو عاشوراء کے دن روزے رکھنے کا حکم دو! انہوں نے عرض کیا کہ اگر وہ لوگ کھاپی چکے ہوں تو کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ اس

دن کی تعظیم میں کھانے پینے سے دن کے باقی حصے میں رکے رہیں۔

بیہقی کی کتاب دلائل نبوت میں ایک صحابیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے دن کی بڑی عظمت کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس دن آنحضرت ﷺ شیر خوار بچوں کے لئے دعائیں فرمایا کرتے تھے اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر بچوں کی ماؤں سے فرماتے،

"آج دن چھپے تک ان بچوں کو دودھ نہ پلانا!"

ظاہری طور پر اس یوم عاشوراء سے مراد وہی دسویں محرم ہے جو چاند کا مہینہ ہے۔ شمسی مہینے کا یوم عاشوراء مراد نہیں ہے (جو یہودیوں کا مقدس دن ہے) یہی بات آگے آنے والی ایک روایت کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے۔

یوم عاشوراء کی فضیلت کے اسباب...... ایک قول یہ ہے کہ اس دن کو یوم عاشوراء اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دن دس نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے دس اعزاز عطا فرمائے تھے جو یہ ہیں کہ اس دن حق تعالیٰ نے آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی، اس دن جودی کی بلندیوں پر نوحؑ کی کشتی کو ٹکایا گیا۔ جس پر نوحؑ اور ان کے ساتھیوں نے روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ جو وحشی جانور تھے ان تک نے شکرانے کا روزہ رکھا، اسی دن حق تعالیٰ نے ادریسؑ کو آسمانوں پر اٹھایا، اسی دن موسیٰؑ کو فتح ونصرت عطا فرمائی، اسی دن ابراہیمؑ کو آگ سے نجات دی، اسی دن یوسفؑ کو قید سے آزاد کیا۔ (ی) اور یوسفؑ اسی دن پیدا بھی ہوئے تھے اور اسی دن ان کے والد یعقوبؑ کو بینائی واپس ملی، اسی دن یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا۔ (ی) اور اسی دن ان کے شہر والوں کی دعا قبول فرمائی، اسی دن داؤدؑ کی توبہ قبول فرمائی اور اسی دن ایوبؑ کو عافیت وصحت عطا فرمائی۔

اس قول کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ بظاہر اس عاشوراء سے مراد قمری مہینے محرم کی دسویں تاریخ ہے شمسی مہینے کا دن مراد نہیں ہے۔ حافظ ابن ناصر الدین نے اپنی کتاب میں ابوہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر سال بھر میں ایک دن کا روزہ فرض فرمایا تھا جو یوم عاشوراء کا تھا اور یوم عاشوراء محرم کی دس تاریخ ہے لہٰذا اس دن تم بھی روزہ رکھا کرو اور اپنے گھر والوں کے لئے اس دن وسعت اور کشادگی پیدا کرو (یعنی دستر خوان وسیع کرو اور کھانا پکاؤ) کیونکہ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر اپنا مال زیادہ خرچ کرے گا (یعنی زیادہ کھانا پکائے گا) تو اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس کے رزق میں وسعت اور کشادگی پیدا فرمائے گا۔ لہٰذا اس دن روزہ رکھو۔ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی۔ وغیرہ وغیرہ آخر حدیث تک جو پیچھے بیان ہوئی۔ پھر آخر میں اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا،

"یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر توریت نازل فرمائی، اسی دن حق تعالیٰ نے اسمٰعیلؑ کی جان کے بدلے میں (بھیڑ) کا فدیہ عنایت فرمایا، یہی وہ دن ہے جس میں یعقوبؑ کو ان کی بینائی واپس ملی، یہی وہ دن ہے جس میں سلیمانؑ کو ان کی سلطنت واپس ملی، یہی وہ دن ہے جس میں حق تعالیٰ نے محمد ﷺ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرمائے اور دنیا میں جو پہلا دن پیدا کیا گیا وہ یہی عاشوراء کا دن ہے، آسمان سے پہلی بار جو بارش برسی وہ عاشوراء کے دن ہی برسی، اور آسمان سے پہلی بار جو رحمت نازل ہوئی وہ عاشوراء کے دن ہی نازل ہوئی۔ لہٰذا جس نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اس نے گویا ساری عمر اور سارے زمانے تک روزہ رکھا اور یہی نبیوں کا

روزہ ہے۔"

یہاں تک حدیث ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن ناصر الدین نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے رجال راوی ثقہ یعنی معتبر ہیں۔

ان ہی حافظ مذکور نے ایک بزرگ کی روایت نقل کی ہے جو کہتے ہیں کہ میں روزانہ چیونٹیوں کے قریب روٹی کا بھورا اڈالا کرتا تھا آخر جب عاشوراء کا دن آیا اور میں نے بھورا اڈالا تو دیکھا کہ چیونٹیوں نے کچھ نہیں کھایا یہ بات گزر چکی ہے کہ لٹورا پرندہ وہ پہلا پرندہ ہے جس نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا تھا۔

<u>یوم عاشوراء کی شرعی حیثیت</u>...... مگر بعض علماء نے ان احادیث کو جو آدمؑ کی توبہ قبول ہونے اور دوسر ے اعزازوں کے بارے میں گزری ہے لکھا ہے کہ یہ سب احادیث موضوع ہیں۔ بعض دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ عاشوراء کے دن بعض لوگ خضاب، سرمہ، نئے کپڑوں، پکوان، غسل اور خوشبو وغیرہ لے کر زینت اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں یہ سب جھوٹے لوگوں کی ڈالی ہوئی رسمیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ رافضیوں نے اس عاشوراء کے دن کو ماتم، نوحہ وزاری اور غم واندوہ کا دن قرار دے رکھا ہے اور جاہلوں نے اس دن کو باقاعدہ ایک مذہبی دن بنالیا ہے۔ دونوں قسم کے لوگ غلطی پر ہیں اور سنت کے خلاف کرتے ہیں۔ جہاں تک اس دن اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کیلئے کھانے پینے اور مال میں وسعت کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے حدیث موجود ہے اگرچہ وہ روایت حدیث صحیح نہیں ہے مگر حدیث حسن ضرور ہے۔

مگر ابن تیمیہ نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اہل وعیال کے لئے اس دن وسعت پیدا کرنے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ارشاد نہیں ہے۔ اس دن آنحضرت ﷺ بھی روزہ رکھا کرتے تھے جیسا کہ یہودی رکھتے تھے۔ مگر واضح رہے کہ یوم عاشوراء مختلف ہیں کیونکہ یہودیوں کے نزدیک جو یوم عاشوراء ہے وہ شمسی سال سے ہے اور اہل اسلام کے نزدیک جو یوم عاشوراء ہے وہ قمری سال سے ہے۔

مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عاشوراء کے دن آنحضرت ﷺ نے روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! یہ تو یہودیوں کا محترم اور مقدس دن ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

آئندہ سال ہم نو تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ (ی) تاکہ یہودیوں کی موافقت نہ رہے۔"

مگر اگلا سال آنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی وفات ہو چکی تھی۔ مگر اس حدیث میں ایک اشکال ہے کہ اس حدیث کی رو سے آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات پاک کے آخری سال میں ہے روزہ رکھا ہے اور دوسروں کو اس روزہ کا حکم فرمایا ہے اس سے پہلے نہیں (جبکہ پیچھے گزرا ہے کہ اس دن آپ ﷺ رمضان کے روزوں سے پہلے ہی روزہ رکھا کرتے تھے) اس لئے یہ بات گزشتہ روایت کے مخالف ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس دن کے روزہ کا اہتمام ہمیشگی کے ساتھ کرلیا تب یہ سوال کیا گیا اور یہ سوال اتفاق سے اسی سال میں ہوا جس میں آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔

فتح مکہ سے پہلے تک آنحضرت ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند

فرماتے تھے مگر فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ ان کے اور ان کے طریقوں کے خلاف عمل کرنا پسند فرماتے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

بعد کے بعض شافعی فقہاء کا خیال یہ ہے کہ اوپر ذکر ہوئی حدیث میں جو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ اگلے سال ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے تو اس حدیث کا تتمہ اور آخری حصہ ہے جو پیچھے اس طرح گزری ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو روزہ کی حالت میں پایا چنانچہ آپ ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی روزہ کا حکم فرمایا۔ اس صورت میں اشکال پیدا ہوا جس کا جواب یوں دیا گیا کہ مراد یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ایک سفر سے لوٹے جس کے لئے آپ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ سے گئے تھے اور یہ سفر اور اس سے واپسی اس سال میں ہوئی تھی جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو روزہ کی حالت میں پایا۔

(بہر حال یہ بات صرف ان شافعی فقہاء کے متعلق ہے جنہوں نے مذکورہ دونوں حدیثوں کو ایک سمجھا تھا) ورنہ یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ حدیثیں ہیں اور اس حدیث کا مطلب اور خلاصہ بھی ذکر ہو چکا ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ اگلے سال ہم نویں کو روزہ رکھیں گے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ جس دن مدینہ پہنچے تو یہ وہ دن تھا جس میں فرعون کو غرقاب کیا گیا تھا اور موسیٰؑ کو نجات دی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن (جو یہود کے شمسی سن کے اعتبار سے کوئی خاص تاریخ کا ہوگا) اس مہینے سے نکل کر محرم کے دسویں دن میں آ گیا تھا جو قمری سال کے اعتبار سے ۲ھ کا مہینہ تھا اور پھر جیسا کہ حدیث کی ظاہری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے یہ دن اسی مہینے میں پڑتا رہا۔ (مگر کب تک پڑتا رہا اس کی تفصیل ذکر نہیں ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ شمسی سال کی کوئی تاریخ قمری مہینے میں داخل ہوگی تو ایک خاص مدت تک اس میں باقی رہ کر اس سے گزر جائے گی اور اگلے مہینہ میں داخل ہو جائے گی۔ مثلاً انگریزی مہینہ قمری مہینہ میں داخل ہوتا ہے تو تین سال اس میں باقی رہتا ہے اور پھر اس سے گزر جاتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ قمری مہینہ انگریزی مہینے میں داخل ہوتا اور اس سے گزرتا ہے کیونکہ قمری سال شمسی سال کے مقابلے میں دس دن کے قریب کم ہوتا ہے۔ قمری مہینے موسموں کے ساتھ بندھے ہوئے نہیں ہوتے جیسا کہ شمسی مہینے ہوتے ہیں اس لئے ہر قمری مہینہ کبھی کسی موسم میں آتا ہے اور کبھی کسی موسم میں آتا ہے اور اس طرح ایک قمری سال چھتیس برس میں شمسی سال کا پورا چکر کر لیتا ہے)۔

غرض حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ غرقابی فرعون اور نجات موسیٰؑ کا دن پھر اسی محرم کے مہینہ میں باقی رہا کیونکہ حدیث میں گزرا ہے کہ اس دن کے روزے پر ہمیشگی پیدا ہو گئی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے اس دن کے روزے کے سلسلے میں یہودیوں کی موافقت فرمائی اور پھر دوسرے سال ۲ھ اور اس کے بعد کے برسوں میں ان کے خلاف کیا۔ یہ بات بالکل قرین قیاس نہیں ہے۔ میں نے ابوریحان بیرونی کی کتاب آثار باقیہ عن قرون خالیہ دیکھی جس میں انہوں نے اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ جس روز مدینہ پہنچے تو یہ وہی دن تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرقاب کیا اور موسیٰؑ اور ان کی قوم کو نجات دی۔ یہ ایسی روایت ہے کہ اس کو جانچا اور کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ باطل ثابت ہوگی۔ پھر البیرونی نے اس پر طویل بحث

کی ہے۔

لہٰذا اب اس حوالے کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ حدیث اور اس کا اقرار اور آنحضرت ﷺ کا اس دن روزہ رکھنا اور مسلمانوں کو اس روزہ کا حکم دینا سب کا سب کا ان باتوں میں شمار ہو گا جن کو باطل یعنی بے اصل قرار دینا پڑے گا۔

رمضان کی فرضیت اور اختیار...... غرض حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر رمضان کے روزے فرض کئے اور یا ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا فرض فرمایا۔ اس بارے میں آیت نازل ہوئی،

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ　(آیت ۱۸۴ سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۳)

ترجمہ: (اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہو گئی یہ ہے) کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا کھلا دینا یا دے دینا ہے اور جو شخص خوشی سے زیادہ خیر خیرات کرے کہ زیادہ فدیہ دے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا اس حال میں زیادہ بہتر ہے اگر تم روزے کی فضیلت سے خبر رکھتے ہو۔

رمضان کی قطعی فرضیت...... یعنی اگر تم روزے رکھو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم بے روزہ رہو اور روزے کے بدلے میں کسی غریب کو کھانا کھلا دو۔ غرض ابتداء میں حق تعالیٰ نے یہ آسانی دی تھی کہ جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے وہ ہر دن کے بدلے میں ایک مد کھانا کھلائے۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اس اختیار کو منسوخ فرما دیا اور رمضان کا روزہ فرض عین قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۳ آیت ۱۸۵)

ترجمہ: سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے۔

اہل عذر کے لئے رخصت و رعایت...... تو اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ اختیار ختم فرما دیا کہ جو چاہے رکھے اور جو چاہے روزہ رکھنے کے بجائے غریب کو کھانا کھلا دے بلکہ اب ہر شخص کے لئے فرض ہو گیا کہ وہ رمضان کے روزے رکھے سوائے ایسے آدمی کے جو انتہائی بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو یا اس بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے اجازت دی گئی کہ وہ غریب کو کھانا کھلا دے۔ بیمار کو اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے گنجائش دی۔ جیسا کہ اگر بیمار کو تکلیف کا ڈر ہو تو اس کے لئے تیمم کی اجازت ہے۔ اسی طرح مسافر کے لئے رعایت دی گئی یعنی ایسا مسافر جس کے لئے نماز میں قصر کرنا جائز ہے چاہے اسے پوری نماز پڑھنے سے کوئی تنگی اور دقت نہ پیش آئے مگر اس کے لئے نماز میں قصر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاہے مسافر کو روزہ رکھنے سے کوئی وقت نہ ہو مگر اس کو یہ رعایت دی گئی ہے اور ساتھ ہی اس روزہ کی قضا کرنا واجب قرار دے دیا گیا ہے کہ جب بیمار کا مرض جاتا رہے یا مسافر کا سفر پورا ہو جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان روزوں کی قضا کرے۔ اس بارے میں حق تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا،

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ　(سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۳ آیت ۱۸۴)

ترجمہ: اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا اتنا ہی شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا اس پر

واجب ہے۔

یعنی بیمار اور مسافر کے لئے یہ گنجائش ہے کہ رمضان کا روزہ نہ رکھے مگر جتنے دن رمضان میں اس نے روزے نہیں رکھے اتنے ہی دن بعد کے دنوں میں شمار کر کے قضا روزے رکھے۔

روزے کے اوقات کا ابتدائی حکم...... ابتداء میں یہ حکم تھا کہ رمضان میں غروب آفتاب کے بعد صرف سونے سے پہلے پہلے یا عشاء کا آخری وقت ہونے سے پہلے لوگ کھا پی سکتے تھے یا اپنی عورتوں سے ہم بستری کر سکتے تھے لیکن اگر غروب آفتاب کے بعد سو گئے یا عشاء کا آخری وقت آپہنچا تو اس کے بعد اگلی رات تک نہ کھا پی سکتے تھے اور نہ عورتوں سے ہم بستری کر سکتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ فرمادیا اور افطار کے بعد سے طلوع فجر تک کھانا پینا اور عورتوں سے ہم بستری کرنا جائز فرمادیا چاہے اس دوران سو بھی چکے ہیں یا چاہے عشا کا آخری وقت بھی آپہنچا ہو۔ اس بارہ میں حق تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا،

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمْ (سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۳ آیت ۱۸۷)

ترجمہ: تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا۔

پھر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا،

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (آیت ۱۸۷ سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۳)

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو بھی اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (کہ عبارت ہے نور) صبح صادق کا متمیز ہو جائے سیاہ خط سے۔

اس حکم میں تبدیلی اور اس کا سبب...... اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جب بعض صحابہ نے سفید خط یعنی سفید ڈورے اور سیاہ خط یعنی سیاہ ڈورے سے ڈورے کے اصلی معنی یعنی دھاگہ یا رسّی مراد لے لئے اور یہاں تک کہ بعض صحابہ نے اپنے تکیے کے پاس سفید اور سیاہ ڈورے رکھ لئے (تاکہ اتنی روشنی کا انتظار کریں کہ سفید ڈورا اور سیاہ ڈورا علیحدہ پہچانے جا سکیں) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخری لفظ مِنَ الْفَجْرِ نازل فرمائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مراد واضح ہو جائے کہ سفید اور سیاہ ڈورے سے مراد صبح کا نور اور رات کی سیاہی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سہولت کے دیئے جانے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ رمضان میں حضرت عمرؓ نے عشا کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر لیا مگر غسل کرنے کے بعد وہ روئے اور اپنے آپ کو نفریں کرنے لگے۔ آخر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! میں اپنے اس گنہ گار نفس کی حرکت پر اللہ تعالیٰ سے اور آپ ﷺ سے معافی مانگتا ہوں کہ آج جب میں اپنے گھر اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو مجھے اس کے جسم سے بڑی دل آویز خوشبو نکلتی ہوئی محسوس ہوئی جس پر میں بے اختیار ہو گیا اور میں نے اس کے ساتھ ہم بستری کر لی۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"اے عمر! تمہارے لئے تو یہ بات زیبا نہیں تھی"

اس پر کئی دوسرے آدمی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی اسی بات کا اعتراف اپنے بارے میں کیا اس پر آیت نازل ہوئی۔ (جس کے ذریعہ حق تعالیٰ نے لوگوں کو یہ رعایت اور سہولت عطا فرمائی کہ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک وہ کھا پی سکتے ہیں اور اپنی بیویوں سے جماع بھی کر سکتے ہیں)

ایک قول ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے بتلایا گیا کہ بعض صحابہ روزے کی وجہ سے غش کھا کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی تحقیق فرمائی تو آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ بنی حرث کا ایک شخص اپنی بیوی کے پاس یہ دیکھنے کے لئے آیا کہ وہ افطار اور شام کے کھانے کے لئے اس کے واسطے کیا پکا رہی ہے اسی وقت اس پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گیا۔ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جبکہ آفتاب غروب ہو چکا تھا لہٰذا اس نے اس وقت بھی کچھ نہیں کھایا پیا (جس سے کمزوری پیدا ہوئی) اس واقعہ پر حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کُلُوا وَ اشرَبُوا۔ الخ (جو پیچھے ذکر ہوئی)

اسی طرح حق تعالیٰ کا ایک ارشاد ہے،

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (آیت ۱۸۳)

(سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے امتوں کے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے اس توقع پر کہ تم روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ متقی بن جاؤ۔

گزشتہ روزہ دار اقوام سے مراد...... اس بارے میں کہ پہلی امتوں کے لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں ایک روایت میں آتا ہے کہ ان لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں یعنی یہودی اور نصرانی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایسے لوگوں سے مراد خاص طور پر عیسائی ہیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان لوگوں سے مراد پچھلی تمام امتوں کے لوگ ہیں (یعنی اسی طرح پچھلی تمام امتوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا)

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس پر رمضان کے روزے فرض نہ کئے گئے ہوں سوائے اس کے کہ وہ اس مہینہ کو سمجھ نہ پائے اور اس کی طرف ان کی ہدایت نہ ہو سکی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ امتوں میں سے کسی نے بھی روزہ نہیں رکھا لہٰذا روزہ صرف اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ ابن قتیبہ کی کتاب انساب میں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے وہ حضرت نوحؑ ہیں۔ یہاں تک ابن قتیبہ کا حوالہ ہے۔

کیا نصرانی پہلے روزہ رکھتے تھے؟...... بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نصرانی روزہ رکھتے تھے مگر ایک بار رمضان کا مہینہ سخت گرمی کے موسم میں آیا لہٰذا ان لوگوں نے رائے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ روزوں کو سردی اور گرمی کے موسموں کے درمیان رکھا جائے (جب کہ نہ گرمی ہو اور نہ سردی ہی زیادہ ہو) اور روزوں کو اس طرح مؤخر کرنے کے بدلے میں بیس روزے زائد رکھ لئے جائیں۔

اب اس روایت کی بنیاد پر یہ کہنا چاہئے کہ رمضان کے روزے اس امت کی خصوصیت نہیں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ابن قتیبہ وغیرہ کی جن روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ امتوں نے روزے رکھے ہیں تو ان کے ساتھ اس امت کی تشبیہ صرف روزے میں ہے خاص طور پر رمضان کے روزے میں تشبیہ نہیں ہے کیونکہ گزشتہ امتوں میں سے ہر ایک پر ہر مہینہ میں تین دن کے روزے فرض تھے۔ یہی روزے نوحؑ نے اور دوسرے پیغمبروں نے رکھے یہاں تک کہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی یہ روزے رکھے جیسا کہ گزشتہ سطروں میں بیان ہوا ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ دن جن میں آنحضرت ﷺ روزہ رکھا کرتے تھے ایام بیض ہوتے تھے جو چاند کے مہینہ کی تیرہویں چودہویں اور پندرہویں تاریخیں ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ

روزے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی امت پر واجب تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ رمضان کے روزوں سے پہلے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پر یوم عاشوراء کا روزہ واجب تھا۔ اس قول کی تردید بھی گزشتہ سطروں میں بیان ہو چکی ہے۔

صدقۂ فطر کی فرضیت

صدقۂ فطر عید سے دو دن پہلے فرض ہوا۔ آنحضرت ﷺ عید سے دو دن پہلے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کرتے تھے جس میں آپ ﷺ صحابہ کو صدقۂ فطر کی تعلیم دیتے تھے اور یہ حکم دیا کرتے تھے کہ یہ صدقہ عید کی نماز کو جانے سے پہلے دیا جائے۔ یعنی صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے بعد آپ ﷺ یہ تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ صدقۂ فطر عید الاضحیٰ کی نماز کے واجب ہونے کے بعد واجب ہوا ہے۔

اسی طرح صدقۂ فطر کا حکم مال کی زکوٰۃ کے حکم سے پہلے ہوا ہے۔ جہاں تک مال کی زکوٰۃ کا تعلق ہے تو یہ ۲ھ میں فرض ہوئی ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ زکوٰۃ کون سے مہینے میں فرض ہوئی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ بعد کے علماء میں سے ایک عالم نے جو فقہ کے بھی عالم تھے شاید اسی لئے کہا ہے کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کا وقت مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ مراد ہے مال کی زکوٰۃ۔ زکوٰۃ فطر نہیں۔

غالباً یہاں اس بعد کے عالم سے مراد امام سراج الدین بلقینی ہیں کیونکہ ایک مرتبہ امام بلقینی سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ مال کی زکوٰۃ کس سال میں فرض ہوئی؟ انہوں نے اس طرح جواب دیا،

"حفاظ حدیث اور سیرت نگاروں نے اس سال سے بحث نہیں کی جس میں مال کی زکوٰۃ فرض ہوئی البتہ میری نظر سے دو ایسی حدیثیں گزریں جن سے اس سال کا اندازہ اور تخمینہ ہو سکتا ہے اور مجھ سے پہلے ان حدیثوں تک کوئی اور نہیں پہنچ سکا۔"

پھر انہوں نے کہا،

"یہ بات واضح ہے کہ مال کی زکوٰۃ صدقۂ فطر کے بعد فرض ہوئی ہے اور ضمار ابن ثعلبہ کے مدینہ آنے سے پہلے فرض ہوئی ہے اور ضمار ۵ھ میں آئے ہیں۔"

کیا صدقۂ فطر کا حکم مکہ میں نازل ہوا؟...... یہاں تک امام بلقینی کا کلام ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ صدقۂ فطر ہجرت سے بھی پہلے فرض ہو گیا تھا۔ چنانچہ کتاب سفر السعادت میں جو قول ہے اس کے ظاہری الفاظ سے بھی کچھ ایسا ہی اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکے کے بازار، محلوں اور گلی کوچوں میں اعلان کرنے والے بھیج کر اعلان کرایا کرتے تھے کہ لوگو! بردار رہو کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے۔ حدیث۔

مگر اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مکے میں یعنی ہجرت سے پہلے ایمان کے فرض ہونے کے بعد پانچ نمازوں کے سوا اور کچھ فرض نہیں ہوا باقی تمام فرائض و احکام ہجرت کے بعد فرض ہوئے ہیں۔ مگر اس بارے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے ہجرت سے پہلے ہی تہجد اور صبح و شام کی دو دو رکعت نماز بھی فرض ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں فرائض سے مراد وہ فرائض ہیں جو آج تک

موجود ہیں اور جن کی فرضیت اب تک باقی ہے۔

جہاں تک کتاب سفر السعادت کے گزشتہ قول کا تعلق ہے تو ممکن ہے جب مدینہ میں صدقۂ فطر واجب ہوا تو آپ ﷺ نے وہاں رہتے ہوئے اپنے قاصد مکے بھیج کر وہاں اعلان کرایا ہو کہ صدقۂ فطر واجب ہو گیا ہے۔

جب صدقۂ فطر واجب ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چھوٹا اور بڑا، غلام اور آزاد، مرد اور عورت صدقۂ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع گیہوں نکالے، آپ خطبہ سے پہلے عید کی نماز بلا اذان اور تکبیر کے پڑھا کرتے تھے۔ (ی) بلکہ الصلاۃ جامعۃ کہہ کر نماز کی اطلاع کر دی جاتی تھی۔

مگر کتاب سفر السعادت میں ہے کہ آپ ﷺ جب عید گاہ میں پہنچ کر نماز شروع فرماتے تو اس کے لئے نہ اذان اور تکبیر ہوتی اور نہ الصلاۃ جامعۃ کے ذریعے نماز کی اطلاع کی جاتی۔ سنت یہی ہے کہ ان میں سے کوئی چیز نہ ہو۔ یہاں تک کتاب سفر السعادت کا حوالہ ہے۔

تاریخی عصا...... عید گاہ جاتے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے ایک مونٹھ دار عصا لایا جاتا۔ جب آپ ﷺ عید گاہ میں پہنچ جاتے تو اسے آپ ﷺ کے سامنے نصب کر دیا جاتا۔ یہ ایک عصا تھا جس کی لمبائی آدھے نیزہ کے برابر تھی اور اس کے ایک سرے پر یعنی نچلے سرے پر لوہے کی مونٹھ لگی ہوئی تھی۔ یہ عصا حضرت زبیر ابن عوام کا تھا جو وہ حبشہ سے لے کر آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ عصا لیا تھا آنحضرت ﷺ اس کو سامنے سُترہ کے طور پر نصب کر کے نماز پڑھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر سے یہ عصا غزوۂ بدر کے بعد لیا تھا۔ غزوۂ بدر میں حضرت زبیرؓ نے اس عصا سے سعید ابن سفید ابن عاص کو قتل کیا تھا عبیدہ کو ابوذات الکرش کہا جاتا تھا۔

حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں نے ابوذات الکرش کو اس طرح لوہے میں غرق دیکھا کہ اس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ میں ابوذات الکرش ہوں۔ میں نے اس عصا کے ذریعہ اس پر حملہ کیا اور اس کی آنکھوں میں مارا جس سے وہ فوراً ہی مر گیا (کیونکہ یہ عصا اس کی آنکھ میں گھُس گیا تھا) میں نے اس کو نکالنے کے لئے اپنا پیر عبیدہ کے اوپر رکھ کر پوری طاقت سے یہ عصا اس کی آنکھ میں سے کھینچا جس سے یہ ایک طرف سے تھوڑا سا مڑ گیا۔ (غرض اس کے بعد یہ عصا آنحضرت ﷺ نے لے لیا) جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت زبیرؓ نے یہ عصا پھر خود لے لیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے ان سے یہ عصا مانگا تو حضرت زبیرؓ نے ان کو دے دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد پھر حضرت زبیرؓ نے اس کو خود لے لیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اسے ان سے مانگ لیا۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ نے مانگ لیا۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد یہ عصا حضرت علیؓ کو دے دیا گیا۔ پھر ان کے پاس سے یہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس پہنچا اور ان کے قتل ہونے تک ان ہی کے پاس رہا۔

آنحضرت ﷺ جب نماز عید اور خطبہ سے واپس تشریف لاتے تو آپ ﷺ غریبوں اور مسکینوں کے درمیان صدقۂ فطر تقسیم کرتے تھے۔ غالباً مراد وہ صدقۂ فطر ہے جو خود آپ ﷺ کی مبارک سے متعلق تھا۔ کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ نماز عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا کریں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادائیگی کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے حصہ کا صدقۂ فطر لا کر

آنحضرت ﷺ کے پاس نماز عید سے پہلے جمع کر دیا کریں تاکہ آپ ﷺ اسے تقسیم فرما سکیں۔
عید قرباں...... اسی طرح جب آنحضرت ﷺ عید الاضحیٰ یعنی عید قربان کی نماز اور خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو آپ ﷺ کے پاس دو بھیڑیں لائی جاتیں جبکہ آپ ﷺ عید گاہ میں ہی کھڑے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ ان میں سے ایک بھیڑ اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے اور فرماتے،

"یہ میرے ان تمام امتیوں کی جانب سے ہے جنہوں نے تیری توحید کی گواہی دی اور میری تبلیغ کی گواہی دی۔"

حاکم نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سینگوں والی بھیڑ عید گاہ میں ذبح کی اور ذبح کرنے سے پہلے یہ فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَکْبَرُ اور ذبح کے بعد فرمایا،

"اے اللہ! یہ میری اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جو ذبیحہ نہیں کر سکے۔"

اس روایت سے یہ مسئلہ نکالا گیا ہے کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تھی کہ آپ ﷺ دوسرے کی اجازت کے بغیر دوسرے کی طرف سے بھی ذبیحہ کر سکتے تھے۔

غرض پھر آپ ﷺ دوسری بھیڑ ذبح کرتے اور فرماتے،

"یہ ذبیحہ محمد اور ان کی آل و اولاد کی طرف سے ہے۔"

پھر ان دونوں بھیڑوں کے گوشت میں سے آپ ﷺ خود اور آپ ﷺ کے گھر والے بھی کھاتے اور غریبوں کو بھی کھلاتے۔ آپ ﷺ نے قربانی کبھی ترک نہیں کی (یہاں یہ ایک سوال ہے کہ) کیا ابراہیمؑ کے بعد سے خود انبیاءؑ اور ان کی امتیں ذبیحہ کرتی تھیں یا صرف انبیاء ہی کرتے تھے،

منبر نبوی ﷺ...... مسجد نبوی میں جب آپ ﷺ کے لئے منبر نصب نہیں کیا گیا تھا تو آپ ﷺ ان کھجور یا کیکر کے تنوں میں سے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے جو مسجد نبوی میں بطور ستون کے لگائے گئے تھے اور اسی طرح جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔

بعض علماء نے اس طرح لکھا ہے کہ منبر بننے سے پہلے جب آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف کی دیوار کے پاس جو کھجور کا تنا ستون کے طور پر نصب تھا اس سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے پھر جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"مناسب ہوگا کہ آپ کوئی ایسی بلند چیز بنوالیں جس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کریں تاکہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ بھی سکیں اور آواز بھی سن سکیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے ایک منبر بنادو۔ چنانچہ آپ ﷺ کے لئے دو سیڑھی کا ایک منبر بنایا گیا جس کے بعد بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس طرح اس منبر میں تین درجے تھے اور آپ ﷺ اس کے بعد اس منبر پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے۔

کھجور کے تنے کی گریہ وزاری...... ایک روایت ہے کہ جب یہ منبر بن گیا اور آپ ﷺ بجائے کھجور کے اس تنے سے سہارا لے کر کھڑے ہونے کے منبر پر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو اس کھجور کے تنے میں سے زبردست آہ و بکا اور رونے کی آوازیں آئیں جن کو تمام لوگوں نے سنا۔ یہ آواز کچھ ایسی دردناک تھی کہ ساری مسجد ہل گئی اور تمام صحابہ بھی رونے لگے۔ اس کے بعد وہ تنا اسی طرح روتا اور آہ و بکا کرتا رہا یہاں تک کہ

جلد ہی وہ پھٹ کر ٹوٹ گیا۔ ایک روایت ہے کہ اس تنے میں سے ایسی آواز آئی جیسے پورے دنوں کی گیا بھن اونٹنی بلبلاتی ہے۔ ایک روایت کے لفظ ہیں کہ جیسے وہ اونٹنی روتی ہے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جیسے اس اونٹنی کی آہ وبکا ہوتی ہے جس کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جیسے بیل کے رونے کی آواز ہوتی ہے۔

غرض اس آواز کو سن کر آنحضرت ﷺ فوراً ہی منبر پر سے اترے اور اس تنے کے پاس جا کر اسے سینے سے لگایا اس وقت اس تنے سے ایک بچے کے سسکنے اور سبکنے کی سی آوازیں آنے لگیں جو رُک رُک کر ہسکیاں لے رہا ہو۔

بعض علماء نے اسفرائنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس تنے سے آہ و بکا کی آوازیں سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا جس پر وہ تنا زمین کو پھاڑتا ہوا آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا آپ ﷺ نے اس کو اپنے گلے سے لگایا جس کے بعد وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس تنے کے اوپر ہاتھ پھیرا اور اس سے فرمایا، پُر سکون اور خاموش ہو جا! چنانچہ اس سے آواز آنی بند ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس تنے کے رونے کی آواز سن کر فرمایا،

"یہ تنا اس لئے رو رہا ہے کہ یہ اس ذکر الٰہی سے محروم ہو گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں اس کو نہ چمکارتا تو یہ ہمیشہ یعنی قیامت تک اسی طرح نوحہ وزاری کرتا رہتا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "آنحضرت ﷺ کے فراق میں اسی طرح روتا رہتا۔"

آنحضرت ﷺ کے جو یہ الفاظ ہیں کہ یہ اس ذکر الٰہی سے محروم ہو گیا تو یہ جملہ پہلی روایت کی روشنی میں تو واضح ہے (کہ ذکر الٰہی اس کے قریب ہونا بند ہو گیا تھا) اور دوسری روایت کی روشنی میں اس کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ذکر الٰہی سے یہ محروم ہو رہا ہے۔

اس تنے کے گریہ وماتم کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدہ کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے،

وَحَنَّ الیکَ الجذعُ حِیْنَ ترکتَہٗ
حنینَ الثکالیْ عِنْدَ فقدْ الاَحِبَّۃَ

ترجمہ: جب آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا تو درخت کا وہ تنا آپ ﷺ کے سامنے بچوں کی طرح بلک بلک کر اس لئے رونے لگا کہ وہ اپنی محبوب چیز سے محروم ہو گیا تھا۔

ایک عالم نے امام شافعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو جو نعمتیں اور شرف عطا فرمائے وہ کسی دوسرے نبی کو نہیں دیئے"

میں نے عرض کیا کہ عیسیٰؑ کو تو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا گیا تھا۔

امام شافعی نے فرمایا،

"اور محمد ﷺ کو یہ شرف عطا فرمایا کہ (درخت کا مردہ) تنا ان کیلئے رو دیا۔ یہ بات اس سے زیادہ ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ اس تنے کے بچوں کی طرح سبک سبک کر رونے پر اس کو ملامت مت کرو۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی جدائی سے جس چیز کو بھی دوچار ہونا پڑا وہ اسی طرح رنج و غم میں گھلنے لگی۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے دلاسہ و تسلّی...... ایک روایت میں ہے کہ جب وہ تنا رونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا،

'اگر تو چاہے تو میں تجھے اسی بستان یعنی باغ میں لوٹا دوں جس میں تو تھا کہ تجھ میں پھر کونپلیں پھوٹ آئیں تو پھر ہرا بھرا ہو جائے اور تیرے پھل اور شاخیں دوبارہ اُگ آئیں اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں بو دوں تاکہ اولیاء اللہ تیرے پھل کھائیں۔"

یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ اس کی طرف جھک کر اس کا جواب سننے لگے۔ درخت سے ہلکی سی آواز میں جواب آیا جو آنحضرت ﷺ کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں نے بھی سنا۔ اس نے کہا،

"آپ ﷺ مجھے جنت میں ہی بو دیجئے۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کر دیا۔ میں نے ایسا ہی کر دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس کی طرف جھک کر جواب سننے لگے تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا،

"اس نے اسے پسند کیا ہے کہ اس کو جنت میں بو دیا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے دار الفناء کے مقابلے میں دار البقاء کو پسند کر لیا ہے۔"

یہ دوسری روایت پہلی سے مختلف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے درخت کا جواب آنحضرت ﷺ سے صحابہ نے پوچھا ہو (جو وہاں سے دور رہے ہوں اور) جنہوں نے اس میں سے آنے والی آواز نہ سنی ہو۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس تنے کو منبر کے نیچے دفن کرنے کا حکم دیا۔ ایک قول ہے کہ اس کو مسجد کی چھت میں لگا دیا گیا۔ اس قول کے راوی کہتے ہیں کہ پھر جب مسجد نبوی کی یہ تعمیر منہدم کی گئی اور چھت نکالی گئی تو اس تنے کو میرے والدؓ اتار کر لے گئے۔ پھر وہ ان ہی کے پاس رہا یہاں تک کہ اس کو دیمک نے کھا لیا اور خشک ہوتے ہوتے وہ ٹوٹنے لگا۔

منبر کی تیاری...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: سیرت دمیاطی میں ہے کہ صحابہ نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے خطبہ دیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اس پر حضرت تمیم داری نے آپ سے عرض کیا،

"میں آپ کے لئے ایک ایسا منبر نہ بنا دوں جیسا آپ ﷺ نے دیکھا ہوگا شام میں بنتا ہے؟"

(ی) شام میں نصرانی لوگ اپنے گرجاؤں کے لئے منبر بنایا کرتے تھے جس پر ان کے پادری کھڑے ہوا کرتے تھے اور اس کا نام سیڑھی ہوتا تھا۔ تبلیغی اور مذہبی وعظ کے وقت وہ لوگ اس پر چڑھ کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ غرض اس پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ فرمایا جس میں سب کی رائے یہ ہوئی کہ ایسا منبر بنوا لیا جائے، اس پر حضر عباس ابن عبد المطلب نے کہا،

"میرے پاس ایک غلام ہے جس کا نام کلاب ہے اور وہ نہایت بہترین بڑھئی ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو منبر بنانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے اس کو بھیجا کہ جنگل سے جھاؤ کا درخت کاٹ کر لائے۔ وہ جھاؤ کا درخت کاٹ کر لایا اور اس لکڑی سے اس نے دو سیڑھیوں اور ان کے اوپر بیٹھنے کا منبر بنایا۔ منبر تیار کر کے وہ لایا اور اس کو مسجد نبوی میں اس جگہ رکھ دیا گیا جو آج تک منبر رکھنے

کی جگہ ہے اور جہاں منبر رکھا رہتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ جب جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے تو آپ ﷺ اسی پر کھڑے ہوئے اور فرمایا،

"میں نے بھی منبر اختیار کر لیا ہے کیونکہ میرے باپ ابراہیمؑ نے بھی منبر اختیار کیا تھا۔"

غالباً ابراہیمؑ کے منبر سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ مقام یعنی پتھر تھا جس پر کھڑے ہو کر وہ بیت اللہ کی تعمیر کیا کرتے تھے کیونکہ اگر یہ مراد نہیں ہے تو پھر کسی روایت سے یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ ابراہیمؑ کا کوئی منبر تھا جس پر کھڑے ہو کر وہ لوگوں کے سامنے گفتگو کیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو منبر کے پاس کھڑے ہوئے یہ فرماتے سنا،

"جبار یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھ میں اٹھا کر فرماتا ہے۔ میں جبار ہوں۔ میں جبار ہوں۔ جباری کا دعویٰ کرنے والے کہاں ہیں؟ متکبر لوگ کہاں ہیں؟"

آنحضرت ﷺ یہ بیان فرماتے جاتے تھے اور دائیں بائیں گھومتے جاتے تھے۔ اسی وقت میری نظر آپ کے منبر پر پڑی میں نے دیکھا کہ منبر لرز رہا ہے اور اتنا زور زور سے ہل رہا ہے کہ مجھے ڈر ہوا کہیں یہ آنحضرت ﷺ سمیت گر نہ پڑے۔

منبر نبوی کا جنت سے تعلق...... ابن عمرؓ سے ہی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ وہ منبر ایسے ایسے تین مرتبہ آیا اور گیا۔ ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ منبر پر تھے تو وہ اچانک اس طرح کانپ اٹھا کہ عورتوں نے اس کی حالت دیکھ کر کہا کہ یہ سخت غمزدہ ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"میرا یہ منبر جنت کی روشوں میں سے ایک روش کے اوپر ہے یعنی اس کا منہ جنت کی روشوں پر ہے اور اس کے پائے جنت میں نصب ہیں۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا منبر میری حوض پر ہے۔

اپنی حوض کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے،

میری حوض اتنی بڑی ہے جتنا عدن سے عمان تک کا فاصلہ ہے۔ وہ یعنی اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے چھاگلوں کی تعداد اتنی ہے جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔ جو شخص اس سے ایک گھونٹ پانی پی لے تو اس کے بعد وہ کبھی پیاسا نہ ہو قیامت کے دن جو لوگ اس حوض پر سب سے زیادہ پہنچیں گے وہ غریب اور نادار مہاجرین ہوں گے"

ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کون ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"وہ لوگ جن کے سروں کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوں گے، جن کے کپڑے پھٹے ہوئے بوسیدہ ہوں گے، جو مالدار عورتوں سے نکاح نہیں کرتے، جن کے لئے بند دروازے نہیں کھلتے (یعنی جنہیں لوگ دروازوں سے دھتکار دیتے ہیں) جو دوسروں کے حق ادا کرتے ہیں مگر اپنا حق دوسروں سے نہیں لیتے"

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان اور ایک روایت میں حجرہ کا لفظ ہے۔ ان سب سے مراد قبر مبارک ہی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی قبر مبارک آپ ﷺ کے حجرہ میں ہے اور آپ ﷺ کا حجرہ ہی آپ کا گھر ہے۔ غرض

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یعنی جنت میں بالکل یہی مقام ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ اس مقام کو جنت میں اٹھالے گا اور اس طرح یہی مقام جنت میں پہنچ جائے گا۔

اس جگہ مانگی جانے والی دعا کی فضیلت...... چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اسی بناء پر اس مقام پر پڑھی جانے والی نماز اور مانگی جانے والی دعا کا اتنا زیادہ ثواب ہے کہ وہ آدمی کو جنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔ یہ قول ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے چاہے یہ تلواریں سرزمین کفر ہی میں کیوں نہ ہوں (جیسے تلواروں کے سائے میں جنت ہونے سے مراد یہ ہے کہ جہاد اور اللہ کی راہ میں تلوار اٹھانا غازی کو اس ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے جو اس کے جنت میں جانے کا سبب بن جاتا ہے)

ایک قول ہے کہ قبر سے منبر تک کے حصہ کو اس کی زبردست برکت کی وجہ سے جنت کے باغ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دنبہ کے بارے میں ایک قول ہے کہ یہ جنت کے مویشیوں میں سے ہے۔

مگر ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ بات نہیں ہے جیسا کہ جاہل لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قبر مبارک سے منبر تک کا قطعہ جنت کے ٹکڑوں میں سے نکلا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس منبر کی حرمت و تقدیس کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ جس شخص نے میرے منبر پر کھڑے ہو کر جھوٹا حلف کیا تو چاہے وہ کیکر کی ایک مسواک کے برابر حصے پر ہی ہو اس کو جہنم میں آگ پر بٹھایا جائے گا۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ اس کے لئے جہنم واجب ہو جائے گی۔

منبر پر خطبہ دینے کے وقت آنحضرت ﷺ کا طریقہ...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر ایک کے عصا کا سہارا لئے ہوئے تشریف فرما تھے۔ کتاب ھدیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ کے دوران کبھی تلوار کا سہارا لے کر نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ منبر بننے سے پہلے آپ ﷺ ہمیشہ کمان یا عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ (ی) ایک قول ہے کہ جب کہیں جنگ کے دوران آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ دیتے تو کمان کا سہارا لے کر کھڑے ہوا کرتے تھے اور جب عام دنوں میں خطبہ دیتے تو عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔

اس عصا کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ آیا یہ وہی موٹھ دار نیزہ تھا جس کو آپ ﷺ نماز کے وقت سترہ بنا کر کھڑا کرتے تھے یا کوئی اور عصا تھا۔ ادھر تلوار کا سہارا لے کر کھڑے ہونے کی جو روایت ہے اس کو بعض لوگوں نے مانتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دین تلوار کے زور سے قائم ہوا ہے۔ مگر یہ بات انتہائی جاہلانہ اور لغو ہے۔ یہاں تک کتاب ھدیٰ کا حوالہ ہے۔

یہاں ایک بات کی وجہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ خطبہ کے دوران آپ ﷺ تلوار کا سہارا لے کر ہی کھڑے ہوا کرتے تھے یہ ایک روایت میں ہے لیکن ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح بعض شافعی فقہاء نے اس کی حکمت بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے عصا یا تلوار یا کمان کے سہارے کھڑے ہونے میں جو حکمت پوشیدہ تھی وہ یہ اشارہ تھا کہ یہ دین ہتھیاروں کے ذریعہ قائم ہوا ہے۔

ادھر کتاب ہدیٰ کی جو عبارت بیان ہوئی ہے کہ منبر بننے سے پہلے آپ ﷺ عصا یا کمان کا سہارا لیا کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ منبر تیار ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کا سہارا لینا چھوڑ دیا تھا۔

صاحب قاموس نے کتاب سفر السعادت میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ﷺ تلوار یا نیزہ کا سہارا لے کر نہیں کھڑے ہوا کرتے تھے بلکہ کمان یا عصا کا سہارا لیا کرتے تھے اور یہ بھی منبر تیار ہونے سے پہلے تک تھا لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ منبر تیار ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے عصا، کمان یا اور کسی چیز کا سہارا لیا ہو۔ یہاں تک صاحب قاموس کا حوالہ ہے۔ لہٰذا منبر کے اوپر ان چیزوں کا سہارا لینا بدعت یعنی نئی بات ہو گی۔

مگر یہ بات ہمارے ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ منبر پر اس طرح کھڑے ہونا سنت ہے کہ دایاں حصہ منبر کے ساتھ لگا ہوا ہو اور بایاں حصہ عصا وغیرہ کی قسم کی چیز کے ساتھ مصروف ہو۔ مگر ان ہی فقہاء نے کہا ہے کہ اس طرح جیسے وہ شخص ہوتا ہے جو تلوار سے حملہ کرنے اور کمان سے تیر پھینکنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ مگر یہ صورت نہ تو عصا کے ساتھ پیدا ہو سکتی ہے اور نہ اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جبکہ میان پوش تلوار کا سہارا لیا جائے۔

مگر بعض مقامات پر خطیب کے خطبہ دینے سے پہلے ایک مُرقی یعنی معُلِن منبر پر چڑھ کر قرآن پاک کی آیت اور حدیث مشہور پڑھتا ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب حق تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو تو خاموش رہا کرو اس لئے لوگو خاموش ہو جاؤ اور خطبہ سنو۔ یہ طریقہ بدعت ہے کیونکہ صحابہ کے زمانے میں یہ طریقہ نہیں تھا بلکہ یہ بعد کی ایجاد اور پیداوار ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ طریقہ سب سے پہلے کس نے اور کب شروع کیا؟ تاہم یہ بدعت ہے۔

مگر بعض علماء نے اس طریقہ کو صحیح ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے جب خطبہ دینے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ کوئی شخص آکر لوگوں کو خاموش ہو جانے کی ہدایت کرے لہٰذا اس پر اگر لوگوں کو خاموش ہو جانے کی ہدایت کی گئی ہے تو مُرقی یا معُلِن کا بھی یہی حدیث سنا کر لوگوں کو خاموش کرنا بدعت نہیں ہو سکتا۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے وقت یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت ہے (جبکہ آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم حجۃ الوداع کے مشہور خطبے کے وقت دیا تھا جمعہ کے خطبہ کے لئے نہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو حدیث بیان فرماتے تھے وہ منبر پر بیان فرماتے تھے لہٰذا سنت یہ ہے کہ خطیب بھی اسی طرح بیان کرے۔

<u>خطبۂ جمعہ کی اہمیت</u>...... چنانچہ کتاب سفر السعادت میں ہے کہ خطبہ کے دوران آنحضرت ﷺ لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی شخص نے اپنے ساتھی کو یہ بھی کہا کہ خاموش رہو تو اس نے غلطی کی اور جس نے غلطی کی اس کا جمعہ نہیں ہوا۔

اسی طرح آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص جمعہ میں امام کے خطبہ کے دوران بول رہا ہے اس کی مثال ایک گدھے کی سی ہے جس کے اوپر کتابیں بوجھ کی طرح لدی ہوئی ہیں اور جو شخص خطبہ کے دوران دوسرے کو خاموش کرنے کے لئے یوں کہہ دے کہ خاموش رہو تو اس کا جمعہ نہیں ہو گا۔

حافظ دمیاطی کا قول پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کھجور کے تنے کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھ پر کھڑے ہونا شاق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تنے

کی آہ وبکا اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ لکڑی کے بنے ہوئے اس مُنبر پر کھڑے ہوئے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس لکڑی کے مُنبر سے پہلے مٹی کا مُنبر نہیں بنوایا گیا تھا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

مُنبر نبوی کی تاریخ...... مگر اس بارے میں اشکال ہے۔ اسی لئے پیچھے تمیم داری کا آنحضرت ﷺ سے جو کلام گزرا ہے اس میں بھی اشکال ہے کیونکہ تمیم داری ۹ھ میں مسلمان ہوئے تھے جبکہ لکڑی کا یہ ممبر ے ھ یا ۸ھ میں تیار ہوا تھا۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے حوادث کے ذیل میں اس بارے میں صرف ۸ھ کا ہی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسی سال یعنی ۸ھ میں مُنبر گھڑ کر بنایا گیا، اس پر خطبہ ہوا اور کھجور کے تنے کے گریہ وماتم کا واقعہ پیش آیا۔ اور یہ پہلا مُنبر ہے جو اسلام میں بنایا گیا۔

مگر کتاب اصل نے یہی بات اس سے پہلے یوں کہی ہے کہ اس سے پہلے آپ ﷺ کے لئے مٹی کا مُنبر بنایا گیا تھا اور یہ کہ اس وقت ہی کھجور کے تنے سے آہ وبکا کی آواز آئی تھی۔ (گھڑے سے مراد لکڑی کا مُنبر بنانا اور بنانے سے مراد مٹی کا مُنبر تعمیر کرنا ہے) مُنبر کے ۸ھ میں گھڑے جانے سے اس بات میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ حضرت عباسؓ نے اس کے تیار کرنے کے لئے اپنے غلام کو مشورہ دیا تھا کیونکہ حضرت عباسؓ ۹ھ میں ہی مدینہ آئے تھے۔ مگر بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بلا کر اس سے فرمایا کہ کیا تم میرے لئے ایک مُنبر تیار کر دو گے؟ اس نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا تب تم یہ کام نہیں کر سکو گے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک دوسرے شخص کو بلایا اور اس سے بھی یہی فرمایا اور اس نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے تیسرے شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ اس نے کہا ابراہیمؑ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے مُنبر تیار کرو چنانچہ اس نے مُنبر تیار کیا۔

ایک قول ہے کہ یہ مُنبر ایک رومی شخص نے گھڑا تھا جس کا نام باقوم تھا اور جو سعید ابن عاص کا غلام تھا۔ غالبًا یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر اس سے پہلے قریش کے ہاتھوں کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں گزرا ہے۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کے پاس کہلایا کہ اپنے غلام کو حکم دو کہ میرے لئے لکڑی کا مُنبر بنادے جس پر کھڑے ہو کر میں لوگوں سے کلام کیا کروں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے لئے مُنبر بنادیا جو بانس کی قسم کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔

ممکن ہے حضرت عباسؓ کا غلام اس عورت کی ملکیت میں آگیا ہو اور یہ سعید ابن عاص کا غلام رہا ہو اور یہ کہ اس نے ابراہیم کے ساتھ مل کر مُنبر تیار کیا ہو جس کا ذکر گزشتہ سطروں میں ہوا ہے۔ لہٰذا مُنبر کے بنانے کا کام دونوں کی طرف منسوب ہو گیا۔

اب گویا کتاب اصل میں حوادث کے ذیل میں جو بات لکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ کھجور کے تنے پر خطبہ دیا کرتے تھے پھر مٹی کے بنے ہوئے مُنبر پر خطبہ دینے لگے اور یہ کہ اس تنے کی گریہ وزاری کا واقعہ اسی وقت پیش آیا جبکہ آپ ﷺ نے مٹی سے بنائے گئے مُنبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔

مگر کتاب اصل میں ہی حوادث کے ذیل میں جو بات بیان کی گئی ہے یہ اس کے خلاف ہے کیونکہ حوادث کے ذیل میں انہوں نے لکھا ہے کہ تنے کی آہ وزاری کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ نے لکڑی کے مُنبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کیا۔ اور یہ کہ یہ پہلا مُنبر تھا جو اسلام میں بنایا گیا (جبکہ ان ہی کے قول

کے مطابق اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے لئے مٹی کا منبر بنایا جاچکا تھا) اب اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ لکڑی سے بنایا جانے والا یہ پہلا منبر ہے جو اسلام کے دور میں بنایا گیا۔ (البتہ مٹی کا منبر اس سے پہلے بھی بن چکا تھا)

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تنے کی گریہ وزاری کا واقعہ اس لکڑی کے منبر پر خطبہ دینے کے وقت پیش آیا تھا تو یہ راوی کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے (کیونکہ یہ واقعہ اس سے پہلے مٹی کا منبر بننے کے وقت پیش آیا تھا) اور ایسی کوئی روایت نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ واقعہ دونوں موقعوں پر پیش آیا اور یہ کہا جاسکے کہ تنے سے گریہ وزاری کی یہ آواز ایک دفعہ اس وقت آئی جب آپ ﷺ نے مٹی کے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا اور ایک بار اس وقت آئی جب آپ ﷺ نے لکڑی کے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔

کتاب نور میں کتاب اصل کے غیر حوادث کے کلام اور حوادث کے کلام کو یکجا کر کے ان میں موافقت پیدا کی گئی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ کتاب اصل نے غیر حوادث میں جو یہ بات کہی ہے کہ آپ ﷺ کے لئے منبر تعمیر کیا گیا یا بنایا گیا یہ محض عام لفظ کے طور پر ہے (یہ مراد نہیں کہ مٹی کا منبر تعمیر کیا گیا کیونکہ آپ ﷺ کے لئے منبر تعمیر کیا گیا یا بنایا گیا یہ محض عام لفظ کے طور پر ہے (یہ مراد نہیں کہ مٹی کا منبر تعمیر کیا گیا کیونکہ آپ کے لئے مٹی کا کوئی منبر نہیں بنایا گیا تھا) اس لئے تعمیر کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لئے منبر اختیار کیا گیا کیونکہ آپ ﷺ کا جو منبر تھا وہ بانس کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جو ایک مشہور لکڑی ہے۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

یہ بات جو کتاب نور نے کہی ہے اگر اس کے برعکس ہوتی تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب سے مسجد نبوی میں خطبہ دینا شروع کیا تھا اس وقت سے ۸ھ تک اس کھجور کے تنے پر ہی خطبہ دیتے رہے اس لئے کہ کتاب اصل کے گزشتہ حوالے کے مطابق لکڑی کا ممبر ۸ھ میں تیار کیا گیا تھا

ادھر ۸ھ کی بات حضرت عائشہؓ کے ایک قول سے غلط ہو جاتی ہے یہ قول واقعہ افک یعنی واقعہ تہمت کے سلسلے میں ہے۔ اس قول کے ایک حصہ میں ہے کہ، پھر اوس و خزرج کے قبیلے ایک دوسرے کے خلاف اس قدر برانگیختہ ہوئے کہ ان کے درمیان جنگ کا اندیشہ ہو گیا اور اس وقت آنحضرت ﷺ منبر پر (خطبہ دے رہے) تھے۔" یہ بات معلوم ہے کہ واقعہ افک ۵ھ میں پیش آیا ہے (اور اس وقت آنحضرت ﷺ کے منبر پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ منبر ۸ھ میں نہیں بنا بلکہ اس سے تین سال پہل بھی موجود تھا)

پھر میں نے آجری کی کتاب الشریعت دیکھی جس میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک لکڑی سے کمر لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے منبر بناؤ یعنی تعمیر کرو تو آپ ﷺ کے لئے دو سیڑھیوں کا منبر بنایا گیا جو بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ تھیں چنانچہ جب آپ ﷺ منبر پر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو اس لکڑی سے گریہ وزاری کی آواز آئی۔

سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اور اتنا مجمع ہونے لگا کہ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے خطبے کی آواز نہ آتی تو صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا

"یارسول اللہ! لوگوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور ان میں سے اکثر کے کانوں تک آپ ﷺ کی

آواز اور آپ ﷺ کا کلام نہیں پہنچتا۔ اس لئے بڑا اچھا ہو کہ آپ ﷺ کسی ایسی چیز پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کریں جو زمین سے اونچی ہو اور لوگوں تک آپ ﷺ کی آواز پہنچتی رہے۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے ایک غلام کے پاس پیغام بھیجا جو بڑھئی تھا اور ایک انصاری عورت کا غلام تھا اس نے بانس کی لکڑی سے آپ کے لئے دو سیڑھیاں بنائیں۔ جب آپ ﷺ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو کھجور کے تنے سے آہ و بکا کی آواز آئی۔ یہاں تک سہل کا حوالہ ہے۔ یہی بات کتاب اصل کے حوالے سے پیچھے بیان ہوئی ہے جو انہوں نے حوادث کے ذیل میں ذکر کی ہے۔

اب ان روایتوں کے درمیان موافقت کی شکل یہ بنتی ہے کہ بانس کا منبر تیار کرانے سے پہلے آپ ﷺ نے مٹی کا منبر بنوایا تھا۔ بعد میں بانس کی لکڑی کا منبر اس لئے بنوایا کہ وہ مٹی کے منبر کے مقابلے میں زیادہ مضبوطی کے ساتھ اونچا کیا جاسکتا تھا۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آہ و بکا کی آواز اس بانس کے منبر پر خطبہ دینے کے وقت آئی تھی تو یہ راوی کی غلطی سے اس طرح ذکر ہو گیا ہے۔ کیونکہ آہ و بکا کی آواز صرف مٹی کا منبر بن جانے کے بعد آئی تھی اور دوبارہ کسی وقت نہیں آئی جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔

اب امیر معاویہ نے خلافت سنبھالی تو انہوں نے اس منبر پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھوایا تھا۔ پھر امیر معاویہ نے اپنے مدینہ کے گورنر یعنی مروان ابن حکم کو لکھا کہ اس منبر کو زمین سے اونچا کرا دیا جائے۔ چنانچہ مروان نے دو بڑھئی بلائے انہوں نے سات سیڑھیاں بنائیں اور منبر ان پر رکھا اس طرح کل نو سیڑھیاں ہو گئیں۔ اسی سے اس گزشتہ قول کی تائید ہوتی ہے جس میں گزرا ہے کہ بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ دو سیڑھیاں بنائی گئیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے پیچھے گزرا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے سیڑھیاں بنائی گئیں (یعنی بجائے منبر کے صرف سیڑھیوں کا ذکر ہوا ہے)

منبر نبوی کو منتقل کرنے کی کوشش کا انجام...... ایک قول ہے کہ امیر معاویہ نے اس منبر کو مدینہ سے ملک شام میں منتقل کرنے کا حکم بھیجا مگر جب لوگوں نے منبر کو مسجد نبوی سے اکھاڑنے کا ارادہ کیا تو اچانک سورج کو گہن سا لگ گیا اور مدینہ میں اتنا سخت اندھیرا پھیل گیا کہ ستارے چمکنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی زبردست قسم کی آندھی چلنے لگی۔ یہ دیکھ کر مروان لوگوں کے سامنے آیا اور اس نے خطبہ دیتے ہوئے کہا،

"اے مدینہ والو! تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ امیر المومنین یعنی امیر معاویہ نے میرے پاس حکم بھیجا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کو یہاں سے اٹھا کر ان کے پاس ملک شام بھیج دوں۔ لیکن امیر المومنین اس بات کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور وہ رسول اللہ تعالیٰ کے منبر کو ہٹانے کی بات نہیں کر سکتے انہوں نے میرے پاس صرف یہ حکم بھیجا ہے کہ میں اس منبر کا احترام کروں اور اس کو بلند کر دوں۔"

اس کے بعد مروان نے منبر کو بلند کرا دیا جس کی تفصیل گزشتہ سطروں میں بیان ہوئی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ امیر معاویہ جب حج کو آئے تو اسی دوران میں انہوں نے منبر کو مدینہ سے شام لے جانے کا ارادہ کیا تھا جس پر اچانک سورج گرہن ہو گیا اور آندھی آئی جیسا کہ بیان ہوا، یہ دیکھ کر امیر معاویہ نے لوگوں کے سامنے صفائی پیش کی اور کہا کہ منبر کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں نیچے اس کو دیمک نہ لگ رہی ہو۔ اس کے بعد امیر معاویہ نے منبر پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ دو علیٰحدہ علیٰحدہ واقعے ہوں اور امیر معاویہ کا واقعہ مروان کے واقعہ سے پہلے کا

ہو، جس کی دلیل امیر معاویہ کا یہ قول ہے کہ میں منبر کے نیچے کا حال دیکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اگر اس واقعہ کو مروان کے بعد کا واقعہ شمار کیا جائے تو مروان تو اس منبر کو بلند کرا چکا تھا اس لئے دیمک وغیرہ اس وقت دیکھی جا سکتی تھی۔

منبر نبوی جل جانے کے بعد مسجد کے لئے یمنی منبر...... اس کے بعد جب مسجد نبوی میں پہلی بار آگ لگی تو یہ منبر بھی جل گیا تھا جس کے بعد یمن کے حاکم نے مسجد نبوی کے لئے ایک دوسرا منبر بھیجا جو اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ یہ منبر دس سال تک یہاں رہا۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ وہ منبر نبوی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بوسیدہ ہوتا رہا۔ آخر بنی عباس کے خلفاء میں سے ایک نے ایک منبر بنوایا اور منبر نبوی میں سے کچھ لکڑی نکال کر تبرک کے طور پر اس نئے منبر میں لگوائی (اور اسے مسجد نبوی میں رکھوادیا) پھر جب مسجد میں آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو یہ منبر اس میں جل گیا۔ اس دفعہ یمن کے بادشاہ مظفر نے مسجد نبوی کے لئے منبر بنوا کر بھیجا یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔

مصر کے شاہ بیبرس اور شاہ برقوق کی طرف سے منبر...... اس کے بعد بادشاہ ظاہر بیبرس نے مصر میں ایک منبر بنوا کر مسجد نبوی کے لئے بھیجا اور شاہ یمن کا منبر مسجد سے اٹھوا کر شاہ ظاہر کا بنوایا ہوا منبر اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ یہ منبر ایک سو بتیس سال تک رکھا رہا آخر اس میں دیمک لگ گئی۔ اب بادشاہ ظاہر برقوق نے مصر میں منبر بنوا کر مسجد نبوی کے لئے بھیجا اور شاہ ظاہر بیبرس کا منبر وہاں سے ہٹا کر شاہ ظاہر برقوق کا منبر رکھ دیا گیا۔ یہ منبر تیس یا چوبیس سال تک رہا۔

شامی منبر...... اس کے بعد جب مصر کے سلطان موئید شیخ نے قاہرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ موئیدیہ ہے تو شام والوں نے سلطان کے لئے ایک منبر بنوایا اور وہ اس کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسے مدرسہ میں رکھوا دیں۔ مگر اس وقت معلوم ہوا کہ مدرسہ کے لئے خود مصر والے ایک منبر بنوا چکے ہیں چنانچہ سلطان موئید نے وہ شامی منبر مسجد نبوی کے لئے مدینہ بھجوادیا (اور اس کو مسجد میں رکھوادیا گیا) یہ منبر مسجد میں سرسٹھ سال تک رہا مگر پھر جب مسجد نبوی میں دوسری بار آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو یہ منبر اس میں جل گیا۔

مرمریں منبر...... اس دفعہ مسجد نبوی کے لئے اینٹوں کا منبر بنوایا گیا اور اس پر چونے کا پلاستر کرایا گیا۔ یہ منبر اکیس سال تک مسجد میں رہا۔ اس کے بعد اس کی جگہ سنگ مرمر کا منبر بنوا کر رکھا گیا جو آج تک (یعنی مؤلف کے زمانے تک) موجود ہے۔

جامع قرطبہ میں دنیا کا سب سے قیمتی منبر...... کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت منبر جامع قرطبہ کا ہے جو مغرب میں اندلس یعنی اسپین کا پایہ تخت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس منبر میں جو لکڑیاں استعمال کی گئی ہیں وہ سال، آبنوس اور عود معطر کی لکڑیاں ہیں اس منبر کو بنانے میں اور نقش و نگار سے آراستہ کرنے میں سات سال کی طویل مدّت صرف ہوئی۔ سات بہترین فنکار اس پر کام کرتے تھے جن میں سے ہر ایک کی روزانہ اجرت آدھا مثقال سونا تھی۔ اس طرح صرف اس کی جو اجرت ہوئی وہ چار ہزار پچاس مثقال سونا تھا (ایک مثقال کا وزن ڈیڑھ درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے اور کہیں زیادہ بھی ہوتا ہے)

اس مسجد کے دیگر عجائبات...... اسی جامع قرطبہ میں ایک قرآن پاک بھی ہے جو صرف چار ورق کا ہے اور

خود حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس قرآن پر حضرت عثمانؓ کے خون کے نشانات بھی ہیں (یعنی وہ قرآن پاک ہے جو حضرت عثمان غنیؓ اس وقت پڑھ رہے تھے جب ان کو شہید کیا گیا۔ غالباً قرآن پاک کا یہ نسخہ اب حکومت روس کے قبضہ میں ہے)

اسی جامع قرطبہ میں تین ستون ہیں جو سرخ رنگ کے ہیں۔ ان میں سے ایک ستون پر رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی تحریر ہے۔ دوسرے ستون پر حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور اصحاب کہف کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔ تیسرے سے ستون پر نوحؑ کے کوّے کی تصویر ہے اور یہ سب چیزیں اس پتھر پر قدرتی طور پر نقش ہیں انسانی ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہیں (یعنی قدرتی طور پر پتھر کے جگر میں یہ تحریر اور تصویر نقش ہے۔ اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ کہ قاہرہ کے ایک حمام میں ایک سنگ مرمر کے ٹکڑے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ہے اور اس کی پوری تفسیر بھی تحریر ہے جس کو سب لوگ پڑھتے ہیں اور یہ سب تحریر پتھر میں قدرتی طور پر نقش ہے انسانی ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے،

حضرت سہل سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا جب آپ ﷺ پہلی بار اس لکڑی کے منبر پر بیٹھے تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی جس پر آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تمام لوگوں نے بھی تکبیر کہی۔ پھر آپ ﷺ نے منبر پر ہی رکوع فرمایا۔ پھر آپ ﷺ واپس کھڑے ہوئے اور الٹے پیروں منبر سے اترے اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا اور پھر آپ ﷺ نے دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے اور آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف مڑ کر فرمایا،

لوگو! میں نے ایسا اس لئے کیا تاکہ تم میری پیروی کرو اور میری اس نماز کا طریقہ جان لو"

یعنی اس طرح کی نماز میں تم میری پیروی کر سکو جس میں ایک اونچی جگہ پر، پھر اس پر سے نیچے اترا جاتا اور اس بلند جگہ کے نیچے سجدہ کیا جاتا ہے اور پھر اس پر چڑھا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی طرح نماز پوری کی جاتی ہے۔

ہمارے شافعی فقہاء کے نزدیک صرف اسی صورت میں یہ نماز جائز ہے کہ اس میں قبلہ کی طرف پیٹھ نہ ہوتی ہو۔

جہاں تک آپ ﷺ کا یہ جملہ ہے کہ۔ تاکہ تم میری اس نماز کا طریقہ جان لو۔ تو یہ بات اس صورت میں تو درست تھی جبکہ آپ ﷺ نے پہلی بار لوگوں کے سامنے نماز پڑھی ہوتی (جبکہ ایسا نہیں تھا) اس لئے پھر یہ مراد ہو سکتی ہے کہ۔ تاکہ تم میری اس نماز کے جائز ہونے کو جان لو۔

ہمارے شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اتر کر سجدۂ تلاوت کیا کرتے تھے۔ لیکن،

منبر نبوی ﷺ کے درجے...... غرض اب یہ بات معلوم ہو گئی کہ بیٹھنے کی جگہ سمیت آنحضرت ﷺ کے منبر کے تین درجے یعنی سیڑھیاں تھیں۔ مگر اس صورت میں ایک روایت کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے اگر وہ روایت صحیح ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ سے ایک سیڑھی نیچے کھڑا ہونا شروع کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے کھڑا ہونا شروع کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے

حضرت عمرؓ کے کھڑے ہونے کی جگہ سے ایک سیڑھی نیچے کھڑا ہونا شروع کیا۔ یعنی اس صورت میں بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ چار سیڑھیاں ماننے پڑیں گی۔ چنانچہ کتاب نور میں یہی کہا گیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیڑھیاں تین سے بھی زیادہ یعنی چار تھیں جو بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ تھیں۔ ورنہ ظاہر ہے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے ایک سیڑھی نیچے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ مگر اس بات کی تاویل ممکن ہے۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کی تاویل کیا ہوگی۔ کیونکہ بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ دو سیڑھیاں ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ دوسری سیڑھی پر خطبہ دیتے تھے اور حضرت عمرؓ زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے نیز حضرت عمرؓ ہی کی طرح حضرت عثمانؓ بھی کرتے تھے۔ لہٰذا یہ بات غلط ہو جاتی ہے کہ پھر حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کے کھڑے ہونے کی جگہ سے ایک سیڑھی نیچے کھڑا ہونا شروع کیا کیونکہ دوسری سیڑھی کے بعد پھر کوئی سیڑھی ہی کہاں باقی رہی جس سے نیچے کھڑا ہوا جائے،

چنانچہ کتاب امتاع کی عبارت سے بھی اشکال ہوتا ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے منبر میں بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ دو درجے تھے اور آنحضرت ﷺ خطبہ کے دوران جب بیٹھتے تو دوسرے درجہ پر آپ ﷺ کے پیر ہوتے اور آپ ﷺ بیٹھنے کی جگہ پر تشریف فرما ہوتے۔ پھر جب حضرت ابو بکرؓ کا دور آیا تو وہ دوسرے درجہ پر کھڑے ہوتے اور پیر نچلے درجہ پر رکھتے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انہوں نے نچلے درجہ کو اختیار کیا اور بیٹھتے تو ان کے پیر زمین پر ہوتے، پھر حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو انہوں نے اپنی خلافت کے ابتدائی چھ سال تک حضرت عمرؓ کی طرح ہی کیا اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ پر کھڑا ہونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔

مناسب بات یہ تھی کہ یوں کہا جاتا کہ حضرت ابو بکرؓ کا دور آیا تو انہوں نے دوسرے درجہ پر کھڑا ہونا اور دوسرے ہی درجہ پر بیٹھنا شروع کیا اور اسی طرح یوں کہتے کہ جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انہوں نے نچلے درجہ پر کھڑے ہونا اور نچلے ہی درجہ پر بیٹھنا شروع کیا یعنی زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے اور اسی طرح حضرت عثمانؓ نے کیا۔

ہمارے شافعی فقہاء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے منبر کے تین درجے تھے جو اس درجہ کے علاوہ تھے جسے بیٹھنے کی جگہ کہا جاتا ہے جسے عربی میں مستراح یا مقعد یا مجلس کہا جاتا ہے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ نچلے درجے کے اعتبار سے تیسرے درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو مستراح پر بیٹھتے اور آپ ﷺ کے پاؤں مبارک اس درجہ پر ہوتے جس پر خطبہ کے دوران کھڑے ہوتے تھے۔ پھر اسی طرح تینوں خلیفہ بھی کرتے تھے یعنی ہر ایک اس درجہ پر پیر رکھتے جس پر کھڑے ہوتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ متوکل عباسی نے ایک دن اپنے ہم نشینوں سے کہا جن میں عبادہ بھی تھے،

"کیا تمہیں معلوم ہے ہم عثمان غنیؓ سے کس لئے ناراض ہیں۔ ہم ان سے کئی باتوں کی وجہ سے ناراض ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے منبر پر حضرت ابو بکرؓ نے اس جگہ سے ایک سیڑھی نیچے کھڑے ہونا شروع کیا جس پر آنحضرت ﷺ کھڑے ہوا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ والی سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے کھڑے ہونا شروع کیا۔ مگر جب عثمان غنیؓ کا زمانہ آیا تو وہ منبر

کی چوٹی پر چڑھ کر کھڑے ہونے لگے۔"

یہ سن کر عبادہ نے متوکل سے کہا،

"امیر المومنین! یہ کہئے عثمان غنیؓ سے بڑا محسن آپ کے لئے کوئی نہیں ہے"

خلیفہ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو عبادہ نے کہا،

"اس طرح کہ اگر ہر نیا خلیفہ اپنے پیشرو کے مقام سے ایک ایک سیڑھی نیچے اتر تا رہتا تو اس وقت آپ ہمیں کسی انتہائی گہرے کنویں میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے۔"

یہ سن کر متوکل اور اس کے ہم نشین ہنسنے لگے۔

جہاں تک حضرت عثمانؓ کے منبر کی چوٹی پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا تعلق ہے تو اس بارہ میں پیچھے گزر چکا ہے کہ انہوں نے (ابتداء میں چھ سال تک حضرت عمرؓ والے درجے سے ہی خطبہ دیا لیکن) آخر میں منبر کے سب سے اوپر کے درجہ پر کھڑا ہونا شروع کر دیا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے پندرہ سیڑھیوں کا منبر بنایا وہ امیر معاویہؓ ہیں اسی طرح وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں پہلی بار اپنے شاہی حرم میں جو ملازم رکھے ان کو خصّی کرا دیا تاکہ حرم سرا کی خواتین ان سے محفوظ رہیں۔

اسی طرح انہوں نے ہی پہلی بار اپنے گھوڑے کے ساتھ دو فالتو گھوڑے لے کر سفر کرنا شروع کیا تاکہ ایک تھک جائے تو دوسرے پر سوار ہو جائیں۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پہلی بار قبطی کپڑے سے منبر کو مزین کیا۔

واقدی سے روایت ہے کہ ایک عورت نے وہ غلاف چرالیا جو حضرت عثمانؓ نے منبر پر چڑھایا تھا۔ چنانچہ اس عورت کو پکڑ کر حضرت عثمانؓ کے سامنے لایا گیا تو خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے غلاف چرایا ہے؟ پہلے تو اس نے انکار کر دیا مگر پھر اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا جس پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے منبر پر غلاف چڑھوایا جیسا کہ بیان ہوا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے منبر پر غلاف چڑھایا مگر اس کو بھی ایک عورت نے چرالیا جس پر عبداللہ ابن زبیرؓ نے بھی اسی طرح اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جس طرح حضرت عثمانؓ نے کاٹا تھا۔

اس کے بعد پھر دوسرے خلفاء نے بھی اپنے اپنے دور میں منبر پر غلاف چڑھائے۔

باب چہل و دوم (۴۲)

غزوۂ بدر کبریٰ

اس غزوہ کو بدر عظمیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اس کو بدر قتال اور بدر فرقان بھی کہا جاتا ہے۔ بدر فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق ظاہر فرمادیا تھا۔

غرض جب وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں آنحضرت ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے نہ ملا اور آپ ﷺ اس کا تعاقب کرتے ہوئے عشیرہ کے مقام تک پہنچ گئے تو معلوم ہوا کہ وہ قافلہ کئی دن کی مسافت پر آگے نکل چکا ہے تو آپ ﷺ اس قافلہ کی ملک شام سے واپسی کا انتظار فرمانے لگے (کیونکہ قریش کا یہ تجارتی قافلہ شام میں اپنے مال کا لین دین کرنے اور تجارتی نفع حاصل کرنے گیا تھا اور اسے نفع کما کر واپس ادھر ہی سے ہو کر مکہ جانا تھا)۔

قافلۂ قریش کی واپسی کی اطلاع...... آخر آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ وہ قافلہ شام سے واپسی کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے فرمایا،

"یہ قریش کا تجارتی قافلہ آرہا ہے جس میں ان کا مال و دولت ہے تم اس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے فائدہ عطا فرمائے"

اس کو کچھ لوگوں نے تو مان لیا مگر کچھ لوگوں کو یہ بات گراں معلوم ہوئی۔ (ی) یعنی انہوں نے اس خیال سے اس کو نہیں مانا کہ ان کے نزدیک جنگ کرنا آنحضرت ﷺ کے شایاں نہیں تھا۔ مگر آپ ﷺ نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ یہ فرمایا کہ جو شخص ہمارے ساتھ چلنا چاہتا ہے وہ چلے اور ان کا انتظار نہ کرے جو نہیں چلنا چاہتے۔

ایک خاتون کا جذبۂ جہاد اور آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی......جب آنحضرت ﷺ مقام بدر کی طرف روانہ ہوئے توامّ ورقہ بنت نوفل نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی جہاد میں چلنے کی اجازت عطا فرمائیے۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے بیماروں کی تیمار داری کروں گی ممکن ہے مجھے بھی اس طرح اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمادے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھو تمہیں اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمائے گا۔"

ان خاتون نے قرآن پاک پڑھ رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کا نام شہیدہ رکھ دیا تھا چنانچہ عام مسلمان بھی ان کو شہیدہ ہی کہنے لگے تھے۔ پھر جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا دور تھا کہ ایک روز ان پر ان کے ایک غلام اور باندی نے حملہ کر دیا جن کو انہوں نے کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گئے۔ انہوں نے ان خاتون کو ایک موٹی اور خاردار چادر میں بیہوش کر کے باندھ دیا یہاں تک کہ ان کا دم گھٹ گیا (اور وہ شہید ہو گئیں) اس کے بعد قاتلوں کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں لا کر پیش کیا گیا جنہوں نے ان کو پھانسی دینے کا حکم دیا۔ اس طرح یہ دونوں پہلے مجرم ہیں جن کو مدینہ میں پھانسی پر لٹکایا گیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا،

"رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ چلو شہیدہ سے مل کر آئیں گے۔"

ابوسفیان کو لشکر اسلام کی اطلاع اور اس کی گھبراہٹ...... غرض ابوسفیان کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے آتے ہوئے حجاز کی سرزمین کے قریب پہنچتا تو جاسوسوں کے ذریعہ راستے کی خبریں معلوم کیا کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ڈر کی وجہ سے راہ میں جو بھی سوار ملتا اس سے حالات معلوم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو لے کر اس کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ایک شخص ملا تھا جس نے اسے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ شروع ہی میں اس کے قافلے کا راستہ روکنا چاہتے تھے اور یہ کہ اب اس نے آنحضرت ﷺ کو راہ میں اس قافلے کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔

ضمضم کے ذریعہ قریش کو خبر دینے کا منصوبہ...... یہ خبر سن کر ابوسفیان بہت خود فزدہ ہوا اور اس نے ایک شخص ضمضم ابن عمرو غفاری سے اجرت پر معاملہ کر کے اس کو مکہ جانے کے لئے تیار کیا۔ اس شخص سے ابوسفیان نے بیس مثقال پر معاملہ کیا تھا۔ نیز یہ کہ اس شخص یعنی ضمضم کے اسلام کے متعلق کوئی روایت نہیں ہے کہ آیا اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ البتہ جو ضمضم صحابہ میں شمار ہیں وہ ضمضم ابن عمرو خزاعی ہیں۔

غرض ابوسفیان نے ضمضم سے کہا کہ وہ مکہ جائے (ی) اور اپنے اونٹ کے کان کاٹ دے، کجاوہ الٹا کرے اور اپنی قمیض کا اگلا اور پچھلا دامن پھاڑے اور اس حالت میں مکہ میں داخل ہو۔ وہاں وہ قریش کو جنگ پر چلنے کے لئے تیار کرے اور ان سے بتلائے کہ محمد ﷺ ان کے قافلے پر اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کر رہے ہیں۔

مکہ میں عاتکہ کا خواب...... چنانچہ ضمضم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ ادھر ضمضم کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا۔ اس عاتکہ کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا جس سے یہ سخت گھبرائی اس نے اپنے بھائی عباس ابن عبدالمطلب کے پاس آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور ان سے کہا،

"بھائی! خدا کی قسم میں نے رات ایک نہایت وحشت ناک خواب دیکھا ہے اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ

شاید تمہاری قوم پر کوئی بڑی تباہی اور مصیبت آنے والی ہے۔ اس لئے جو کچھ میں بتلاؤں اس کو پوشیدہ رکھنا۔"

خواب سنانے سے پہلے عباسؓ سے رازداری کا عہد...... (قال) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ عاتکہ نے حضرت عباسؓ سے کہا،

"جب تک تم مجھ سے یہ عہد نہیں کرو گے کہ تم اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے اس وقت تک میں تمہیں نہیں بتلاؤں گی کیونکہ اگر ان لوگوں نے یعنی قریشی مشرکوں نے یہ بات سن لی تو وہ ہمیں پریشان کریں گے اور ہمیں برا بھلا کہیں گے۔"

چنانچہ حضرت عباسؓ نے اس سے عہد کیا اور پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ عاتکہ نے کہا؟

"میں نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آرہا ہے یہاں تک کہ وہ ابطح میں آکر رکا۔ یعنی جو محصب اور مکہ کے درمیان میں ہے۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے پوری آواز سے پکار پکار کر کہا، لوگو! اے آل غدر تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں میں چلنے کو تیار ہو جاؤ۔"

علامہ سہیلیؒ نے آل غدر یعنی غین کے پیش کے ساتھ لکھا ہے یعنی اگر تم لوگ مدد کو نہیں آتے تو تم غدّار ہو۔ غرض اس کے بعد عاتکہ نے آگے بیان کرتے ہوئے کہا،

"پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اب وہ آنے والا وہاں سے چل کر مسجد یعنی حرم میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ ابھی لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے تھے کہ وہ شخص اچانک اپنے اونٹ سمیت کعبہ کی چھت پر نظر آیا اور وہاں سے وہ پوری طاقت سے پکارا اس کے بعد وہ شخص ابو قبیس پہاڑ پر نظر آیا اور وہاں سے بھی وہ اسی طرح پکارا پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر لڑھکایا جو وہاں سے لڑھکتے لڑھکتے جب پہاڑ کے دامن تک پہنچا تو اچانک ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور پھر مکہ کے گھروں میں سے کوئی گھر اور مکان ایسا نہیں رہا جس میں اس کے ٹکڑے نہ پہنچے ہوں۔"

خواب سن کر حضرت عباسؓ نے عاتکہ سے کہا،

"خدا کی قسم یہ بہت عجیب خواب ہے۔ تم خود بھی اس کو پوشیدہ رکھو اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔"

مکہ میں اس خواب کا چرچا...... اس کے بعد عباس یہاں سے نکلے تو راستہ میں ان کو ولید ابن عتبہ ملا یہ ان کا دوست تھا۔ عباس نے خواب اس سے بیان کر دیا اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ کسی سے نہیں کہے گا۔ ولید نے جا کر یہ ساری بات اپنے بیٹے عتبہ ابن ولید سے بتلادی اور اس طرح یہ خواب ایک سے دوسرے تک پہنچنے لگا اور یہ بات سارے میں عام ہو گئی۔

بنی ہاشم پر ابو جہل کی جھلّاہٹ...... حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اگلے دن میں صبح کو طواف کرنے گیا تو میں نے دیکھا کہ حرم میں ابو جہل ابن ہشام قریشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا اسی خواب کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جوں ہی اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ ابوالفضل جب تم طواف سے فارغ ہو تو ذرا میرے پاس آنا۔

چنانچہ میں طواف کر کے اس کے پاس آیا تو وہ کہنے لگا،

"ابوالفضل! تم میں اس نبیّہ کا ظہور کب ہوا ہے؟"

میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگا کہ عاتکہ کے خواب کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ میں نے کہا اس نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا۔ اس پر وہ بولا،

"اے عبدالمطلب کی اولاد! تم اس سے زیادہ آخر اور کیا چاہتے ہو۔ تمہارے خاندان کے مرد تو نبی ہوتے ہی تھے اب عورتیں بھی نبوت اور پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگیں"

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں،

"اے بنی ہاشم! کیا اتنا ہی تمہیں کافی نہیں تھا کہ تمہارے مرد جھوٹ بولتے تھے کہ اب عورتیں بھی جھوٹ گھڑنے لگیں۔"

تین دن تعبیر کا انتظار...... پھر ابو جہل بولا،

عاتکہ کہتی ہے کہ اس نے خواب میں اس آنے والے شخص کو یہ کہتے سنا کہ تین دن کے اندر اندر جنگ کو چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب ہم تین دن تک انتظار کریں گے۔ اگر جو کچھ عاتکہ کہہ رہی ہے سچ ہے تو تین دن بعد یہ واقعہ ثابت ہو جائے گا اور اگر تین دن گزر گئے اور اس طرح کی کوئی بات پیش نہ آئی تو ہم تمہارے خلاف ایک تحریر لکھ کر لٹکا دیں گے کہ تمہارا گھرانہ عرب کا سب سے جھوٹا گھرانہ ہے۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اس کے سوا اس سے کچھ نہیں کہا کہ عاتکہ نے کوئی خواب نہیں دیکھا اور اس واقعہ سے انکار کرتا رہا۔

ایک روایت ہے کہ عباس نے ابو جہل سے کہا،

"او بزدل عیب دار ہیجڑے! کیا تو یہ بات کہہ رہا ہے؟ جھوٹا تو خود اور تیرا سارا گھرانہ ہے!"

اس پر وہاں جو دوسرے لوگ جمع تھے انہوں نے حضرت عباسؓ سے کہا،

"اے ابوالفضل! تم ہرگز بے عقل اور سٹھیائے ہوئے نہیں ہو"

خواتین بنی ہاشم میں ابو جہل کے خلاف غصہ...... اس راز کے کھولنے پر حضرت عباس کو ان کی بہن عاتکہ نے سخت اذیتیں پہنچائیں۔ عباس کہتے ہیں کہ شام کو بنی عبدالمطلب کی ساری ہی عورتیں ایک ایک کر کے میرے پاس آئیں اور ہر ایک (ابو جہل کی بکواس پر غصے کی وجہ سے مجھے ملامت کرتے ہوئے) یہ کہتی تھی،

"تم نے آخر اس خبیث فاسق کی یہ بات کیسے برداشت کر لی کہ وہ تمہارے خاندان کے مردوں کی عیب جوئی کرتا رہا اور پھر اس نے عورتوں کو بھی نہیں بخشا بلکہ ان کے متعلق بھی زبان درازی کی اور تم سنتے رہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم میں غیرت ہی نہیں ہے جو تم یہ باتیں سن کر آگئے۔"

میں نے کہا،

"نہیں یقیناً میں اس سے لڑوں گا اور اگر اس نے دوبارہ ایسی بات کہی تو میں اس سے خونریزی کروں گا۔"

تعبیر خواب کا ظہور...... آخر عاتکہ کے خواب کا تیسرا دن آگیا۔ میں سخت غصے میں تھا کہ اس وقت میں نے اس معاملہ کو کیوں ٹال دیا اور چاہتا تھا کہ پھر کوئی بہانہ مل جائے۔ چنانچہ میں اسی حالت میں حرم میں داخل ہوا جہاں میں نے اس کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ خدا کی قسم میں اس ارادہ سے اس کی طرف بڑھا کہ اس سے الجھوں تاکہ وہ وہی بات ایک بار پھر کہہ دے اور میں اس پر حملہ کروں۔ مگر اسی وقت میں نے دیکھا کہ وہ ڈرتا ہوا حرم کے دروازے کی طرف جھپٹا۔ میں سوچنے لگا کہ اس کم بخت پر خدا کی لعنت ہو شاید یہ مجھ سے ڈر کر بھاگ رہا ہے مگر فوراً ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک ایسی آواز سن کر خوفزدہ ہو رہا تھا جو میں اب تک نہیں سن سکا تھا۔ وہ ضمضم ابن عمرو غفاری کی آواز سن رہا تھا جو وادیٔ مکہ کے بیچ میں کھڑا ہوا پکار رہا تھا۔ وہ اپنے اونٹ پر کھڑا تھا جس کے ناک

کان کٹے ہوئے تھے اور اس نے اپنی قمیص پھاڑ رکھی تھی۔ اس حالت میں وہ چیخ چیخ کر فریاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا،

"اے گروہ قریش! اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو۔ اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو۔ تمہارا جو مال و دولت ابو سفیان لئے آرہا تھا اس پر محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کر دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے (تم اس کو نہیں پا سکو گے)"

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں۔ "اگر محمد ﷺ اس مال و دولت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاؤ گے۔ مدد۔ مدد۔!"

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میری توجہ ابو جہل کی طرف سے ہٹ گئی اور اس معاملہ کی وجہ سے اس کی توجہ بھی میری طرف سے ہٹ گئی۔ اب لوگوں نے جلدی جلدی جنگ کی تیاری شروع کی۔ وہ سب بے حد گھبرائے ہوئے تھے اور عاتکہ کے خواب کی وجہ سے سخت خوفزدہ ہو رہے تھے۔

قریش کے دم خم...... ایک روایت ہے کہ ان لوگوں نے کہا،

کیا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تجارتی قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے کی طرح ثابت ہو گا۔ خدا کی قسم ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ ویسا نہیں ہے۔"

اس تجارتی قافلے میں تمام قریشیوں کا مال لگا ہوا تھا اور قریش میں سے یا تو وہ لوگ تھے جو اس قافلے میں خود گئے تھے اور یا وہ تھے کہ انہوں نے مال دوسرے کے سپرد کر کے اس کو بھیجا ہوا تھا۔

مکہ میں جنگی تیاریاں...... (اسی وجہ سے وہ لوگ بڑی مستعدی کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور) مالی طور پر مضبوط لوگوں نے کمزور اور غریب لوگوں کی مدد کر کے ان کو چلنے پر آمادہ کیا۔ بڑے بڑے قریشی سردار لوگوں کو کوچ کرنے کے لئے اکسانے میں لگ گئے۔ سہیل ابن عمرو نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور کہا،

"اے آل غالب! کیا تم اس کو برداشت کر لو گے کہ محمد ﷺ اور ان کے یثرب کے بے دین ساتھی تمہارے مال و دولت پر قبضہ کر لیں۔ (لہذا جنگ کے لئے نکلنے کے سلسلہ میں) تم میں سے جس کو مال کی ضرورت ہو تو میرا مال حاضر ہے اور جس کو کھانے کی ضرورت ہو تو میرا رزق حاضر ہے۔"

ابو لہب کا خوف اور جنگ سے پہلو تہی...... اس طرح قریشی سرداروں میں سے سوائے ابو لہب کے کوئی ایسا نہیں رہا جو جنگ کو جانے کے لئے تیار نہ ہو گیا ہو۔ مگر ابو لہب عاتکہ کے خواب کی وجہ سے بے حد ڈرا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا تھا،

"عاتکہ کا خواب بالکل سچا خواب ہے اور اسی طرح ظاہر ہو گا۔"

ابو لہب کا جنگی قائم مقام...... ابو لہب نے خود جانے کے بجائے عاص ابن ہشام ابن مغیرہ سے چار ہزار درہم میں معاملہ کیا کہ اس کی طرف سے وہ جنگ میں چلا جائے۔ ابو لہب کے چار ہزار درہم عاص پر قرض تھے۔ ابو لہب نے اسی رقم کے بدلے میں اس سے معاملہ کر لیا تھا۔ ابو لہب نے اس سے کہا کہ تم جنگ کے لئے چلے جاؤ اور اس کے بدلے میں میرا قرض جو تمہارے ذمے ہے وہ میں چھوڑتا ہوں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عاص کے ذمہ ابو لہب کے قرض کی یہ رقم سود کی رقم تھی۔ عاص نے اپنی غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے ابو لہب سے روپیہ قرض لیا تھا۔ چنانچہ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ابو لہب نے چار ہزار کے سود در سود پر اس سے معاملہ کیا تھا۔

روایت میں سود کے لئے لیاط کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مادہ لاط یلوط لوطاً ہے۔ اس کے معنی لیپنا اور چپکانا ہیں چونکہ سود اصل معاملہ یعنی بیع کے ساتھ ضروری کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ کوئی معاملہ نہیں ہے اسی لئے اس کو لیاط بھی کہتے ہیں۔ (ویسے عربی میں سود کے لئے ربا کا لفظ استعمال ہوتا ہے)۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ابولہب اور یہ دونوں جوا کھیلا کرتے تھے۔ اس جنگ کے موقعہ پر ابولہب نے اس بات پر عاص کے ساتھ جوا کھیلا کہ اگر عاص ہار جائے تو وہ ابولہب کی فرمانبرداری اور اطاعت کیا کرے چنانچہ جوئے میں ابولہب جیت گیا۔ اب ابولہب نے اس پر تقاضہ کر کے اس کو تنگ کرنا شروع کیا۔ پھر عاص نے دوبارہ وہی جوا لگایا مگر اس دفعہ بھی ابولہب جیت گیا چنانچہ اس نے عاص کو اپنی جگہ جنگ بدر میں بھیج دیا۔ اس عاص ابن ہشام کو اسی غزوۂ بدر میں حضرت عمر فاروقؓ نے قتل کیا تھا۔

امیّہ کا جنگ سے انکار اور قریش کا دباؤ...... اس جنگ کے لئے قریشی سردار ہر شخص کو لے جانے کے لئے تقاضہ کر رہے تھے۔ امیّہ ابن خلف نے جانے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ بوڑھا بھی تھا اور بے حد موٹا اور بھاری بدن کا تھا۔ یہ اپنی ایک مجلس میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس عقبہ ابن معیط آیا جس کے ہاتھ میں بخوردان تھا اور اس میں بخورات تھے (جن سے عورتیں دھونی دیا کرتی ہیں) عقبہ نے وہ بخوردان امیہ کے سامنے لا کر رکھا اور کہنے لگا،

"اے ابو علی! ذرا دھونی دے دوں کیونکہ تم بھی تو عورتوں ہی کی صنف سے تعلق رکھتے ہو!"

امیّہ نے کہا خدا تمہارا اور اس بخوردان کا ناس کرے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے یہ عقبہ ابن معیط ایک نہایت بدتمیز اور منہ پھٹ آدمی تھا اور ابوجہل نے ہی اس کو اس کام پر متعین کیا تھا کہ جو لوگ جنگ میں جانے سے پہلو بچائیں ان کو یہ شرمندہ کرے اور غیرت دلائے۔

ایک روایت میں ہے کہ امیہ کے پاس ابوجہل آیا اور کہنے لگا،

"اے ابو صفوان! تم وادی کے سرداروں میں سے ہو۔ ایک روایت کے لفظ ہیں کہ تم وادی کے معزز لوگوں میں سے ہو اگر لوگوں نے تمہیں جنگ سے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رک جائیں گے اس لئے ہمارے ساتھ ضرور چلو چاہے ایک دو دن کے سفر تک ہی ساتھ چلو (اس کے بعد واپس آجانا)۔"

ان دونوں کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ عقبہ بھی امیّہ کے پاس گیا ہو اور ابوجہل بھی گیا ہو۔ چنانچہ امیہ بھی ساتھ جانے پر راضی ہو گیا۔

امیّہ کے انکار کا سبب...... امیّہ کے جنگ سے پہلو بچانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت سعد ابن معاذ مدینہ سے عمرہ کرنے کیلئے مکہ آئے تھے وہ مکہ میں امیّہ کے یہاں آکر ٹھہرے کیونکہ جب یہ امیّہ تجارت کے سلسلے میں شام جایا کرتا تھا تو مدینہ میں حضرت سعد ابن معاذؓ کے یہاں ٹھہرا کرتا تھا یہاں حضرت سعدؓ نے امیّہ سے کہا،

"میرے لئے اس کا خیال رکھنا کہ جب بھی حرم خالی ہو تو مجھے بتانا ممکن ہے میں بیت اللہ کا طواف کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

امیّہ نے کہا،

"ذرا انتظار کرو! جب دوپہر ہو جائے گی اور لوگ غافل ہو جائیں گے تو چل کر طواف کر لینا۔"

سعد ابن معاذ اور ابوجہل کا جھگڑا...... ایک روایت میں ہے کہ دوپہر کے قریب امیہ حضرت سعدؓ کو لے

کر حرم میں آیا۔ ابھی حضرت سعد طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل وہاں آگیا۔ اس نے پوچھا یہ طواف کرنے والا کون ہے۔ حضرت سعد نے کہا کہ میں سعد ابن معاذ ہوں۔

یہ سن کر ابو جہل نے کہا،

تم اتنے اطمینان کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پناہ دے رکھی ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تم لوگوں نے ان بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور ساتھ ہی یہ خیال بھی کئے بیٹھے ہو کہ تم لوگ محمد ﷺ کی مدد اور حمایت کرو گے! خدا کی قسم اگر تو ابو صفوان یعنی امیہ کے ساتھ نہ ہوتا تو زندہ بچ کر اپنے گھر والوں کے پاس نہ جا سکتا!"

اس پر ان دونوں میں تیز کلامی اور جھگڑا ہونے لگا۔ حضرت سعد بہت زور زور سے کہنے لگے،

"خدا کی قسم اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تجھے اس چیز سے روک دوں گا جو تیرے لئے اس سے بھی زیادہ سخت بات ہوگی۔ میں تجھے مدینہ سے گزرنے سے روک دوں گا (جہاں سے ہو کر تم لوگ تجارت کے لئے ملک شام کو جاتے ہو)۔"

اُمیّہ کے قتل کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی...... حضرت سعدؓ چونکہ بہت بلند آواز سے بول رہے تھے اس لئے امیّہ انہیں بار بار روکتا تھا کہ ابوالحکم یعنی ابو جہل کے سامنے اتنا زور زور سے مت چیخو کیونکہ وہ وادی کے لوگوں کا سردار ہے۔ وہ بار بار حضرت سعدؓ کو خاموش کرنے لگا۔ حضرت سعدؓ نے امیّہ سے کہا،

تم بھی سن لو! میں نے محمد ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ وہ تمہیں قتل کریں گے!"

اُمیّہ کی بدحواسی...... امیّہ نے گھبرا کر پوچھا۔ مجھے۔ انہوں نے کہا، ہاں۔ امیّہ نے کہا مکہ ہی میں۔ حضرت سعدؓ نے کہا یہ میں نہیں جانتا۔ یہ سن کر امیّہ کہنے لگا،

"خدا کی قسم! محمد ﷺ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی۔"

امیہ اس خبر پر اتنا بدحواس ہو گیا کہ پاجامے میں اس کا پیشاب نکلنے لگا۔ وہ گھبرایا ہوا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا کہ معلوم ہے میرے یثربی بھائی یعنی سعد ابن معاذ نے کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا کیا کہا ہے، تو امیہ نے بتلایا کہ اس کے دعویٰ کے مطابق محمد ﷺ نے کہا ہے کہ وہ مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ امیّہ کی بیوی بولی کہ محمد ﷺ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی ہے۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد جب ابو سفیان کا قاصد مکہ آیا اور اس نے چیخ چیخ کر قافلے پر حملے کی اطلاع دی اور لوگوں نے جنگ کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا تو امیہ کی بیوی نے اس سے کہا کہ کیا وہ بات بھول گئے جو تمہارے یثربی بھائی نے تم سے کہی تھی۔ امیہ نے کہا تب تو میں اس موقعہ پر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا بلکہ حلف اٹھا کر قسم کھائی کہ میں مکہ سے باہر ہرگز نہیں نکلوں گا۔ مگر پھر عتبہ اور ابو جہل نے آکر اس کو شرم دلائی اور اصرار کیا تو وہ یہ فیصلہ کر کے چلنے پر تیار ہو گیا کہ میں راستے میں سے لوٹ آؤں گا۔

جہاں تک اس جملے کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کو قتل کریں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس کے قتل کا سبب بنیں گے ورنہ آنحضرت ﷺ نے سوائے امیہ کے بھائی اُبَیْ ابن خلف کے کسی کو خود قتل نہیں کیا اس کو غزوۂ احد میں قتل کیا گیا تھا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ غرض آنحضرت ﷺ امیّہ کے قتل کا سبب تھے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ سعد ابن معاذ نے امیّہ سے کہا کہ محمد ﷺ کے صحابہ تجھے قتل

کریں گے ادھر یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کے سامنے یہ فرمایا ہو کہ میں اُبی ابن خلف کو قتل کروں گا اور سعد نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ نے اُبی کے بجائے امیہ ابن خلف کے بارے میں فرمایا ہے۔

پانچ قریشی سرداروں کی قرعہ اندازی...... کتاب امتاع میں ہے کہ امیہ ابن خلف، عتبہ اور شیبہ ابن ربیعہ زمعہ ابن اسود اور حکیم ابن حزام نے تیروں کے ذریعہ پانسہ ڈالا تھا جس میں انکار والا تیر نکلا تھا کہ یہ لوگ جنگ میں نہ جائیں یعنی وہ تیر نکلا تھا جس پر یہ لکھا ہوتا تھا کہ "مت کرو۔" لہٰذا ان سب نے مل کر فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ جنگ میں نہیں جائیں گے۔ مگر پھر ان کے پاس ابو جہل آیا اور اس نے انہیں لے جانے پر اصرار کیا۔ اس سلسلہ میں عقبہ ابن معیط اور نضر ابن حرث نے بھی ابو جہل کا ساتھ دیا اور ان لوگوں پر ساتھ چلنے کیلئے اصرار کیا۔

عداس کی طرف سے آقاؤں کو روکنے کی کوشش...... کہا جاتا ہے کہ عداس نے اپنے آقاؤں عتبہ اور شیبہ ابن ربیعہ سے کہا تھا کہ خدا کی قسم آپ دونوں جنگ میں نہیں بلکہ اپنی قتل گاہ میں جا رہے ہیں۔ اس پر ان دونوں نے جنگ میں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر پھر ابو جہل کا اصرار اتنا بڑھا کہ یہ دونوں اس نیت سے سب کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے کہ راہ میں سے واپس آجائیں گے۔

قریشی لشکر کا طمطراق اور کوچ...... آخر قریش کے لوگ تین دن میں اور ایک قول کے مطابق دو دن میں اپنی تیاریوں سے فارغ ہو گئے اور اب انہوں نے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے لشکر کی تعداد ساڑھے نو سو تھی۔ ایک قول ہے کہ ایک ہزار تھی۔ ان کیساتھ سو گھوڑے تھے جن کے سوار زرہ پوش، نیز ان کے علاوہ ایک سو پیدل زرہ پوش تھے۔ یہ لوگ جلدی کی وجہ سے سخت اور دشوار گزار راستوں کی پرواہ کئے بغیر روانہ ہوئے ان کے ساتھ گانے بجانے والیاں بھی تھیں۔ کتاب امتاع میں بھی ہے کہ ان کے ساتھ گانے والیاں تھیں جو دف بجا بجا کر ایسے گانے گا رہی تھیں جن میں مسلمانوں کی ہجو اور برائی کی گئی تھی۔

قریش اور بنی کنانہ کی پرانی آویزش...... آگے احد کے موقعہ پر قریشی عورتوں کے بھی لشکر کے ساتھ نکلنے کا بیان آئے گا جس میں ہے کہ ان کے ساتھ دف اور باجے تھے۔

غرض اس روانگی کے وقت ان کو بنی کنانہ کی طرف سے بھی اندیشہ تھا کہ کہیں وہ پیچھے سے آکر ان پر حملہ نہ کر دیں کیونکہ قریش اور بنی کنانہ کے درمیان سخت دشمنی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ قریشیوں نے ایک دفعہ بنی کنانہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح بنی کنانہ نے بھی قریش کے ایک نوجوان کو قتل کر دیا تھا جس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک قریشی نوجوان جو نہایت حسین وخوبصورت اور بہترین کپڑے پہنے ہوئے تھا اپنی کسی گمشدہ چیز کی تلاش میں نکلا۔ اس کا گزر بنی کنانہ کے علاقہ میں بھی ہوا۔ وہاں بنی کنانہ کا سردار عامر ابن خلوج بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے اس قریشی نوجوان کو دیکھا تو یہ اسے بہت اچھا لگا اس نے اس سے پوچھا کہ لڑکے تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں قریشی ہوں۔ اس کے بعد جب یہ نوجوان وہاں سے واپس ہونے لگا تو عامر نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا،

"کیا قریش کے ذمہ تمہارا کوئی خون نہیں ہے؟"

لوگوں نے کہا بے شک ہے۔ عامر نے ان لوگوں کو ابھار دیا اور انہوں نے اس نوجوان کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد بنی کنانہ نے قریش سے یہ کہہ دیا کہ ایک آدمی کے بدلے میں ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا ہے (لہٰذا

آپ کو ہم پر چڑھ دوڑنے کا کوئی موقع نہیں ہے) اس کو قریش نے بھی مان لیا کہ ہاں ایک جان کے بدلے میں ایک جان ہو گئی ہے۔

اس کے بعد اتفاق سے ایک مرتبہ مقتول شخص کے بھائی کو مرظہران کے مقام پر عامر مل گیا اس نے فوراً تلوار بلند کر کے عامر پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا پھر اس نے اسی کی تلوار سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ پھر اس کے بعد رات کے وقت حرم میں آکر اس نے عامر کی تلوار غلاف کعبہ کے ساتھ لٹکادی۔ صبح کو قریش نے عامر کی تلوار وہاں دیکھی۔ وہ اس کو بھی پہچان گئے اور یہ بھی پہچان گئے کہ اس کا قاتل کون ہے۔

سرداران قریش ابلیس کے دام میں...... اس واقعہ پر قریب تھا کہ قریش جنگ کے لئے کوچ کا ارادہ ملتوی کر دیں کہ ان کے سامنے ابلیس ظاہر ہوا جو سُراقہ ابن مالک مُدلجی کی شکل میں تھا۔ سراقہ بنی کنانہ کے معزز لوگوں میں سے ایک شخص تھا۔ اس نے قریشیوں سے کہا،

"میں تمہیں بنی کنانہ کی طرف سے امان دیتا ہوں کہ وہ اس موقعہ پر پشت سے آکر تم پر نہ حملہ کریں گے اور نہ کوئی ایسی بات کریں گے جس سے تمہارے لئے دشواریاں پیدا ہوں۔"

اس اطمینان دہانی پر قریش کے لوگوں کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور وہ تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے ان کے ساتھ ہی شیطان بھی اسی بھیس میں چلا اور ان کو یہ اطمینان دلایا کہ بنی کنانہ تمہاری مدد کے لئے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ اس نے قریش کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا،

"آج کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا۔ میں تمہاری مدد پر ہوں۔"

آنحضرت ﷺ کی مدینہ سے روانگی...... ادھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے بیئر عتبہ نامی کنویں کے پاس لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو اس کنویں سے پانی پینے کا حکم دیا اور خود بھی پیا۔

کتاب امتاع میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیوت سقیاء نامی چشمے کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ مدینہ سے دو دن کے سفر پر تھی۔ اس کنویں سے آنحضرت ﷺ کیلئے پانی لایا جاتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے غلام رباح آپ ﷺ کے لئے ایک دفعہ بیر غرس نامی کنویں سے پانی لاتے تھے اور ایک مرتبہ بیوت سقیاء نامی چشمے سے لاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بیر غرس جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔ چنانچہ اسی لئے آپ ﷺ نے اس پانی سے غسل بھی فرمایا تھا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ غرس اصل میں ایک غلام کا نام تھا جو اس کنویں کا محافظ تھا (اسی کے نام پر اس کنویں کا نام بھی پڑ گیا) ایک روایت اس کے خلاف بھی ہے۔

کمسن مجاہدوں کو واپسی کا حکم...... جب آپ ﷺ بیوت سقیاء سے نکل گئے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو شمار کیا جائے چنانچہ بیر عتبہ کے پاس ٹھہر کر تعداد شمار کی گئی۔ یہ جگہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ چنانچہ صحابہ آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے۔ ان میں جو کم عمر تھے آپ ﷺ نے ان کو واپس فرما دیا ان واپس کئے جانے والوں میں اسامہ ابن زید، رافع ابن خدیج، براء ابن عازب، اسید ابن ظہیر، زید ابن ارقم اور زید ابن ثابت شامل تھے۔

آپ نے عُمیر ابن وقاص کو بھی واپس ہونے کا حکم دے دیا تھا جس پر وہ رونے لگے، آخر پھر آپ ﷺ

نے ان کو جنگ پر چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔ مگر ان کو واپسی کا حکم دینے کے سلسلے میں اشکال ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے شافعی علماء کے نزدیک پندرہ سال کی عمر بالغ ہونے کی عمر ہے۔

لشکر اسلام کا معائنہ...... آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس لشکر میں تین سو پانچ صحابہ تھے۔ ان میں چونسٹھ مہاجرین تھے اور باقی انصاری مسلمان تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ مہاجرین کی تعداد اسّی سے کچھ زیادہ تھی اور انصاریوں کی تعداد دو سو چالیس سے کچھ اوپر تھی۔

مجاہدین بدر کے ناموں کی برکت...... امام دوانی نے لکھا ہے کہ میں نے مشائخ حدیث سے سنا ہے کہ اصحابہ بدر کا نام لے کر جو دعا کی جاتی ہے وہ مقبول ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے (جو صحیح ثابت ہوا)۔

حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم...... حضرت عثمانؓ کو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ یعنی حضرت عثمانؓ کی بیوی بیمار تھیں۔ ایک قول ہے کہ خود حضرت عثمانؓ بیمار تھے اور ان کے چیچک نکلی ہوئی تھی۔ بہر حال دونوں ہی باتیں رہی ہوں تو بھی کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دے کر فرمایا کہ تمہارے لئے ایک آدمی کا اجر بھی ہے اور ایک آدمی یعنی مجاہد کا حصہ بھی ہے۔

ابو امامہ ابن ثعلبہ کی والدہ اگرچہ بیمار تھیں مگر ابو امامہ نے جنگ میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی والدہ کے پاس ٹھہریں۔ جب آپ ﷺ غزوۂ بدر سے واپس آئے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا آپ ﷺ نے ان کی قبر پر جا کر ان کی نماز پڑھی۔

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی قائم مقامی...... آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر حضرت ابو لبابہ کو مدینہ کے والی کی حیثیت سے اپنا قائم مقام بنایا۔ یہ بیر ابو عتبہ تک آپ ﷺ کے ساتھ ہی تھے۔ مگر یہاں آپ ﷺ نے ان کو اپنا قائم مقام متعین فرما کر واپس مدینہ بھیج دیا۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں یوں ہی ہے۔ دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو روحاء کے مقام سے واپس فرمایا تھا۔ یہ مدینہ سے دو رات کی مسافت پر ایک گاؤں تھا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مدینہ میں امامت کے جانشین...... اپنی عدم موجودگی کے دوران مدینہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابن امّ مکتومؓ کو مسلمانوں کا امام متعین فرمایا کہ وہ نماز پڑھایا کریں۔ اسی طرح قباوالوں کا والی حضرت عاصم کو بنایا۔ نیز ان کو ہی اہل عالیہ کا والی بھی متعین فرمایا جس کی وجہ یہ تھی کہ جن منافقوں نے مسجد ضرار بنائی تھی ان کے متعلق آپ ﷺ کو کچھ تشویشناک خبریں ملی تھیں لہٰذا آپ ﷺ نے ان کے معاملات کو دیکھنے کے لئے حضرت عاصم ابن عدی کو والی بنایا۔

خوّات کی غزوۂ بدر میں شرکت سے معذوری...... اسی طرح روحاء کے مقام پر حضرت خوّات ابن جبیر کے چوٹ آگئی۔ (ی) علامہ ابن عبدالبر نے موسیٰ ابن عقبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خوّات ابن جبیر آنحضرت ﷺ کی ساتھ روانہ ہوئے مگر جب وہ صفراء کے مقام پر پہنچے تو ان کی ٹانگ میں ایک پتھر سے چوٹ لگ گئی اور خون بہہ نکلا جس کی وجہ سے وہ چلنے کے قابل نہ رہے اس لئے وہ واپس ہو گئے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے

مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا۔ مگر مؤرخین و محدّثین کہتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔

خوّات سے آنحضرت ﷺ کا مزاح...... ان کا جاہلیت کے زمانہ کا ایک قصہ ذات النّحیین کے ساتھ مشہور ہے جس کے متعلق عرب میں ایک کہاوت بھی چلتی تھی کہ ذالت النّحیین کی وجہ سے دھیان بٹ گیا (ذات النّحیین ایک لڑکی کا نام تھا) اس کا نام خولہ تھا۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خوّات ابن جبیر سے ایک مرتبہ ذات النّحیین کے بارے میں پوچھا اور آپ ﷺ مسکرانے لگے خوّات نے کہا،

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ نے اب اس سے بہتر عورت دے دی ہے اور میں کُور یعنی بھڑوں کے چھتّہ کے بعد حور سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ ان سے پوچھا،

"تمہارے بِدکنے والے اونٹ کا کیا ہوا؟"

انہوں نے کہا،

"یارسول اللہ! اس کو اسلام نے گرفتار کر کے باندھ دیا ہے۔"

ایک قول یہ ہے کہ اونٹ کے متعلق اس سوال میں آنحضرت ﷺ نے ذات النّحیین کے واقعہ کی طرف اشارہ نہیں فرمایا تھا بلکہ ایک دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو یہ تھا کہ ایک دفعہ جاہلیت کے زمانے میں خوّات کچھ عورتوں کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ان کا حسن و جمال ان کو بھا گیا۔ انہوں نے ان عورتوں سے کہا کہ میرے اونٹ کے لئے جو ان کے خیال میں بِدکنے والا اونٹ تھا۔ ایک رسّی بٹ دو۔ یہ کہہ کر اس بہانے سے یہ خوّات ان عورتوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اسی وقت جبکہ یہ وہاں بیٹھے ان عورتوں سے باتوں میں لگے ہوئے تھے وہاں سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا۔ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر ان کی یا ان عورتوں کی طرف توجہ دیئے بغیر گزر گئے (یعنی آپ ﷺ ان کے وہاں بیٹھنے کا مقصد سمجھ گئے مگر ان کو نظر انداز کر کے گزر گئے) جب یہ خوّات مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ان سے اس اونٹ کے متعلق سوال کیا (جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوا ہے)۔

لشکرِ اسلام کے جاسوس...... اسی طرح حرث ابن صمہ کے بھی چوٹ آگئی تھی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے طلحہ ابن عبید اللہ اور سعید ابن زید کو جاسوس کی حیثیت سے آگے روانہ کیا تاکہ وہ قریش کے تجارتی قافلے کی خبریں لائیں۔

یہاں روایت میں تحسّس کا لفظ استعمال ہوا ہے جو "حا" سے ہے اس کے معنی ہیں کسی مقصد سے خبریں معلوم کرنا۔ دوسرا لفظ تجسّس "جا" سے ہے جس کے معنی بُرے مقصد سے خبریں معلوم کرنے کے ہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ تحسّس کرو تجسّس نہ کرو۔

غرض آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو مدینہ سے ہی خبریں معلوم کرنے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اسی لئے یہ دونوں جنگ میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ خبریں معلوم کرنے کے بعد یہ دونوں اس خیال سے واپس مدینہ ہی آئے کہ آپ ﷺ مدینہ میں ہوں گے یہاں جب ان کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جا چکے ہیں تو یہ دونوں بدر کے لئے روانہ ہوئے مگر راستے ہی میں ان کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہو گئی جبکہ آپ ﷺ غزوۂ بدر سے فارغ

ہو کر واپس تشریف لا رہے تھے آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان دونوں کا حصہ نکالا۔ مجاہدوں میں آپ ﷺ جس کا حصہ بھی دیتے وہ یہی پوچھتا۔

"یا رسول اللہ! میرا جو ثواب ہے وہ بھی باقی ہے؟"

آپ ﷺ فرماتے ہاں تمہارے لئے اجر بھی ہے۔

غزوۂ بدر کے اسلامی پرچم...... اس غزوہ کا جنگی پرچم سفید تھا آنحضرت ﷺ نے یہ اسلامی جھنڈا حضرت مصعب ابن عمیر کو عنایت فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کے آگے آگے لشکر میں دو سیاہ رنگ کے جھنڈے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اس پرچم کا نام عقاب تھا۔ یہ پرچم حضرت عائشہؓ کی چادر میں سے بنایا گیا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوسفیان ابن حرب جو قریش کے نہایت بلند مرتبہ سرداروں میں سے تھا اس کے پاس ایک پرچم تھا جس کا نام عقاب تھا اور جنگوں میں اس پرچم کو صرف ابوسفیان ہی اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا یا پھر کوئی ایسا شخص اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا جو اسی کے برابر معزز اور بلند رتبہ سردار ہو۔ آگے بیان آرہا ہے کہ اس غزوۂ بدر میں اس عقابی پرچم کو جس شخص نے اٹھا رکھا تھا وہ امام شافعی کی پانچویں پشت کا باپ یعنی سائب ابن یزید تھا۔

آنحضرت ﷺ کے آگے آگے لے جایا جانے والا دوسرا پرچم ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ میں تھا (اور یہ بھی سیاہ رنگ کا تھا) مگر ابن قتیبہ نے غزوۂ بدر کے ذکر میں صرف اس سفید جھنڈے کا ذکر کیا ہے جو حضرت مصعبؓ کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ نے دیا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دوسرا سیاہ پرچم جس انصاری کے ہاتھ میں تھا وہ حضرت سعد ابن معاذؓ تھے اور ایک قول کے مطابق حضرت حباب ابن منذرؓ تھے۔

مگر پیچھے غزوۂ بواط کے بیان میں ابن اسحاق کی ایک روایت گزری ہے اور آگے غزوۂ بنی قینقاع کے بیان میں ابن سعد کی روایت آرہی ہے کہ اسلامی جنگی پرچم غزوۂ خیبر سے پہلے موجود نہیں تھے بلکہ غزوۂ خیبر میں یہ طریقہ شروع ہوا ہے۔ یہ دونوں روایتیں اس بات کے خلاف ہیں کہ غزوۂ بدر میں اسلامی پرچم موجود تھا مگر ان دونوں روایتوں کی تردید جس روایت سے ہوتی ہے وہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ نے اسلامی پرچم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا اور اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

کتاب ھدیٰ میں یہ ہے کہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ اسی طرح قبیلۂ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب ابن منذرؓ کے ہاتھ میں تھا اور قبیلۂ اوس کا پرچم حضرت سعد ابن معاذؓ کے ہاتھ میں تھا۔ مگر اس روایت میں ان دو سیاہ جھنڈوں کا ذکر نہیں ہے (جن میں سے ایک حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا جو مہاجرین کا پرچم تھا اور دوسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا جو انصاریوں کا پرچم تھا)۔

کتاب امتاع میں بھی یوں ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقعہ پر تین جھنڈے بنائے تھے۔ ایک جھنڈا حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے پاس تھا باقی دو پرچم سیاہ رنگ کے تھے جن میں سے ایک حضرت علیؓ کے پاس اور دوسرا کسی انصاری کے پاس تھا۔

اس روایت میں پرچم کے لئے لواء کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ اس سے پہلی روایتوں میں رایہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس بارے میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی جھنڈے کے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ مدینہ سے آنحضرت ﷺ بغیر پرچم بلند کئے روانہ ہوئے تھے۔

کتاب اصل کے حوالے سے آگے آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے جو عریش یعنی چھپر ڈالا گیا تھا

اس کی نگہبانی حضرت سعد ابن معاذؓ کرتے تھے۔ (قال) اصل کے حوالے سے جو بات بیان ہوئی ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ عریش میدان بدر میں بنایا گیا تھا۔

(ی) حضرت سعد ابن معاذ کے ہاتھ میں پرچم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روانگی کے وقت اور راستے میں ان کے پاس رہا (کیونکہ عریش کی نگہبانی اور پرچم برداری دونوں ایک ساتھ سمجھ میں نہیں آتیں) مگر اس تفصیل کے بعد اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ ممکن ہے میدان بدر میں پہنچ کر حضرت سعد ابن معاذؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم پر پرچم کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دیا ہو تاکہ خود عریش میں آپ ﷺ کی نگہبانی کے فرائض انجام دے سکیں۔

عسکری لباس میں آنحضرت ﷺ کی دعا...... آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر اپنی زرہ زیب تن فرمائی جس کا نام ذات الفضول تھا اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی تلوار جس کا نام عضب تھا حمائل فرمائی۔ جب آپ ﷺ بیوت السقیاء سے آگے بڑھے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی،

"اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حَفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ وَ عُرَاةٌ فَاكْسِهُمْ وَجِيَاعٌ فَاشْبِعْهُمْ وَ عَالَةٌ فَاغْنِهِمْ مِنْ فَضْلِكَ"

"اے اللہ! یہ مسلمان پیادہ پا ہیں ان کو سواریاں عطا فرمادے، یہ ننگے ہیں ان کو لباس عطا فرمادے، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرمادے اور یہ لوگ مسکین و غریب ہیں ان کو اپنے فضل و کرم سے غنی اور خوشحال بنادے۔

دعا کی قبولیت...... چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور غزوۂ بدر سے واپس آنے والوں میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ اگر اس نے سواری پر جانا چاہا تو اس کو ایک دو ایسے اونٹ نہ مل گئے ہوں جن کو وہ استعمال کر سکے اسی طرح جن کے پاس کپڑے نہیں تھے ان کو پہننے اوڑھنے کے لئے کپڑے مل گئے، اسی طرح دشمن کا سامان رسد اتنا ملا کہ کھانے پینے کی کوئی تنگی نہیں رہی۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کی رہائی کا اتنا زبردست معاوضہ ملا کہ ہر ہر خاندان دولت مند ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے غیر مسلم کی مدد لینے سے انکار...... مدینہ میں حبیب ابن یساف نامی ایک نہایت طاقتور اور بہادر شخص تھا۔ یہ شخص قبیلۂ خزرج کا تھا اور غزوۂ بدر کے موقعہ تک مسلمان نہیں ہوا تھا مگر یہ بھی اپنی قوم خزرج کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ ہوا اور جنگ جیتنے کی صورت میں اس کو مال غنیمت ملنے کی بھی امید تھی۔ مسلمانوں کو اس سے بہت خوشی ہوئی کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہو رہا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا،

"ہمارے ساتھ صرف وہی جنگ میں جائے گا جو ہمارے دین پر ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس لئے تم واپس جاؤ ہم مشرک کی مدد نہیں لینا چاہتے۔"

آگے غزوۂ احد کے واقعہ میں آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے جب سردار منافقین عبد اللہ ابن اُبیّ ابن سلول کے ساتھیوں کو لشکر سے واپس کیا تو یہ فرمایا تھا کہ ہم مشرکوں کے مقابلے میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔

ان حبیب ابن یساف کو آنحضرت ﷺ دو مرتبہ واپس لوٹا چکے تھے۔ آخر تیسری مرتبہ میں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں اور اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے۔ پھر انہوں نے نہایت بہادری کے ساتھ زبردست جنگ کی۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ یہ حبیب ابن یساف مسلمان کی حیثیت سے روحاء کے مقام پر آکر اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے تھے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ روحاء سے پہلے مسلمان ہوئے ہوں۔

اس غزوہ کیلئے روانگی سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ایک یا دو دن روزے رکھے۔ پھر آپ ﷺ کے قاصد نے آپ ﷺ کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ اے سرکشوں کے گروہ! میں افطار کر چکا ہوں اس لئے اب تم بھی روزے نہ رکھو۔

اس اعلان کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے پاس کہلایا تھا کہ اب روزے مت رکھو بلکہ کھاؤ پیو مگر لوگوں نے روزہ نہیں چھوڑا تھا۔ آگے فتح مکہ کے بیان میں بھی آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو فطور کا حکم دیا تھا مگر کچھ لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ سرکش یعنی گنہگار ہیں۔

لشکر میں اونٹوں کی تعداد...... کوچ کے وقت صحابہ کے اونٹوں کی تعداد جو ان کے ساتھ تھے ستّر تھی اس لئے ایک ایک اونٹ تین تین آدمیوں کے لئے کرنا پڑا اور ہر ایک باری باری سوار ہوتا تھا، البتہ ایک اونٹ چار آدمیوں پر بھی تقسیم تھا جن میں سے حضرت حمزہ، زید ابن حارثہ، ابی کبشہ اور آنحضرت ﷺ کے غلام انیسہ شامل تھے یہ چاروں ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر غزوۂ بدر کے موقعہ پر اونٹوں کی گردنوں سے کھنٹیاں نکال دی گئی تھیں۔ کتاب امتاع میں یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر اونٹوں کی کمی کی وجہ سے ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین اور چار چار آدمیوں کے حصے میں آیا تھا۔ یہاں تک امتاع کا حوالہ ہے۔

چنانچہ ایک اونٹ میں رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ شریک تھے اور باری باری بیٹھتے تھے۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کے ساتھ مرثدؓ کے بجائے ابولبابہؓ کا نام ہے۔ مگر یہ ابولبابہؓ روحاء کے مقام سے واپس مدینہ بھیج دیئے گئے تھے لہذا جب تک یہ ساتھ رہے آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کے اونٹ میں شریک تھے پھر ان کے واپس کئے جانے کے بعد ان کی جگہ مرثدؓ نے لے لی۔ ایک قول کے مطابق ان کی جگہ زید ابن حارثہ آگئے تھے۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ حضرت زیدؓ حضرت حمزہؓ کے ساتھ تھے جیسا کہ گزرا، یہ ممکن ہے کہ حضرت زیدؓ کبھی حضرت حمزہؓ کے ساتھ رہتے ہوں اور کبھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے اونٹ میں شریک رہتے ہوں۔

مساوات کا عملی نمونہ...... (غرض آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو ساتھی اس اونٹ میں شریک تھے اور تینوں اپنی اپنی باری پر سوار ہوتے تھے یعنی ایک سوار ہوتا تو بقیہ دو ساتھی پیدل چلتے) مگر جب بھی آنحضرت ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی تو آپ ﷺ کے دونوں ساتھی عرض کرتے کہ نہیں آپ ﷺ سوار رہیں ہم پیدل چلیں گے۔ مگر آپ ﷺ فرماتے،

"تم دونوں پیدل چلنے میں مجھ سے زیادہ مضبوط نہیں ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں اس کے اجر سے بے نیاز ہوں"

ایک معجزۂ نبوی...... اسی طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہم ایک اونٹ میں شریک تھے، نیز رفاعہ و خلاد ابن رافع اور عبید ابن یزید انصاری رضی اللہ عنہم ایک اونٹ میں

شریک تھے ان کا اونٹ روحاء کے مقام پر پہنچا تو تھک کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت وہاں سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا ہے (یعنی اس کی ہمت جواب دینے لگی ہے) آپ نے فوراً پانی منگوایا اور منہ میں کچھ پانی لے کر ایک برتن میں کلی کر دی۔

امتاع میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس پانی سے کلی کی اور وضو کر کے وہ پانی ایک برتن میں جمع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کا منہ کھولو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس برتن کا کچھ پانی تو اونٹ کے منہ میں ڈالا اور باقی اس کے بدن پر ڈال دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب سوار ہو کر روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اونٹ تیز رفتاری سے چل کر لشکر سے جاملا اور اس پر تھکان کا نشان بھی نہ رہا۔

لشکر اسلام کی تعداد...... یہاں آپ ﷺ نے لشکر کے معائنہ کا حکم دیا۔ ممکن ہے آپ ﷺ نے روحاء کے بعد دوبارہ معائنہ کا حکم دیا ہو کیونکہ اس سے پہلے آپ ﷺ بیر ابی عتبہ نامی کنویں پر لشکر کا معائنہ فرما کر ابولبابہؓ کو وہاں سے واپس فرما چکے تھے۔ غرض جب یہاں لشکر کا معائنہ اور شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ لشکر کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ آپ ﷺ یہ جان کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ یہ وہی تعداد ہے جو طالوت کے ان ساتھیوں کی تھی جو اس کے ساتھ نہر تک پہنچے تھے۔

لشکر کی تعداد کے متعلق ابن جریر کے کہنے کے مطابق عام سلف کا قول یہی ہے اب جن لوگوں نے تعداد اس سے زیادہ بتلائی ہے انہوں نے شاید ان لوگوں کو بھی ان میں شامل کر لیا ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے روحاء کے مقام سے واپس فرمادیا تھا اور میدان جنگ میں غیر حاضر ہونے کے باوجود جن کا آپ ﷺ نے مال غنیمت میں حصہ لگایا تھا (جن کی تفصیل گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی ہے)۔

ادھر بعض علماء نے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ سے کم بھی لکھی ہے مثلاً تین سو پانچ، تین سو چھ اور تین سو سات تک بیان کی ہے اس کا جواب واضح ہے۔

لشکر میں گھوڑوں کی تعداد...... اس لشکر میں گھوڑوں کی تعداد صرف پانچ تھی ان میں سے دو گھوڑے آنحضرت ﷺ کے تھے، ایک گھوڑا حضرت مرثدؓ کا تھا جس کا نام سیل تھا اور ایک گھوڑا حضرت مقداد ابن اسودؓ کا تھا۔ ان مقداد کو اسود کا بیٹا اس لئے کہا جاتا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں اسود نے حضرت مقداد کو گود لے لیا تھا اور پرورش کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ اس گھوڑے کا نام سبحہ تھا۔ اور پانچواں گھوڑا حضرت زبیرؓ کا تھا جس کو یعسوب کہا جاتا تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس لشکر میں صرف دو ہی گھوڑے تھے ایک مقدادؓ کا گھوڑا تھا اور دوسرا حضرت زبیرؓ کا گھوڑا تھا۔ حضرت علیؓ کی روایت یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر سوائے مقداد کے ہم میں سے کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ممکن ہے مراد یہ ہو کہ غزوۂ بدر میں گھوڑے پر سوار ہو کر سوائے حضرت مقدادؓ کے کوئی نہیں لڑا اور یہ کہ باقی جن لوگوں کے پاس گھوڑے تھے وہ پیادہ پا لڑے۔ چنانچہ اسی بات کی تائید آگے آنے والے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب مال غنیمت تقسیم فرمایا تو آپ ﷺ نے پیدل لڑنے والے کو دوسرے پر ممتاز نہیں فرمایا اور ایک گھوڑے سوار کو دوسرے گھوڑے سوار پر فوقیت نہیں دی (مگر اس روایت سے گذشتہ قول کی تائید ہونا خود قابل غور ہے) لیکن علامہ زمخشری کے قول

سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ گھوڑے پر لڑنے والے صرف حضرت مقدادؓ تھے۔ زمخشری کا یہ قول خصائص عشرہ میں ہے کہ حضرت زبیرؓ غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے اور اس دن میمنہ یعنی دائیں بازو پر سوائے ان کے اور کوئی گھوڑے سوار نہیں تھا (یعنی حضرت زبیرؓ کا بھی گھوڑے سوار ہونا معلوم ہوا) یہاں تک علامہ زمخشری کا حوالہ ہے۔

اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زبیرؓ کے دائیں بازو میں گھوڑے سوار ہونے سے یہ لازم نہیں ہوا کہ حضرت مقدادؓ کسی دوسرے ایسے حصے میں گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں لڑ رہے ہوں گے جہاں حضرت علیؓ بھی رہے ہوں لہٰذا حضرت علیؓ کا یہ قول قابل غور ہے کہ غزوۂ بدر میں سوائے مقدادؓ کے ہم میں کوئی گھوڑے سوار نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

ایک دیہاتی سے کفّار کے متعلق پوچھ گچھ...... غرض یہ اسلامی لشکر رواں تھا کہ راستے میں عرق ظبیہ کے مقام پر انہیں ایک دیہاتی ملا انہوں نے اس سے لوگوں یعنی دشمن کے بارے میں پوچھا مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی جس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کے پاس کوئی خبر نہیں ہے۔ پھر صحابہ نے اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو سلام کرو۔ اس نے پوچھا کیا تم میں رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں! چنانچہ اس دیہاتی نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور پھر کہنے لگا،

"اگر آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو مجھے بتلائیے کہ میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ (یعنی نر بچہ ہے یا مادہ ہے۔)"

یہ سن کر سلامہ ابن سلامہ ابن وقش نے اس سے کہا،

"تجھے رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں میرے پاس آ میں تجھے اس کے متعلق بتلاؤں گا۔ تو نے خود اس اونٹنی کے ساتھ بدفعلی کی ہے اور اب اس کے پیٹ میں خود تیرا ہی بچہ موجود ہے"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سلامہ کو ڈانٹا اور فرمایا،

"خاموش رہو! تم اس شخص پر ایسا گندہ الزام لگا رہے ہو"

قریشی لشکر کے کوچ کی اطلاع اور صحابہ سے مشورہ...... پھر آپ ﷺ نے سلامہ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ غرض اس کے بعد لشکر آگے بڑھا اور اگلا پڑاؤ ایک وادی میں کیا جس کا نام "ذفرانؓ" تھا جوذ کے زیر کے ساتھ ہے یہ صفراء کے مقام کے قریب ایک وادی ہے جب آپ ﷺ ذِفران پہنچے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ ایک لشکر لے کر اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لئے مکہ سے کوچ کر چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ان کو یہ خبر سنائی اور ان سے مشورہ مانگا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا،

"قریش کے لوگ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ کوچ کر چکے ہیں۔ اب بتلاؤ تم کیا کہتے ہو آیا جنگ کے مقابلے میں تم صرف تجارتی قافلے کو ہی ترجیح دیتے ہو؟

بعض صحابہ کی طرف سے جنگ کے متعلق تامل...... اس پر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہاں! یعنی چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے یہ کہا کہ ہاں ہم دشمن سے ٹکرانے کے بجائے صرف تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ان چند لوگوں نے یہ کہا،

"آپ ﷺ نے ہم سے صرف تجارتی قافلے کا ذکر فرمایا تھا اور اسی کے لئے ہم آئے ہیں ورنہ ہم جنگ کی تیاری کر کے آتے۔"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں،

"یارسول اللہ! آپ ﷺ صرف تجارتی قافلے پر ہی بس کیجئے دشمن کو چھوڑ دیجئے۔"

اس پر آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ حضرت ابوایوبؓ نے کہا ہے کہ یہ آیت اسی موقعہ پر نازل ہوئی تھی،

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ، وَإِنَّ فَرِيقاً مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ (سورۂ انفال، پ۹، ع۱ آیت ۵)

ترجمہ:- جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر اور بستی سے مصلحت کے ساتھ آپ کو بدر کی طرف روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

مہاجرین کی طرف سے جاں نثاری کا اظہار...... مگر اسی وقت حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جاں نثاری اور فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی نہایت خوبصورت انداز میں جاں نثاری کا اقرار کیا۔ ان کے بعد حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا،

"یارسول اللہ! آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حکم فرمایا ہے اس کے مطابق عمل فرمائیے، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، خدا کی قسم ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ لڑ لیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا رب جا کر جنگ کریں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اور اس وقت تک ساتھ ہی لڑیں گے جب تک کہ ہماری آنکھوں میں روشنی اور حرکت باقی ہے کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں برک غماد میں بھی لے جائیں گے جو ملک حبشہ کا شہر ہے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور لڑیں گے یعنی اپنی تلواروں سے لڑتے اور راستہ بناتے ہوئے وہیں تک چلیں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے لڑیں گے اور آخر دم تک لڑیں گے۔"

آنحضرت ﷺ کی خوشی...... ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس تقریر پر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی اور مسرت کی وجہ سے چمکنے لگا اور آپ ﷺ بہت مسرور ہوئے۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ اس تقریر پر آنحضرت ﷺ خوشی کی وجہ سے مسکرانے لگے اور آپ ﷺ نے حضرت مقدادؓ کے حق میں کلمہ خیر فرمایا اور ان کو دعا دی۔

کتاب عرائس میں روایت ہے کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقعہ پر جب آپ ﷺ کو کفار قریش نے بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ میں ہدی کے جانور لے کر جا رہا ہوں۔ آپ ﷺ بیت اللہ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ سے مشورہ فرمایا اس وقت حضرت مقداد ابن اسودؓ نے عرض کیا تھا کہ خدا کی قسم ہم ہرگز اس طرح نہیں کہیں گے جیسے موسیٰؑ کی قوم نے کہا تھا کہ آپ خود جا کر لڑ لیجئے ہم تو یہیں ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے۔

ہم آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور سامنے لڑیں گے۔ اگر آپ سمندروں کو بھی عبور کریں گے تو ہم

آپ ﷺ کے ساتھ سمندر میں اتر جائیں گے۔ اگر آپ ﷺ پہاڑوں پر چڑھیں گے تو وہاں بھی ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور اگر آپ ﷺ برک غماد کا بھی رخ کریں گے تو وہاں بھی ہم آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہوں گے۔"

انصار کی یقین دہانی کے لئے آنحضرت ﷺ کی خواہش...... تو حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضرت مقدادؓ کی یہ عاشقانہ تقریر دوسرے صحابہ نے سنی تو انہوں نے بھی ان ہی جذبات کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ حضرت مقدادؓ نے دونوں موقعوں پر یہ بات کہی ہو مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔

غرض حضرت مقدادؓ کی تقریر سننے کے بعد آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ مجھے مشورہ دو تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا،

"یارسول اللہ! یہ قریش کے لوگ ہیں جنہیں عزت و ناموری حاصل ہے۔ خدا کی قسم جب سے یہ لوگ معزز ہوئے ہیں ان کی کبھی ذلّت و رسوائی نہیں ہوئی اور جب سے یہ لوگ گمراہ ہوئے کبھی ان کو ایمان کی روشنی نہیں حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ ان سے ضرور جنگ کیجئے اور اس کے لئے پوری تیاری فرمائیے اور ضروری ہتھیار فراہم فرمائیے۔"

آنحضرت ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ یہی کلمہ فرمایا کہ مجھے مشورہ دو۔ اب انصاری مسلمان سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ان ہی کی طرف ہے اور آپ ﷺ ان کی طرف سے جاں نثاری کا اظہار سننا چاہتے ہیں کیونکہ انصاریوں کی تعداد ہی سب سے زیادہ تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے بار بار یہ سوال کرنے کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ انصاریوں کا جذبہ اور حال دیکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کو خیال تھا کہ کہیں انصار کے ذہن میں یہ نہ ہو کہ ان پر آپ ﷺ کی مدد اور حفاظت کی ذمہ داری صرف اس صورت میں ہے جبکہ کوئی دشمن اچانک مدینہ میں آپ ﷺ پر حملہ کر دے۔ یعنی وہ یہ نہ سمجھتے ہوں کہ مدینہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کہیں دوسری جگہ جاکر آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کی حفاظت کرنا ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ کیونکہ عقبہ کے مقام پر جب انہوں نے آپ ﷺ سے بیعت اور عہد کیا تھا تو اس میں یہ کہا تھا کہ جب تک آپ ﷺ ہمارے وطن یعنی مدینہ میں تشریف نہیں لاتے اس وقت تک تو ہم آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لینے سے معذور ہیں ہاں جب آپ ﷺ ہمارے وطن میں ہمارے درمیان پہنچ جائیں گے تو آپ ﷺ ہماری ذمہ داری اور پناہ میں ہوں گے ہم جن نقصانات سے اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں ان ہی سے آپ ﷺ کی حفاظت بھی کریں گے۔

سعد ابن معاذؓ کی طرف سے جاں سپاری کا اعلان...... غرض اسی وجہ سے حضرت سعد ابن معاذؓ نے جو قبیلہ اوس کے سردار تھے اور ایک قول کے مطابق قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد ابن عبادہؓ نے آپ ﷺ کے بار بار پوچھنے پر عرض کیا۔ صحیح قول یہی ہے کہ حضرت سعد ابن معاذؓ بولے تھے کیونکہ حضرت سعد ابن عبادہؓ کو مجاہدین بدر میں شمار نہیں کیا جاتا اور صحیح قول یہی ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے کیونکہ انہوں نے جنگ کے لئے کوچ کا ارادہ کیا تھا مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی ان کے سانپ نے کاٹ لیا اس لئے وہ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے (مگر چونکہ وہ جنگ میں جانے کا فیصلہ کر چکے تھے) اس لئے مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا گیا تھا۔ غرض

حضرت سعد ابن معاذؓ نے عرض کیا،

"یارسول اللہ! غالباً آپ ﷺ کا اشارہ ہم انصاریوں کی طرف ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا، بے شک۔ تب حضرت سعدؓ نے عرض کیا،

"تو عرض یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کر چکے ہیں اور گواہی دے چکے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ دین و شریعت لے کر آئے ہیں وہ حق اور سچی ہے۔ اسی بنیاد پر ہم آپ ﷺ کو یہ عہد و پیمان دے چکے ہیں کہ ہم ہر حال میں آپ ﷺ کے تابعدار اور فرمانبردار رہیں گے۔"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ،

"یارسول اللہ ﷺ! شاید آپ ﷺ کو یہ ڈر ہے کہ انصاری یہ سوچتے ہیں کہ وہ صرف اپنے وطن میں آپ ﷺ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے میں یہ بات سب انصار کی طرف سے آپ ﷺ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ﷺ جس طرف چاہیں تشریف لے چلیں، جس کے ساتھ چاہیں نیک سلوک کریں اور جس کے ساتھ چاہیں بے تعلقی کا اظہار فرمائیں، جس کو چاہیں امن دیں اور جس سے چاہیں دشمنی رکھیں، ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لے لیں جو کچھ ہمارے مال میں سے آپ کی خدمت میں خرچ ہوگا وہی ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہوگا۔ ہم جو کچھ آپ ﷺ کو پیش کریں گے تو ہمارے لئے وہ زیادہ خوشی کا باعث ہوگا بہ نسبت اس چیز کے جو آپ ﷺ کو نہیں پیش کر سکیں گے۔ آپ ﷺ جس معاملہ میں بھی ہمیں کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم اس کو اپنے معاملات سے مقدم رکھیں گے۔ اس لئے یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے جو ارادہ فرمایا ہے اس کے مطابق چلئے ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر کے کنارے لے جا کر اس میں اترنا چاہیں گے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس میں چھلانگ لگا دیں گے، ہم میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمن سے ٹکرانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے بلکہ ہم جنگوں میں بڑے ثابت قدم رہتے ہیں اور بڑی پامردی سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ خدا کرے آپ ﷺ ہمارے جوہر دیکھیں اور آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔"

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ

"اس لئے اللہ کے نام پر ہمیں لے کر بڑھئے ہم دائیں بائیں اور آگے پیچھے آپ کے قدم بقدم رہیں گے۔"

پیش قدمی کا حکم...... حضرت سعد ابن معاذؓ کی یہ پُرجوش اور مخلصانہ تقریر سن کر آنحضرت ﷺ بے انتہا مسرور ہوئے اور خوشی سے آپ ﷺ کا چہرۂ انور اور زیادہ درخشاں و تابناک ہو گیا چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا،

"اب آگے بڑھو۔ تمہارے لئے خوش خبری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دو جماعتوں میں سے ایک پر مجھ کو فتح عطا فرمائے گا۔"

دو جماعتوں سے ایک تو ابوسفیان کا تجارتی قافلہ مراد ہے اور دوسرا قریش کا وہ لشکر ہے جو اس تجارتی قافلے کی مدد کے لئے مکہ سے بڑے کرّ و فر اور آن بان کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا،

"خدا کی قسم، ایسا ہے جیسے میں قریش کی قتل گاہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (کہ کون کس جگہ

قتل ہو گا)۔

حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ اس دوسری جماعت یعنی لشکر قریش پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو قریش کے سرداروں کی قتل گاہیں دکھلادی تھیں کہ میدان جنگ میں کس کا مقتل کہاں ہو گا چنانچہ آپ ﷺ نے پہلے ہی صحابہ کو اطلاع دے دی تھی کہ انہیں جنگ سے دوچار ہونا ہے وہ تجارتی قافلہ ان کو نہیں مل سکے گا (جس کے لئے وہ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے)۔

<u>ایک بوڑھے سے **معلومات**</u>...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ذفران کی وادی سے کوچ کیا اور مقام بدر کے قریب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ سوار ہو کر ایک طرف چلے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔ ایک قول ہے کہ ابو بکرؓ کے بجائے قتادہ ابن نعمانؓ تھے اور ایک قول کے مطابق آپ ﷺ کے ساتھ حضرت معاذ ابن جبلؓ تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک بوڑھے عرب کے پاس پہنچ کر رکے جس کا نام سفیان تھا۔ کتاب نور میں ہے کہ اس شخص کے اسلام کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے قریش اور خود اپنے اور اپنے صحابہ کے متعلق سوال کیا کہ کیا ان سب کے متعلق اسے کچھ خبر ہے؟ بوڑھے نے کہا،

"جب تک آپ دونوں اپنے متعلق مجھے نہیں بتلائیں گے کہ آپ کون ہیں اس وقت تک میں آپ کو کچھ نہیں بتلاؤں گا۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"پہلے تم ہمیں بتلاؤ تو ہم اپنے بارے میں بتلائیں گے"

بوڑھے نے پوچھا کیا میری خبر کے بدلے میں ہی آپ اپنے بارے میں بتلائیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! تب بوڑھے نے کہا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ نے فلاں فلاں دن مدینہ سے کوچ کیا ہے لہٰذا اگر اس بتانے والے نے مجھ سے صحیح بتایا ہے تو آج ان کو فلاں جگہ ہونا چاہئے۔"

یہ جگہ اس نے وہی بتلائی جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ پھر اس نے کہا،

"دوسرے مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش کے لشکر نے فلاں فلاں دن مکہ سے کوچ کیا ہے۔ لہٰذا اگر اس بتانے والے نے مجھ سے صحیح کہا ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے۔"

یہ بھی وہی جگہ تھی جہاں اس روز قریشی لشکر پہنچ چکا تھا۔ غرض جب وہ یہ اطلاعات دے چکا تو اس نے پھر اپنا سوال دہرایا کہ آپ دونوں کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"ہم پانی (اچھل کر نکلنے والے پانی یعنی منی) سے تعلق رکھتے ہیں،"

اس طرح آنحضرت ﷺ نے اس بوڑھے کو گول مول جواب دے کر اپنا وعدہ بھی پورا فرمادیا اور اس کو اپنے بارے میں بے خبر بھی رکھا (عرب میں یہ طریقہ تھا کہ مختلف علاقوں میں جہاں لوگ رہتے تھے وہاں کا پتہ وہ پانی کا نام لے کر ہی بتایا کرتے تھے کہ ہم فلاں علاقہ کے پانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ بوڑھا یہ جواب سن کو اچنبھے میں پڑ گیا اور کہنے لگا،

"پانی سے تعلق رکھتے ہیں کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟"

(یعنی وہ پانی سے مراد اس محاورہ کے مطابق سمجھا جبکہ آپ ﷺ کا اشارہ اس حقیقت کی طرف تھا کہ انسان کی اصل پانی یعنی منی کا ایک قطرہ ہے جس سے وہ اس دنیا میں آتا ہے۔ جس کو قرآن پاک میں مَاءٍ دَافِقٍ یعنی اچھل کر نکلنے والا پانی فرمایا گیا ہے) مگر کتاب امتاع میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ہم پانی سے آئے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عراق کی سمت میں اشارہ فرمایا تھا۔ اسی لئے اس نے پوچھا کہ کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟ چونکہ عراق میں پانی کی کثرت اور بہتات تھی اس لئے بوڑھے نے اس اشارہ سے یہ سمجھ لیا کہ عراق کا پانی مراد ہے کہ ہم عراق سے آئے ہیں۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس جواب میں توریہ اور مغالطہ دیا گیا ہے کہ ایک بات کہہ کر دوسری بات مراد لی گئی ہے۔ جبکہ ہجرت کے بیان میں گزر چکا ہے کہ نبی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ظاہری طور پر ہی سہی جھوٹ بولے اور مغالطہ آمیز بات کہے۔

مگر قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ وہ روایت جو ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ابراہیمؑ کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے تو وہاں آپ ﷺ نے اسی مغالطہ آمیزی اور تعریض کو جھوٹ کا نام دیا ہے کیونکہ ظاہری طور پر تو وہ جھوٹ ہی ہیں۔ (یہ تین جھوٹ کے متعلق حدیث مسلم کی ہے جس پر بہت طویل اور مفصل بحثیں ہیں جو یہاں غیر ضروری ہیں)۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان واپس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی جو پیچھے گزر چکی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو میدان بدر میں فتح و نصرت عطا فرمائی اور جب وہ وہاں سے لوٹے تو انکی حالت ہی بدلی ہوئی تھی۔ کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے پاس ایک دو اونٹ نہ ہوں، سب کے پاس لباس اور کپڑوں کی بہتات ہو گئی اور حق تعالیٰ نے ان کو رزق سے مالا مال فرما دیا۔ یہ روایت ابوداؤد نے حضرت عمرو ابن عاصؓ سے پیش کی ہے کہ قریش کا جو سامان رسد اور کپڑے وغیرہ تھے وہ سب مجاہدوں کو مل گئے۔

کتاب امتاع میں یہ ہے کہ یہ دعا آنحضرت ﷺ نے اس وقت فرمائی تھی جب آپ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے یعنی مدینہ میں لشکر کے کوچ سے پہلے جو چھاؤنی بنی ہوئی تھی وہاں سے روانگی کے وقت یہ دعا فرمائی تھی اور وہ جگہ بیوت السقیاء تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ پیچھے جو اس دعا کے الفاظ گزرے ہیں ان میں یہ بھی تھا کہ یہ مسلمان نادار ہیں ان کو غنی بنا دے۔ چنانچہ مجاہدوں نے جو جنگی قیدی بنائے ان کی وجہ سے مسلمانوں کو دولت بھی ملی اور ہر خاندان خوشحال ہو گیا۔ بہر حال یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا دو مرتبہ فرمائی ہو۔

ایک عربی بھشتی سے پوچھ گچھ...... شام کو آنحضرت ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ سے حضرت علیؓ، حضرت زبیر ابن عوامؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو چند دوسرے صحابہ کے ساتھ میدان بدر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہاں کے بارے میں تازہ خبریں لے کر آئیں۔ انہیں قریش کا ایک پانی ڈھونے والا جانور نظر آیا اس کے ساتھ ایک تو بنی حجاج کا غلام تھا اور ایک بنی عاص کا غلام تھا۔ صحابہ ان لوگوں کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے۔ صحابہ نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں کون ہو؟ صحابہؓ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں (اور اس تجارتی قافلے سے تعلق رکھتے ہیں) ان دونوں نے کہا،

"ہم قریش کے پانی ڈھونے والے ہیں۔"

صحابہ نے اس پر یقین نہیں کیا اور انہیں مارا۔ جب ان پر مار پڑی تو انہوں نے جان بچانے کے لئے کہہ دیا کہ ہم ابو سفیان کے آدمی ہیں۔ اس پر صحابہ نے ان کو مارنا چھوڑ دیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

"جب ان دونوں نے تم سے سچ بولا تو تم نے ان کو مارا اور جب جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے مارنے سے ہاتھ روک لئے۔ خدا کی قسم یہ قریش کے لشکر کے آدمی ہی ہیں اور مجھے قریش کے متعلق خبریں دیں گے۔"

رسول خدا کی حکمت عملی...... انہوں نے کہا کہ قریش ریت کے اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جو وادی کے بلند کنارے کی طرف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ان لوگوں کی تعداد کتنی ہے۔ انہوں نے کہا بہت ہے (یعنی انہوں نے صحیح تعداد نہیں بتلائی) ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا،

"خدا کی قسم ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بڑے بڑے بہادر لوگ ہیں۔"

آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ان کی تعداد کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے بہت کوشش کی کہ ان سے قریش کی صحیح تعداد معلوم فرمالیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر آپ ﷺ نے حکمت عملی کے ساتھ یہ بات معلوم فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ لوگ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ ان سقوں نے کہا کہ کسی دن نو اور کسی دن دس جانور ذبح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس تو ان کے لشکر کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ یعنی ایک اونٹ کا گوشت سو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا؟

"قریش کے معزز لوگوں میں سے ان کے ساتھ کون کون ہے؟"

انہوں نے کہا کہ عتبہ اور شیبہ ابن ربیعہ، ابوالبختری ابن ہشام، حکیم ابن حزام، نوفل ابن خویلد، حرث ابن عامر ابن نوفل، طعیمہ ابن عدی ابن نوفل، نضر ابن حرث، زمعہ ابن اسود، ابو جہل ابن ہشام، امیّہ ابن خلف، نبیہ اور منّبہ ابن حجاج اور سہیل ابن عمرو عامری۔

یہ حضرت سہیل بعد میں فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئے تھے اور قریش کے بڑے سرداروں اور بلند پایہ خطیبوں میں سے تھے۔ آگے آئے گا کہ یہ اس غزوہ میں گرفتار ہوگئے تھے۔ ان کے علاوہ قریشی لشکر میں عمر ابن عبدود بھی تھا۔

غرض یہ سن کر آنحضرت ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا،

"مکہ نے اپنا دل جگر نکال کر تمہارے مقابلے کے لئے بھیجا ہے۔ یعنی اپنے تمام معزز اور بڑے بڑے لوگ بھیج دیئے ہیں۔"

قریشی لشکر کا سفر...... کہا جاتا ہے کہ قریش کے سفر اور قیام میں دس راتیں لگیں یہاں تک کہ وہ جحفہ کے مقام پر پہنچ گئے جو رابغ کے قریب ایک گاؤں ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہاں وہ شام کے وقت پہنچے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ جحفہ کے مقام پر پہنچ کر انہوں نے اپنے ساتھ کی گانے ناچنے والیاں واپس بھیج دی تھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مسلم اور ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

جب حضرت علیؓ وغیرہ کو قریش کی خبریں لینے کے لئے مقام بدر کی طرف بھیجا تو وہاں قریشی بھشتی انہیں ملے جو پانی ڈھور ہے تھے ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ فام غلام بھی تھا۔ حضرت علیؓ وغیرہ اس شخص کے پاس آئے اور اس سے ابو سفیان کے متعلق معلوم کرنے لگے۔ وہ کہنے لگا کہ ابو سفیان کے متعلق بھلا مجھے کیا معلوم ہے۔ جب وہ یہ کہتا تو صحابہ اس کو مارتے اور جب کہتا کہ یہ لوگ ابو سفیان کے آدمی ہیں تو صحابہ اس کو چھوڑ دیتے۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ اس رات عبیدہ ابن سعید ابن عاص کا غلام یسار پکڑا گیا۔ منبہ ابن حجاج کا غلام مسلمان ہو گیا۔ نیز امیہ ابن خلف کا غلام ابو رافع بھی پکڑا گیا۔ ان سب کو آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا جو اس وقت نماز میں مشغول تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا صرف اتنا ہے کہ بعض راویوں نے تینوں گرفتار ہونے والوں کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دو ہی کا ذکر کیا۔ جبکہ بعض راویوں نے صرف ایک ہی شخص کا تذکرہ کیا۔ واللہ اعلم۔

قریش کے ایک لشکری جہم کا خواب...... قریش کے ساتھ بنی مطلب ابن عبد مناف میں کا ایک شخص بھی تھا جس کا نام جہم ابن صلت تھا۔ یہ غزوۂ خیبر کے سال میں مسلمان ہو گئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ان کو تیس وسق وزن کا مال دیا تھا (عرب کا ایک وزن جو ساٹھ صاع کا ہوتا تھا اور ایک صاع ساڑھے تین سیر یا تین کلو کا ہوتا ہے۔ وسق ایک اونٹ کے وزن کو بھی کہتے ہیں)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

غرض ایک دن لشکر میں یہ سونے کے لئے لیٹے جیسے ہی ان کی آنکھ لگی کہ اچانک یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے،

"کیا تم نے وہ سوار دیکھا جو ابھی میرے سامنے آکر رکا تھا؟"

لوگوں نے کہا نہیں (ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا) تو یہ کہنے لگے،

"ابھی میرے سامنے ایک سوار آیا تھا وہ یہاں رکا اور کہنے لگا کہ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، زمعہ، ابو البختری، امیہ ابن خلف اور فلاں فلاں شخص قتل ہو گئے"

انہوں نے ان تمام سرداران قریش کے نام گنوائے جو غزوۂ بدر میں قتل ہوئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اس سوار نے پھر کہا کہ سہیل ابن عمرو اور فلاں فلاں لوگ گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے ان سب لوگوں کے نام گنائے جو غزوۂ بدر میں گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے تھے۔ پھر جہم ابن صلت نے کہا،

"پھر اس سوار نے اپنے اونٹ کے سینے میں ہتھیار مارا اور اسے قریشی لشکر کی طرف دوڑا کر لے گیا۔ وہاں کوئی خیمہ ایسا باقی نہیں بچا جس میں اس اونٹ کا خون نہ پہنچا ہو۔"

یہ عجیب و غریب بات سن کر ان کے ساتھیوں نے کہا،

"معلوم ہوتا ہے تمہارے ساتھ شیطان آکر کوئی دل لگی کر گیا ہے"

اس کے بعد جلد ہی یہ خواب تمام قریشی لشکر میں مشہور ہو گیا۔ جب ابو جہل نے سنا تو وہ بولا،

"اب بنی ہاشم کے ساتھ ساتھ بنی مطلب کا جھوٹ اور دروغ گوئی بھی سامنے آنے لگی ہے۔ کل تم دیکھ ہی لو گے کہ کون قتل ہوتا ہے۔؟"

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو جہل نے یہ خواب سن کر کہا،

"لو بنی مطلب میں یہ دوسرا نبی پیدا ہو گیا ہے۔ کل پتہ چل جائے گا کہ کون مارا جاتا ہے ہم یا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی۔"

لشکر میں بد شگونی اور بنی عدی کی واپسی...... قریشی لشکر جب مکہ سے چلا تو سب سے پہلے جس نے اونٹ ذبح کئے وہ ابو جہل ہی تھا۔ اس نے دس اونٹ مر ظہران کے مقام پر ذبح کئے تھے۔ ان میں سے کچھ اونٹ پوری طرح ذبح نہیں ہو سکے اور اٹھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور زخمی حالت میں لشکر کے درمیان چکراتے پھرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کے خیموں میں سے کوئی خیمہ ایسا نہیں بچا جس میں ان کا خون نہ پہنچا ہو۔ کتاب امتاع میں یوں ہی ہے۔

لشکر کی ضیافتیں...... ان کے ساتھ بنی عدی کے جو لوگ تھے وہ یہ واقعہ دیکھ کر یہیں سے واپس ہو گئے کیونکہ انہوں نے اس کو بڑی بد شگونی سمجھا۔

پھر عسفان کے مقام پر پہنچے تو اس دفعہ سفیان ابن امیہ نے نو اونٹ ذبح کئے۔ پھر قدید کے مقام پر سہیل ابن عمرو نے دس اونٹ ذبح کئے۔ قدید سے روانہ ہو کر یہ لوگ راستہ بھٹک گئے آخر صبح کو جحفہ کے مقام پر پہنچے تو یہاں عقبہ ابن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے۔ اس کے بعد ابواء کے مقام پر پہنچے تو مقیس ابن عمرو جمی نے نو اونٹ ذبح کئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابواء کے مقام پر جس نے جانور ذبح کئے تھے وہ نبیہ اور منبہ ابن حجاج تھے انہوں نے دس اونٹ ذبح کئے تھے۔ اسی طرح حضرت عباس نے بھی اپنی طرف سے دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھانا کھلایا۔ پھر حرث ابن عامر ابن نوفل نے نو اونٹ ذبح کئے۔ مقام بدر کے پانی پر پہنچ کر ابو البختری نے دس اونٹ ذبح کئے۔ پھر اسی مقام پر مقیس ابن عمرو جمحی نے نو اونٹ ذبح کئے۔

اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی تو سب لوگ اپنے اپنے کھانے میں سے کھانے لگے جو ہر ایک ساتھ لے کر آیا تھا (یعنی اب تک تو اس طرح بڑے بڑے سرداروں کی طرف سے دعوتیں اور ضیافتیں ہو رہی تھیں پھر جنگ کے ہنگامہ میں ہر شخص خود اپنی رسد میں کھانے لگا)۔

مسلم جاسوسوں کی سراغ رسانی...... ادھر آنحضرت ﷺ کے لشکر اور قریشی لشکر کے بدر پہنچنے سے پہلے صحابہ میں سے دو آدمی بدر کے مقام پر پہنچے تھے جیسا کہ آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صحابہ ان دونوں لشکروں سے پہلے یہاں پہنچے تھے اگرچہ گذشتہ تفصیل اس کے خلاف ہے۔ یہ دونوں بدر میں ایک ٹیلے کے پاس آکر ٹھہرے (یعنی یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی طرف سے روانہ کئے گئے تھے تاکہ قریشی لشکر کے متعلق تازہ خبریں لے کر آئیں) یہاں یہ دونوں بدر کے چشمہ پر پہنچ کر اپنے مشکیزے بھرنے لگے۔ وہاں ایک اور شخص بھی تھا اور وہیں دو لڑکیاں کھڑی ہوئی آپس میں قرض کے لین دین پر جھگڑ رہی تھیں۔ ان میں سے جو قرض خواہ تھی وہ قرض دار پر تقاضہ کر رہی تھی۔ آخر قرض دار لڑکی نے کہا،

"کل یا پرسوں یہاں ایک تجارتی قافلہ پہنچنے والا ہے میں اس کی مزدوری سے تیرا قرض چکا دوں گی۔!"

ابو سفیان کے قافلے کا بحفاظت سفر...... اس پر اس شخص نے جو وہاں کھڑا ہوا تھا کہا کہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ پھر اس نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرا دیا۔ یہ بات ان دونوں آدمیوں نے سن لی (کہ کل یہاں تجارتی قافلہ پہنچنے والا ہے) وہ دونوں فوراً اپنے اونٹ پر سوار ہو کر واپس لوٹے اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر

آپ ﷺ کو یہ اطلاع دی۔ اودھر ابوسفیان اپنے قافلے کو (مسلمانوں کے ڈر سے) بچا کر نکال لے گیا اور دوسرے راستے سے نکلتا ہوا وہیں بدر کے چشمہ پر جا پہنچا۔ وہاں اس نے اسی شخص کو دیکھا تو ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ تونے یہاں کسی کو آتے دیکھا۔ اس نے کہا،

"میں نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا۔ ہاں دو اونٹ سوار ضرور یہاں آئے تھے انہوں نے اس ٹیلے کے پاس اپنا اونٹ بٹھایا پھر اپنے مشکیزے پانی سے بھرے اور اس کے بعد وہ دونوں یہاں سے روانہ ہو گئے۔"

ابوسفیان کا تجسس اور اضطراب...... یہ معلوم کر کے ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں انہوں نے اپنے اونٹ بٹھائے تھے۔ یہاں سے اس نے اونٹوں کی مینگنیاں اٹھائیں اور انہیں توڑ کر دیکھا۔ ایک مینگنی میں سے ایک گٹھلی نکلی۔ ابوسفیان اس کو دیکھ کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ مدینہ کی کھجور کی گٹھلی ہے۔

ابوسفیان کا قریشی لشکر کو واپسی کا پیغام...... اس کے بعد وہ تیزی سے اپنے قافلے میں آیا اور اپنے قافلے کو ایک دوسرے راستے سے اس طرح لے گیا کہ مقام بدر کو بائیں جانب چھوڑتا ہوا بڑھ گیا۔ ابوسفیان نہایت تیزی سے اپنے قافلے کو لئے جارہا تھا۔ آخر جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ اپنے قافلے کو بچالانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کیونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ قریش مکہ اس کے قافلے کو بچانے کے لئے پورا لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں اور اس وقت جحفہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ للذا ابوسفیان نے قافلے کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد قریشی لشکر میں قاصد بھیجا جس نے ان سے کہا،

"تم لوگ لشکر لے کر اسی لئے نکلے تھے کہ اپنے قافلے، اپنے آدمیوں اور مال و دولت کو دشمن سے بچا سکو۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے بچادیا ہے اس لئے اب تم لوگ واپس مکہ کو روانہ ہو جاؤ۔"

ابوجہل کا واپسی سے انکار اور رنگ رلیاں...... مگر یہ پیغام سن کر ابوجہل نے کہا،

خدا کی قسم ہم اس وقت تک واپس نہیں ہوں گے جب تک کہ بدر کے میلے میں تین دن نہ ٹھہر لیں۔ وہاں ہم تین دن تک اونٹ ذبح کریں گے، شراب و کباب میں وقت گزاریں گے اور حوروش رقاصائیں تین روز کے اس جشن میں نغمہ و ساز سے ہمارا دل بہلائیں گی۔ جب عرب کے لوگ ہماری آمد اور ہمارے لشکر کے متعلق سنیں گے تو ان کے دلوں میں ہماری ہیبت بیٹھ جائے گی اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔"

یہاں طبلہ و ساز کے لئے معازف کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے معنی گانے بجانے کے بھی ہیں۔ ایک قول ہے کہ چنگ و رباب کو کہتے ہیں اور ایک قول ہے کہ طنبوروں کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ یمن کے سازوں میں سے ایک قسم کا ساز ہوتا تھا۔

آگے بدر موعد کے بیان میں آئے گا کہ بدر کی بستی میں ہر سال ذی قعدہ کا چاند نظر آنے پر میلہ لگا کرتا تھا جو آٹھ دن تک جاری رہتا تھا۔ مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ ابوجہل نے اس میلے تک بدر کے مقام پر ٹھہرنے کا ارادہ کیا ہو کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لشکر کو وہاں رمضان کا بقیہ مہینہ اور پورا شوال کا مہینہ ٹھہرنا پڑتا۔ (للذا گذشتہ سطروں میں ابوجہل کا جو قول گزرا ہے کہ ہم بدر کے میلے میں تین دن ٹھہر کر قربانیاں کریں گے وہ قابل غور ہے)۔

(قال) جب ابوسفیان نے اپنے قافلے کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد قریشی لشکر کو واپس مکہ جانے کے لئے کہلایا اور اس پر ابوجہل نے یہ جواب دیا کہ ہم بدر کے میلے تک ٹھہریں گے جیسا کہ بیان ہوا تو اس

پر ابوسفیان نے کہا،

"یہ سرکشی کی بات ہے اور سرکشی نقصان اور بدقسمتی کا نشان ہوتی ہے۔"

ابوسفیان کے پیغام پر بنی زہرہ کی واپسی...... ابوسفیان کی طرف سے اس پیغام اور ابوجہل کے جواب پر اس کے لشکر میں سے بنی زہرہ کے لوگ فوراً واپس چلے گئے۔ ان کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ ایک قول ہے کہ تین سو تھی اور ان کا امیر اخنس ابن شریق تھا۔ اسی لئے علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں بنی زہرہ کے لوگوں میں سے ایک آدمی بھی قتل نہیں ہوا۔ مگر ایک دوسرا قول یہ ہے کہ بنی زہرہ میں سے غزوۂ بدر میں دو آدمیوں کے سوا کوئی شریک نہیں ہوا جو دونوں کفر کی حالت میں قتل ہوئے۔ غرض اخنس ابن شریق نے اپنی قوم بنی زہرہ سے کہا،

"اے بنی زہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا مال و دولت بچالیا اور تمہارے آدمی مخرمہ ابن نوفل کو بھی رہائی دلادی تم اسے اور اس کے مال کو ہی بچانے کے لئے ان لوگوں کے ساتھ آئے تھے۔"

سردار بنی زہرہ کی ابوجہل سے گفتگو...... (بنی زہرہ کے قبیلے میں سے یہ مخرمہ ابن نوفل، ابوسفیان کے قافلے کے ساتھ تجارت کی غرض سے گیا تھا اور اس کے مال میں قبیلے کے دوسرے لوگوں کا مال بھی رہا ہوگا۔ اس لئے جب ابوسفیان کے قافلے کو بچانے کے لئے قریش کے لوگ لشکر لے کر نکلے تو بنی زہرہ کے لوگ بھی اپنے آدمی اور اس کے مال کو بچانے کے لئے نکلے تھے۔ اب جبکہ ابوسفیان اپنے قافلے کو مسلمانوں سے بچاکر نکال لے گیا تو ابوسفیان نے لشکر کے سردار ابوجہل سے کہلایا کہ تمہارے آنے کا مقصد میرے قافلے کو بچانا تھا سو وہ بچ گیا اس لئے اب واپس مکہ چلے جاؤ مگر ابوجہل نے گھمنڈ میں آکر یہ کہا کہ اب میں بدر کے میلے میں شرکت کر کے ہی جاؤں گا۔ اس پر بنی زہرہ کے سردار اخنس ابن شریق نے اپنے آدمیوں کو واپس چلنے کے لئے کہ کہا ہمارا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا لہٰذا اب بلاوجہ ہم مسلمانوں سے ٹکرانا نہیں چاہتے غرض اخنس نے کہا)۔

"اب تم میرے ساتھ اس مال کی حفاظت کرو اور لوٹ چلو کیونکہ بے فائدہ تمہیں لشکر لے کر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کی کیا ضرورت ہے کہ بدر کے میلے میں شریک ہوں جیسا کہ یہ شخص یعنی ابوجہل کہتا ہے۔"

پھر اس نے ابوجہل سے علیحدگی میں کہا،

"کیا تمہارا خیال ہے کہ محمد ﷺ جھوٹے ہیں؟"

ابوجہل نے کہا،

"انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا یہاں تک کہ ہم ان کو امین کہا کرتے تھے۔ مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر بنی عبدالمطلب کے خاندان میں منصب سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز، منصب رفادہ یعنی حاجیوں کے لئے کھانے کے انتظام کا اعزاز اور منصب مشورہ کے ساتھ ساتھ نبوت کا اعزاز بھی چلا گیا تو آخر ہمارے لئے کیا اعزاز اور بڑائی باقی رہ جائے گی۔"

اس پر اخنس وہاں سے ہٹ آیا اور بنی زہرہ کو ساتھ لے کر لشکر سے لوٹ گیا۔ اخنس کا اصل نام اُبیّ تھا۔ اس کو اخنس اسی وجہ سے کہا جانے لگا تھا جب یہ قریشی لشکر کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آیا تھا کیونکہ اخنس کے معنی پیچھے ہٹ آنے کے ہیں۔ یہ اخنس بنی زہرہ کا حلیف یعنی معاہدہ بردار تھا اور ان میں سر کردہ آدمی سمجھا جاتا

تھا۔ پھر یہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی دلداری کے طور پر کچھ مال عنایت فرمایا تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے کچھ دوسرے لوگوں کی بھی اسی طرح دلداری فرمائی تھی۔

مگر علامہ سہیلی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں مارے گئے تھے۔ یہی بات علامہ تلمسانی نے کتاب شفاء کے حاشیہ میں بھی لکھی ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں قاضی بیضاوی کے قول کو دلیل بنایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔

(آیت ۲۰۴ سورۂ بقرہ، پ ۲، ع ۲۵)

ترجمہ:- اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزیدار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر حالانکہ وہ آپ کی مخالفت میں نہایت شدید ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس ابن شریق کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ادھر کتاب اصابہ میں ہے کہ اخنس (مسلمان ہوئے اور) ان لوگوں میں سے ہیں جن کی آنحضرت ﷺ نے مال دے کر دلداری فرمائی ہے اور یہ کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔

سدی سے روایت ہے کہ اخنس نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ اس کے بعد یہ وہاں سے فرار ہوگئے۔ راستے میں یہ مسلمانوں کے ایک علاقہ سے گزرے تو وہاں انہوں نے مسلمانوں کی کھیتیاں جلادیں اس پر وہ آیت نازل ہوئی جو پیچھے بیان ہوئی۔

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے کہ اخنس مسلمان ہوئے تھے مگر میں کہتا ہوں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے ان کا مسلمان ہونا ثابت کیا ہے لہٰذا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید وہ مسلمان ہوئے اور پھر بعد میں مرتد ہوگئے اور اس کے بعد پھر مسلمان ہوگئے۔ یہاں تک کتاب اصابہ کا حوالہ ہے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ اخنس مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مگر بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے تین آدمی ایسے تھے جو بیٹا، باپ اور دادا تھے یعنی اخنس، ان کا بیٹا یزید اور اس کا بیٹا معن بہر حال روایتوں کے اس اختلاف کی وجہ سے یہ بات قابل غور ہے۔

بنی ہاشم کی واپسی کی خواہش اور ابو جہل کا دباؤ...... (قال) غرض آگے کہتے ہیں کہ پھر بنی ہاشم نے بھی یہیں سے واپس مکہ جانے کا ارادہ کیا مگر ابو جہل نے ان پر بہت زیادہ سختی کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ گروہ کسی صورت میں بھی ہمیں چھوڑ کر جانے نہ پائے بلکہ ہمارے ساتھ ہی جائے۔

مسلمانوں کو پانی کی پریشانی اور غیبی امداد...... غرض اس کے بعد یہ قریشی لشکر آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ اس نے عدوۃ القصویٰ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں سے پانی قریب تھا۔ ادھر آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے لشکر نے پانی سے کافی فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلم پڑاؤ سے پانی تک ایک منزل کا فاصلہ تھا۔ مسلمانوں کو پیاس کی تکلیف ہوئی اور بہت سوں کو غسل کی ضرورت پیش آگئی ان میں سے اکثر مضطرب ہوگئے اور ان کے دلوں میں شیطان نے غصہ پیدا کر دیا اور یہ وسوسہ ڈالا کہ تم اپنے آپ کو اللہ والے سمجھتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں جبکہ مشرک تم پر اس لحاظ سے غالب آگئے کہ انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا اور تم پیاس سے بلک رہے ہو اور ناپاکی

کی حالت میں نماز پڑھ رہے ہو۔ جبکہ تمہارے دشمن صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ پیاس کی وجہ سے تمہارے حوصلے ٹوٹ جائیں اور تمہاری قوت وطاقت ختم ہو جائے تاکہ پھر وہ جیسے چاہیں تمہارے ساتھ معاملہ کریں۔

کتاب شفا میں یہ لفظ ہیں کہ تاکہ جب پیاس سے تم لوگ نڈھال اور کمزور ہو جاؤ تو وہ تمہاری طرف بڑھیں اور جن کو قتل کرنا چاہیں انہیں قتل کر کے بقیہ کو اپنے ساتھ قیدی بنا کر مکہ کی طرف ہنکالے جائیں (یہ وسوسے مسلمانوں کے دلوں میں شیطان نے ڈالنے شروع کئے) اس پر وہ بہت سخت پریشان اور فکر مند ہوئے۔ جس وادی میں مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے اس میں مٹی اور ریت بہت تھا اور زمین نرم تھی جس میں پیر دھنستے تھے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی پریشانی دیکھ رہا تھا اس نے اچانک وہاں بارش برسادی جس سے گرد وغبار دب گیا اور مٹی جم گئی اس طرح آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی تکلیف ختم ہو گئی۔ سب بارش کے پانی سے تازہ ہو گئے۔ لوگوں کے دلوں سے شیطان کے وسوسے دور ہو گئے۔ سب نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے چھاگل بھر لئے اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا اور خوب نہادھو کر تروتازہ ہو گئے۔ اسی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ۔

(آیت ۱۱ سورۂ انفال، پ ۹، ع ۲)

ترجمہ:- اور اس کے قبل تم پر آسمان سے پانی برسارہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ تم کو حدث اصغر واکبر سے پاک کردے اور تم سے شیطانی وسوسے کو رفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جمادے۔

یعنی حق تعالیٰ نے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ تمہیں گندگیوں سے پاک کر دے اور شیطانی وسوسے تمہارے دلوں سے نکال دے اور تمہارے دلوں کو قوت وحوصلہ عطا فرمائے اور تمہارے پاؤں جمادے یعنی مٹی اور ریت کو جمادے تاکہ اس میں تمہارے قدم نہ دھنسیں۔

غیبی امداد مسلمانوں کے لئے رحمت اور کفار کے لئے زحمت...... ادھر اسی بارش کی وجہ سے قریش سخت مصیبت میں پڑ گئے اور وہ نہ تو اپنے پڑاؤ سے نکلنے کے قابل رہے اور نہ پانی کے چشمے تک پہنچنے کے قابل رہے۔ اس طرح یہ بارش جہاں ایک طرف مسلمانوں کے لئے نعمت اور قوت ثابت ہوئی وہیں دوسری طرف مشرکوں کے لئے ایک مصیبت اور بلا بن گئی۔

آنحضرت ﷺ کی دعائیں..... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رات میں اچانک بارش ہوئی اور ہم پانی سے بچنے کے لئے درختوں وغیرہ کے نیچے پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہوئے گزاری۔

حضرت علیؓ سے ہی روایت ہے کہ اس رات ہم میں سے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کوئی شخص شب بیدار نہیں تھا۔ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور بہت لمبے لمبے سجدے کر رہے تھے۔ آپ سجدے میں گر کر مسلسل یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ورد فرما رہے تھے یہاں تک کہ اسی طرح صبح ہو گئی۔ (ی) اس لئے کہ اس رات تمام مسلمانوں کو زبردست سستی اور نیند کا خمار محسوس ہوا جس کی وجہ سے ہر شخص پہلو پر لیٹ کر سو گیا۔

(ی) حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل کا سکون حاصل ہو گیا تھا۔

جہاں تک سستی اور اونگھ کا تعلق ہے تو ایسی سستی اور اونگھ دو ہی مرتبہ پیدا ہوئی ہے۔ ایک غزوۂ بدر کی سستی اور دوسری غزوۂ احد کی سستی۔ کیونکہ یہاں یعنی غزوۂ بدر میں رات کے وقت یہ اونگھ اور سستی پیدا ہوئی تھی اور غزوۂ احد میں جنگ کے وقت یہ سستی پیدا ہوئی تھی۔

اب جہاں تک جنگ کے وقت یا جنگ کی تیاری کے وقت جو ٹکراؤ کا وقت تھا اونگھ اور سستی کے دل کا سکون ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات ظاہر ہے ہاں اس سے پہلے نہیں (اور اونگھ اور نیند کا خمار بے فکری کی دلیل ہے تو گویا حق تعالیٰ نے غزوۂ بدر سے پہلے اور غزوۂ احد کی شکست کے وقت مسلمانوں میں سستی یعنی بے فکری پیدا فرمادی)۔

<u>غزوۂ بدر میں ملائکہ کی شرکت</u>...... علامہ شمس شامی نے لکھا ہے کہ جب اس جنگ میں ملائکہ یعنی فرشتے نازل ہوئے اور لوگ اپنی صفوں میں کھڑے تھے انہوں نے دشمن پر حملہ نہیں کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو فرشتوں کے نازل ہونے کی خوش خبری سنائی تو سب لوگوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہو گیا، ساتھ ہی ان کو اونگھ اور سستی بھی پیدا ہوئی جو اطمینان کی دلیل ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو عین ٹکراؤ کے وقت نیند کا خمار محسوس ہوا۔ ورنہ کہا جاتا ہے کہ یہ جملہ کہ سب لوگوں کو نیند کا خمار محسوس ہوا۔ جملہ حالیہ مانا جائے گا یعنی یوں کہا جائے گا کہ...... اس حال میں اس رات میں لوگوں کو یہ خمار اور سستی جنگ کے وقت نہیں بلکہ اس سے پہلے محسوس ہوئی تھی۔ چنانچہ اب اگر جنگ کے بعد بھی یہ خمار مان لیا جائے تو کوئی اشکال کی بات نہیں۔

چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ میدان جنگ میں ٹکراؤ کے وقت سستی اور خمار کا محسوس ہونا ایمان کی علامت ہے اور نماز میں خمار کا محسوس ہونا نفاق کی علامت ہے۔ (ی) کیونکہ جنگ کے وقت خمار کا محسوس ہونا دل جمعی اور اطمینان قلب کو ظاہر کرتا ہے اور نماز کی حالت میں خمار کا ہونا نماز سے لاپروائی کو ظاہر کرتا ہے۔

<u>آنحضرت ﷺ کا خطبہ اور فہمائش</u>...... غرض جب صبح ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ لوگو! نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ لوگ درختوں وغیرہ کے نیچے سے نکل نکل کر آگئے اور آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی اور پھر آپ نے جو خطبہ دیا اس میں لوگوں کو جنگ کے لئے ابھارا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا،

"امّابعد! میں تمہیں ایسی بات کے لئے ابھارتا ہوں جس کے لئے تمہیں اللہ تعالیٰ نے ابھارا ہے۔ یہاں تک کہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور تنگی اور سختی کے موقعوں پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ تمام تکلیفوں سے بچالیتا ہے اور تمام غموں سے نجات عطا فرماتا ہے۔"

<u>حبابؓ کا مشورہ</u>...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ قریش سے پہلے پانی تک پہنچنے کے لئے بڑھے اور کامیاب ہوئے اور آپ ﷺ مقام بدر کے قریب ترین پانی کے چشمے پر پہنچ گئے جو بدر کے سب سے زیادہ قریب تھا اور وہیں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ حضرت حُباب ابن منذرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! یہاں جس منزل پر آپ ﷺ نے قیام فرمایا ہے کیا یہ ایسی منزل ہے جہاں قیام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے اور ہم یہاں سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں یا یہ صرف آپ ﷺ کی رائے اور جنگی چال ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ صرف رائے اور جنگی چال ہے۔ تب حضرت حُبابؓ نے عرض کیا،

"تو یارسول اللہ! یہ جگہ مناسب نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ لوگوں کو یہاں سے ہٹا لیجئے اور وہاں قیام کیجئے جو دشمن کے پانی سے قریب ترین جگہ ہو۔ جب دشمن یعنی قریش پڑاؤ ڈالیں تو وہ چشمہ وہاں سے قریب ترین ہو۔"

پھر حضرت حُبابؓ نے عرض کیا،

"میں اس چشمے کے زبردست سوت اور پانی کی کثرت سے واقف ہوں کہ وہ کبھی خشک نہیں ہوتا ہم وہیں پڑاؤ ڈالیں گے اور پھر اس کے علاوہ جو گڑھے اور سوت ہیں ان کو پاٹ دیں گے۔"

یعنی جو دوسرے خام اور کچے کنویں ہیں ان کو بھر دیں گے پھر ہم اس چشمے پر حوض بنا کر اس میں پانی جمع کر لیں گے اور اس طرح ہمارے پاس پینے کا پانی کافی مقدار میں ہوگا جبکہ ان لوگوں کو پانی نہیں ملے گا کیونکہ دوسرے تمام گڑھے اس چشمے کے پیچھے ہوں گے۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھی رائے دی ہے۔ اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ حباب نے جو رائے دی ہے وہ بہت عمدہ اور مناسب ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور تمام لوگ وہاں سے روانہ ہوئے اور اس چشمے پر آئے جو اس جگہ سے قریب ترین تھا جہاں قریش نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ مسلمانوں نے یہاں قیام کیا اور پھر آپ ﷺ نے گڑھے بھرنے کا حکم دیا۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ چونکہ کنواں عین یعنی چشمہ ہوتا ہے اس لئے اس کو انسان کی عین یعنی آنکھ کے طور پر بولا گیا اور انسانی آنکھ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آنکھیں اندر کو دھنس گئیں۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ دھنسادی گئیں۔

لشکر اسلامی کے لئے حوض کی تعمیر ...... پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کچے کنویں پر ایک حوض بنوائی جہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا اور اس میں پانی بھروادیا اور ڈول ڈلوادیئے۔ (اور اس طرح حضرت حباب کے مشورے پر عمل فرمایا۔ ایسے کچے اور بغیر مَن کے کنویں کو عربی میں قلیب کہتے ہیں)۔

اسی وقت سے حضرت حُبابؓ کو ذی رائے کہا جانے لگا تھا۔ اگرچہ بعض لوگوں کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حُبابؓ اس سے پہلے اس لقب سے مشہور تھے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب وہ قلیب مسلمانوں کی پشت پر تھا اور باقی گڑھے اس قلیب کے پیچھے تھے تو پھر ان کو پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے کیونکہ اگر ان کو نہ بھی پاٹا جائے تو بھی مسلمانوں کو پانی ملتا رہتا اور مشرکوں کو نہ ملتا۔ لہٰذا اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ مشرکین پشت کی طرف سے نہ آئیں لہٰذا گڑھوں کو پاٹ دینے کی غرض یہ تھی کہ مشرکوں کو پانی کا لالچ بھی نہ رہے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

حضرت حُبابؓ کے پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے اپنے پڑاؤ ڈالنے کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ یہاں خدا تعالیٰ کے حکم پر پڑاؤ نہیں ڈالا گیا ہے بلکہ صرف جنگی چال اور رائے کے پیش نظر پڑاؤ ڈالا گیا ہے۔ اس سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے جنگ میں اجتہاد کرنا جائز تھا۔ اب یہ جواز یا تو مخصوص حالات کے لحاظ سے تھا یا مطلقاً کیونکہ صورت سبب مخصوص نہیں ہوتی۔ البتہ ترجیحی قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے مطلقاً اجتہاد کرنا جائز تھا۔ اب احکام کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے جو اجتہاد سرزد ہوا اس کی دلیل آپ ﷺ کے اس قول سے ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے حرم کی سب چیزوں یعنی ڈلے، پتھر اور لکڑی وغیرہ کو کاٹنا

حرام قرار دیا تھا مگر اسی وقت حضرت عباسؓ نے کہا کہ سوائے گھاس کے۔ تو آپ ﷺ نے اجتہاد کر کے فرمادیا تھا کہ ہاں سوائے گھاس کے۔ مگر علامہ سبکیؒ نے کہا ہے کہ اجتہاد پر یہ دلیل قطعی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے اسی وقت آپ ﷺ کو اس سلسلے میں وحی بھیجی گئی ہو۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مسلمان اس قلیب کے قریباً آدھی رات کے وقت پہنچے اور تبھی انہوں نے حوض بنا کر اس میں پانی بھرا اور ڈول ڈالے جبکہ اس سے پہلے انہوں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس روایت کی تائید آگے آنے والی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔

سعدؓ کی طرف سے عریش بنانے کا مشورہ...... ادھر یہاں پہنچ کر حضرت سعد ابن معاذؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا،

"یا نبی اللہ! ہم آپ ﷺ کے لئے ایک عریش یعنی چھپّر نہ بنادیں۔ جو کھجور کے پتّوں کا ایک سائبان ہوتا ہے۔ آپ ﷺ اس میں تشریف رکھیں۔ اس کے پاس آپ ﷺ کی سواریاں تیار رہیں اور ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح کی عزت عطا فرمائی اور دشمن پر غالب فرمادیا تو ہمارے دل کی مراد بَر آئے گی لیکن اگر دوسری شکل ہوئی (یعنی ہمیں شکست ہو گئی) تو آپ ﷺ سواریوں پر سوار ہو کر اپنے ان ساتھیوں کے پاس پہنچ جائیں جنہیں ہم پیچھے یعنی مدینہ میں چھوڑ آئے ہیں۔ کیونکہ جن لوگوں کو ہم گھروں پر چھوڑ آئے ہیں وہ ہم سے بھی زیادہ آپ ﷺ کے عشاق اور جاں نثار ہیں اور وہ بھی آپ ﷺ کے لئے جہاد کا جذبہ کچھ کم نہیں رکھتے۔ اگر انہیں خیال ہوتا کہ اس سفر میں آپ ﷺ کو جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ لوگ ہرگز وہاں نہ رکتے۔ وہ تو صرف یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ﷺ دشمن کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے جارہے ہیں۔ ورنہ شاید ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت فرماتا اور وہ انتہائی خیر خواہی کے ساتھ آپ ﷺ کے شانہ بشانہ جہاد کرتے۔"

یہ مشورہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کے جذبہ کی تعریف فرمائی اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا،

"اے سعد! اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ بہتر چیز کا فیصلہ فرمالیا ہو؟"

یعنی ان کی فتح و نصرت کا اور دشمن پر ان کو غالب کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے۔

سائبان کی تیاری...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے لئے ایک چھپّر بنایا گیا جو ایک ایسے اونچے ٹیکرے پر بنایا گیا تھا جہاں سے آپ ﷺ پورے میدان جنگ کو ملاحظہ فرماسکتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ اسی میں قیام فرما ہوئے۔

ابو بکرؓ بہادر ترین شخص...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا،

"بتلاؤ سب سے زیادہ بہادر شخص کون ہے؟"

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہادر شخص ابو بکرؓ ہیں۔ حضرت علیؓ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں جب ہم نے آنحضرت ﷺ کے لئے وہ چھپّر بنادیا تو ہم نے آپ ﷺ میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہاں کون شخص رہے گا تاکہ مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ ﷺ کے قریب نہ آسکے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں،

"خدا کی قسم یہ سن کر ہم میں ابو بکرؓ ہی آگے بڑھے اور آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر اپنی تلوار کا سایہ کر کے کہنے لگے کہ جو شخص بھی آنحضرت ﷺ کی طرف آنے کی جرأت کرے گا اسے پہلے اس سے یعنی ان کی تلوار سے نمٹنا پڑے گا۔"

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو سب سے زیادہ بہادر شخص قرار دیا۔ چنانچہ اس روایت سے شیعوں اور رافضیوں کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ خلافت کا مستحق حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص نہیں تھا کیونکہ وہ سب سے زیادہ بہادر شخص تھے۔

مگر یہ بات جنگ کی آگ بھڑکنے سے پہلے کی ہے کہ (صرف حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی) کیونکہ جنگ کے شروع ہونے کے بعد خود حضرت علیؓ۔ چھپر کے دروازے پر نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے جبکہ وہیں یعنی چھپر کے دروازے کے پاس حضرت ابو بکرؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ انصاریوں کے ایک دستے کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے تعینات تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ سے زیادہ بہادر تھے تو اس کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ پہلے ہی اطلاع دے چکے تھے کہ ان کو ابن ملجم ہی قتل کرے گا۔ اسی لئے حضرت علیؓ جب بھی جنگ میں شریک ہوتے اور دشمن کے سامنے پہنچتے تو ان کو یقین سے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی مجھے قتل نہیں کر سکتا لہٰذا وہ ایسے مطمئن رہتے تھے جیسے اپنے بستر پر سو رہے ہوں۔ لیکن جہاں تک حضرت ابو بکرؓ کا تعلق ہے تو ان کو اس کی اطلاع نہیں تھی کہ ان کو قتل کرنے والا کون ہے؟ چنانچہ وہ جب جنگ میں شریک ہوتے تو ان کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آیا وہ قتل ہو جائیں گے یا زندہ رہیں گے۔ لہٰذا اس حالت میں بھی وہ جتنی محنت اور ہمت کرتے تھے اتنی کوئی دوسرا نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی مثال میں مرتدوں کے ساتھ ان کی جنگ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ نیز انہوں نے جس عزم اور حوصلہ کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا جو زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے تھے وہ اس کا ثبوت ہے حالانکہ حضرت عمرؓ اس وقت نرم پڑ گئے تھے۔

<u>مجاہدین قریشی لشکر کے سامنے</u>...... غرض جب صبح ہوئی تو قریشی لشکر ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس سے اس گذشتہ قول کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ رات کے وقت ہی پانی پر قبضہ کرنے کے لئے پہنچ گئے تھے کیونکہ قریش کی آمد فجر طلوع ہونے اور صبح کی نماز کے بعد ہوئی جیسا کہ بیان ہوا کیونکہ راوی کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے کہ جس وقت قریش نمودار ہوئے تو مسلمان وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔

<u>آنحضرت ﷺ کی طرف سے قریش کی قتل گاہوں کی نشاندہی</u>...... ادھر مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ بدر کی رات میں جب کہ آپ ﷺ میدان جنگ میں پہنچ گئے آپ ﷺ نے زمین پر ہاتھ رکھ کر فرمایا،

"انشاء اللہ کل یہ جگہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہو گی اور یہاں اس جگہ فلاں شخص قتل ہو گا اور یہاں فلاں قتل ہو گا۔"

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے نام آنحضرت ﷺ نے لے کر ان کی قتل کی جگہ بتلائی تھی وہ

اسی جگہ قتل ہوئے اس سے بال برابر ادھر یا ادھر نہیں ہوئے۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے اور ان میں موافقت کی ضرورت ہے۔

دعائے نبوی ﷺ...... رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کو دیکھا جو سر سے پیر تک آہن پوش تھے اور جن کا عظیم الشان لشکر پورے ہتھیاروں سے لیس بڑھا چلا آرہا تھا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی،

"اے اللہ! یہ قریش کے لوگ اپنے تمام بہادر سرداروں کے ساتھ بڑے غروز سے تجھ سے جنگ کرنے یعنی تیری دشمنی کرنے، تیرے احکام کی خلاف ورزی کرنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے آئے ہیں۔ پس اے اللہ! تو نے مجھ سے اپنی جس مدد اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے وہ مدد بھیج دے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ "اے اللہ! تو نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی اور مجھے ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا اور قریش کی دو جماعتوں میں سے ایک پر غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان دو جماعتوں میں سے ایک تو ہماری دسترس سے نکل چکی ہے یعنی قریش کا تجارتی قافلہ تو اپنے وعدہ کا سچا ہے (لہٰذا اس دوسری جماعت پر ہمیں غلبہ عطا فرما) اے اللہ! ان کو آج ہلاک فرمادے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "اے اللہ! اس امت کے فرعون ابو جہل کو کہیں پناہ اور ٹھکانہ نہ دیجئے۔ اے اللہ! زمعہ ابن اسود بچ کر نہ جائے، اے اللہ ابو زمعہ کو راندۂ درگاہ کردے گا، اے اللہ ابو زمعہ کو کور چشم کردے، اے اللہ سہیل بچ کر نہ جائے۔!"

قریش کے جاسوس...... غرض جب قریشی لشکر ٹھہر گیا تو انہوں نے عُمیر ابن وہب جُمحی کو جاسوسی کیلئے بھیجا یہ عُمیر بعد میں مسلمان ہوگئے تھے اور نہایت اچھے مسلمان بنے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ قریش نے عُمیر سے کہا جا کر محمد ﷺ کے لشکر کی تعداد معلوم کرو اور ہمیں خبر دو۔ عُمیر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور انہوں نے اسلامی لشکر کے گرد ایک چکر لگایا۔ پھر واپس قریش کے پاس آکر ان سے بولے۔

"وہ لوگ تقریباً تین سو ہیں ممکن ہے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوں۔ مگر ٹھہرو۔ میں ذرا یہ دیکھ لوں کہ ان لوگوں کی کوئی کمین گاہ تو نہیں جہاں اور لوگ چھپے ہوئے ہوں یا کوئی مدد تو آنے والی نہیں ہے۔"

مجاہدوں کے عزم و ہمت پر جاسوس کی حیرت...... یہ کہہ کر عُمیر پھر روانہ ہوگئے اور وادی میں بہت دور تک گئے مگر انہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی تب وہ پھر واپس آئے اور کہنے لگے،

"مجھے اور کچھ نظر نہیں آیا۔ مگر اے گروہ قریش! میں نے دیکھا ہے کہ یہ سر بکف لوگ موت کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں جیسے وہ اونٹنی ہوتی ہے جو اس کے مالک کی قبر پر باندھ دی جاتی ہے نہ اس کو چارہ دیا جاتا ہے نہ پانی یہاں تک کہ اسی حالت میں مرجاتی ہے۔ یعنی یثرب کے یہ جیالے قتل و خون کا بازار گرم کرنے آئے ہیں۔ بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے کہ۔ کیا تم دیکھتے نہیں یہ لوگ گونگوں کی طرح خاموش اور مہر بلب ہیں، سانپوں کی طرح پھنکارتے ہیں۔ انہیں لوٹ کر اپنے گھروں کو جانے کی تمنا نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نہ حمایتی ہیں اور نہ ان کی تلواروں کے سوا ان کا کوئی ٹھکانہ ہے۔ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں ان میں کا کوئی آدمی اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک وہ تمہارے میں کے ایک آدمی کو نہیں مارے گا۔ اس طرح اگر تمہارے آدمی بھی اتنے ہی مرے جتنے ان کے تو اس کے بعد زندگی کا کوئی مزا نہیں، اس لئے اس بارے میں سوچ لو۔"

قریش کی واپسی کے لئے حکیم کی عتبہ سے درخواست...... حکیم ابن حزام نے یہ بات سنی تو وہاں سے عتبہ ابن ربیعہ کے پاس آئے اور کہنے لگے،

"ابو ولید! تم قریش کے بڑے اور سردار ہو اور لوگ تمہاری بات مانتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ رہتی دنیا تک تمہارا ذکر بھلائی اور خیر کے ساتھ ہوتا رہے۔"

عتبہ نے پوچھا کیا بات ہے تو حکیم نے کہا کہ بہتری اسی میں ہے کہ قریشی لشکر کو واپس لے چلو۔ عتبہ نے جب ساری بات سنی تو اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے محسوس کیا کہ یہ خوں ریزی نقصان دہ ہے چنانچہ اس نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا،

اے گروہ قریش! خدا کی قسم تمہیں محمد اور ان کے صحابہ سے جنگ کر کے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا (محمد کے صحابہ سب کے سب تمہارے رشتہ دار اور عزیزی ہیں اس لئے) خدا کی قسم اگر تم نے ان لوگوں کو مار ڈالا تو تم میں سے ہر شخص (ایک دوسرے کے رشتہ داروں کا قاتل ہوگا اور تم میں سے ہر ایک) ہمیشہ دوسرے کو اس وجہ سے بُری نظر اور نفرت سے دیکھے گا کہ ہر شخص دوسرے کے رشتہ داروں اور خاندان والوں کا قاتل ہوگا۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ واپس لوٹ چلو اور محمد ﷺ سے نمٹنے کے لئے تمام عربوں کو چھوڑ دو۔ اگر انہوں نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچا دیا تو یہ تمہارے دل کی مراد ہوگی، اور اگر دوسری صورت ہوئی تو تمہارے اوپر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی بلکہ وہ بھی تمہاری ہی عزت ہوگی لہٰذا تم ان کے ساتھ مت الجھو۔ اے قوم! آج اگر تمہیں اس طرح لوٹنے میں غیرت آتی ہے تو اس کی عار اور ذمہ داری تم مجھ پر ڈال دو اور مجھے بزدل کہہ سکتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تم میں بزدل نہیں ہوں۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حکیم ابن حزام نے عتبہ ابن ربیعہ سے یوں کہا،

تم لوگوں کو اپنی پناہ دے دو اور عمرو ابن حضرمی کا خوں بہا اپنے ذمہ لے لو جو تمہارا حلیف تھا اور اس کے تجارتی قافلے کا جو سامان محمد ﷺ کے دستہ کے امیر عبد اللہ ابن جحش کے ہاتھ لگا اس کا تاوان اپنے سر لے لو کیونکہ یہ لوگ محمد ﷺ سے صرف اسی کے خوں بہا اور مال تجارت کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

(عمرو ابن حضرمی عتبہ ابن ربیعہ کا حلیف یعنی معاہدہ بردار تھا جو تجارت کی غرض سے سفر میں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حضرت عبد اللہ ابن جحش کی سربراہی میں نخلہ کی طرف دشمنوں کی سرکوبی اور ان کے قافلے روکنے کیلئے بھیجا ہوا تھا۔ حضرت عبد اللہ کا سامنا ابن حضرمی کے قافلے سے ہوا اس مقابلے میں حضرت واقد ابن عبد اللہ نے عمرو ابن حضرمی کو قتل کر دیا اور حضرت عبد اللہ ابن جحش نے اس قافلے کے مال پر قبضہ کر لیا) اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس طرح عمرو ابن حضرمی وہ پہلا شخص ہے جس کو مسلمانوں نے مقابلے میں قتل کیا۔ (حکیم ابن حزام نے عتبہ کو اسی کے متعلق مشورہ دیا کہ لڑائی کی بنیاد عمرو ابن حضرمی کا قتل ہے لہٰذا تم اس کی جان کی قیمت اپنے ذمہ لے لو اور اس کے قافلے کا جو مال تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہے اس کی ادائیگی بھی اپنے سر لے لو اور اسی طرح اس جنگ کو نہ ہونے دو جو سر پر آ چکی ہے) عتبہ اس پر راضی ہو گیا اور اس نے کہا،

"ہاں، میں اس کا خوں بہا اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ وہ میرا حلیف تھا اس لئے اس کی جان کی قیمت اور مال کے نقصان کی ادائیگی کا ذمہ میں اپنے سر لیتا ہوں۔ تم نے جو کہا اور جو مشورہ دیا میں اس کو قبول کرتا ہوں۔"

اس کے بعد عتبہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کی صفوں میں گھوما اور قریش کے سامنے اعلان کرتا گیا۔
"اے قوم کے لوگو! میری بات مانو۔ تم صرف عمرو ابن حضرمی کے خوں بہا اور اس کے لٹے ہوئے مال کا مطالبہ ہی تو کرتے ہو۔ میں ان دونوں کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں۔"
بعض علماء نے اس میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے،
"اے گروہ قریش! میں تمہیں ان چہروں کی قسم دیتا ہوں جو چراغوں کی طرح روشن اور تابناک ہیں یعنی قریش کے چہرے کہ تم ان کو ان چہروں کی نظیر بناؤ جو سرچشمۂ حیات کی طرح ہیں یعنی انصار کے چہرے"۔
اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو ابن حضرمی کی جان کی قیمت ادا کر دی تھی مگر اس گذشتہ روایت اور آگے آنے والی ایک دوسری روایت سے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔
عتبہ کی کوششوں کی آنحضرت ﷺ کی اطلاع ...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے قریشی لشکر کو نمودار ہوتے دیکھا اور اس کے بعد لشکر میں عتبہ ابن ربیعہ کو ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر گھومتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا،
"ان دونوں یعنی لشکر یا اونٹ والے میں سے اگر کسی کے ساتھ اس وقت خیر ہے تو وہ سرخ اونٹ والے کے ساتھ ہے۔"
ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر کوئی خیر کا حکم دینے والا شخص ہوتا جس کی بات لوگ مانتے تو وہ سرخ اونٹ والا ہے جس سے یہ لوگ فلاح پاتے۔
جب آنحضرت ﷺ نے اس سرخ اونٹ والے شخص کو قریشی لشکر میں گھومتے دیکھا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ حمزہ کو آواز دو۔ حضرت حمزہؓ مشرکوں کی صفوں کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ سے پوچھا،
"یہ سرخ اونٹ والا شخص کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟"
حضرت حمزہ نے عرض کیا،
"وہ عتبہ ابن ربیعہ ہے جو لوگوں کو جنگ کرنے سے منع کر رہا ہے۔"
اب گویا آنحضرت ﷺ کا عتبہ کے بارے میں وہ گذشتہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک تھا (کہ آپ ﷺ نے دور سے اس شخص کو دیکھ کر اور بغیر پہنچائے اور بغیر اس کی آواز سنے اس کے متعلق خبر دے دی)۔
ابوجہل کا عتبہ پر غصہ ...... غرض حکیم ابن حزام سے بات کرنے کے بعد جب عتبہ نے عمرو ابن حضرمی کا خوں بہا اپنے ذمہ لینے کا اعلان کر دیا تو اب اس نے حکیم سے کہا کہ تم ذرا ابن حنظلیہ یعنی ابوجہل کے پاس جاؤ۔ حکیم کہتے ہیں کہ میں روانہ ہوا یہاں تک کہ ابوجہل کے پاس پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ زرہ بکتر پہن کر ہتھیار لگا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا،
"مجھے عتبہ نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔"
عتبہ کو بزدلی کا طعنہ ...... ابوجہل یہ سن کو غضبناک ہو گیا اور اس نے بڑی حقارت سے کہا کہ عتبہ بزدل ہو گیا ہے۔ یہاں عربی کا ایک خاص محاورہ استعمال ہوا ہے جو بزدلی کا طعنہ دینے کے لئے بولا جاتا ہے۔ ایک روایت میں

یوں ہے کہ ابو جہل فوراً عتبہ کے پاس آیا اور غصہ کے ساتھ اس نے عتبہ سے کہا،

"یہ بات تم نے ہی کہی ہے۔ خدا کی قسم اگر تمہارے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو میں اس کو بزدلی کا زبردست طعنہ دیتا کہ تیرے دل میں دشمن کا خوف اور ڈر بیٹھ گیا ہے۔ خدا کی قسم ہم اس وقت تک ہر گز واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے۔"

پھر ابو جہل نے حکیم سے کہا،

"عتبہ نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی بلکہ اس لئے کہی ہے کہ وہ جانتا ہے مسلمانوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ ان کو ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہی کافی ہو جائیں گے اور ان میں ہی عتبہ کا بیٹا ابو حذیفہ بھی ہے (لہٰذا مسلمانوں کی ہلاکت کا مطلب ہے کہ عتبہ کا بیٹا بھی ہلاک ہو جائے گا) لہٰذا وہ تم لوگوں کو خواہ مخواہ ڈرا رہا ہے۔"

حضرت ابو حذیفہ اسی عتبہ ابن ربیعہ کے بیٹے تھے اور بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو جہل نے عتبہ کی بات سن کر قریشی لشکر سے کہا،

"اے گروہ قریش! عتبہ تمہیں یہ مشورہ اس لئے دے رہا ہے کہ اس کا بیٹا بھی محمد ﷺ کے ساتھ ہے اور خود محمد ﷺ اس کے چچازاد بھائی ہیں لہٰذا وہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے بیٹے اور اس کے چچازاد بھائی کو قتل کرو۔"

یہ سن کر عتبہ بگڑ گیا اور ابو جہل کو گالیاں دینے لگا۔ پھر بولا،

"جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کون اپنی قوم کے حق میں کانٹے بو رہا ہے۔!"

کفر و اسلام میں عتبہ کے کنبہ کی تقسیم...... ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسی عتبہ ابن ربیعہ کی بیٹی اُمِّ ابان کے چار بھائی اور دو چچا تھے اور سب ہی اس جنگ بدر میں شریک ہوئے ان میں سے دو بھائی مسلمان تھے اور دو مشرک تھے اور اسی طرح ان دونوں چچاؤں میں سے ایک مسلمان تھے اور ایک کافر تھے۔ دونوں مسلمان بھائی تو حضرت ابو حذیفہ اور حضرت مصعب ابن عمیر تھے۔ یہ حضرت مصعب غالباً اُمِّ ابان کے ماں شریک بھائی تھے۔ یعنی عتبہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ عتبہ کی بیوی کے بیٹے تھے۔ اور دو کافر بھائی ولید ابن عتبہ اور ابو عزیر تھے۔ اسی طرح اُمِّ ابان کے مسلمان چچا معمر ابن حرث تھے۔ یہ بھی شاید عتبہ کے ماں شریک بھائی تھے۔ اور کافر چچا شیبہ ابن ربیعہ تھا۔

غیبی نصرت و حمایت ...... اللہ کی حکمت اس موقع پر یہ ظاہر ہوئی کہ جب تک جنگ شروع نہیں ہوئی مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد بہت کم نظر آتی رہی جس سے پیش قدمی کرنے کے لئے ان کے حوصلے بڑھ گئے مگر جب جنگ شروع ہو گئی تو حق تعالیٰ نے کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ کر دی یعنی اس وقت انہیں مسلمان بہت زیادہ تعداد میں نظر آنے لگے تاکہ ان کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھ جائے۔ ادھر جنگ شروع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نظر میں مشرکوں کی تعداد بہت کم کر دی تاکہ حملہ کرنے کے لئے ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔

چنانچہ ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں،

غزوۂ بدر کے موقعہ پر مشرکین ہمیں اتنے کم نظر آرہے تھے کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ شاید یہ سب ملا کر ساٹھ آدمی ہیں۔ اس پر اس نے کہا کہ نہیں سمجھتا ہوں ان کی تعداد سو تک ہے۔"

چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی،

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

الْاُمُوْرُ (سورۂ انفال، پ ۱۰، ع ۵ آیت ۴۴)

ترجمہ :- اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم کو جب کہ تم مقابل ہوئے وہ لوگ تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور اسی طرح ان کی نگاہ میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تاکہ جو اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدمے اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے،

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ

(آیت ۱۳ سورۂ آل عمران، پ ۳، ع ۲)

ترجمہ :- بے شک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں کے واقعہ میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے تھے یعنی مسلمان اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصہ زیادہ ہیں کھلی آنکھوں دیکھنا۔

نبوت کی ایک اور نشانی...... ایک روایت ہے کہ قباث ابن اشیم جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غزوۂ بدر میں کافر کی حیثیت سے شریک تھے اپنے دل میں سوچنے لگے (کہ مسلمان اتنے تھوڑے سے ہیں) کہ اگر قریش کی عورتیں بھی ساری کی ساری نکل آئیں تو وہی محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پسپا کر دیں گی۔

پھر اس واقعہ کے کئی سال بعد یعنی غزوۂ خندق کے بعد قباث مسلمان ہونے کے لئے پہنچے۔ وہ کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچ کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتلایا کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں وہاں پہنچا مگر صحابہ کے مجمع میں آپ ﷺ کو پہچان نہ سکا۔ میں نے سلام کیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا،

"قباث! غزوۂ بدر کے موقعہ پر یہ بات تم نے ہی تو کہی تھی کہ اگر قریش کی عورتیں بھی ساری کی ساری نکل آئیں تو وہی محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پسپا کر دیں گی۔"

قباث نے کہا،

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا کہ یہ بات میری زبان سے نکلی نہیں تھی اور نہ ہی میرے ہونٹوں تک یہ لفظ آئے تھے، نہ ہی اس بات کو کسی نے سنا تھا کیونکہ یہ بات تو میرے دل میں صرف ایک خیال کے طور پر گزری تھی۔"

اس کے بعد قباث فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اب گویا آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بات تم نے ہی تو اپنے دل میں سوچی تھی! قباث نے فوراً ہی کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور جو پیغام وہ لے کر آئے ہیں وہ سچائی اور حق ہے۔

عتبہ کا ابوجہل پر غصہ...... غرض جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ ابوجہل نے اس کو بزدل کہا ہے تو عتبہ نے کہا،

"اس شخص کو جو اپنے سُرین خوشبوؤں سے رنگ رہا ہے۔ جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون شخص بزدل ہے۔ میں یا وہ۔؟"

سُرین کو خوشبو سے رنگنے کا مطلب پیچھے گزر چکا ہے۔ اس موقعہ پر اس محاورہ کے استعمال کی تشریح

کرتے ہوئے علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کلمہ عتبہ کا ایجاد کیا ہوا نہیں تھا نہ وہ اس کو سب سے پہلے استعمال کرنے والا شخص ہے بلکہ یہ محاورہ اصل میں ایک بادشاہ کو طعنہ کے طور پر کہا گیا تھا (جس کا نام قابوس ابن نعمان یا قابوس ابن منذر تھا) یہ بادشاہ بہت زیادہ عیش پسند تھا اور جنگوں سے جان چراتا تھا یعنی ہر وقت خوشبوؤں میں معطر عیش و نشاط میں غرق رہتا تھا) اس لئے اس کو کہا گیا کہ وہ بدن پر خوشبوئیں ملے ہوئے یعنی زعفران وغیرہ لگائے رنگ رلیوں میں مصروف رہتا ہے۔ تو محاورہ میں رنگا ہوا ہونے سے مراد خوشبوؤں یعنی زعفران وغیرہ کی زردی ہے۔ چنانچہ سرداران عرب صرف آسودگی اور سکون و چین کے وقت ہی خوشبوئیں لگاتے تھے۔ جنگ کے موقعوں پر خوشبوئیں لگانا بے انتہا بُرا اور معیوب سمجھتے تھے (کیونکہ اس سے نزاکت اور عیش پسندی کا اظہار ہوتا ہے)۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ جب ابوجہل کو یہ معلوم ہوا کہ ابوسفیانؓ کا تجارتی قافلہ صحیح سلامت بچ کر نکل گیا ہے تو اس خوشی میں اس نے اونٹ ذبح کئے۔ بدر کے مقام پر شراب و کباب کی محفل سجائی اور اس میں طوائفوں کے رقص و نغمہ سے دل بہلایا اسی وقت اس نے شاید خوشبو بھی لگائی یا اس کا ارادہ کیا۔ اسی لئے عتبہ نے اس کے متعلق یہ محاورہ استعمال کیا جس سے اس کا مقصد یہ طعن کرنا تھا کہ وہ میدان جنگ میں خوشبوئیں لگاتا اور بنتا سنورتا ہے۔

جہاں تک سُرین کا لفظ بولنے کا تعلق ہے تو اس سے مراد تو سارا بدن ہے لیکن انتہائی نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کیلئے جسم کے سب سے گندے اور ارذل حصے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

ابوجہل کی ضد اور سرکشی...... ایک روایت ہے کہ جنگ سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ابن خطاب کو مشرکین کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ کیونکہ یہ معاملہ اگر میں تمہارے سوا دوسروں کے ساتھ کروں تو یہ میرے لئے زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تمہارے ساتھ پیش آئے۔ یہ پیغام سن کر حکیم ابن حزام نے کہا،

"خدا کی قسم یہ انصاف کی بات ہے۔ اس انصاف کے بعد تم لوگ ہرگز ان پر فتح نہیں حاصل کر سکتے"

مگر ابوجہل بولا،

"اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارے قابو میں کر دیا ہے تو خدا کی قسم ہم ہرگز نہیں لوٹیں گے۔"

عتبہ کے خلاف عامر کا اشتعال...... اس کے بعد ابوجہل نے عامر ابن حضرمی کو بلایا جو اس مقتول شخص یعنی عمرو ابن حضرمی کا بھائی تھا اور اس سے کہا،

"یہ عتبہ تمہارا دوست اور معاہدہ بردار ہے اور لوگوں کو واپس لے جانا چاہتا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو رسوا کرے۔ اس نے تمہارے بھائی کی جان کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنے کا اعلان کیا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تم اس خوں بہا کو قبول کر لو گے۔ تمہیں اپنے بھائی کا خوں بہا عتبہ کے مال سے لیتے ہوئے شرم نہیں آئے گی جبکہ تم اس کا حشر اپنی آنکھ سے دیکھ چکے ہو۔ اٹھو اور اپنے بھائی کے خون کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کرو۔!"

یہ عامر ابن حضرمی بھی اپنے بھائی عمرو ابن حضرمی کی طرح عتبہ کے معاہدہ برداروں میں سے تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ چنانچہ عامر اٹھا اور اس نے اپنا بدن کھول کر اس پر مٹی ملی اور لوگوں کے درمیان چیخنا

شروع کیا۔ ہائے میرا بھائی۔ ہائے میرا بھائی۔ یہ سن کر لوگوں میں جوش و خروش پھیل گیا۔

عامر کے بھائی عُلاء کا مرتبہ...... عامر ابن حضرمی کے مسلمان ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ کتاب استیعاب میں ہے کہ عامر جنگ بدر میں کافر کی حیثیت سے قتل ہوا۔ جہاں تک کہ ان دونوں کے بھائی حضرت عُلاء کا تعلق ہے تو وہ بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔ ایک قول ہے کہ وہ مستجاب الدعوات تھے یعنی ان کی دعا قبول ہوتی تھی اور یہ سمندر پر چلے تھے۔ یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کی بات ہے جب انہوں نے ان کو ایک دستہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے لئے دریا خشک ہو گیا تھا یہاں تک کہ گھوڑوں کے کھروں پر گرد و غبار جم گیا۔ یہ ان کلموں کا اثر تھا جو انہوں نے سمندر میں داخل ہونے سے پہلے کہے تھے انہوں نے ان کلموں کے ساتھ دعا کی تھی،

یَاعَلِی یَا حَکِیْمُ یَا عَلِیّ یَا عَظِیْم اِنَّا عَبِیْدُكَ وفِی سَبِیْلِكَ نقَاتِلُ عَدُوّكَ اللّٰهُمَّ فَاجْعَل لَنَا اِلَیْهِمْ سَبِیْلاً

ترجمہ :۔اے بلند و برتر اور اے حکمت والے، اے بلند و برتر اور اے عظمت والے میں تیرا ایک حقیر بندہ ہوں اور تیری راہ میں نکلا ہوں، ہم تیرے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔ پس اے اللہ! ان تک پہنچنے کے لئے ہمارے لئے راستہ بنا دے۔

ایک اور عجیب واقعہ...... اسی قسم کا ایک واقعہ بغیر کشتی وغیرہ کے سمندر میں داخل ہو کر سفر کرنے کا ایک اور بھی پیش آیا ہے۔ یہ واقعہ ابو مسلمؒ خولانی تابعی کا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ رومیوں سے لڑنے کے لئے اپنا لشکر لے کر نکلے تو راستے میں ایک بہت بڑا دریا پڑا جو ان کے لشکر اور رومیوں کے لشکر کے درمیان حائل تھا۔ اس وقت حضرت خولانی نے دعا کی اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا،

"اے اللہ! تو نے بنی اسرائیل کو سمندر عبور کرا دیا تھا۔ ہم تیرے بندے ہیں اور تیری راہ میں نکلے ہیں اس لئے آج ہمیں بھی یہ دریا عبور کرا دے۔"

اس دعا کے بعد انہوں نے اپنے لشکر سے کہا،

"بسم اللہ پڑھ کر دریا عبور کر لو۔"

چنانچہ سب دریا میں اتر گئے اور اسے عبور کر لیا۔ دریا کا پانی گھوڑے کے پیٹ تک بھی نہیں پہنچا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابو عبیدؒ ثقفی تابعی کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ یہ بھی حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک اسلامی لشکر کے امیر تھے اور دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک جگہ دریائے دجلہ ان کے اور دشمن کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس وقت انہوں نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کی،

وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتَابًا مُّؤَجَّلاً (سورۂ آل عمران، پ ۴، ع ۲ آیت ۱۴۵)

ترجمہ :۔اور کسی شخص کی موت کا آنا ممکن نہیں بدون حکم خدا کے اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اللہ کا نام لیا اور اپنا گھوڑا پانی میں اتار دیا ساتھ ہی ان کے لشکر نے بھی اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے۔ جب ان کو عجمیوں یعنی دشمنوں نے پانی میں اس طرح اترتے دیکھا تو وہ ایک دم چیخ اٹھے کہ یہ دیوانے اور پاگل ہیں، یہ مجنوں ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے ان کو قتل کرنا شروع کیا اور ان کے مال و دولت کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

حضرت علاء ابن حضرمی کے ایک بھائی اور بھی تھے جن کا نام میمون تھا۔ ان ہی میمون نے مکہ کے بالائی حصہ میں وہ کنواں کھدوایا تھا جس کا نام بیر میمون ہے۔ مگر ان کے اسلام کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہے البتہ ان کی ایک بہن تھیں جن کا نام صعبہ تھا اور یہ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کی والدہ تھیں اور صحابیہ تھیں۔ پہلے یہ ابوسفیان ابن حرب کی بیوی تھیں پھر انہوں نے صعبہ کو طلاق دے دی تو عبید اللہ نے ان سے نکاح کر لیا جن سے حضرت طلحہ پیدا ہوئے۔ حضرت طلحہؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے،

"جو شخص روئے زمین پر چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ لے۔"

اسود مخزومی کا عہد اور انجام...... غرض مسلمانوں نے پانی کے جس چشمہ پر حوض بنائی تھی اس سے مشرکین زیادہ غضبناک تھے ان میں ایک شخص تھا جس کا نام اسود ابن عبد الاسد مخزومی تھا اور انتہائی بیہودہ اور بد فطرت آدمی تھا اور رسول اللہ ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جس شخص کے بائیں ہاتھ میں سب سے پہلے اس کا اعمال نامہ تھمایا جائے گا وہ یہی اسود ہوگا جیسا کہ اس روز سب سے پہلے جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا وہ اس کے بھائی ابو سلمہ ہوں گے جیسا کہ بیان ہوا۔ غرض اس شخص اسود نے قسم کھا کر کہا،

"میں اللہ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ یا تو مسلمانوں کی بنائی ہوئی اس حوض سے پانی پیوں گا یا اس کو توڑوں گا اور یا اس کوشش میں جان دے دوں گا۔!"

اس کے بعد جنگ شروع ہونے کے وقت جب یہ اسود میدان میں آیا تو اس کے مقابلے کے لئے حضرت حمزہ ابن عبد المطلب نکلے جب یہ دونوں آمنے سامنے ہوئے تو حضرت حمزہ نے اس پر تلوار کا وار کیا اور ایک ہی وار میں اس کی پنڈلی کٹ کر دور جا گری اس وقت یہ اسود حوض کے قریب تھا، یہ زخمی ہو کر زمین پر چیت گرا اور اس کی ٹانگ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا اسی حالت میں یہ حوض کی طرف سرکا یہاں تک کہ اس نے حوض میں منہ ڈال دیا اور اس میں سے پانی پی لیا ساتھ ہی اس کی جو ٹانگ صحیح و سالم تھی اس سے اس نے حوض کو توڑ دیا۔ اس کا مقصد اپنی قسم پوری کرنا تھا۔ حضرت حمزہ نے اس کو حوض کے پاس دیکھا تو وہ فوراً اس کے سر پر پہنچے اور دوسرا وار کر کے اس کو حوض کے اندر ہی قتل کر دیا۔

حوض کی طرف پیش قدمی کی کوشش...... اس کے بعد قریش کے کچھ اور لوگ حوض کی طرف بڑھے ان میں حکیم ابن حزام بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو حوض کے پاس آتے دیکھ کر صحابہ سے فرمایا۔

"ان کو آنے دو۔ آج کے دن جو شخص بھی اس حوض سے پانی پئے گا وہ یہیں کفر کی حالت میں قتل ہوگا۔"

سوائے حکیم ابن حزام کے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ اس کے بعد اسلام لے آئے اور بہت اچھے مسلمان بنے چنانچہ اس کے بعد اگر وہ کوئی بڑی قسم کھاتے تو کہتے کہ نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے جنگ بدر کے وقت مجھے بچایا تھا۔

جنگ کا آغاز...... جہاں تک اس حوض کا تعلق ہے تو اس کے متعلق گزر چکا ہے کہ یہ حوض آنحضرت ﷺ کے یعنی آپ ﷺ کے پیچھے کے پیچھے تھے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ جو حوض کی طرف آئے تھے آنحضرت ﷺ کی پشت کی طرف سے آئے تھے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

عتبہ اور اس کے بھائی اور بیٹے کی مقابلے کے لئے للکار ...... غرض عتبہ ابن ربیعہ اور ابو جہل کے درمیان یہ تکرار ختم ہونے کے بعد عتبہ نے جنگ کے لئے اپنے سر پر اوڑھنے کی خود تلاش کی مگر پورے لشکر میں کوئی اتنی بڑی خود نہ مل سکی جو اس کے سر پر صحیح آجاتی کیونکہ اس کا سر بہت بڑا تھا۔ آخر اس نے اپنی چادر ہی عمامہ کی طرح لپیٹ لی مگر اس کی گردن کھلی رہی۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے ساتھ کفار کی صفوں سے نکل کر میدان میں آیا (سب سے پہلے خود اور اپنے خاندان کو لے کر میدان جنگ میں نکلنے سے عتبہ کا مقصد یہ بھی تھا کہ ابو جہل نے اس کو بزدلی کا جو طعنہ دیا تھا اس کا جواب ہو جائے) غرض ان تینوں نے میدان میں آکر مسلمانوں کو للکارا کہ ہم سے کوئی مقابلہ کرنے والا ہو تو نکل کر سامنے آئے۔

اس للکار پر مسلمانوں میں سے تین انصاری نوجوان نکلے جو تینوں بھائی تھے۔ ان کے نام معوّذ، معاذ اور عوف تھے اور ان کی ماں کا نام عفراء تھا۔ ایک قول ہے کہ عوف کے بجائے عبداللہ ابن رواحہ تھے۔ غرض ان تینوں نوجوانوں کو سامنے دیکھ کر عتبہ، شیبہ اور ولید نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم انصاری مسلمان ہیں تو انہوں نے کہا،

"ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ نہیں ہمارے برابر کے اور معزز لوگ یعنی مہاجرین میں سے بھیجو۔ ہم اپنی قوم کے آدمیوں سے مقابلہ کریں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ نہیں ہمارے خاندان کے آدمی ہمارے سامنے لاؤ۔"

شیران خدا سے معرکہ ایک روایت میں ہے کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ نے ان کو حکم دیا کہ واپس آجائیں چنانچہ وہ اپنی صفوں میں واپس آکر کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی کیونکہ آنحضرت ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کی ابتداء آپ کے خاندان والوں کے علاوہ کسی اور کے ذریعہ ہو۔ اسی وقت مشرکوں کی طرف سے کسی نے پکار کر کہا

"اے محمد! ہمارے سامنے ہماری برادری اور قوم کے لوگوں میں سے کسی کو بھیجو!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"عبیدہ ابن حرث اٹھو! اے حمزہ اٹھو! اے علی اٹھو!" ایک روایت میں یہ ہے کہ،

"اے بنی ہاشم اٹھو اور اپنے اس اعزاز کی بنیاد پر مقابلہ کرو جس کے تحت تم میں نبی کا ظہور ہوا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اس کو جھٹلانے اور اللہ کے نور کو بجھانے کے لئے آئے ہیں۔ عبیدہ اٹھو! حمزہ اٹھو! علی اٹھو!"

جب یہ تینوں سر فروش اپنی صفوں سے نکل کر ان کے قریب پہنچے تو عتبہ وغیرہ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو مشرکین ان تینوں کو اس لئے نہیں پہچان سکے کہ یہ سر اور منہ ڈھکے ہوئے تھے۔ اس پر حضرت عبیدہ نے کہا۔ عبیدہ، حضرت حمزہ نے کہا حمزہ اور حضرت علی نے کہا علی۔ اس پر ان تینوں نے کہا۔

"ہاں تم لوگ برابری کے اور معزز لوگ ہو!"

تینوں سرکش موت کی آغوش میں ...... حضرت عبیدہ ابن حرث بہت عمر رسیدہ تھے، ان کی عمر رسول اللہ ﷺ سے دس سال زیادہ تھی۔ ان کا مقابلہ عتبہ ابن ربیعہ سے ہوا۔ حضرت حمزہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوا اور حضرت علی کا مقابلہ ولید سے ہوا۔ حضرت حمزہ نے تو شیبہ کو وار کرنے کا موقع بھی نہ دیا اور ایک ہی ہاتھ میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح حضرت علی نے ولید کا پہلے ہی وار میں صفایا کر دیا البتہ حضرت عبیدہ اور عتبہ کے درمیان تلواروں کے وار ہونے لگے اور دونوں زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی اپنے اپنے مقابل کا کام تمام کرنے کے بعد مڑے اور انہوں نے ان دونوں کی لڑائی دیکھی تو وہ اپنی تلواریں لئے ہوئے عتبہ پر جھپٹے اور اسے

ختم کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عبیدہ کو اٹھایا اور اپنے لشکر میں آکر ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لٹا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے اپنا گھٹنا پھیلایا اور حضرت عبیدہؓ نے اپنا رخسار آپ ﷺ کے قدم مبارک پر رکھ کر آپ ﷺ سے دریافت کیا،

"یارسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں!" آپ ﷺ نے فرمایا،

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو!"

حضرت عبیدہؓ کی شہادت...... اس کے بعد صفراء میں حضرت عبیدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کو وہیں دفن کر دیا گیا جبکہ مسلمان غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ کو لوٹ رہے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ عتبہ سے حضرت حمزہ کا مقابلہ ہوا تھا، شیبہ سے حضرت عبیدہؓ کا اور ولید سے حضرت علی کا پھر شیبہ اور حضرت عبیدہ کے درمیان تلواروں کے وار ہوتے رہے یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے۔ حضرت عبیدہ کی پنڈلی میں زخم آیا تھا جس سے ان کا ایک پیر جاتا رہا اور پنڈلی کی ہڈی سے خون کی دھار نکل رہی تھی۔ اسی وقت حضرت حمزہ اور حضرت علی شیبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو ختم کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبیدہؓ کے وار سے شیبہ زمین پر گرا مگر فوراً ہی اٹھ کر اس نے وار کیا۔ اسی وقت حضرت حمزہ اس کے مقابلے میں آگئے اور دونوں میں تلواروں کے وار ہونے لگے مگر دونوں کے وار بے کار گئے تو دونوں ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ اس وقت حضرت عبیدہ جو زمین پر گرے ہوئے تھے اٹھنے لگے تو شیبہ نے ان پر وار کیا جس سے ان کی پنڈلی کٹ گئی۔ اسی وقت حضرت حمزہ نے شیبہ کا کام تمام کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ شیبہ سے حضرت علیؓ کا مقابلہ ہوا تھا اور ولید سے حضرت عبیدہ کا مقابلہ ہوا اور عتبہ سے حضرت حمزہ نبرد آزما ہوئے تھے، چنانچہ حسن سند کے ساتھ حضرت علیؓ نے روایت بیان کی ہے کہ میں اور حمزہ ولید کے مقابلے میں عبیدہ کی مدد کو پہنچے اس پر آنحضرت ﷺ نے ہم پر اعتراض نہیں فرمایا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ مگر مشہور یہ ہی ہے کہ حضرت علیؓ کا مقابلہ ولید سے ہوا تھا اور یہی بات مناسب بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ عتبہ اور شیبہ حضرت عبیدہؓ اور حضرت حمزہؓ کی طرح پختہ کار اور عمر رسیدہ تھے جبکہ ولید اور حضرت علیؓ دونوں نوجوان اور کم عمر تھے۔

اسی طرح حضرت حمزہ نے مطعم ابن عدی کے بھائی طعیمہ ابن عدی کو بھی قتل کیا۔ یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ خود مطعم اس غزوۂ بدر سے چھ مہینے پہلے کافر کی حیثیت سے مر چکا تھا۔ ایک قول ہے کہ حضرت حمزہ وغیرہ اور عتبہ وغیرہ کے درمیان جو یہ مقابلہ ہوا یہ اسلام میں پہلا مقابلہ ہے۔

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ قسم کھا کر اس آیت پاک کے بارے میں کہا کرتے تھے،

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ
(آیت ۱۹ سورۂ حج، پ ۱۷، ع ۲

ترجمہ :- یہ جن کا اوپر آیت میں ذکر ہوا دو فریق ہیں جنہوں نے دربارے اپنے رب کے دین کے باہم اختلاف کیا۔ سو جو لوگ کافر تھے ان کے پہننے کے لئے قیامت میں آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔

کہ یہ آیت حضرت حمزہؓ اور ان کے ساتھیوں یعنی حضرت عبیدہ اور حضرت علیؓ اور عتبہ اور اس کے

ساتھیوں یعنی شیبہ اور ولید کے غزوۂ بدر کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔

بخاری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ باہمی دشمنی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے۔ اور ایک قول کے مطابق حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے وہ علی اور معاویہ ہوں گے۔

لشکروں کا ٹکراؤ...... غرض اس کے بعد دونوں لشکر آپس میں ٹکرا گئے اور لوگ ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی صفوں کو ایک نیزے کے ذریعے سیدھا کیا تھا جو آپ ﷺ اپنے ہاتھ میں لے رہے تھے۔ اس موٹھ میں پھل یا نیزہ لگا ہوا نہیں تھا۔ آپ ﷺ جب اس موٹھ کے ذریعہ صفوں کو سیدھا کرتے ہوئے سواد ابن غزیہ کے پاس سے گزرے جو بنی نجار کے حلیف تھے تو وہ اپنی صف سے کچھ آگے کو کھڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اس موٹھ سے ان کے پیٹ میں ٹھوکا دیا اور فرمایا،

"سواد سیدھے یعنی صف میں کھڑے ہو!"

اس پر حضرت سواد نے عرض کیا،

شیدائے رسول ﷺ...... "یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مجھے ٹھوکر مار کر تکلیف پہنچائی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے لہٰذا مجھے موقعہ دیجئے کہ میں آپ ﷺ سے بدلہ لوں!"

آنحضرت ﷺ نے فوراً اپنا پیٹ کھولا اور حضرت سواد سے فرمایا،

"لو! تم اپنا بدلہ لے لو۔"

حضرت سواد فوراً آنحضرت ﷺ کے سینے سے لگ گئے اور آپ ﷺ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ سواد تم نے ایسا کس لئے کیا تو حضرت سواد نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں کہ جنگ سر پر ہے اسلئے میری تمنا تھی کہ آپ ﷺ کے ساتھ میرے آخری جو لمحے گزریں وہ اس طرح کہ میرا جسم آپ ﷺ کے جسم مبارک سے مَس کرے۔" اس پر آپ ﷺ نے حضرت سواد کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے نزدیک ایسے معاملے میں قصاص اور بدلہ واجب نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔

ان ہی حضرت سوادؓ کو آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح ہونے کے بعد وہاں کا عامل یعنی حاکم بنا دیا تھا جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے ایک حسن حدیث ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر جبکہ آنحضرت ﷺ ہماری صفیں درست فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ صفوں سے آگے بڑھ کر (جوش جہاد میں) پیش قدمی کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ٹھہرو میرے ساتھ ساتھ رہو۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: سواد ابن غزیہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا جو واقعہ پیش آیا ایسا ہی ایک واقعہ یک انصاری کے ساتھ بھی آپ ﷺ کو پیش آیا تھا جن کا نام سواد ابن عمرو تھا۔ چنانچہ ابوداؤد میں روایت میں ہے ۔ ایک انصاری شخص جو بہت پُرمذاق آدمی تھے وہ لوگوں کے ساتھ باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے کہ پ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے ٹھوکا دیا جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ

کھجور کے گچھے کی ٹہنی سے اور ایک روایت کے مطابق اپنے عصا سے ٹھوکا دیا۔ اس پر سواد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بدلہ لینے کی اجازت دیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا تم بدلہ لے سکتے ہو۔ اس پر حضرت سواد نے عرض کیا،

"مگر آپ تو کُرتہ پہنے ہوئے ہیں جبکہ میرے آپ نے مارا تو میں کُرتہ پہنے ہوئے نہیں ہوں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنا کُرتہ اٹھادیا۔ حضرت سواد اسی وقت آپ کے پہلو سے لپٹ گئے اور آپ کے جسم مبارک پر اس جگہ بوسے دینے لگے۔

خصائص صغریٰ میں آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ذکر ہے کہ جس مسلمان نے بھی آپ ﷺ کے جسم مبارک کو چھولیا اس کے جسم کو آگ نہیں چھوئے گی۔ خصائص صغریٰ میں ہی ایک دوسری جگہ ہے کہ جو چیز آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک سے لگ گئی آگ اس کو نہیں جلائے گی اور تمام انبیاءؑ کا یہی حال ہے۔

پھر جب آپ ﷺ نے صفوں کو سیدھا کر دیا تو صحابہ سے فرمایا،

"جب دشمن تم سے قریب آجائے تو ان کو تیر اندازی کر کے پیچھے دھکیلنا مگر اپنے تیروں کو اس وقت تک مت چلانا جب تک دشمن قریب نہ آجائے کیونکہ فاصلے سے تیر اندازی اکثر بے کار ثابت ہوتی ہے اور تیر ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح تلواریں بھی اس وقت تک نہ سونتنا جب تک کہ دشمن بالکل قریب نہ آجائے۔"

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کے سامنے خطبہ دیا جس میں ان کو جہاد کی ترغیب دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

"مصیبت کے وقت صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور فرماتا ہے اور غموں سے نجات عطا فرماتا ہے۔"

یعنی یہ جملے آپ ﷺ نے غزوۂ بدر میں دو موقعوں پر فرمائے۔ ایک تو میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے اور ایک دفعہ میدان جنگ میں پہنچنے کے بعد (کیونکہ آپ ﷺ سے یہ کلمات اس سے پہلے بھی گزرے ہیں) اس بارے میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے عریش یعنی چھپر میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ بھی تھے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چھپر کے دروازے پر حضرت سعد ابن معاذؓ کچھ انصاری مسلمانوں کے ساتھ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے تھے تاکہ دشمن سے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کر سکیں۔ نیز آنحضرت ﷺ کے لئے سواریاں بھی تیار کھڑی تھیں تاکہ اگر ضرورت پڑے تو فوراً سوار ہو کر روانہ ہو سکیں۔

جب مسلمان جنگ کے لئے صف بندی کر کے فارغ ہوئے تو ابن عامر نے ایک پتھر اٹھا کر دو صفوں کے درمیان ڈال دیا اور کہا اگر یہ پتھر یہاں سے فرار ہو سکتا ہے تو میں بھی فرار ہوں گا (یعنی میں ہرگز یہاں سے فرار نہیں ہوں گا)

مہجع اور حارثہ کی شہادت...... مسلمانوں میں سب سے پہلے مہجع نامی شخص آگے بڑھے جو حضرت عمر فاروقؓ کے غلام تھے۔ ان کو عامر ابن حضرمی نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس امت کے وہ پہلے

شخص ہیں جن کو شہید پکارا جاتا ہے۔ اور اسی دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا مجع اس امت کے شہیدوں کے سردار ہیں۔

یہ بات اس حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں ہے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے سردار حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام ہوں گے۔ وہی جنت کی طرف شہیدوں کی رہنمائی کریں گے اور وہی قیامت کے دن موت کو ذبح کریں گے، وہ موت کو زمین میں گرائیں گے اور ایک چھری سے جو ان کے ہاتھ میں ہوگی اس کو ذبح کر دیں گے۔ تمام لوگ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

مگر ایک حدیث میں آتا ہے کہ شہیدوں کے سردار ہابیل ابن آدم ہیں۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ یہاں ہابیل کا ذکر اضافی ہے یعنی آدم کی براہ راست اولاد ہیں جو شہید ہیں ہابیل ان کے سردار ہیں۔

اسی طرح مجع کو مسلمانوں میں پہلا شہید کہنا اس روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ مسلمانوں کے پہلے شہید عمیر ابن حمام ہیں کیونکہ مجع مہاجر مسلمانوں میں سب سے پہلے شہید ہیں اور عمیر انصاری مسلمانوں میں سب سے پہلے شہید ہیں۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ انصاری مسلمانوں میں سب سے پہلے شہید حارثہ ابن قیس ہیں مگر اس سے بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حارثہ انصاری مسلمانوں میں ایسے پہلے شہید ہیں جو ایک ان دیکھے تیر سے ہلاک ہوئے یعنی قاتل کا پتہ نہیں ہوا۔ چنانچہ بخاری میں حمید سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں غزوۂ بدر میں حارثہ کے ایک تیر آکر لگا اس وقت حارثہ نوعمر لڑکے تھے۔ (ی) گویا تیر آکر لگا مگر تیر انداز کا پتہ نہیں کہ کس نے وہ تیر پھینکا تھا۔ اس وقت حارثہ حوض میں سے پانی پی رہے تھے۔

<u>پیکر صبر و شکر</u>...... بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جو شخص سب سے پہلے قتل ہوا وہ حضرت عمرؓ کے غلام مجع تھے اور ان کے بعد حارثہ ابن سراقہ تھے۔ حضرت حارثہ کی والدہ جو حضرت انسؓ ابن مالک کی پھوپی تھیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں،

"یا رسول اللہ! مجھے حارثہ کے متعلق بتلایئے اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس پر نہیں روؤں گی بلکہ صرف اس کا غم کروں گی اور اگر وہ جہنم میں ہے تو جب تک اس دنیا میں زندہ رہوں گی اس پر روتی رہوں گی۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ رونے کی کوشش کروں گی۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"اے ام حارثہ! جنت ایک نہیں ہے بلکہ وہاں بہت سی جنتیں ہیں اور حارثہ فردوس اعلیٰ میں ہیں۔ یہ سن کر ام حارثہ بہت خوش بخوش اور ہنستی ہوئی واپس گئیں وہ کہتی جاتی تھیں،

"آفریں ہے تمہیں اے حارثہ!"

مگر جنت کے متعلق یہ بات زمخشری کی طرح ابن قیمؒ کے قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ جنت جو دار ثواب یعنی ثواب کا گھر ہے وہ اپنے ذات کے اعتبار سے ایک ہی ہے البتہ ناموں اور اپنی صفات کے اعتبار سے بہت سی ہیں۔ جہاں تک لفظ جنت کا تعلق ہے تو یہ نام جنت کے ناموں میں تمام جنت کو شامل ہے جیسے جنت عدن، فردوس، ماویٰ، دارالسلام، دار الخلد، دار المقامہ، دار النعیم اور مقعد صدق وغیرہ۔ جنتوں کے کل نام

بیس سے زائد ہیں جن میں لفظ جنت سب پر بولا جاتا ہے۔

واقدی سے یوں روایت ہے کہ جب حارثہ کے قتل کی خبر مدینہ میں ان کی والدہ اور بہن کو پہنچی تو اُمّ حارثہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں آنحضرت ﷺ کے مدینہ واپس تشریف لانے تک نہیں روؤں گی۔ پھر آپ ﷺ سے پوچھوں گی کہ اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو اس کے لئے روؤں گی نہیں بلکہ صبر کروں گی اور اگر دوزخ میں ہے تو میں اس پر روؤں گی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ...... پھر دوسری صورت میں دیکھوں گی کہ کیا کروں ؟

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پہنچے تو حارثہ کی والدہ نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا،

"یارسول اللہ! میرے دل نے مجھے حارثہ کی موت کی خبر دے دی تھی میں نے اس پر رونا چاہا مگر پھر سوچا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق نہ پوچھ لوں اس وقت تک نہیں روؤں گی۔ اگر وہ جنت میں ہے تو نہیں روؤں گی اور جہنم میں ہے روؤں گی۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"تمہارا بُرا ہو کیا تم سمجھتی ہو کہ وہاں صرف ایک جنت ہے۔ جنتیں بہت سی ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ فردوس اعلیٰ یعنی سب سے اونچی جنت میں ہیں۔"

پھر آنحضرت ﷺ نے پانی سے بھرا ایک پیالہ منگایا، آپ نے اس میں اپنا دست مبارک ڈالا پھر منہ میں پانی لے کر اس میں ڈالا اور وہ پیالہ اُمّ حارثہ کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے تھوڑا سا پانی پیا اور پھر وہ پیالہ اپنی بیٹی کو دیا اور انہوں نے بھی وہ پانی پیا پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ کچھ پانی اپنے اوراوپر چھڑک لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہاں سے واپس ہوئیں۔ اس کے بعد جب تک یہ دونوں عورتیں زندہ رہیں مدینہ میں ان سے زیادہ مطمئن اور خوش و خرم کوئی دوسری عورت نہیں تھی۔

شوق شہادت...... حضرت حارثہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کے لئے شہادت کی دعا فرمائیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صبح جب حارثہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا،

"حارثہ! تم نے کس حال میں صبح کی ؟"

انہوں نے عرض کیا،

"میں اس حال میں صبح کو اٹھا کہ اللہ تعالیٰ پر صدق دل سے ایمان رکھتا تھا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو دیکھ کر کہو کیونکہ ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔"

حارثہ نے عرض کیا،

یارسول اللہ! میں نے اپنے نفس کو دنیا سے بیگانہ کر لیا ہے۔ لہٰذا اب میں نے اپنی راتوں کو بے خواب اور دنوں کو پیاسا کر لیا ہے۔ گویا میں اپنے پروردگار کے عرش کے سامنے کھڑا ہوں اور گویا میں جنت والوں کو کیف و نشاط میں دیکھ رہا ہوں اور گویا دوزخ والوں کو بلبلاتے دیکھ رہا ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"تم نے صحیح دیکھا۔ تم ایسے بندے ہو جس کے دل میں حق تعالیٰ نے ایمان کا بیج بو دیا ہے۔"

حارثہ کہتے ہیں پھر میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے لئے شہادت کی دعا فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

غرض جب اس پہلے اور انفرادی مقابلے میں مشرکوں کے تین بڑے سردار عتبہ ،شیبہ اور ولید قتل ہو گئے تو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا،

"صبر کرو! ہمارے ساتھ ہمارا معبود عزیٰ ہے جبکہ تمہارے ساتھ عزیٰ نہیں ہے۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص نے پکار کر کہا،

ہمارے ساتھ ہمارا معبود اللہ ہے جب کہ تمہارے ساتھ اللہ نہیں ہے ،اور ہمارے مقتولین یعنی شہید بھی ہیں جبکہ تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ آگے بیان آئے گا کہ یہی جملے غزوۂ احد کے موقع پر ابو سفیان نے کہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے ان کا اسی طرح جواب دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار کے سامنے گڑگڑا رہے تھے اور اس سے وہ فتح و نصرت مانگ رہے تھے جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

<u>فتح و نصرت کے لئے نبی کی دعائیں</u>...... جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس عریش کا تعلق ہے جس کا ذکر گذشتہ سطروں میں ہوا ہے تو باری میں اس کو قبّہ کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ غزوۂ بدر کے دن جبکہ آنحضرت ﷺ اپنے قبّہ میں تھے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرا وعدہ مانگتا ہوں جو تو نے مجھے دیا تھا۔ آپ ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر فرماتے تھے۔

"اے اللہ! اگر آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

مسلم شریف میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے عبادت گزار زمین پر باقی نہ رہیں۔ یعنی آپ ﷺ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں یہی جملے کہے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس جملے میں حق تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے تسلیم و رضا کا مکمل اظہار بھی ہے اور اسی سے ان لوگوں کے عقیدے کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو قدریہ کہلاتے ہیں اور جن کا عقیدہ یہ ہے کہ شر اور برائی کا وجود اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہوتی اور نہ ہی حق تعالیٰ کو شر اور برائی پیدا کرنے کی قدرت ہے۔

امام نووی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ان جملوں کے بارے میں جو یہ قول ہے کہ یہ آپ ﷺ نے غزوۂ بدر میں فرمائے تھے تو یہی مشہور قول ہے اور تفسیر اور غزوات کی کتابوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا غزوۂ احد میں مانگی تھی۔ مگر دونوں باتوں سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں موقعوں پر یہ بات فرمائی ہو یہاں تک علامہ نووی کا کلام ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دعا میں یہ فرمایا تھا کہ اے اللہ! اگر مومنوں کی یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو کفر و شرک کا بول بالا ہو جائے گا اور تیرا دین باقی نہیں رہے گا۔ (ی) کیونکہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں لہذا اگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی ہلاک ہو گئے تو اس شریعت پر چلنے اور عمل کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اے اللہ! مجھے نہ تو چھوڑیئے اور نہ رسوا فرمایئے میں تجھے تیرے اس وعدے کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ یعنی وہ وعدہ جو حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح و نصرت عطا فرمانے کے لئے دیا تھا۔

سوزِ صدیق...... ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اسی طرح قبلہ رو بیٹھے ہاتھ اٹھائے دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر آپ ﷺ کے شانے سے سرک کر گر گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے چادر سنبھالی اور اٹھا کر دوبارہ آپ ﷺ کے شانوں پر ڈال دی۔ پھر وہ آپ ﷺ کے پیچھے ہی بیٹھے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ اپنے پروردگار سے بہت مانگ چکے ہیں حق تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے ضرور پورا کرے گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ...... خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا اور آپ ﷺ کو سرخ رو فرمائے گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ ﷺ اپنے رب کے سامنے بہت گڑگڑا چکے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بغیر پورا ہوئے نہیں رہ سکتا تو یہ حقیقت ہے اور بہت زیادہ گڑگڑانے اور دعا مانگنے سے اس حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں میں گڑگڑانے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے یہ بات آنحضرت ﷺ سے اس لئے عرض کی کہ اس شدت سے گڑگڑا کر دعا مانگنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو جو تعب ہو رہا تھا حضرت ابو بکرؓ اس سے بے چین ہو رہے تھے کیونکہ صدیق اکبرؓ بہت نرم دل نے رقیق القلب تھے اور آنحضرت ﷺ سے بے انداز محبت و عشق رکھتے تھے۔

مقامِ خوف اور مقامِ رجاء...... حضرت ابو بکرؓ کے اس قول کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ صدیق اکبرؓ اس وقت رجاء یعنی امید و آس کے مقام پر تھے اور رسول اللہ ﷺ مقام خوف میں تھے کیونکہ حق تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ یہ دونوں ہی مقام فضیلت میں برابر ہیں یعنی مقام رجاء اور مقام خوف۔

فرشتوں کے ذریعہ مدد...... غرض جب مسلمانوں نے دیکھا کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھی ہے تو وہ سب بھی انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ کامیابی کی دعا مانگنے لگے۔ اسی وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ (سورۂ انفال، پ ۹، ع ۱ آیت ۹)

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلے وار چلے آئیں گے۔

مردفین کے ایک معنی تو سلسلے وار کے نے گئے ہیں اور ایک قول کے مطابق یہ ہیں کہ بطور تمہاری مدد کے یہاں سے ایک قول ہے کہ یعنی ہر فرشتے کے پیچھے دوسرا فرشتہ ہوگا۔ اسی بات کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے اپنے نبی کی مدد فرمائی، پانچ سو فرشتے جبرئیل کے ساتھ تھے اور پانچ سو میکائیل کے ساتھ تھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی اور ایک ہزار فرشتے جبرئیل کے ساتھ تھے اور ایک ہزار میکائیل کے ساتھ تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی گئی جن میں سے ایک ایک ہزار جبرئیل و میکائیلؑ کے ساتھ تھے اور ایک ہزار اسرافیلؑ کے ساتھ تھے۔ یہ روایت بیہقی نے کتاب دلائل النبوۃ میں حضرت علیؓ سے بیان کی ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے۔

ایک قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کی جائے گی پھر اس وعدے میں دو ہزار کا اضافہ ہوا اور پھر دوبارہ دو ہزار کا اضافہ ہوا۔ ایک قول کے مطابق تین ہزار فرشتوں سے مدد دی گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد پورے پانچ ہزار فرمادی۔

حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے،

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ٥ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔ (سورۂ آل عمران، پ ۴، ع ۱۳) آیت ۱۲۵-۱۲۴

ترجمہ:- جب کہ آپ مسلمانوں سے یوں فرمارہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اتارے جاویں گے۔ ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو کہ ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے۔

یہاں تین ہزار کا جو ذکر ہے اس میں ایک، ہزار جبرئیلؑ کے ساتھ اور ایک ایک ہزار میکائیلؑ و اسرافیلؑ کے ساتھ مراد ہیں۔ غرض کہ پانچ ہزار فرشتوں کا جو ذکر ہے یہ اکثر علماء کے نزدیک غزوۂ بدر کے سلسلے میں ہی مراد ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ مراد غزوۂ احد ہے جس میں تین ہزار کی امداد تھی پھر اس تعداد کو پورے پانچ ہزار تک کر دینے کا وعدہ دیا گیا اس شرط پر کہ مجاہدین تقویٰ اختیار کریں گے اور مال غنیمت جمع کرنے کے سلسلے میں صبر سے کام لیں گے مگر انہوں نے مال غنیمت کے سلسلہ میں صبر نہیں کیا لہٰذا تین ہزار سے اوپر کی جو امداد تھی وہ نہیں ملی۔

یہ دوسری جو روایت ہے یہ کتاب نہر میں ابوحیان نے پیش کی ہے کہ بدر کے دن ایک ہزار فرشتوں کی مدد تھی اور غزوۂ احد کے موقعہ پر تین ہزار فرشتوں سے مدد کا وعدہ تھا۔ پھر پانچ ہزار کا وعدہ اس شرط پر ہوا کہ مسلمان مال غنیمت جمع کرنے کے سلسلے میں صبر کریں۔ انہوں نے اس پر صبر نہیں کیا لہٰذا بقیہ مدد نہیں آئی یہاں تک کتاب نہر کا حوالہ ہے۔

اب یہ بات واضح جاتی ہے کیونکہ مال غنیمت جمع کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں کا صبر نہ کرنا اور حکم خدا اور رسول کو پورا نہ کرنا غزوۂ احد میں پیش آیا تھا بدر کے دن نہیں۔

مشرکوں پر قہر خداوندی...... بیہقی نے حکیم ابن حزام سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن مشرکوں پر آسمان سے چیونٹیاں گریں اور اس قدر زیادہ تعداد میں گریں کہ افق نظروں سے اوجھل ہو گیا اور پوری وادی میں چیونٹیوں کا سیلاب آگیا۔ اسی وقت میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ یہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لئے ہوا ہے اور یہ فرشتے ہیں۔

اسی طرح ایک حسن سند سے جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ مشرکوں کے شکست کھانے سے پہلے

جبکہ خوں ریزی کا بازار گرم تھا میں نے سیاہ دھاریاں سی دیکھیں جو اس قدر تھیں کہ ساری وادی ان سے بھر گئی۔ اس وقت مجھ یقین ہو گیا کہ حقیقت میں یہ فرشتے ہیں اور قوم یعنی مشرکوں کو شکست ضرور ہو گی۔

روایت میں بجاد کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی سیاہ دھاری دار کپڑے کے ہیں۔ آگے بیان آئے گا کہ اسی قسم کا واقعہ غزوۂ حنین میں بھی پیش آیا۔

فرشتوں کی مدد کی نوعیت...... (قال) جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی کچھ کوششوں میں صرف شریک تھے تاکہ ان کوششوں کی نسبت رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی طرف ہی رہے ورنہ تنہا جبرئیلؑ کو ہی یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے بازوؤں کے صرف ایک پَر سے مشرکوں کو پیچھے دھکیل دیں۔ جیسا کہ انہوں نے مدائن میں لوطؑ کی قوم کے ساتھ کیا تھا اور اپنی صرف ایک گرج سے قوم ثمود اور صالحؑ کی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس لئے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ دشمن کے دل میں یہ ہیبت بیٹھ جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ فرشتے بھی جنگ میں شریک ہیں۔

اس تفصیل سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ بدر کے دن فرشتے جنگ نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ صرف مسلمانوں کی تعداد کو اپنی شرکت سے بڑھا رہے تھے ورنہ صرف ایک فرشتہ ساری دنیا کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔

فرشتوں کی ہیبت...... حدیث میں آتا ہے کہ بدر کے دن جو فرشتے نازل ہوئے تھے اگر ان کے اور ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ پردے حائل نہ فرما دیتا تو ان کی گرج اور ہیبت ناک آوازوں سے ڈر کر ساری دنیا کے لوگ ختم ہو جاتے۔

مشرکوں کو ابلیس کی شہ...... ایک مرسل حدیث میں آتا ہے کہ یوم عرفہ کے علاوہ کبھی شیطان اتنا ذلیل دبیچ اور بے بس نہیں دیکھا گیا جتنا بدر کے دن دیکھا گیا۔ (ی) اور اسی طرح تمام مغفرت اور دوزخ سے چھٹکارے کے موقعوں پر بھی جیسا کہ رمضان کے دن ہوتے ہیں اور خاص طور پر شب قدر میں۔

حدیث میں آتا ہے کہ بدر کے دن ابلیس سُراقہ ابن مالک مُدلجی کنانی کی صورت میں شیاطین کے ایک لشکر کے ساتھ آیا جو سب کے سب بنی کنانہ کے لوگوں کے بھیس میں تھے۔ اس کے ہاتھ میں اس کا جھنڈا بھی تھا اس نے مشرکوں سے آ کر کہا،

"آج کوئی انسان تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا محافظ ہوں۔"

یہی بات شیطان نے مشرکوں کی مکہ سے روانگی کے وقت بھی ان سے کہی تھی جو بنی کنانہ یعنی سُراقہ کی قوم کی وجہ سے بہت ڈر رہے تھے (کہ ایسے میں کہیں وہ قریش سے اپنی دشمنی نہ نکالیں) اگرچہ اس موقعہ پر بیان ہوا ہے کہ شیطان تنہا تھا مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ شاید ابلیس کا لشکر یعنی جنّات کے مشرکین بعد میں آ کر اس کے ساتھ شامل ہوئے۔

جبرئیل کو دیکھ کر ابلیس کی بدحواسی اور فرار...... (قال) اسی وقت جبرئیلؑ اور دوسرے ملائکہ نے ابلیس کو دیکھا جو ایک مشرک کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ (ی) یہ مشرک ابو جہل کے بھائی حرث ابن ہشام تھے جو اس وقت تک مشرک تھے۔ ابلیس ان کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور اسی طرح اس کے ساتھ ہی اس کے لشکری بھی حواس باختہ ہو گئے۔ اسی وقت حرث ابن ہشام نے ابلیس سے کہا،

"سُراقہ! کیا تم واقعی ہمارے محافظ بن کر آئے ہو؟"

اس نے کہا،

"میں تم لوگوں سے بَری اور بیزار ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔"

حرث ابن ہشام نے یہ جواب سن کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا،

"خدا کی قسم میں تو صرف یہ دیکھ رہا ہوں کی یثرب کی چمگادڑیں نکل کر سامنے آگئی ہیں۔"

سُراقہ یعنی ابلیس کے فرار پر ابوجہل کی تلملاہٹ...... اس پر ابلیس نے حرث کے سینے پر ہاتھ مار کر انہیں دھکا دیا جس سے وہ گر پڑے۔ دوسری طرف حرث ابن ہشام کے بھائی عمرو ابن ہشام یعنی ابوجہل نے سُراقہ یعنی ابلیس کی دغابازی دیکھی تو اس نے لوگوں سے کہا،

"لوگو! تم سُراقہ کی دغا پر ہمت نہ ہارنا کیونکہ وہ پہلے ہی محمد ﷺ کے ساتھ یہ سازش کر کے آیا تھا نہ ہی تم لوگ عتبہ و شیبہ اور ولید کے قتل پر بھی بددل نہ ہونا کیونکہ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ لات و عُزّیٰ کی قسم ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو رسّیوں سے نہیں جکڑ لیں گے۔"

پھر وہ لوگوں سے پکار پکار کر کہنے لگا،

"انہیں قتل مت کرو بلکہ پکڑ لو!"

سُراقہ کی حقیقت کا علم...... علامہ سہیلیؒ نے روایت بیان کی ہے کہ جنگ کے بعد جو قریشی زندہ بچے اور بھاگ کر مکہ پہنچے تو انہوں نے سُراقہ ابن مالک مُدلجی کو مکہ میں موجود پایا (جبکہ وہ ابلیس کو سُراقہ کی شکل میں میدان بدر میں دیکھ چکے تھے اور اس کو سُراقہ ہی سمجھ رہے تھے) انہوں نے مکہ میں سُراقہ کو دیکھ کر کہا،

"سُراقہ! تم ہماری صفیں توڑ کر بھاگ آئے اور ہمیں جنگ میں ناکام کرا دیا۔"

سُراقہ نے کہا،

خدا کی قسم! تمہارے معاملات کا مجھے کچھ پتہ نہیں ہے نہ میں میدان بدر میں گیا اور نہ مجھے کچھ خبر ہے۔"

ابلیس کے قول کا تجزیہ...... مگر ان لوگوں نے سُراقہ کی بات کا یقین نہیں کیا یہاں تک کہ یہ لوگ جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اس بارے میں نازل ہونے والی وحی سنی تب انکو پتہ چلا کہ میدان جنگ میں جو شخص ان سے سُراقہ کی صورت میں ملا تھا وہ سراقہ نہیں بلکہ اصل میں ابلیس تھا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ یہ بات تو ابلیس نے سچ کہی کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے ہو مگر یہ اس نے جھوٹ کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ خدا کی قسم اس میں خدا کا ذرا بھی خوف نہیں ہے۔

کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ مجھے اس بات پر کوئی تعجب نہیں کیونکہ ابلیس اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے وہ اس سے یقیناً ڈرتا ہے۔ یعنی چاہے حقیقت میں جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے اس طرح ابلیس نہ ڈرتا ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابلیس اس لئے ڈرا تھا کہ کہیں یہ دن وہی متعین دن نہ ہو جس کے بارے میں حق

تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (سورۂ فرقان، پ ۱۹، ع ۳) آیت ۲۲

ترجمہ :- جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں یعنی کافروں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے۔

میں نے حضرت شیخ علی الخواص کا قول دیکھا کہ یہ ضروری نہیں کہ ابلیس باطن میں بھی یہی عقیدہ رکھتا ہو جس کا وہ اظہار کر رہا ہے جیسا کہ تمام منافقین کی حالت بھی یہی ہوتی ہے۔

ابلیس کا خوف...... وہب کا قول ہے کہ وہ متعینہ دن جس تک ابلیس کو مہلت دی گئی تھی یہی بدر کا دن تھا جس میں فرشتوں نے اس (کی ذرّیت) کو قتل کیا۔ مگر مشہور قول یہ ہے کہ ابلیس کو قیامت کے دن تک مہلت دی گئی ہے۔ اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب ابلیس حرث کے سینے میں ہاتھ مار کر بھاگا تو بھاگتے بھاگتے آخر وہ سمندر میں جاگرا۔ سمندر میں گر کر اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا،

"اے پروردگار یہ تیرا وہی متعینہ دن ہے جس تک تو نے مجھ کو مہلت دی تھی۔ اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری طرف نظر کرم فرما!"

اس وقت اس کو ڈر لگ رہا تھا کہ وہ قتل نہ کر دیا جائے۔

ابلیس اور قیامت اور موت کی ترتیب...... جامع صغیر کے زوائد میں مسلم سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اترنے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ابلیس کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے اور مسلمان ان کی تلوار ابلیس کے خون سے رنگی ہوئی دیکھیں گے۔

ایک قول ہے کہ قیامت کے اس دن سے مراد جس تک شیطان کو مہلت دی گئی ہے وہ نفخہ یا پھونک نہیں ہے جس سے سب لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے بلکہ وہ صعق یا ہوش اڑا دینے والی پھونک مراد ہے جس سے آسمان و زمین کے وہ تمام باقی جاندار بھی مر جائیں گے جو اس وقت تک نہیں مرے تھے۔ مگر ایک قول کے مطابق سوائے ان فرشتوں کے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل یعنی ملک الموت کے کہ یہ اس کڑاکے پر نہیں مریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں ان کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ (سورۂ زمر، پ ۲۴، ع ۷) آیت ۶۸

ترجمہ :- اور قیامت کے روز صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جاؤں گے مگر جس کو خدا چاہے۔

اس کے بعد جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کو موت آئے گی، پھر عرش اٹھانے والے فرشتوں کو موت آئے گی، پھر اسرافیلؑ کو موت آئے گی اور ان سب کے بعد عزرائیلؑ یعنی ملک الموت کو موت آئے گی۔ اس طرح ملک الموت مرنے والوں میں سب سے آخری جاندار ہوں گے۔

موت کا پہلا دھماکہ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ صعق موت کے مقابلے میں اپنے مفہوم کے اعتبار سے زیادہ عام ہے یعنی اس سے غشی طاری ہونا اور شعور کا ختم ہونا مراد ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس پھونک سے پہلے مر چکے ہیں اور برزخ میں زندہ ہیں جیسے انبیاء اور شہید وہ اس صعق سے نہیں مریں گے بلکہ ان پر غشی طاری ہو جائے گی اور شعور ختم ہو جائے گا اور وہ ملائکہ کی اس قسم سے مستثنیٰ رہیں گے جس کا ذکر پیچھے ہوا ہے۔

موسیٰ اور موت کا دھماکہ...... دوسری قسم میں موسیٰ ہیں کہ ان کو اس غشی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے یعنی ان پر یہ غشی طاری نہیں ہوگی کیونکہ ان پر طور کی آواز کے موقعہ پر غشی طاری ہو چکی ہے (لہٰذا اس وقت ان کو اس غشی سے مستثنیٰ رکھا جائے گا)۔

دھماکہ کے بعد غشی سے ہوش کی طرف...... مگر اس بارے میں یہ شبہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ کے متعلق یہ بات یقین کے ساتھ نہیں بتلائی بلکہ آپ ﷺ نے اس بارے میں تردّد کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

"پھر اس وقت سب سے پہلے سر اٹھانے والا یعنی اس غشی سے ہوش میں آنے والا میں ہوں گا۔ مگر اچانک میں اپنے آپ کو موسیٰ کے ساتھ عرش کا پایہ تھامے ہوئے پاؤں گا۔ اب میں نہیں جانتا کہ کیا پہلے سر اٹھانے والے موسیٰ ہوں گے یعنی آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے ہوں گے یا وہ ان میں سے ہوں گے جن کو حق تعالیٰ نے اس غشی سے مستثنیٰ فرمادیا ہے اور وہ بیہوش ہی نہیں ہوں گے۔"

اسی طرح بخاری و مسلم کی ایک روایت بھی ہے کہ جس میں ہے کہ سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی۔ مگر بعض راویوں نے شاید غلط فہمی کی وجہ سے اس روایت کو اور غشی ٹوٹنے والی روایت کو ملا کر ایک کر دیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی مگر اچانک میں اپنے آپ کو موسیٰ کے پاس کھڑا دیکھوں گا وغیرہ وغیرہ مگر اس بات میں شبہ ہے کیونکہ قیامت کے دن سے مراد دوبارہ زندہ ہونے کی پھونک مراد ہے جبکہ صعق یعنی ہوش اڑا دینے والی پھونک اس سے پہلے ہوگی جیسا کہ بتلایا گیا۔

موسیٰ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے اگرچہ تردد ظاہر فرمایا ہے کہ نہیں معلوم ان کو پہلے ہوش آچکا ہوگا یا وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے ہوں گے مگر خود اپنے بارے میں یقین سے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے سر اٹھانے والے آپ ﷺ ہوں گے۔ اب اگر یہ دونوں روایتیں ایک ہیں تو اس تردّد اور یقین کی وجہ سے یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب موسیٰ کے بارے میں تردّد موجود ہے تو آپ ﷺ نے اپنے بارے میں یقین سے یہ کیسے فرمایا کہ آپ ﷺ سب سے پہلے سر اٹھانے والے ہوں گے۔

شیخ الاسلام نے اس کا جو جواب دیا ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو علیٰحدہ علیٰحدہ روایتیں ہیں ایک نہیں ہے، مگر پھر بھی ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے موسیٰ پر فوقیت مت دو کیونکہ قیامت کے دن جب سب لوگ بیہوش ہوں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بیہوش ہوں گا پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو موسیٰ کو وہاں کھڑا پاؤں گا...... آخر حدیث تک۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ موسیٰ سے افضل نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک دوسرے موقعہ پر یہ فرمایا کہ جس نے میرے بارے میں یہ کہا کہ میں یونس ابن متیؑ سے بہتر ہوں وہ جھوٹا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان تواضع اور انکساری ظاہر کرتا ہے یا پھر یہ فرمان اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ آپ ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

پیچھے بیان ہوا کہ وہ متعینہ دن جو ابلیس کو نظر آرہا تھا، تو ایک قول کے مطابق یہاں متعینہ دن یا وقت معلوم سے مراد وہ وقت ہے جب کہ وہ جانور ظاہر ہوگا اور وہ اس کو اپنے پیروں سے روند کر ہلاک کر دے گا۔

ابلیس اور بڑھاپا..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ابلیس پر زمانے اور صدیاں گزر جاتی ہیں اور وہ بالکل بوڑھا ہو جاتا ہے تو اچانک پھر تیس سالہ نوجوان بن جاتا ہے۔

جہاں تک صعق یعنی اس آواز کا تعلق ہے جس سے تمام جانداروں کے ہوش اڑ جائیں گے اور ان پر موت کی غشی طاری ہو جائے گی تو اس سے پہلے ایک اور آواز ہو چکی ہو گی جس کو نفخہ فزع کہتے ہیں۔ اس آواز سے تمام آسمان اور زمین والوں میں زبردست ابتری اور گھبراہٹ پیدا ہو جائے گی۔ اس آواز پر زمین کی حالت اس کشتی کے مانند ہو جائے گی جو پانی میں ڈول رہی ہو اور جس کو موجوں کے تھپیڑے ادھر سے ادھر تیرا رہے ہوں۔ بڑے بڑے پہاڑ بادلوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے، آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، چاند، سورج گہن کھا کر ماند ہو جائیں گے۔ حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے،

یَومَ تَرجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتبَعُهَا الرَّادِفَةُ (سورۂ نازعات، پ ۳۰، ع ۱ آیت ۷-۶)

جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (مراد نفخۂ اولیٰ ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آوے گی (مراد نفخۂ ثانیہ ہے)۔

اسی طرح ایک اور ارشاد ربانی ہے،

اِنَّ زَلزَلَةَ السَّاعَةِ شَیءٌ عَظِیمٌ۔ یَومَ تَرَونَهَا تَذهَلُ کُلُّ مُرضِعَةٍ عَمَّآ اَرضَعَت وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَملٍ حَملَهَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا هُم بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیدٌ۔ (سورۂ حج، پ ۱۷، ع ۱ آیت ۲-۱)

ترجمہ :- کیونکہ یقیناً قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہو گی جس روز تم اس زلزلے کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں مارے ہیبت کے اپنے دودھ پیتوں کو بھول جاویں گی اور تمام حمل والیاں اپنے حمل پورے دن ہونے سے پہلے ڈال دیں گی اور اے مخاطب! تجھ کو لوگ نشے کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ واقعہ میں نشے میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

اسی طرح حق تعالیٰ کا ارشاد ہے،

ففزع من فی السموات ومن فی الارض الامن شاء اللہ (سورۂ نمل، پ ۲۰، ع ۷)

ترجمہ :- سو جتنے آسمان اور زمین میں ہیں سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے وہ اس گھبراہٹ سے اور موت سے محفوظ رہے گا۔

شہداء کا مقام بلند..... ان لوگوں کے بارے میں جن کا اس آیت میں استثنیٰ کیا گیا ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ شہید لوگ ہوں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس دن مردہ لوگوں کو ان باتوں کا کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ اس پر ہم نے یعنی صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"یارسول اللہ! پھر حق تعالیٰ نے اِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ کے ذریعہ کن لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"وہ شہید ہوں گے ابتری اور گھبراہٹ زندہ لوگوں میں ہوتی ہے اور وہ یعنی شہداء اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں اور ان کو وہاں رزق بھی پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ فرمادیا ہے اور ان کو اس سے امان دے دی ہے۔"

یہاں آنحضرت ﷺ نے صرف شہداء کا ذکر فرمایا ہے اس کے ساتھ انبیاء کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ

یہ ہے کہ یہ بات اصولی طور پر معلوم ہے کہ انبیاء کا مقام اور رتبہ شہداء سے بلند تر ہے چاہے نچلے طبقہ میں کوئی ایسی چیز بھی ہو جو اونچے طبقہ میں موجود نہ ہو۔ اسی لئے ایک قول ہے کہ رزق کی فراہمی صرف شہیدوں تک ہی مخصوص ہے اور اسی لئے (شافعی فقہاء کے نزدیک)ان کے جنازے کی نماز ضروری نہیں ہے۔

غزوۂ بدر میں جنّات کی شرکت...... کہا جاتا ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں کے ساتھ جنّات میں کے سّتر افراد بھی شریک تھے جو مومن تھے۔ مگر یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آیا انہوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا یا وہ صرف مدد کے طور پر ساتھ تھے۔

نصرت کی بشارت...... پھر وہاں عریش میں آنحضرت ﷺ کو کچھ دیر کے لئے غنودگی آگئی یعنی غنودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کے گردن مبارک ایک طرف ڈھلک گئی مگر فوراً ہی آپ ﷺ چونک گئے اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا،

"اے ابو بکر! تمہیں خوشخبری ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی ہے۔ یہ جبرئیلؑ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔" ایک روایت میں یہ لفظ ہیں،

"اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہوئے اسے گرد و غبار میں ہنکاتے ہوئے لے جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ جو ۔ تم نے مانگی تھی اللہ کی وہ مدد تمہارے لئے آگئی ہے۔" ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کے معرکہ سے فارغ ہو گئے تو جبرئیلؑ آپ ﷺ کے پاس ایک ایسے سرخ رنگ کے گھوڑے پر آئے جس کی پیشانی پر داغ تھا اور اس کا منہ غبار آلود تھا جبرئیلؑ زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا،

"اے محمد ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے اور اس وقت تک آپ ﷺ کے پاس سے نہ جاؤں گا جب تک کہ آپ ﷺ مطمئن نہ ہو جائیں۔"

بہر حال اس میں اشکال کی بات نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر دو مرتبہ جبرئیلؑ کو دیکھا ہو اور یہ کہ یہ واقعہ اس کے بعد رہا ہو۔ جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل سے انداز ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت جبرئیلؑ کو خواب میں دیکھا تھا۔ اب جہاں تک غبار کا تعلق ہے تو وہ پہلی مرتبہ میں بہت زیادہ تھا اتنا کہ اس کا منہ بھی گرد آلود ہو گیا تھا۔

مجاہدوں کے سامنے آنحضرت کے ولولہ انگیز کلمات...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے عریش یعنی چھپر سے باہر نکل کر لوگوں کے درمیان تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ان کو جنگ پر ابھارتے ہوئے فرمایا،

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ جو شخص بھی آج ان مشرکوں کے مقابلے میں صبر و ہمت کے ساتھ لڑے گا، ان کے سامنے سینہ تانے جما رہے گا اور پیٹھ نہیں پھیرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔"

صحابہ کا جوش و خروش اور شوق شہادت...... یہ سن کر حضرت عُمیر ابن حمام نے جن کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں جنہیں وہ کھا رہے تھے کہا،

"واہ واہ، تو میرے اور جنت کے دروازے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ ان میں سے کوئی مجھے قتل کر دے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر دشمنوں سے بھڑ گئے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"اس جنت کی طرف بڑھو جو زمینوں اور آسمانوں سے بڑی ہے اور متقیوں کے واسطے تیار کی گئی ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمیر ابن حمام نے واہ واہ کہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

"تم کس بات پر حیرت اور خوشی کا اظہار کر رہے ہو؟"

"عمیر نے کہا اس پر کہ وہ وقت آگیا ہے جب میں جنت والوں میں شامل ہو جاؤں گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کس بنا پر واہ واہ کہا؟ عمیر نے کہا،

"یارسول اللہ! اور کچھ نہیں صرف اس امید و آرزو میں کہ میں بھی جنت کے باسیوں میں کہلاؤں۔"

پھر وہ جلدی جلدی کھجوریں چبانے لگے اور بولے،

"خدا کی قسم اگر میں ان کو کھاتا رہا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ......اگر میں ان کو کھانے کی وجہ سے اتنی دیر اور زندہ رہا تو یہ بڑی طویل زندگی ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے باقی کھجوریں پھینک دیں اور لڑنا شروع کر دیا۔ جنگ کے دوران وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے،

رَكضنَا إلَى اللّٰه بغَيرِ زَادٍ
إلاَّ التقىٰ وَ عَملَ المعادٌ

ترجمہ :- ہم اللہ تعالیٰ کی طرف اس حالت میں سفر کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی زادراہ نہیں ہے سوائے اللہ کے خوف اور تھوڑے سے عمل کے۔

وَابصَر فِى اللّٰه على الجِهَاد
وَكل زاد عَرضة النفاد
غير التقى والبر و الرشَاد

ترجمہ :- اس کے علاوہ اپنی کوشش اور اس جہاد میں ہمارے پاس اللہ کی راہ میں صبر کا سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ اور زادراہ ختم ہونے والی چیز ہے۔ سوائے اس زادراہ کے جو اللہ کے خوف، نیکی اور راستی کی شکل میں ہو۔

آخر حضرت عمیرؓ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

آگے غزوۂ احد میں اسی قسم کا ایک واقعہ ایک دوسرے صحابی کے متعلق بھی آرہا ہے جنہوں نے اسی طرح کھجوریں پھینک کر لڑنا شروع کیا تھا ان کی روایت حضرت جابرؓ نے بیان کی ہے مگر ان کا نام ظاہر نہیں کیا۔

چنانچہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد میں ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا،

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو کہاں ہوں گا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں یہ سن کر اس شخص نے وہ کھجوریں پھینک دیں جو ہاتھ میں لے رہا تھا اور پھر لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ اس روایت کو بخاری، مسلم اور نسائی نے پیش کیا ہے اس میں جو شبہ ہے وہ بھی آگے بیان ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کی ہنسی...... حضرت عوف ابن عفراء نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا،
"یار سول اللہ! بندے کے کس عمل پر پروردگار کو ہنسی آتی ہے۔ یعنی کس عمل پر اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں؟"
آپ ﷺ نے فرمایا،
"مجاہد کے بغیر زرہ بکتر پہنے دشمن پر حملہ آور ہونے پر۔"
یہ سن کر حضرت عوف نے اپنے جسم پر سے زرہ بکتر اتار کر پھینک دی اور تلوار سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔
یہاں حق تعالیٰ کی ہنسی سے اس کی انتہائی پسندیدگی اور خوشی مراد ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہ ابن عمرؓ کے متعلق فرمایا،
"اے اللہ! طلحہ سے اس طرح ملاقات فرما کہ وہ تیرے لئے ہنستا ہو اور تو اس کے لئے ہنستا ہو۔"
یعنی اس کی اور تیری ملاقات ایسی ہو جیسے دو محبوب ایک دوسرے سے ملتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے جو انتہائی محبت و عشق ہوتا ہے وہ ہنسی بن کر ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ایک نہایت نادر کلمہ ہے جس میں خوشنودی، محبت اور بندگی کے تمام پہلو شامل ہیں اور یہ آنحضرت ﷺ کے جامع کلام کا ایک بہترین نمونہ اور مثال ہے۔
غزوۂ بدر میں حضرت معبد ابن وہب دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر لڑے۔ یہ حضرت معبدؓ، ہریرہ بنت زمعہ کے شوہر تھے جو ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کی بہن تھیں۔ اس طرح یہ حضرت معبدؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمزلف تھے۔

مشرکوں پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے مشتِ خاک...... غرض پھر آنحضرت ﷺ نے زمین سے مٹھی میں کچھ باریک کنکریاں اٹھائیں۔ اس کا حکم آپ ﷺ کو حضرت جبرئیلؑ نے دیا تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ ﷺ سے کہا،
"زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھا کر ان لوگوں یعنی دشمن پر پھینک دیجئے!"
آنحضرت ﷺ نے مٹی اٹھائی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ مجھے مٹی اٹھا کر دو۔ پھر وہ مٹی لے کر آپ ﷺ نے قریش کی طرف رخ کیا اور فرمایا،
"یہ چہرے خراب ہو جائیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ...... اے اللہ! ان کے دلوں کو خوف سے بھر دے اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے"

مشرکوں پر مشتِ خاک کا اثر...... یہ کہہ کر آپ ﷺ نے وہ مٹی قریش کی طرف اچھال دی۔ قریش میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا جس کی آنکھ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔
ایک روایت میں ہے کہ جس کی ناک اور منہ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔ اور ہر شخص اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائے اور کس طرح آنکھوں سے مٹی صاف کرے۔

بندگانِ کفر کی پسپائی...... آخر نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین شکست کھا کر بھاگے اور مسلمان ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل اور گرفتار کرنے لگے۔

مگر اس سلسلے میں مشہور اور روایاتی قول یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ حنین میں پیش آیا تھا۔ مگر بعض علماء نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے اسی پہلے قول کی تائید ہوتی ہے (کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر میں پیش آیا تھا) وہ قول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے،

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورۂ انفال، پ ۹، ع ۲ آیت ۱۷)

ترجمہ:۔اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی۔

جو غزوۂ بدر میں نازل ہوا تھا۔ یہی بات عروہ، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ نے بھی کہی ہے۔ ان ہی بعض علماء کا قول ہے کہ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد میں بھی مٹی اٹھا کر پھینکی تھی۔ یہاں تک اس قول کا حوالہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین مٹھی خاک اٹھائی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک مٹھی خاک دشمن کے میمنہ یعنی دائیں جانب پھینکی، دوسری مرتبہ میسرہ یعنی بائیں حصے میں پھینکی اور تیسری مرتبہ دشمن کے سامنے کے حصہ میں پھینکی اور وہی جملہ فرمایا کہ یہ چہرے بگڑ جائیں جس پر دشمن کو شکست ہوگئی۔

حضرت جابر ابن عبداللہ ﷺ کہتے ہیں کہ یہ تینوں مشت خاک بدر کے دن آسمان سے اس طرح نازل ہوئیں جیسے کسی طشت میں بھر کر ڈالی گئی ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اٹھا کر مشرکوں کے چہروں کی طرف پھینک دیا یعنی دائیں بائیں اور سامنے کے حصوں میں۔ جب آپ ﷺ نے یہ مشت خاک مشرکوں کی طرف پھینکی تو صحابہ سے فرمایا کہ تیزی سے حملہ کرو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی وقت حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کی معرکہ فرمائی...... اس سلسلے میں ایک بات کہی جاتی ہے کہ دونوں صورتوں کے مان لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور دونوں ہی باتیں آیت سے مراد ہو سکتی ہیں۔

(قال) اس روز آنحضرت ﷺ نے زبردست جنگ فرمائی اور اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے بھی۔ یعنی جس طرح آپ ﷺ دونوں حضرات اپنے عریش میں دعا کے ذریعہ جہاد فرما رہے تھے اسی طرح آپ دونوں نے اپنے جسموں سے بھی جہاد فرمایا اور اس طرح ان حضرات نے دونوں مقامات کو حاصل کیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ روایت اموی سے اسی طرح بیان کی گئی ہے مگر اس کے قبول کرنے میں تامل کیا گیا ہے کیونکہ یہ روایت سوائے ان کے اور کسی کے کلام میں نہیں ملتی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس راوی کو آنحضرت ﷺ کے جنگ کے درمیان موجود رہنے سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ جیسا کہ پیچھے حضرت علیؓ کی روایت بیان ہوئی ہے کہ بدر کے دن ہم آنحضرت ﷺ کے ذریعہ مشرکوں سے اپنا بچاؤ کرتے تھے (یعنی انتہائی خطرناک موقعوں پر بھی آنحضرت ﷺ مردانہ وار اپنی جگہ جمے رہتے تھے اور ہم آپ ﷺ کو اپنی ڈھال بنا لیتے تھے) اور آنحضرت ﷺ ہم میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر تھے۔ تو اگرچہ اس روایت سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی جنگ فرمائی مگر شاید گذشتہ روایت کے راوی کو اسی روایت سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں البتہ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکوں کو شکست فاش ہوگئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگے تو آنحضرت ﷺ کو تلوار سونتے ان کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا گیا اس وقت آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما

رہے تھے،

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (سورۂ قمر، پ ۲۷، ع ۲ آیت ۴۵)

ترجمہ:- عنقریب ان کی یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پھر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

کتاب اتقان میں ہے کہ یہ آیت ان میں سے ہے جن کا حکم آیت کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوا کیونکہ یہ آیت تو مکہ میں نازل ہو چکی تھی اور یہ واقعہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے غزوۂ بدر میں پیش آیا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ یہ آیت تو پہلے نازل ہو چکی تھی۔ جب بدر کا واقعہ پیش آیا اور مشرکین مکہ شکست کھا کر بھاگے تو میں نے آنحضرت ﷺ کو تلوار لئے ان کے تعاقب میں دیکھا۔ آپ ﷺ اس وقت یہ آیت پڑھتے جاتے تھے جو اوپر بیان ہوئی۔ لہٰذا یہ آیت غزوۂ بدر کے لئے نازل ہوئی تھی۔ اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں پیش کیا ہے۔

اگر آنحضرت ﷺ نے خود جنگ فرمائی ہوتی تو آپ ﷺ نے مقابل کو زخمی یا قتل کیا ہوتا اور اگر ایسا کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں زخمی یا قتل ہوا ہوتا تو اس واقعہ کی کوئی نہ کوئی روایت ضرور ملتی کیونکہ ایسی بات کی روایت کے اسباب موجود ہیں۔

کتاب نور کے حوالے سے غزوۂ احد کے بیان میں آگے آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سوائے ابی بن خلف کے نہ پہلے نہ بعد میں کبھی کسی شخص کو اپنے دست مبارک سے قتل نہیں کیا (لہٰذا جو روایت گزری وہ قابل غور ہے)۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے مشرکوں پر مشت خاک پھینکنے کا تعلق ہے تو اس واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے،

وَرَمٰی بِالْحَصَا فَاَقْصَدَ جَیْشاً
مَاالْعَصَا عِنْدَہٗ وَمَا الْاِلْقَاءُ

مطلب: یعنی آنحضرت ﷺ نے دشمن کے لشکر پر مشت خاک اٹھا کر پھینکی جو ان میں سے ہر ایک شخص تک پہنچی۔ یعنی ایک ایسی ہی چیز جیسے موسیٰؑ نے فرعون کے ساحروں کی رسیوں اور لکڑیوں پر جو سانپ بن گئی تھیں اپنا عصا پھینکا تھا مگر پھر بھی عصا پھینکنے کا واقعہ، مشت خاک پھینکنے کے واقعہ کے برابر اور ہم پلّہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے اس مٹی پھینکنے کے واقعہ کی کوئی نظیر نہیں ہے جبکہ موسیٰؑ کے عصا پھینکنے اور اس کے سانپ بن جانے کی نظیر موجود ہے کہ فرعون کے ساحروں اور جادوگروں نے رسّیاں پھینکی تھیں جو سانپ بن گئیں تب موسیٰؑ نے عصا پھینکا جو اژدہا بن گیا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے مشت خاک پھینکنے کا واقعہ بے مثال ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

ادھر اسی وقت آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ مسلمانوں میں جس نے جس شخص کو قتل کیا ہے اس کے جسم پر کا سامان مارنے والے کا ہے۔ اسی طرح جس نے جس مشرک کو گرفتار کیا وہ قیدی اسی شخص کا ہوگا۔ جیسا کہ کتاب امتاع میں ذکر ہے۔

<u>حضرت سعدؓ کا کفر کے خلاف شدید جذبہ</u>...... آخر جب دشمن نے شکست کھا کر ہتھیار پھینک دیئے اور

صحابہ ان کو گرفتار کرنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ کے چہرے پر اس منظر سے ناگواری کی آثار ہیں یعنی مسلمانوں کے اس عمل کو وہ ناپسندیگی کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا،

"اے سعد! ایسا لگتا ہے کہ تم قوم کی اس حرکت کو یعنی مشرکوں کے گرفتار کرنے کو ناپسند کر رہے ہو۔

انہوں نے عرض کیا،

بے شک یارسول اللہ! مشرکوں کے ساتھ یہ ہماری پہلی اور کامیاب جنگ ہے لہٰذا اس میں میرے نزدیک مشرکوں کو زندہ رکھنے کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ قتل کر دینا بہتر ہے۔

بنی ہاشم کو قتل نہ کرنے کی ہدایت...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا،

"تمہیں معلوم ہے کہ مشرکوں کے لشکر میں بنی ہاشم کے بھی کچھ لوگ تھے۔"

جو زبردستی قریش کے ساتھ چلے آئے تھے ورنہ انہیں ہم سے جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا تم میں سے جو بھی ہاشمی شخص کو پکڑے وہ اس کو قتل نہ کرے۔(ی) بلکہ اس کو گرفتار کرلے۔

ان لوگوں میں آپ ﷺ نے ابوالبختری ابن ہشام کا بھی ذکر کیا اور فرمایا۔

"جو شخص ابوالبختری کو پکڑے وہ اسے قتل نہ کرے۔"

کیونکہ یہی وا ابوالبختری ہے جو اس وقت مسلمانوں کی حمایت میں سب سے آگے آگے تھا جب قریش نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ اس نے کوشش کی تھی کہ قریش کے اس عہد نامے کو پھاڑ دے جو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کیا تھا اور جسے حرم میں لٹکا رکھا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

اس ہدایت پر ابوحذیفہ کو ناگواری...... اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو بھی قتل نہ کرنے کی ہدایت فرمائی اس پر حضرت ابوحذیفہؓ نے کہا،

"کیا ہمارے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور خاندان والوں کو تو قتل کر دیا جائے اور عباسؓ کو چھوڑ دیا جائے۔"

کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا ان کا باپ عتبہ، ان کا چچا شیبہ اور بھائی ولید وہ لوگ ہیں جو غزوۂ بدر میں شخصی مقابلے کے دوران سب سے پہلے قتل کئے گئے تھے۔ اسی طرح ان کے یعنی حضرت ابوحذیفہؓ کے خاندان کے دوسرے کئی لوگ جنگ کے دوران قتل کئے گئے تھے (لہٰذا انہوں نے ناراض ہو کر کہا)۔

• "اگر عباس مجھے کسی جگہ مل گئے تو میں یقیناً ان کو تلوار پر رکھ لوں گا۔ یعنی قتل کر دوں گا۔"

آنحضرت ﷺ کو گرانی...... حضرت ابوحذیفہؓ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا،

"اے ابوحفص! کیا خدا کے رسول کے چچا کی گردن تلوار سے ناپ دی جائے گی؟"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ پہلا دن تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابوحفص کا لقب عطا فرمایا۔ غرض یہ سن کر انہوں نے عرض کیا،

"یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں خود ابوحذیفہ ہی کی گردن اپنی تلوار سے ناپ دوں کیونکہ خدا کی قسم اس نے منافقانہ بات کہی ہے۔"

ابوحذیفہ کو ندامت و افسوس......اس کے بعد خود حضرت ابوحذیفہؓ کو اپنے اس جملے پر سخت افسوس اور رنج ہوا وہ کہا کرتے تھے کہ وہ کلمہ جو اس دن میں نے کہہ دیا تھا اس کی وجہ سے میں ہمیشہ بے چین رہتا ہوں اور ہمیشہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہوں۔ اب میں اس غلطی کو اسلام کے لئے شہید ہو کر ہی اپنے اوپر سے دھو سکتا ہوں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں جہاد کرتے ہوئے دوسرے صحابہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ اس جنگ میں چار سو پچاس صحابہ قتل ہوئے تھے۔ ایک قول ہے کہ چھ سو صحابہ شہید ہوئے تھے۔

ابوالبختری کو قتل نہ کرنے کی ہدایت...... غرض اس کے بعد جب کہ مسلمان مشرکوں کو پکڑ پکڑ کر گرفتار کر رہے تھے۔ ابوالبختری حضرت مجذرؓ کے ہاتھ آیا۔ مجذرؓ نے اس سے کہا،

"رسول اللہ ﷺ نے تمہیں قتل کرنے سے ہمیں منع کیا ہے۔"

اپنے ساتھی کیلئے ابوالبختری کی قربانی...... ابوالبختری نے کہا اور میرے ساتھی کے بارہ میں کیا کہا ہے ؟ اسکے ساتھ اس کا ایک ساتھی بھی جو مکہ سے اس کے ساتھ ہی آیا تھا اس کا نام جنادہ ابن ملیحہ تھا۔ مجذر نے کہا،

"نہیں۔ خدا کی قسم ہم تمہارے ساتھی کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں صرف اکیلے تمہارے متعلق ہی حکم دیا ہے۔"

ابوالبختری نے کہا،

"نہیں۔ خدا کی قسم تب پھر ہم دونوں اکٹھے ہی مریں گے ورنہ مکہ کی عورتیں مجھے طعنہ دیں گی کہ وقت پڑنے پر میں اپنے ساتھی سے منہ پھیر گیا۔"

یعنی اپنی جان بچانے کی خاطر اس کو قتل کرا دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری نے مجذرؓ سے مقابلہ کیا اور ان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت مجذرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے۔"

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ ظاہر فرمایا میں نے پوری کوشش کی کہ وہ گرفتار ہو جائے اور میں اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کروں مگر اس نے انکار کر دیا اور لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر لڑتے ہوئے میں نے اس کو قتل کر دیا۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: شاید مجذرؓ آنحضرت ﷺ کے حکم کا مطلب یہ سمجھے تھے کہ جن لوگوں کو قتل کرنے کی آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے ان کے علاوہ جو بھی دوسرے لوگ ہاتھ آئیں وہ چاہے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں ان کو قتل کیا جائے گا۔ اسی لئے انہوں نے یہ کہا کہ ہم تمہارے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے یعنی وہ اگر ملا تو چاہے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرے اسے قتل ہی کیا جائے گا۔ ان کے اسی جواب پر ابوالبختری نے خود کو گرفتار کرانے سے انکار کر دیا کہ اپنے ساتھی کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا کہ اسے قتل کر دیا جائے اور میں زندہ رہ کر قریشی عورتوں کے طعنے سنوں۔ واللہ اعلم۔

جنگ بدر کے لئے مشرکوں کے ساتھ جو لوگ مکہ سے آئے تھے ان میں حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ تھا، ایک قول ہے کہ عبدالعُزیٰ تھا۔ ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا۔ یہ انتہائی بہادر قریشیوں میں سے تھے۔ بہت طاقتور اور بہترین تیرانداز تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سب بڑے

بیٹے تھے۔ ساتھ ہی یہ بہت نیک اور سیدھے بھی تھے۔

جب یہ مسلمان ہوئے تو اپنے والد حضرت ابو بکرؓ سے کہنے لگے،

"جنگ بدر میں کئی بار آپ میرے تیر کے نشانے پر آئے مگر ہر دفعہ میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔"

حضرت ابو بکرؓ نے کہا،

"اگر تم میرے تیر کی زد پر آجاتے تو میں ہر گز نہ چھوڑتا۔"

یہاں تیر کی زد پر آنے سے مراد یہ ہے کہ نادانستگی میں تیر انداز کے سامنے آگئے اور اس سے بے خبر رہے کہ تیر کے نشانے پر پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ اب یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے کہ بدر کے دن عبدالرحمٰن بن ابو بکر نے مسلمانوں کو للکارا کہ کوئی ان کے سامنے شخصی مقابلے کے لئے آئے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے بڑھ کر بیٹے کے مقابلے پر جانا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو روکتے ہوئے ہوئے فرمایا،

حضرت ابو بکرؓ کا مرتبہ بلند...... "ابو بکر! تمہاری جان ہمارے لئے قیمتی ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم میرے لئے آنکھوں اور کان کی حیثیت رکھتے ہو۔

سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ بدر کے دن جبکہ عبدالرحمٰن مشرکوں کے ساتھ تھے حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا۔

اے خبیث! میرا مال کہاں ہے"

عبدالرحمٰن نے جواب دیا،

"ہر گز نہیں۔ ہمارے پاس کچھ نہیں بچا سوائے ان ہتھیاروں کے اور تیز رفتار گھوڑوں کے اور باغوں کے جن کے لئے بڈھے اور عمر رسیدہ لوگ باہم دست وگریباں ہو رہے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صدیق اکبرؓ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو وہ اپنا مال اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ مگر اس بات سے حضرت اسماء بنت ابو بکر کی اس گذشتہ روایت کی مخالفت ہوتی ہے جس میں گزرا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ﷺ کو بھیجا تھا جو وہاں سے ان کا مال و دولت غار ثور میں لے آئے تھے اس مال کی مقدار پچاس ہزار درہم تھی۔ عبداللہ کے مال لے جانے کے بعد ہمارے پاس ہمارے داداابو قحافہ آئے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مال سے حضرت ابو بکرؓ کی مراد نقد روپیہ نہیں تھی بلکہ سامان اور مویشی وغیرہ تھے۔ اس طرح ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو جو مشرکوں کے ساتھ تھے مقابلے کے لئے للکارا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے وہ جملے فرمائے تھے جو پیچھے بیان ہوئے کہ تمہاری جان ہمارے لئے قیمتی ہے وغیرہ۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (سورۂ انفال، پ ۹، ع ۳) آیت ۲۷

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں۔

مگر اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ اس بات کے ایک سے زائد مرتبہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے حتیٰ کہ آیت کے ایک سے زیادہ مرتبہ نازل ہونے میں بھی کوئی شبہ کی بات نہیں ہے ہاں البتہ

اس آیت کا غزوۂ احد میں نازل ہونا قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ جب یہ آیت ایسے ہی موقعہ پر غزوۂ بدر میں نازل ہو چکی تھی تو اس کے بعد غزوۂ احد میں دوبارہ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹے کو مقابلے کے لئے للکارنا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔

ادھر علامہ ظفر نے کتاب ینبوع حیات میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹے کو مقابلہ لئے للکارنا ثابت نہیں ہے مگر یہ واقعہ تفسیر کی کتابوں میں ہی کہیں کہیں ملتا ہے کہ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی ہے۔

جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے یہ مدینہ میں نازل ہونے والی آیت ہے مکہ میں نہیں ہے۔ اس بات سے وہ روایت غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے باپ کو برے انداز میں آنحضرت ﷺ کا ذکر کرتے سنا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے ابو قحافہ یعنی اپنے باپ کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا،

"آئندہ ایسا کبھی مت کرنا۔"

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا،

"خدا کی قسم اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں ان کو قتل کر دیتا۔"

(تو گویا بعض علماء کے قول کے مطابق اس مواقعہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی۔ مگر اس قول سے جس کے مطابق یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی مکہ میں نہیں اس روایت کی تردید ہو جاتی ہے)۔

علامہ زمخشری کے کلام میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو بکر حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہی انہوں نے مدینہ کو ہجرت کی اور ۵۳ھ میں مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام پر ان کا انتقال ہوا یہاں سے ان کا جنازہ کاندھوں پر اٹھا کر مکہ لے جایا گیا۔ پھر ان کی بہن ام المومنین حضرت عائشہؓ مدینہ سے مکہ آئیں تو وہ اپنے بھائی کی قبر پر گئیں اور وہاں نماز پڑھی۔

<u>ابو عبیدہؓ کے ہاتھوں باپ کا قتل</u>...... غرض اسی بدر کے دن حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے اپنے باپ کو قتل کیا جو مشرک تھا۔ ان کے باپ نے پہلے خود بیٹے پر حملہ کیا تھا حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو طرح دے کر وہاں سے ہٹ جانے کی کوشش کی مگر باپ نے پیچھا نہ چھوڑا آخر حضرت ابو عبیدہ پلٹ پڑے اور حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اسی سلسلے میں حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ یہ آیت نازل فرمائی،

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (سورۂ مجادلہ، پ ۲۸، ع ۳ آیت ۲۲)

ترجمہ:- جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔

<u>اُمیّہ ابن خلف کی گرفتاری</u>...... حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے روایت ہے کہ (میدان بدر میں) مجھے اُمیّہ ابن خلف ملا وہ جاہلیت کے زمانے میں میرا دوست تھا۔ اُمیّہ کے ساتھ اس کے بیٹے علی بھی تھے جو باپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ یہ علی مسلمان تھے اور اسی زمانے میں اسلام قبول کر چکے تھے جبکہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے

یعنی ہجرت سے پہلے کا زمانہ تھا۔ اس وقت ان کے اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے رشتہ داروں نے انہیں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی آخر کار وہ لوگ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے۔ اور پھر یہ لوگ کفر کی حالت میں ہی مرے۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ (سورۂ نساء، پ ۵، ع ۱۴) آیت ۹۷

ترجمہ:- بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے۔

ایسے لوگوں میں علی ابن امیہ کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے ان کے نام یہ ہیں۔ حرث ابن ربیعہ، ابو قیس ابن فاکہ، ابو قیس ابن ولید، عاص ابن منبّہ وغیرہ۔ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر لوگوں کے دباؤ سے مرتد ہوگئے)۔

کتاب سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی اسلام قبول کیا تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ان کے باپ دادا اور خاندان والوں نے ان لوگوں کو مکہ میں زبردستی روک لیا اور دین سے پھیرنے کی کوشش کرنے لگے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ ان کے دباؤ میں آکر پھر کفر و شرک کی ظلمتوں میں گم ہوگئے۔

اس کے بعد جب غزوۂ بدر کا وقت آیا تو دوسرے مشرکوں کے ساتھ یہ لوگ بھی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے مگر میدان بدر میں ان لوگوں کو ان کی موت کھینچ کر لائی تھی کیونکہ یہ سب کے سب وہیں قتل ہوگئے تھے۔

اس پوری تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے اپنے دین سے نہیں پھرے بلکہ آپ ﷺ کے مکہ سے تشریف لے جانے کے بعد مرتد ہوئے۔ جبکہ حضرت عبدالرحمٰن کی روایت سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی مرتد ہوگئے تھے۔

غرض عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میدان بدر میں مجھے امیہ ابن خلف اپنے بیٹے علی کے ساتھ ملا۔ میرے ساتھ کئی زرہیں تھیں جن کو میں اٹھائے ہوئے تھا۔ جب امیہ نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے میرے جاہلیت کے نام سے اے عبد عمرو کہہ کر پکارا۔ میں نے اس کو جواب نہیں دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب میرا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا تو فرمایا تھا،

"کیا تم اپنے اس نام کو چھوڑنا پسند کرو گے جو تمہارے باپ دادا نے رکھا تھا؟"

میں نے عرض کیا۔ "جی ہاں"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"عبدالرحمٰن۔ مگر یہ نام سنا نہیں گیا۔ اس لئے میں تمہارا نام عبداللہ رکھتا ہوں۔"

سرکش امیہ کی بے بسی...... جیسا کہ بیان ہوا، پھر اس کے بعد جب اس نے مجھے عبداللہ کہہ کر پکارا تو میں نے اس کو جواب دیا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جب امیہ نے ان کے پرانے نام سے پکارا تھا تو یہ سمجھ تو گئے تھے کہ مراد یہی ہیں مگر انہوں نے اس پکار پر اس لئے جواب نہیں دیا کہ پکارنے والے نے ان کو ایک بت کا بندہ کہہ کر پکارا تھا۔

ساتھ ہی اس بات کا بھی بڑی حد تک امکان ہے کہ وہ سمجھے ہی نہ ہوں کہ ان کو پکارا گیا ہے کیونکہ یہ نام چھوڑے ہوئے ان کو کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ پھر جب امیہ نے ان کے موجودہ نام سے پکارا تو وہ سمجھ گئے کہ وہی مراد ہیں اور وہ جواب دے کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ تب امیہ نے ان سے کہا،

"اگر میرا تم پر کچھ حق ہے تو میں تمہارے لئے ان زرہوں سے بہتر ہوں جو تم ہاتھ میں لئے ہوئے ہو"

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر میں نے زرہیں پھینک دیں اور اس کا اور اس کے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑ لیا (چونکہ مشرکوں کو بری طرح شکست ہو چکی تھی اس لئے جو مشرکین زندہ بچے تھے وہ جان بچانے کے لئے پناہ ڈھونڈتے پھر رہے تھے) امیہ کہنے لگا،

"میں نے زندگی میں کبھی ایسا دن نہیں دیکھا تھا۔"

کچھ وقفہ کے بعد پھر اس نے کہا،

"اے عبداللہ! تم میں وہ شخص کون ہے جس کے سینہ پر زرہ میں بال و پَر کا نمدہ لگا ہوا ہے؟"

میں نے کہا حمزہ ابن عبدالمطلب ہیں۔ تو امیّہ نے کہا،

"یہ سارا کیا دھرا اسی شخص کا ہے۔"

اپنے ظالم کو دیکھ کر بلال کی فریاد ...... ایک قول یہ ہے کہ یہ بات امیّہ کے بیٹے نے کہی تھی۔

اس کے بعد میں ان دونوں کو لے کر روانہ ہوا۔ ابھی ہم جا ہی رہے تھے کہ اچانک بلالؓ نے امیہ کو میرے ساتھ دیکھ لیا۔ مکہ میں یہ امیّہ ابن خلف ہی حضرت بلالؓ کو اسلام سے پھیرنے کے لئے بڑے بڑے ہیبت ناک عذاب دیا کرتا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ حضرت بلالؓ اس کو دیکھتے ہی بولے،

"کافروں کا سردار امیہ ابن خلف یہ رہا اگر امیّہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔"

(حضرت عبدالرحمٰن چونکہ اس کے دوست تھے اس لئے چاہتے تھے کہ امیہ کو قتل کرنے کے بجائے گرفتار کر لیا جائے ممکن ہے اس سلوک کی وجہ سے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ہو جائے) بلالؓ کی فریاد سن کر انہوں نے کہا،

"اے بلال! کیا یہ معاملہ تم میرے قیدیوں کے ساتھ کر رہے ہو۔"

حضرت بلالؓ نے پھر بار بار یہی جملہ کہا کہ اگر امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔ پھر انہوں نے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے پکار کر فریاد کی۔

"اے انصاریو! اے اللہ کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ ابن خلف ہے۔ اگر یہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا!"

امیّہ کا قتل ...... عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ یہ سن کر انصاری دوڑ پڑے اور انہوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر اس شخص یعنی بلالؓ نے تلوار کھینچ لی اور حملہ کیا (حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کو بچانے کے لئے اس کے بیٹے کو آگے کر دیا) بلال کی تلوار اس کے لگی اور وہ کشتہ ہو کر گرا۔ امیہ نے اس پر خوف کی وجہ سے ایسی بھیانک چیخ ماری کہ ایسی چیخ میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس کے بعد لوگوں نے ان دونوں پر تلواریں بلند کیں اور انہیں نے ختم کر دیا۔

"اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بخاری میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کی روایت اس طرح ہے کہ جب بلالؓ نے چیخ کر انصاریوں کو بلایا تو مجھے امیہ کی طرف سے ڈر ہوا اس لئے میں نے اس کے بیٹے کو حملہ کرنے والوں کے آگے کر دیا تاکہ وہ اس میں لگ جائیں اور امیہ کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ جائے۔ مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کے بعد پھر ہماری طرف بڑھے یہاں تک کہ ہمیں گھیر لیا۔

امیہ موٹے بدن کا آدمی تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس لئے میں نے اس سے کہا کہ زمین پر لیٹ جاؤ اور اس کے بعد خود اس کے اوپر لیٹ گیا اور اس کو نیچے چھپا لیا کہ لوگ تلواریں نہ چلائیں مگر لوگوں نے میرے نیچے ہاتھ ڈال کر اس پر وار کئے اور اسے قتل کر دیا۔ اسی جدو جہد میں ان میں سے ایک شخص کی تلوار میرے پاؤں پر بھی لگی اور پیر کے اوپر کا حصہ زخمی ہو گیا۔

علامہ ابن عبدالبر نے ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ امیہ ابن خلف کو قتل کرنے والے حضرت معاذ ابن عفراء، خارجہ ابن زید اور حبیب ابن اساف تھے یعنی ان سب نے مل کر اسے قتل کیا۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ امیہ کے بیٹے علی کو عمار ابن یاسر اور حبیب ابن اساف نے قتل کیا۔ یہ حبیب ابن اساف آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ انہوں نے بنت خارجہ سے نکاح کر لیا تھا جبکہ ان کے پہلے شوہر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا۔ یہی حبیب حضرت مالکؒ کے شیخ حبیب کے دادا تھے۔ واللہ اعلم۔

(غرض حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے امیہ کو بچانے کیلئے وہ زرہیں بھی پھینک دی تھیں جو ان کو میدان جنگ سے حاصل ہوئی تھیں اور اس وقت ہاتھ میں لے رہے تھے جب امیہ ان کو ملا تھا) اسی لئے حضرت عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ خدا بلال پر رحم فرمائے میری زرہیں بھی گئیں، قیدی بھی گئے اور زخم بھی کھایا۔

حضرت عبدالرحمٰن اس واقعہ کو ایک دوسری روایت میں بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مجھے دو زرہیں حاصل ہوئیں راہ میں مجھے امیہ ملا اور بولا کہ میرا اور میرے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لو کیونکہ میرا تم پر ان زرہوں سے زیادہ حق ہے۔ میں نے زرہیں ایک طرف پھینک دیں اور دونوں کا ہاتھ پکڑ لیا پھر جب امیہؓ اور علیؓ قتل ہو گئے تو عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بلالؓ پر رحم کرے میرے حصہ میں نہ زرہیں ہی آئیں اور نہ قیدی ہی ملا۔

انکے ایسا کہنے کی وجہ آنحضرت ﷺ کا وہ اعلان تھا جس کے مطابق ہر قیدی اس شخص کا حق ہو گا جو اس کو گرفتار کرے گا جیسا کہ بیان ہوا۔ نیز آگے بیان آئے گا کہ اسی اعلان کے مطابق اگر قیدی کا کوئی عزیز یا دوست وغیرہ ان کی جان کی قیمت یعنی فدیہ دے کر اسے چھڑانا چاہے تو وہ فدیہ اسی شخص کو ملے گا جس کا وہ قیدی تھا۔

مگر یہ بات شافعی علماء کے اس قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ قیدی کا فدیہ اور جان کی قیمت دوسرے تمام مال غنیمت کے حکم میں ہی ہوتا ہے (اس شخص کی ملک نہیں ہوتا جس نے قیدی کو گرفتار کیا تھا)

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شروع اسلام میں جان کی قیمت گرفتار کرنے والے کو ہی دینے کا حکم تھا تاکہ لوگوں کو جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب ہو اور پھر جب اسلام نے دلوں میں گھر کر لیا تو وہ حکم ہو گیا جو شافعی فقہاء نے بیان کیا ہے۔

دشمن خدا نوفل کا قتل...... غرض پھر میدان بدر میں ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا کسی کو نوفل ابن خویلد کا بھی پتہ ہے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا،

"اس کو میں نے قتل کیا ہے!"
اس پر رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا،
"اس پروردگار کا شکر ہے جس نے اس شخص کے متعلق میری دعا قبول فرمائی۔"
اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے پر جب دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے تو نفل نے نہایت بلند آواز سے کہا تھا،
"اے گروہ قریش! آج کا دن عزت و سر بلندی کا دن ہے"
یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا،
"اے اللہ! نوفل ابن خویلد کا انجام مجھے دکھلا"
بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ نوفل ابن خویلد کو پہلے حضرت جبار ابن صخر نے گرفتار کر لیا تھا مگر پھر حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔
چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت جبارؓ نوفل کو گرفتار کر کے لئے جا رہے تھے کہ اس کی نظر حضرت علیؓ پر پڑی، نوفل نے جبار سے کہا،
"اے انصاری بھائی! یہ شخص کون ہے؟ لات و عُزّیٰ کی قسم یہ میری تاک میں رہا ہے"
جبار نے کہا کہ یہ علی ابن ابوطالب ہیں۔ اسی وقت حضرت علیؓ نوفل کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا۔

ابوجہل کی لاش ڈھونڈھنے کا حکم اور اس کی علامت...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ قتل شدہ لوگوں میں ابوجہل کو تلاش کیا جائے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا۔
"اگر تم لوگ اس کو شناخت نہ کر سکو۔ یعنی اگر اس کی گردن کاٹ ڈالی گئی ہو اور جسم سے علیحدہ پڑی ہو۔ تو اس کی لاش کی شناخت یہ ہے کہ اس کے گھٹنے میں زخم کا ایک نشان تلاش کرنا۔ کیونکہ جب میں اور وہ دونوں نو عمر لڑکے تھے تو ایک دن ہم دونوں عبداللہ ابن جدعان کے یہاں دعوت میں گئے وہاں بہت زیادہ بھیڑ تھی اور ہم دونوں ہی گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں ابوجہل سے عمر میں کچھ بڑا تھا میں نے اس کو دھکا دیا تو وہ گھٹنوں کے بل گرا جس سے اس کے ایک گھٹنے میں چوٹ آگئی اور اس زخم کا نشان آج تک اس کے گھٹنے پر باقی ہے۔"
غالباً یہی واقعہ ہے جس کو بعض راویوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اور ابوجہل کے درمیان زور آزمائی ہوئی تھی جس میں آپ ﷺ نے ابوجہل کو پچھاڑ دیا تھا لیکن یہ روایت غلط ہے کہ کبھی آنحضرت ﷺ اور ابوجہل میں زور آزمائی ہوئی۔
نیز شاید اسی نشان کی طرف حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ جب میں نے ابوجہل کو قتل کر دیا (یعنی ابن مسعودؓ نے اس کو اس وقت قتل کیا جبکہ وہ زخموں سے چور پڑا تھا) اور میں نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ میں نے ابوجہل کو قتل کیا ہے تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس عُقیل بھی موجود تھا جو جنگی قیدی تھا اس نے میری بات سن کر کہا کہ تو جھوٹا ہے تو نے اس کو قتل نہیں کیا میں نے کہا،
"او خدا کے دشمن! تو خود جھوٹا اور گنہگار ہے خدا کی قسم میں نے ہی اس کو قتل کیا ہے"
اس پر اس نے کہا کہ اچھا اس کی یعنی ابوجہل کی کوئی علامت بتلاؤ۔ میں نے کہا،

"اس کی ران پر ایک ایسا گول نشان ہے جیسا منڈے ہوئے اونٹ کے سر پر ہوتا ہے۔"

ابو جہل کے منہ سے خود اپنے انجام کی دعا...... اس نے کہا، تو ٹھیک کہتا ہے۔

ابو جہل نے اپنے انجام کے لئے خود ہی دعا کی تھی کیونکہ جب جنگ شروع ہوئی اور دونوں لشکر ٹکرائے تو اس نے کہا،

"اے اللہ! ہم نے آج خونی رشتوں کے سب علاقوں کو ختم کر دیا ہے۔ ہمارے سامنے ایسی چیز لائی گئی ہے جس کو ہم نہیں جانتے اس لئے ایسی چیز لانے والے کو ہلاک کر دے۔"

بعض راویوں نے اس میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ

"اے اللہ! تیرے نزدیک ہم میں جو زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہو۔" ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ......

"اے اللہ! ہم میں حقانیت اور سچائی کے لحاظ سے جو بہتر ہے اسی کی آج مدد فرما۔"

چنانچہ جو گروہ حق پر تھا، حق تعالیٰ نے اس کی مدد فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی،

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْجَاءَ کُمُ الْفَتْحُ (سورۂ انفال، پ ۹، ع ۲ آیت ۱۹)

ترجمہ:- اور اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات کہ ابو جہل نے خود ہی اپنے انجام کی دعا کی تھی اور اپنی جان کا فیصلہ چاہا تھا اس صورت میں تو واضح تھا کہ اس نے اپنی دعا میں یہ نہ کہا ہوتا کہ ہمارے سامنے ایسی چیز لائی گئی ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔ کیونکہ اس جملہ میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف صاف اشارہ کیا ہے (کیونکہ اگر وہ صرف یہ کہتا کہ ہم میں سے جو حق پر ہے اس کی مدد فرما تو یہ کہنا ٹھیک تھا کہ اس نے خود ہی اپنا انجام مانگ لیا تھا کیونکہ اس کے قتل اور شکست سے ظاہر ہو گیا کہ وہی ناحق پر تھا۔ لیکن اس نے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو کچھ کہا اس سے اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ حق پر وہ خود ہے اور فیصلہ اللہ تعالیٰ پر نہیں چھوڑا)۔

سہل کی تفسیر میں یہ ہے کہ ابو جہل نے بدر کے دن یہ کہا تھا کہ اے اللہ! دونوں دینوں میں جو دین تیرے نزدیک زیادہ افضل اور پسندیدہ ہو اسی کی مدد اور نصرت فرما۔ اس پر حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی۔ واقدی نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے غریب اور کمزور مہاجروں کے ذریعہ فیصلہ چاہا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابو جہل تلوار کی زد میں...... حضرت معاذ ابن عمرو ابن جموح کہتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں نے دیکھا کہ ابو جہل کو بہت سے لوگ اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھے اور اس کے چاروں طرف گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ابوالحکم یعنی ابو جہل کے پاس تک کوئی پہنچ نہیں پائے گا۔ میں نے جب یہ سنا تو میں اس کی طرف بڑھا اور اس پر حملہ کر کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور اس کی ٹانگ پنڈلی سے کاٹ ڈالی۔ خدا کی قسم میں نے جب اس کی پنڈلی پر ایک زوردار وار کیا تو بالکل ایسا ہی لگا جیسے کھجور کی گٹھلی کٹ کر گر جاتی ہے۔ یہاں "مرضحۃ النوی" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو خشک کھجور اور تازہ کھجور کی پھٹن یا اس کی گٹھلی کے شگاف کو کہتے ہیں۔

حضرت معاذؓ کی سر فروشی...... ابو جہل کے بیٹے عکرمہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھا تو میرے مونڈھے پر تلوار کا وار کیا جس سے میرا بازو کٹ گیا صرف ذرا سی کھال کا تسمہ باقی رہ گیا جس سے ہاتھ لٹکا ہوا تھا۔ میں جنگ میں مصروف رہا مگر اس ہاتھ کے لٹکنے کی وجہ سے میرا دھیان بٹ رہا تھا۔ میں

تمام دن لڑتا رہا اور وہ لٹکا ہوا ہاتھ میرے ساتھ جھول رہا تھا۔ جب اس کی وجہ سے مجھے زیادہ تکلیف ہونے لگی تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھ کر جھٹکا دیا جس سے وہ کھال کا تسمہ ٹوٹ گیا اور میں نے اپنے ہاتھ کو اٹھا کر پھینک دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت معاذؓ اس ہاتھ کو اسی طرح لٹکائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کٹے ہوئے حصہ پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اسے ملادیا وہ ہاتھ وہیں چپک گیا۔

امام سبکیؒ نے اسی واقعہ کی طرف اپنے قصیدۂ تائیہ میں اشارہ کیا ہے مگر اس میں انہوں نے معاذ کے بجائے ابن عفراء کا ذکر کیا ہے مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ شاید انہوں نے (ضرورت شعری کی وجہ سے) معاذ ابن عمرو ابن جموح ابن عفراء کو صرف ابن عفراء لکھا ہے۔ آگے آنے والی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام سبکی کے قصیدے میں اس سلسلے کا شعر یہ ہے

وَبَانَتْ بِهَا كَفُّ ابْنِ عَفْرَاءَ فَاشْتَكَى
اِلَيْكَ فَعَادَتْ بَعْدَ اَحْسَنَ عَوْدَةٍ

ترجمہ :- ابن عفراء کا ہاتھ اس غزوہ میں کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے فریاد کی تو آپ کی برکت سے وہ ہاتھ بالکل پہلے کی طرح جوں کا توں ہو گیا۔

البتہ یہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس شعر میں بھا (یعنی اس غزوہ میں) کا اشارہ غزوۂ احد کی طرف ہے جبکہ اب واضح ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر میں پیش آیا تھا۔ نیز یہ بات بھی تقریباً نا قابل یقین ہے کہ ایک ہی واقعہ ایک ہی شخص کے ساتھ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد دونوں میں پیش آیا ہو۔ سوائے اس کے کہ ایسی بات روایتوں سے ثابت ہوتی ہو تو مانی جا سکتی ہے۔

ابو جہل موت کی سرحد پر...... اس کے بعد جب کہ ابو جہل سخت زخمی حالت میں تھا اس کے پاس سے معوذ ابن عفراء کا گزر ہوا۔ انہوں نے اس پر وار کیا جس سے وہ گر گیا اور وہ اس کو مردہ سمجھ کر وہیں چھوڑ گئے مگر ابو جہل میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔

بعض روایتوں میں یوں ہے کہ ...... معوذ نے اس پر وار کیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مراد یہ ہو سکتی ہے کہ وہ مردوں کی طرح بے حس و حرکت ہو کر گر گیا۔

چنانچہ بعض روایتوں میں برد (ٹھنڈا) ہونے کے بجائے برث کا لفظ ہے کہ وہ زمین پر گر گیا۔ یعنی وہ پہلو کے بل گرا۔ یعنی اگرچہ اس کی ٹانگ آدھی پنڈلی سے کٹی ہوئی تھی اور ایسی حالت میں آدمی عموماً پہلو کے بل نہیں گرتا۔ حضرت معوذ اس کے بعد آگے بڑھ گئے اور مسلسل جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ خود بھی شہید ہو گئے۔

ابن مسعودؓ ابو جہل کے سر پر...... حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جہل کو (جنگ ختم ہونے کے بعد) تلاش کیا تو ایک جگہ پڑے ہوئے پایا اس میں کچھ جان باقی تھی میں نے اسے پہچان لیا اور اپنا پیر اس کی گردن پر رکھ کر اس سے کہا،

"اے خدا کے دشمن! کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کر دیا۔؟"

ابو جہل نے کہا،

موت کے منہ میں ابو جہل کی سرکشی...... "کیوں میری کیا رسوائی ہوئی؟ کیا جس شخص کو تم نے قتل کیا

ہے اس کے لئے یہ کوئی عار اور شرم کی بات ہے۔"

یعنی تم نے مجھے قتل کر دیا تو یہ بات میرے لئے کوئی عار اور شرم کی چیز نہیں ہے ایک روایت میں ہے کہ "تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو اپنی قوم کا بڑا ستون ہے یعنی میں اپنی قوم کا بڑا سردار ہوں کیونکہ قوم کا ستون قوم کا سردار ہوتا ہے۔ للذا تم لوگوں کا مجھے قتل کر دینا میرے لئے شرم کی کیا بات ہے۔"

ابو جہل کو ایک انصاری مسلمان نے مارا تھا اور انصاری مسلمان زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے تھے للذا ایک روایت میں ہے کہ پھر ابو جہل نے کہا،

"اگر ان کسانوں کے علاوہ کسی اور نے مجھے قتل کیا ہوتا تو وہ بات میرے لئے زیادہ اونچے درجہ کی اور میری شان کے مطابق ہوتی اور اس میں بھی میری شان سے کمتر درجہ کی بات نہ ہوئی۔ مگر تو...... اے بکریوں کے چرانے والے۔!" بڑی اونچی جگہ کھڑا ہوا ہے۔ (کیونکہ ابن مسعودؓ ابو جہل کی گردن پر پیر رکھے کھڑے تھے) مجھے بتا۔ آج فتح و کامیابی کس کو حاصل ہوئی ہے۔"

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ...... "ہمیں فتح ہوئی ہے یا دشمن کو ہم پر فتح ہوئی ہے؟"

میں نے کہا،

"اللہ اور اس کے رسول کو فتح ہوئی ہے"

یہاں ابو جہل نے فتح کے لئے دبر اور دبرہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کے معنی کامیابی اور فتح کے کئے گئے ہیں مگر صحاح میں دبر اور دبرہ کے معنی جنگ میں شکست کے لئے گئے ہیں۔ مگر پہلے معنی کی تائید ابو جہل کے اس گذشتہ جملہ سے ہوتی ہے کہ ہمیں فتح ہوئی ہے یا ہم پر دشمن کو فتح ہوئی ہے۔

فرعون امت کے لئے نبی ﷺ کی بد دعا...... موسیٰ ابن عقبہ کی کتاب مغازی میں ہے کہ جس کے متعلق امام مالک نے کہا ہے کہ غزوات پر یہ سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے، کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کی لاشوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی نگاہیں ابو جہل کی لاش کو تلاش کر رہی تھیں مگر آپ ﷺ کو وہ لاش نظر نہیں آئی۔ اس تلاش و جستجو کا اثر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ آخر آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے اللہ! اس امت کا فرعون بچ کر نہ نکلا ہو۔"

اسی وقت لوگ ابو جہل کی تلاش میں دوڑ پڑے یہاں تک کہ حضرت ابن مسعودؓ اس کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ابو جہل کو تلاش کر کے لائے۔ تو حضرت ابن مسعودؓ اس کی تلاش میں نکلے انہوں نے اس کو اس حالت میں پایا کہ ابن عفراء نے اس کو مار کر ٹھنڈا کر دیا تھا۔

مسلم میں یوں ہے کہ کہ مار کر گرا دیا تھا۔ ٹھنڈا کر دینے سے بھی یہی مراد ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

ابو جہل کا قتل...... حضرت ابن مسعودؓ نے ابو جہل کی داڑھی پکڑ کر اس سے کہا کہ تو ہی ابو جہل ہے۔ وغیرہ یہاں داڑھی پکڑنا اس روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں گزرا ہے کہ ابن مسعودؓ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا تھا کیونکہ ممکن ہے ان سے دونوں باتیں سرزد ہوئی ہوں۔

غرض حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب میں اس کے تلوار مارنے لگا تو ابوجہل کا اور کچھ بس نہ چلا تو اس نے میرے منہ پر تھوک دیا۔ پھر وہ کہنے لگا،

"میری تلوار لے اور اس سے میری گردن شانوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ (زمین پر رکھی جائے تو) ممتاز اور اونچی رہے۔"

(یعنی گردن کے نچلے حصے کی جڑ میں سے کاٹنا تاکہ یہ سر اونچا ہے اور معلوم ہو کہ ایک بڑے سردار کا سر ہے) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا،

فرعون امت کا سر بارگاہ نبوت میں...... "یارسول اللہ! یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا،

"برتری ہے اسی ذات خداوندی کے لئے جس کے سوا کوئی سزاوار الوہیت نہیں"

آپ ﷺ نے یہ کلمہ تین بار فرمایا۔ طبرانی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ ابن مسعودؓ سے یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا،

"کیا واقعی تم نے ابوجہل کو قتل کر دیا ہے؟"

میں نے عرض کیا،

"ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

آنحضرت ﷺ کا سجدۂ شکر...... پھر میں نے ابوجہل کا سر آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا جس پر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ نے شکرانے کے لئے پانچ سجدے کئے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا،

"اللہ اکبر، تعریف و حمد ہے اس ذات کے لئے جس کا وعدہ سچ ہوا، جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا نے تمام فرقوں کے لشکر کو شکست دی۔"

مگر جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ ابوجہل نے ابن مسعود کے منہ پر تھوکا اور ان سے کہا کہ میری تلوار سے میری گردن کاٹو۔ تو یہ بات اس قول کے خلاف ہے جس میں گزرا ہے کہ ابوجہل زخمی ہونے کے بعد بے حس و حرکت ہو کر مردوں کی طرح گر پڑا تھا۔

اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید شروع میں تو وہ مردوں ہی کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا مگر پھر بعد میں اس کو ہوش آگیا تھا یہاں تک کہ اس نے مذکورہ باتیں کہیں۔ بہر حال یہ بات آئندہ ذکر ہونے والی روایت کی روشنی میں قابل غور ہے۔